حیا
Creation
HayaNoor
NC
www.novelsclubb.com
خلا
مصنفہ: ماہ نور زہراہ

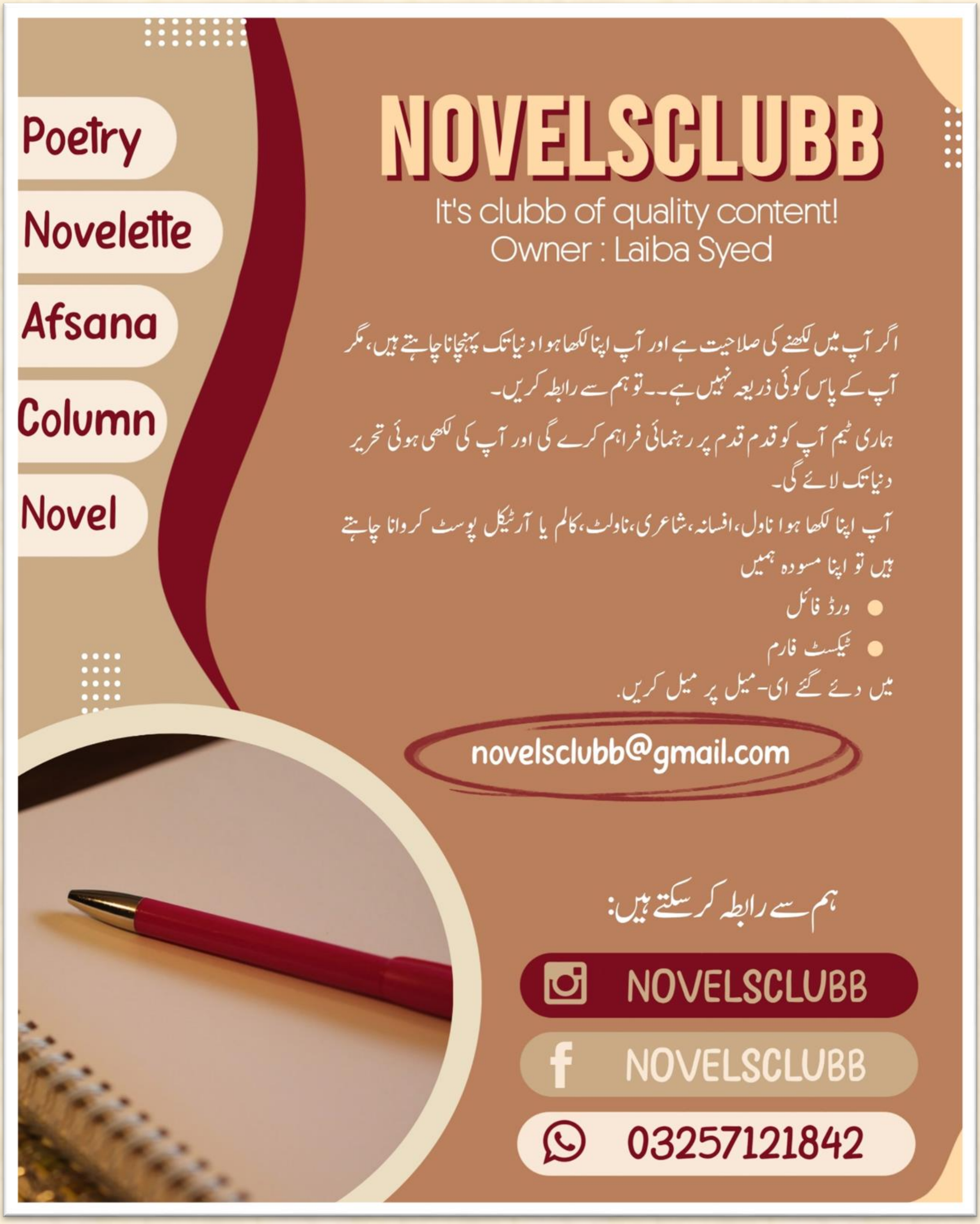
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

خلا

از قلم

ماہ نور زہرہ

Clubb of Quality Content

ناول "خلا" کے تمام جملہ حق لکھاری "ماہ نور زہرہ" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی
صورت میں کسی دوسرے پلیٹ فارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہو
گی۔ "ناولز کلب" کا پی ڈی ایف بغیر اجازت پوسٹ کرنا منع ہے، بغیر اجازت کہانی/پی ڈی ایف کا استعمال
کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جاسکتی ہے۔ اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی
حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

پیش لفظ

خلا ان لوگوں کے لیے ہے جن کی زندگیوں میں خلا رہ جاتے ہیں اور ہم سب ہی کی زندگیوں میں کہیں نا کہیں خلا رہ جاتا ہے۔ چاہے پھر وہ خواہشات کا ہو یا رشتوں کا۔ مہروزان تمام لڑکیوں کی نمائندگی کر رہی تھی جن کو جج کیا جاتا ہے کبھی رنگ کے بیسز پر، کبھی قد، کبھی جسمانی کمزوری یا بیماریوں پر۔ سب لڑکیوں کو برص نہیں ہوتا پر اس سے ملتے جلتے چیلنجز سے گزرنا پڑتا ہوگا اور عجیب سی باتیں سننے کو ملتی ہونگی اور کبھی کبھار آپ ان باتوں کا جواب بھی نہیں دے پاتے۔ سمجھ ہی نہیں آتا کہ ایسی باتوں کا کیا جواب دیا جائے جو دل دکھا جائے۔

اذہان وہ کردار تھا جو میرے لیے بھی پر اسرار تھا اور آدم کو تو سوچا ہی نہیں تھا وہ تو خود بخود بیچ میں آگیا اور مین کردار بن گیا۔ میں اینڈ تک کنفیوز رہی کہ مہروز دونوں میں سے کس کو چنے گی۔ چونکہ آپ میں سے کچھ لوگ اب میرا ناول پڑھے گے اس لیے میں یہ ہرگز نہیں بتاؤں گی کہ اس ناول کا انجام کیا تھا؟

جسمانی اعضاء کا بیچا جانا نہایت مکروہ عمل ہے اور یہ نہایت چوری چھپے کیا جاتا ہے۔ اذہان ایک ایسا کردار تھا جس کی فیملی کے اعضاء دھوکے سے بیچے جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ بری طرح

متاثر ہوتا ہے اور مکمل خاموش اور سنجیدہ ہو جاتا ہے۔ جبکہ آدم وہ انسان ہے جو کسی بھی سچویشن میں نہ مایوس ہوتا ہے نا اپنے اندر کی روشنی کو مدہم ہونے دیتا ہے۔

ہمارے معاشرے کا ایک اور مسئلہ غیرت کے نام پر قتل اور غگ یعنی لڑکی پر آواز اٹھانا ہے جو کہ پٹھانوں میں گاؤں کی طرف زیادہ پریکٹس کیا جاتا ہے۔ حالانکہ حکومت پاکستان نے اب غگ کرنے والوں کے خلاف قوانین نکال لیے ہیں مگر اب بھی گاؤں کی سائیڈ پر بہت سی لڑکیاں غگ کا شکار ہو کر گھر بیٹھی رہ جاتی ہیں۔ میں نے اپنے ناول میں دو لوگوں کو غیرت کے نام پر قتل ہونے بچایا ہے جو کہ ایک آئیڈیل سچویشن ہے، حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ میرے نزدیک قتل کوئی بچوں کا کھیل نہیں کہ آپ بات بات پر غیرت کا مسئلہ بنا کر لوگوں کی جان لیں۔ میرا پوائنٹ آف یو الگ ہو سکتا ہے اور اس سے اتفاق نہ کرنا آپ کا حق ہے۔ آخر میں میں ناہید انجم کا شکریہ ادا کروں گی جو سب سے پہلے میرے ناول کے باب پڑھتی تھی اور مجھے اچھے مشورے دیتی تھی۔ اپنے ریڈرز کا شکریہ ادا کروں گی جنہوں نے میرے ناول کو پسند کیا۔

ماہ نور زہرا

خلا

راپنزل

ماہ نورزہرا

باب 1

Freiburg میں فروری کا موسم اچھا خاصہ ٹھنڈا تھا۔ ٹھنڈ اس قدر تھی کہ آج رات سڑکیں خالی تھیں۔

وہ ڈبل جرابیں پہنے' اون کے سویٹر کے ساتھ ہی کمبل لیے لیٹ گئی تھی۔ ٹھنڈ کی وجہ سے وہ پاؤں سینے سے لگائے ہوئے تھی مگر سردی تھی کہ جا ہی نہیں رہی تھی۔ اس کی نئی روم میٹ رات رات بھر باہر رہتی تھی۔ اس کی پچھلی روم میٹ ہندوستانی تھی' وہ اس کے ساتھ خوش تھی۔ دونوں ایک جیسی بولی بولتی تھی' کھانا بھی ایک جیسا کھاتی تھی' جرمنی میں کوئی تو تھا جو اس کا ہم زبان تھا۔ مگر وہ پڑھائی ادھوری چھوڑ کر چلی گئی تھی اور اس کے جانے کے بعد مہروز جرار دوبارہ سے 'ہوم سک' محسوس کرنے لگی تھی۔ مہروز جرار۔۔۔

وہ ساری رات کروٹیں بدلتی رہی۔وہ ساری رات سوئی جاگی رہی۔وہ کبھی ماضی میں چلی جاتی تو کبھی حال میں۔

ماضی اور حال۔۔۔

☆☆☆

جرار خان اور فرح خان' دو ہی بہن بھائی تھے۔یہ لوگ داوڑ پٹھان تھے جو وزیرستان سے لاہور آ گئے تھے۔دونوں بہن بھائیوں کا بچپن سہا سہا سا گزرا تھا۔دونوں نے کبھی اپنے باپ کو ان سے یا ان کی ماں سے پیار کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ان کی جیب اپنے بہن بھائیوں اور پھر ان کے بچوں کے لیے کھلی تھی مگر جب اپنے ہی گھر والوں کی باری آ جاتی جو تو جیسے جیب تنگ ہو جاتی۔انہوں نے کبھی اپنی ماں کی زبان سے شکوہ نہیں سنا تھا۔ان کے دلوں میں بھی باپ کے لیے کوئی جذبہ نہیں تھا۔۔۔ ستم تو یہ بھی تھا کہ ان کی تکلیف ان کے خاندان والوں نظر نہیں آتی تھی۔کیا اپنے ہی گھر میں بچے اور بیوی کو رکھ کر ان پر احسانات جتانا،بس کیا یہی زندگی ہوتی ہے؟

ہاں لوگوں کے لیے اتنا بھی کافی تھا کہ وہ دربدر تو نہیں تھے پر اصل میں وہ دربدر ہی تھے۔ان کے حصے کی محبت ان کا باپ دوسروں پر نچھاور کرتا تھا۔ان کے حصے کی توجہ دوسرے لوگوں کو دی جاتی تھی۔ان دونوں بہن بھائیوں کی پرسنالٹی کبھی بن ہی نہیں سکی۔وہ اپنے باپ کے سامنے دوسرے لوگوں سے بات نہیں کر پاتے تھے' اس لیے اگر کبھی کسی کزن سے جرار کی بحث ہو جاتی تھی تو وہ خاموش رہتا تھا کیونکہ اسے لڑنا نہیں آتا تھا۔اسے لڑائی سے نفرت تھی۔ان کا باپ بچوں کے سامنے ان کی ماں سے لڑتا تھا اور کبھی کبھی ہاتھ بھی اٹھا دیتا تھا۔اس لڑائی نے دونوں بچوں کے ذہن کو متاثر کیا تھا۔

کب دونوں جوانی میں داخل ہوئے وقت کا پتا ہی نا چل سکا۔

جرار کی شادی بھی پٹھان لڑکی سے ہی ہوئی تھی۔اس کا پانچواں بچہ مردہ پیدا ہوا تھا۔جرار جتنا اپنے باپ سے ڈرتا تھا اتنا ہی اس کی بیوی بھی ڈرتی تھی مگر جرار اپنے باپ جیسا نہیں تھا۔اس کی محبت اور کیئر میں جھجک تھی مگر یاسمین ان کی خاموش محبت پہچانتی تھی۔

اس گھر میں آتے ہی اسے لگا تھا کہ جرار کے والد اچھے ہیں بس ایسے ہی جرار کے گھر والے ان سے خائف رہتے ہیں پر آہستہ آہستہ وہ خول بھی یاسمین کے سامنے سے اتر گیا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

آٹھویں پریگننسی پر یاسمین نے دل پر جبر کرتے ہوئے جرار کو دوسری شادی کی اجازت دی تھی کہ اگر اس بار بھی وہ ناکام ہوئی تو جرار دوسری شادی کر لے۔ بچے پیدا کرتے کرتے وہ خود بہت سی بیماریوں کا شکار ہو گئی تھی۔ مگر جرار نے کب ایسا چاہا تھا کہ وہ دوسری شادی کرنا چاہتا ہے۔

اور نو مہینے بعد اس گھر نے رونے کی آواز سنی تھی۔ جرار خان کے گھر مہروز جرار پیدا ہوئی تھی۔

☆☆☆

فرح خان

فرح خان باپ سے چھپ چھپ کر ناولز پڑھا کرتی تھی۔ اسے ناولز کی دنیا میں گم رہنا پسند تھا۔ حقیقت بہت تلخ تھی۔ حقیقت میں اسے اپنے باپ اور چچا جیسے سخت مرد نظر آتے تھے مگر ناولز میں خیال رکھنے والے مرد۔ پر عام لڑکیوں کی طرح فرح نے کبھی شادی اور محبت کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ وہ خود کو تصوراتی زندگی میں مگن رکھنا چاہتی تھی جہاں ہمیشہ

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

باپ اپنی اولاد کے لیے فکر مند ہوتا تھا۔وہ شادی سے سخت بد ظن تھی اور شادی نا کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتی تھی کچھ بھی۔۔۔

وہ اٹھارہ سال کی تھی جب مہروز اس دنیا میں آئی تھی۔مہروز کے آجانے کے بعد جہاں وہ خوش تھی وہاں اپنے باپ کا اکھڑا رویہ دیکھ کر اسے مرد ذات سے اور نفرت ہونی شروع گئی تھی۔شادی کا کیا فائدہ جب عورت صرف روتی ہے'اس کے گھر اور بچوں کو سنبھالتی اور آخر میں سنتی ہے کہ تم نے سارا دن کیا کیا؟جب بیٹی پیدا ہوتی ہے تو کوئی خوشی نہیں منائی جاتی۔کیا بیٹی اولاد نہیں؟پر اس کے گھر میں سب کچھ ہی مختلف تھا'اس کا بھائی تو بیٹا تھا اس کے باپ نے اپنے بیٹے کو کونسی محبت دی تھی۔

البتہ فرح اپنی ہی دنیا میں رہتی تھی۔وہ سوچ میں ہی اتنا پیسہ کما چکی تھی کہ باہر ملک کی سیر کرتی تھی۔وہ ایک بہت بڑی مصنفہ بن چکی تھی اور کبھی کبھی نیوز کاسٹر بھی۔اسے علیحدگی پسند تھی پر اس کے گھر کوئی نا کوئی مہمان آیا ہوتا تھا۔علیحدگی بس خواب تھا۔۔۔

جب اسکینڈ ائیر سے آگے پڑھنے کی بات آئی تو اس کا باپ اسے مزید پڑھانے کے حق میں نہیں تھا مگر جرار نے اپنی بہن کا بہت ساتھ دیا۔ وہ اپنے بھائی کی مشکور تھی جو اس کے ساتھ شفیق رویہ رکھتا تھا۔

اس نے اپنی ڈگری انگلش لٹریچر میں لینے کا سوچ رکھا تھا۔ انگلش لٹریچر نے اس کی سوچ مزید بدل دی تھی۔ اسے patriarchy کی سمجھ آنے لگی تھی۔ اسے اب سمجھ آیا تھا کہ معاشرے کے تمام اصول مرد نے بنائے تھے اسی لیے وہ ایک عورت کے لیے سخت اور مرد کے لیے نرم تھے۔ مرد کبھی بھی ان اصولوں کو flout کر سکتا تھا مگر ایک عورت نہیں۔ اسے پٹھان ہونے پر فخر تھا مگر وہی وہ پٹھانوں کی غیرت سے تنگ تھی۔ اس کے گاؤں میں اس کی ایک اور کزن پر غگ (اس ناپسندیدہ عمل میں لڑکی کا کزن آواز لگاتا ہے کہ لڑکی اب اس کے نام ہے اور کوئی بھی اس لڑکی سے شادی نہیں کرے گا) ہو چکی تھی۔ غگ کی گئی لڑکیاں بس بیٹھی ہی رہ جاتی تھی بہت کم ہی وہ مرد ان سے شادیاں کرتے تھے۔ جرگے کے ذریعے فیصلہ کروانے کی کوشش کی جاتی تھی مگر وہ جرگے کبھی بھی لڑکی کے لیے سود مند ثابت نہیں ہوئے تھے۔

اس کا دل غم سے پھٹ رہا تھا اور اسے لکھنے کے لیے ایک اور مضمون مل چکا تھا۔وہ انگلش اچھا لکھتی تھی اس لیے یہ اس کا دوسرا مضمون تھا جو چھپ چکا تھا۔وہ بی اے کر کے ایم اے کر رہی تھی جب اس کا رشتہ آیا تھا۔اس کا باپ اس سے پوچھے بغیر دوسری ملاقات میں ہاں کرنے والا تھا۔گھر میں ایک قہرام برپا ہو چکا تھا۔جرار خاموش تھا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ اس کی بہن کی شادی ہو جائے مگر فرح کسی سے بھی شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔یہ وہ پہلا موقع تھا جب فرح کی والدہ سلیمان جان اور فرح باپ کے سامنے کھڑی ہوئی تھیں اور اپنی جوانی کا پہلا تھپڑ بھی وہ اپنی بھابھی کے سامنے کھا چکی تھی۔

کئی دن رات اس نے روتے اور سوچنے میں گزار لیے تھے۔وہ کمزور نہیں تھی مگر اپنے گھر والوں کی عزت بھی رکھنا چاہتی تھی۔اس کا بھائی اس سے محبت کرتا تھا مگر وہ ایسا ہی تھا' زیادہ دباؤ نہیں برداشت کر سکتا تھا اور بہن کو سمجھانے بیٹھ چکا تھا۔مگر وہ تو ہتھے سے ہی اکھڑ گئی تھی۔اسے تکلیف تھی کہ کوئی اسے کیوں نہیں سمجھ پا رہا؟اسے اپنی ماں جیسی زندگی نہیں گزارنی تھی۔شادی بیڑیاں تھی اور وہ یہ بیڑیاں نہیں پہننا چاہتی تھی۔اسے کسی مرد میں دلچسپی نہیں تھی اور یہی بات کسی کو سمجھ نہیں آتی تھی۔

آج وہی خواتین شادی کا سامان لے کر آئی ہوئی تھی۔ وہ ریوایتی سوچ لیے ہوئے تھی جنہیں فرح کا مزید پڑھنا پسند نہیں تھا۔ یاسمین اور سلیمان جان ان کے سامنے خاموش بیٹھی ہوئی تھی' وہ فرح کا انکار ان تک نہیں پہنچا پا رہی تھی۔ فرح سر پر ڈوپٹہ درست کر کے باہر نکلی اور سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے ان کے سامنے کھڑی ہو چکی تھی۔ اس کے چہرے پر اتنے پتھریلے سخت تاثرات تھے کہ اس کی ماں اور بھابھی کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہو گئی تھی۔ وہ اپنے حق کے لیے بولی تھی اور صاف الفاظ میں ان عورتوں کو اپنے منہ سے انکار کر آئی تھی۔

پٹھان لڑکی جو تعلیم بھی حاصل کر رہی ہو اور زمانہ پرانا ہو' اپنے منہ سے انکار کرے' یہ نہایت شرم کا مقام تھا۔ جرار کے والد ہاتھ میں جوتا لیے اس کو پیٹنا چاہتے تھے پر کبھی سلیمان جان فرح کے سامنے کھڑی ہو کر اس کے حصے کا جوتا کھا لیتی تھی اور کبھی یاسمین۔ گھر میں اس قدر چیخ و پکار تھی کہ محلے والوں کو ان کی آواز نا جائے ایسا ممکن نہیں تھا۔ زندگی میں پہلی دفعہ جرار نے باپ کا ہاتھ روکا تھا مگر اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اسے ماں بہن کو مار کھاتے دیکھنا شدید برا لگتا تھا۔

خاندان بھر میں فرح کا انکار پھیل گیا تھا۔ مختلف چہ مگوئیاں پھیل گئی تھی کہ یقیناً وہ کسی کو پسند کرتی ہے اسی لیے اس رشتے سے انکار کیا ہے۔ فرح کا دل اس معاشرے سے کچھ اور ہی کھٹا ہو چکا تھا۔ وہ کئی بار گھر چھوڑنے کا سوچ چکی تھی مگر ماں کا سوچ کر رک جاتی۔ اسے ذہنی سکون بہت عزیز تھا جو اس گھر میں میسر نہیں تھا۔ اس کے انکار سے اس کے گھر والوں پر واضع ہو چکا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔ اگر وہ انکار کر رہی ہے تو اسے واقعی شادی نہیں کرنی۔

اس کے باپ نے اس کے تعلیم کا سلسلہ منقطع کرنے کے لیے اس کے اگلے سمیسٹر کی فیس نہیں بھری تھی مگر فرح کو پرواہ نہیں تھی۔ وہ تیار تھی اس سب کے لیے۔ اپنی سونے کی بالیاں بیچ کر اس نے اپنے سمیسٹر کی فیس بھری تھی۔ بس یہ آخری سمیسٹر ہو جائے کسی طرح اور وہ اچھی سی جاب ڈھونڈ کر ان سب سے الگ ہو جائے گی۔ یہ وہ واحد سوچ تھی جو اسے امید دلاتی تھی۔ اس کے باپ نے ہر ممکن کوشش کر ڈالی تھی کہ وہ گھر بیٹھ جائے مگر وہ مزید بغاوت پر اترنے لگی تھی۔ وہ ٹیچنگ کر کے اپنے خرچے پورے کرنے لگی تھی۔ اس گھر میں عجیب سرد مہری آچکی تھی۔ باپ الگ اور بیوی بچے الگ۔۔۔ اور پھر وہ دن بھی آیا جب ان کا باپ اس دنیا سے چلا گیا۔ دونوں بہن بھائیوں نے اولاد ہونے کے ناطے اپنے تمام

فرائض ادا کیے مگران کے جانے کا افسوس ان دونوں کے دلوں میں نہیں تھا۔وہ کبھی اپنے باپ سے پیار نہیں کر سکے تھے۔اور جو ستم وہ ڈھا کر گئے تھے وہ اس سب سے بڑا تھا۔وہ وزیرستان میں اپنے نام کی واحد زمین اپنے بھائی کے بچوں کے نام کر گئے تھے۔وہ جاتے جاتے بھی اپنے بچوں اور بیوی کو تکلیف دینا نہیں بھولے تھے۔

فرح ماسٹرز کر کے اپنی ہی یونیورسٹی میں پڑھانے لگی تھی۔وہ لائق تھی۔وہ مختلف ریسرچ کانفرنسز میں اپنے ریسرچ پیپرز کو پریزینٹ کرتی تھی۔اسے لگا اب وہ سکھ کا سانس لے رہی ہے۔وہ حق کی بات کرتی تھی'اسے جو بات بری لگتی تھی وہ بول دیتی تھی۔وہ اپنی جیسی لڑکیوں کی مدد کرنا چاہتی تھی اور ایک ایسی ہی مدد میں وہ گھر سے دربدر ہو گئی تھی ہمیشہ کے لیے۔

☆☆☆

مہروز جرار نے اب دائیں طرف کروٹ لی تھی۔اس کی آنکھ ہلکی سی کھلی تھی'سامنے والا بیڈ ابھی بھی خالی تھا۔وہ پھر آنکھیں بند کر کے نیم خوابی میں ماضی میں جاتی چلی گئی۔

Clubb of Quality Content

اس کے ہاتھ میں آنے والا پہلا کھلونا کتاب تھی جو کہ فرح نے اسے دلوائی تھی۔ وہ پیارے نبیوں ؑ کی کہانیاں تھیں۔ فرح روزانہ سونے سے پہلے مہروز کو اس کتاب میں سے ایک کہانی پڑھ کر سناتی تھی اور کہانی کے آخر میں اس سے نتیجہ بھی سناتی تھی۔ وہ بہت چھوٹی سی تھی جب اس کے دادا کا انتقال ہوا تھا' اسے اپنے دادا کی شکل یاد نہیں تھی پر اس نے سب سے سن رکھا تھا کہ دادا بہت سخت تھے۔ جو شخص اپنے ہی گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک نہ رکھے اسے یاد بھی کیسے کیا جا سکتا ہے۔

وہ چھ سال کی تھی جب گھر میں پانچ میں سے چار افراد رہ گئے تھے' کیوں؟ وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔ اسے پھوپھو یاد آتی تھی۔ وہ دادی کے ساتھ مل کر رو بھی لیتی تھی۔ دادی بھی بس اب ہر وقت روتی رہتی تھی' پتا نہیں کیوں؟

اس کی مورے کا بس چلتا تو چوبیس گھنٹے اس پر نظر رکھتی۔۔ ارے کھٹی چیز کیوں کھا لی؟ سیڑھیوں سے چھلانگیں لگا کر کیوں اتری؟ وہاں سے گر جاتی یہ ہو جاتا وہ ہو جاتا۔۔۔ اسے بہت بعد میں پتا چلا کہ وہ سات مردہ بچوں کے بعد زندہ بچی پیدا ہوئی تھی۔ اس کی ماں کو تو کھٹکا لگنا ہی تھا۔

اس نے سب سے اپنے باپ کو خان کہتے سنا تھا اور خان کے ساتھ 'بابا' کا صیغہ وہ لگایا کرتی تھی۔اس کے اور باپ کے بیچ جھجک تھی 'ایک پردہ حائل تھا۔وہ کھل کر باپ کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار نہیں کر پاتی تھی اور یہیں حال اس کے باپ کا بھی تھا۔دونوں میں دوستی نہیں تھی بس رسمی گفتگو ہوتی تھی۔وہ بچپن سے ہی شائی تھی 'جلدی گھلتی ملتی نہیں تھی۔وہ تقریبات پر بھی کم جاتی تھی اور خاندان میں آنا جانا تو بالکل کم تھا۔سب کے کزنز تھے پر اس کے کیوں نہیں تھے؟

وہ جیسے جیسے بڑی ہوتی گئی اس کا ذہن سوالوں سے بھرنے لگا۔گھر میں سکون تھا 'پر گھر کا ایک فرد کم تھا۔وہ پھوپھو کی شکل بھی بھولنے لگی تھی۔آہستہ آہستہ گھر میں پی ٹی سی ایل اور پھر بٹن والے موبائل کی سہولت آئی اور پھر پہلی دفعہ اس نے دادی کو مسکراتے دیکھا تھا۔فرح پھوپھو نے اپنے بھائی سے چھپ کر انہیں فون کیا تھا۔

اس کا بچپن سادہ گزرہ تھا۔وہ کلاس کی سب سے لمبی لڑکی ہوتی تھی اسی لیے ہر سال مونیٹر وہی ہوتی تھی۔ٹیچر کی ہدایت کے مطابق وہ ان کی غیر موجودگی میں کلاس میں ڈسپلن رکھنے کے لیے بچوں پر غصہ کرتی تھی۔اس کا قد لمبا اور اس کی آواز رعب دار 'بچے اس سے خائف

ہونے لگے اور یوں اس کی دوستیاں ختم ہونے لگی مگر محلے میں رہنے والی مائدہ اس کی پائیدار دوست تھی۔دن کو ٹیوشن جانے سے پہلے وہ دونوں گھر سے پندرہ منٹ پہلے نکلتی تھی تاکہ ساتھ ہی مارکیٹ میں ایک دکان جاسکے۔اس دکان میں بہت سارے کمپیوٹرز رکھے ہوتے تھے۔ان پر بہت سے بچے اپنی پسند کی گیمز کھیلتے تھے۔وہ دونوں مل کر کی ہول میں پانچ روپے ڈال کر اسٹریٹ فائٹر کھیلا کرتی تھی اور یوں کبھی کبھی ٹیوشن سے لیٹ ہو جاتی تھیں۔

وہ جیسے ہی جوانی کی حدود میں داخل ہونے لگی تو وہ بہت ساری کامپلیکسز کا شکار ہونے لگی۔اسے لگتا تھا جرار اس سے محبت نہیں کرتے ورنہ باقی بچوں کے والد کی طرح وہ بھی اس سے دوستی رکھتے۔وہ پانچ فٹ آٹھ انچ پر رک چکی تھی۔وہ کالج کی بھی سب سے لمبی لڑکی تھی۔کھمبا'اونٹ اور ٹرانس فارمر اس کے نک نیمز بن چکے تھے۔اس کے گھر میں بناؤ سنگھار پر سخت پابندی تھی۔کالج میں لڑکیوں کی بنی ہوئی بھنویں اور ویکسڈ ہاتھوں کو دیکھ کر اسے اپنے آپ پر ملال ہوتا تھا۔اسے شاید کبھی بھی ان باتوں کا پتا نا لگتا اگر کلاس کی لڑکیاں اس کی بھنویں اور اس کی شکل پر بات نا کرتی۔اس نے یونہی ایک دن،دن کا کھانا کھاتے کھاتے اپنے باپ اور ماں پر غور کیا تھا۔اس کا باپ خوبصورت مردوں میں شمار ہوتا تھا مگر اس کی ماں کے نقوش عام تھے۔اس کی ماں کی بھنویں بھی اسی کی طرح موٹی اور گھنی تھی۔اس کی ماں

گوری ضرور تھیں مگر ان کے نقوش موٹے اور جلد پر جیسے کھڈے سے تھے۔ اسے سخت مایوسی ہوئی تھی۔ کیا تھا جو وہ بھی باپ پر چلی جاتی! اس کی جلد صاف تھی مگر اس کے نقوش بھی ماں پر گئے تھے۔ اسے احساس ہوا کہ گورا ہونا خوبصورتی کی علامت نہیں ہوتی مگر پر کشش نقوش ضرور چہرے کو خوبصورت بناتے ہیں۔ اس نے دکھ سے شیشہ دیکھنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ کبھی کبھی لوگوں کی نظر سے خود کو دیکھنا نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ اور اس کی زندگی کا سب سے بڑا کامپلیکس اسکن میں میلانن کی کمی تھی۔۔۔ اسے برص تھا۔

وہ چھٹی کلاس میں تھی جب اس کی ماں نے اس کی دائیں پنڈلی پر سفید گول سا نشان دیکھا تھا۔ وہ پریشان ہو کر جرار کے پاس گئی تھی۔ وہ دونوں اسے اسکن ڈاکٹر کے پاس لے گئے تھے۔ ڈاکٹر نے تسلیاں دے کر انہیں کچھ ٹیوبز دے دی تھی۔ وہ داغ وقتی طور پر ختم ہو چکا تھا مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ بد احتیاطی اسی کے لیے مضر صحت ثابت ہو گا۔ وہ کھٹی چیزیں بدستور کھاتی رہی۔ اس کے ماں باپ بھی جیسے اس بات کو بھول گئے تھے۔ وہ آٹھویں میں تھی جب دونوں پاؤں کے گھٹنوں اور گھٹنوں سے زرا نیچے گول دائرے کی صورت یہ داغ دوبارہ نکل آئے تھے۔ مگر اس بار وہ داغ ہمیشہ کے لیے نکل آئے تھے۔ ڈاکٹر کے مطابق بچی

کے ماں باپ نے اس بیماری کو سیریسلی نہیں لیا تھا اور مرض بڑھ گیا تھا۔اب علاج صرف ان داغوں کو وہی پر روکنے کے لیے تھا۔۔۔

وہ ایک اور کامپلیکس کا شکار ہو گئی تھی۔اسے دوسرے لوگوں کی صاف ستھری جلد دیکھ کر رشک آتا تھا۔وہ اپنی سب سے اچھی دوست مائدہ سے بھی اس بیماری کا ذکر نہیں کر پائی تھی۔اس کے ماں باپ بھی اس بیماری پر اس سے کوئی بات نہیں کرتے تھے۔البتہ گھر میں کھٹی چیزیں آنا بند ہو گئی تھی۔اس کی دوائیاں ٹائم سے آجاتی تھیں۔پر اسے لگنے لگا تھا یہ شرم کی بات ہے۔لوگ اسے گھن کھائیں گے۔جب اولاد کسی چیلنج سے گزر رہی ہو تو آنکھیں بند کر دینے سے مسائل حل نہیں ہو جاتے اور اسے بھی اپنے ماں باپ میں سے کوئی ایک شخص چاہیے تھا جو اس بارے میں اس بات کرتا' اس کے کامپلیکس کو سمجھتے ہوئے اسے سمجھاتا۔اس خود ترسی سے نکالتا کہ وہ صحت منت پیدا ہوئی ہے۔اس میں کوئی کمی نہیں ہے' کمی ہمارے خوبصورتی کے معیار پیدا کرتے ہیں۔اس بیماری کے بارے میں اب صرف وہی چار لوگ جانتے تھے بس۔۔۔

☆☆☆

مہروز پانی کی بوتل منہ سے لگائے غٹا غٹ پانی پی رہی تھی۔ بوتل منہ سے ہٹا کر اس نے بیڈ کے ساتھ رکھے میز پر رکھ دیا تھا اور ایک بار پھر لیٹ کر کمبل سر تک تان چکی تھی۔ کمبل کے اندر کا اندھیرا اسے پھر ماضی تک لے گیا تھا۔

وہ اسیکنڈ ائیر میں پری میڈیکل کی اسٹوڈنٹ تھی۔ وہ لائق نہیں تھی مگر محنت بھرپور کرتی تھی۔ اسے ڈاکٹر بننے کا شوق تھا۔

وہ سر پر ڈوپٹہ لیے مائدہ کے ساتھ اکیڈمی سے واپس آ رہی تھی۔ لاہور میں اگست کے موسم میں بہت حبس تھا۔ بس مغرب کی اذان ہونے والی تھی۔

"یار فزکس کے سر اخلاق تو بہت ہینڈسم ہیں۔ ایسے لگتا ہے کہ کوئی ٹرکش ایکٹر ہو۔" مائدہ بیگ کے اسٹریپ سے کھیلتے ہوئے ایکسائیٹڈ لگ رہی تھی۔

"ہاں بہت سی لڑکیاں ان کا ذکر کرتی ہیں۔ کالج میں بھی بہت شہرت پھیل گئی ہے۔ وہ ڈیوا اکیڈمی میں جو پڑھتی ہے ناجیہ وہ تو سر کو دیکھنے کے لیے اتنی پاگل ہو رہی ہے کہ یہاں مو کرنا چاہتی ہے۔ اب دیکھو یہ اکیڈمی تو اس کے گھر سے دور بھی بہت ہے۔ لڑکیاں بھی نا! پاگل ہیں ویسے۔" مہروز نے سر جھٹکتے ہوئے سڑک کے درمیان رکھے کنکر کو ٹھوکر ماری تھی۔

Clubb of Quality Content

مغرب کا ملگجا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ بہت سے مرد سر پر ٹوپی پہنتے ہوئے اسے وقفے وقفے سے مسجد کی طرف جاتی سڑک پر چلتے دکھائی دے رہے تھے۔ سامنے سے ہی آہستہ اسپیڈ پر بائیک چلاتے آدمی کو دیکھ کر وہ سڑک کے کنارے پر چلنے لگی پر بائیک پر بیٹھے آدمی نے بائیک زرا سی اس کے قریب کی اور اس کے نزدیک ہوتے ہی اسے کمر سے نیچے چھوا۔

مہروز جھٹکا کھا کر بائیک کی طرف مڑی تھی۔ بائیک والے نے ہیلمٹ پہن رکھی تھی۔ وہ اب زرا سی اسپیڈ بڑھا کر زرا آگے نکل چکا تھا۔ مہروز دانت چباتے ہوئے بائیک کے پیچھے بھاگی تھی جب کہ مائدہ اس کے پیچھے آوازیں لگاتے ہوئے بھاگ رہی تھی۔ آس پاس سے گزرتے مردوں نے بھی ان دو بچیوں کو بائیک کے پیچھے بھاگتے دیکھا تھا مگر ان کی چال میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

مہروز نے بائیک کے قریب دوڑتے ہی اپنے جسم کی ساری طاقت لگاتے ہوئے بائیک کو پیچھے سے پکڑ لیا تھا۔ وہ بائیک کو دائیں بائیں جھٹکے دیتے ہوئے اسے پشتو میں سلواتیں سنا رہی تھی۔

"مہر۔۔۔ یار تماشہ نا بناؤ۔ چھوڑو یار۔" مائدہ اس کے پیچھے پیچھے بھاگتے ہوئے ہانپتے ہوئے اسے روک رہی تھی۔

مہروز کو اس وقت غصے میں کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ بس اسے اس شخص کو مارنا تھا۔ نجانے وہ گلی میں بائیک چلاتے کتنی لڑکیوں کو چھوتا ہو گا اور کتنی ہی لڑکیاں اس ڈر سے کہ تماشہ نہ بن جائے خاموش ہو جاتی ہو نگی۔

بائیک توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے گر چکا تھا۔ وہ شخص اب بائیک کے نیچے آ چکا تھا۔ مہروز اپنا بھاری بیگ کندھوں سے اتارے اس بائیک والے کو کبھی کندھے پر دھپ سے مارتی تو کبھی ہیلمٹ کا نشانہ بناتی۔

"تمہارے گھر میں ماں بہن نہیں ہو گی۔ یقیناً نہیں ہو گی اسی لیے بے غیرت ہو۔ پٹھان کے ساتھ پنگا لیتے ہو۔ یہ عضو اللہ نے تمہیں نہیں دیا؟ کیا ملا مجھے ہاتھ لگا کہ ہاں بے غیرت۔" وہ اب پاؤں سے اسے ٹھڈے لگا رہی تھی اور مائدہ سر پکڑے اس کے دائیں طرف کھڑی تھی۔

کچھ مرد ان کی طرف آ چکے تھے جو اب اس لڑکے کو مہروز سے بچاتے سائیڈ پر لے گئے تھے۔ پسینے سے اس کا چہرہ بھیگ چکا تھا۔ اس نے اس وقت تو آس پڑوس کا کوئی خیال نہیں کیا تھا مگر اب گھر میں اپنے کمرے میں بیٹھے بیٹھے اسے ہول اٹھ رہے تھے۔ ڈرائنگ روم میں

Clubb of Quality Content

وہی چند مرد اب جرار سے ملنے آئے تھے جنہوں نے اس لڑکے کو مہروز سے بچایا تھا۔ان ہی میں سے ایک اس لڑکے کا والد تھا۔

مہروز انگلیاں چٹخاتے ہوئے اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس بیٹھی سامنے نظر آتے پارک میں سائیکل چلاتے لڑکے کو دیکھنے لگی۔اس کا شدت سے دل چاہا کہ وہ لڑکا ہوتی تو اسے ان سوالوں سے خوف نہ آتے جواب خان بابا اس سے پوچھنے والے تھے۔پتا نہیں خان بابا کیا کہے گے 'کیا کرے گے ؟

اسے یک دم ہی گھر میں خاموشی محسوس ہوئی۔اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھلا چھوڑ رکھا تھا تاکہ باہر ہونی والی باتوں کی آوازیں اس تک آئے۔شاید اب مہمان جا چکے تھے۔وہ کندھوں پر ڈوپٹہ درست کرتے ہوئے بغیر چاپ پیدا کیے کمرے سے باہر نکلی تھی اور اسی وقت خان بابا ڈرائنگ روم سے باہر نکلے تھے۔دونوں کی نظریں ایک دوسرے سے ملی تھی۔مہروز نظریں نیچی کر کے واپس اپنے کمرے میں جانے والی تھی کہ بابا کی 'رکو' پر رک گئی تھی۔

وہ'خان بابا'یاسمین اور سلیمان جان لاؤنج میں صوفوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔خان بابا گود میں ہاتھ رکھے نظریں نیچی کیے بیٹھے ہوئے تھے۔سلیمان جان کے چہرے پر بہت سی جھریاں آچکی تھی'وہ بھی پر سوچ نگاہوں سے اپنے بیٹے کو دیکھ رہی تھی اور یہی حالت یاسمین کی بھی تھی۔

"کیا کیا تھا اس لڑکے نے؟"انہوں نے آہستہ آواز میں بغیر سر اٹھائے سوال پوچھا تھا۔

"خان بابا میں نے مورے کو سارا واقعہ بتایا ہے۔"اس نے ماں کو دیکھا تھا جیسے پوچھ رہی ہو میں باپ کو بتاؤں کہ نہیں۔اسے خود بتاتے ہوئے شرم آرہی تھی۔ایک تو دونوں باپ بیٹی میں بات چیت کم ہوتی تھی اور اگر دونوں میں یہ فاصلہ نا بھی ہوتا تب بھی وہ کبھی باپ کو کھل کر سارا واقعہ نا بتا پاتی۔

یک دم ہی اس کی کمر سے نیچے جلن شروع ہو گئی تھی جیسے وہ شخص ابھی ابھی اسے غلط نیت سے چھو کر گیا ہو۔

"تم نے مارا؟"

Clubb of Quality Content

"خان بابا غصہ آگیا تھا۔" مہروز نے پست آواز میں کہا تھا "میں اپنے غصے پر قابو نہیں کر سکی۔"

"اچھا کیا۔"

صرف مہروز ہی نہیں بلکہ اس کی دادی اور یاسمین بھی جیسے اپنی اپنی سیٹ پر اچھل پڑی تھیں۔ انہیں تو ڈر تھا کہ بابا کی غیرت یہ سب برداشت نہیں کریگی۔ وہ نجانے اس کا کالج جانا بند کروائیں یا ٹیوشن جانا۔ پر یہاں تو معاملہ ہی مختلف تھا۔

"وہاں لگے سی سی ٹی وی پر یہ سب ریکارڈ ہو چکا ہے۔ اس نے اس سے پہلے بھی بہت سی لڑکیوں کو چھیڑا تھا پر اس کا چہرہ ہمیشہ ہیلمٹ میں چھپا رہتا تھا۔ تمہارے توسط سے اس کا چہرہ سی سی ٹی وی میں آگیا۔ میڈیا والے تمہارا انٹرویو چاہتے تھے پر میں نے منع کر دیا۔ منع کر دیا کہ ٹی وی پر تصویر بھی نا آئیں۔"

مہروز کا دل بلیوں اچھلا تھا۔ تو وہ اس سب سے مقبول ہو سکتی تھی مگر بابا اسے ٹی وی پر نا آنے دیتے۔ وہ ایک اسکینڈ میں ہی خوابوں کی دنیا سے واپس آئی تھی۔ مسکرائی تو یاسمین بھی تھی اور اپنی پوتی پر فخر سلیمان جان کو بھی تھا۔

"آئندہ ایسا کچھ ہو تو گھبرانا نہیں۔ مجھے ہر بات بتانا اور ہر بات بتانے سے پہلے چھیڑنے والے کی ٹھکائی بھی اچھے سے کرنا۔"

خان بابا مسکراتے بہت کم تھے۔ وہ یونہی نظریں نیچی کیے اٹھ گئے تھے۔

زندگی میں پہلی دفعہ اسے لگا تھا اس نے کوئی اچھا کام کیا ہے۔ اسے دل سے خوشی ہو رہی تھی۔

وہ فخر سے اکیڈمی جاتی تھی مگر پھر ڈھیر سارا خوف لیے گھر آجاتی تھی۔ روزانہ مائدہ اسے ایسے قصے سناتی تھی جس میں لڑکی سے بدلہ لینے کی خاطر لڑکا منہ پر تیزاب پھینک کر چلا جاتا ہے تو کہیں اسے اغوا کر لیتا ہے۔ اسے سوچ سوچ کر ہی جھرجھری آجاتی تھی۔

ایک دن عشاء کی نماز کے بعد رات کا کھانا خاموشی سے کھایا گیا تھا۔ اب دستر خوان پر صرف خان بابا اور مہروز رہ گئے تھے۔ خان بابا کھانا آہستہ کھاتے تھے۔ مہروز نے گلہ کھنکھار کر باپ کو دیکھا تھا۔

"خان بابا مجھے self-defense سیکھنا ہے؟"

"یہ کیا ہوتا ہے؟" خان بابا نے منہ میں لقمہ رکھتے ہوئے کہا تھا۔وہ نظریں نہیں اٹھاتے تھے۔

"بابا کراٹے۔اپنا دفاع کرنا۔آج کل ضروری ہے نا۔"اس نے اپنی بات توڑ توڑ کر مکمل کی تھی۔اسے اچھا لگا تھا کہ خان بابا اس سے بات کر رہے تھے۔اس کی بات پر توجہ دے رہے تھے۔

"اچھا۔میں پتا کرواتا ہوں۔"

مہروز ایک بار پھر غش کھانا چاہتی تھی۔اسے لگتا تھا خان بابا چپ چپ رہتے ہیں تو وہ سخت ہونگے۔وہ کبھی اسے اسپورٹ نہیں کرینگے' اس پر ہنس دینگے مگر وہ تو اسے حیران کر رہے تھے۔

"مائدہ کو پتا ہے۔وہ ایک ادارے کا بتا رہی تھی۔"

وہ کچھ دنوں بعد اس ادارے کو جوائن کر چکی تھی۔وہ روزانہ شام کو دو گھنٹے کی کلاسز لیتی تھی اور واپسی کے وقت خان بابا کے ساتھ بائیک پر واپس آتی تھی۔پہلے پہل دونوں خاموش رہتے تھے پر ایک دن بابا نے اس سے پوچھ لیا کہ اس نے کیا کیا سکھ لیا ہے؟ وہ تفصیل بتانے

لگی اور یوں روزانہ ادارے سے واپسی کے وقت وہ انہیں تفصیل بتاتی تھی اور جرار سنتا رہتا تھا۔ کبھی کبھی اس کی تفصیل اتنی لمبی ہو جاتی تھی کہ صرف اس کو سننے کی خاطر گھر تک کا راستہ طویل ہو جاتا تھا۔ اب تو کبھی کبھی وہ واپسی پر آئس کریم بھی کھانے چلے جاتے تھے۔ وہ اب خوش رہنے لگی تھی کیونکہ خان بابا اس سے بات کرنے لگے تھے' وہ اس کی سنتے تھے۔ ان کی خاموش محبت مہروز کو اچھی لگنے لگی تھی' اسے یہ کامپلیکس تو ختم ہوا کہ بابا اس سے محبت نہیں کرتے۔

اسکینڈائیر کے بعد وہ میڈیکل کا انٹری ٹیسٹ دینے بیٹھی مگر وہ میرٹ پر نہیں آسکی تھی۔ وہ ان دونوں بہت روئی تھی' اتنا کہ وہ مزید کمزور ہو گئی تھی۔ اس کا سال ضائع ہو چکا تھا۔ مائدہ نے اپنی دوست کی خاطر قربانی دیتے ہوئے اپنا سال ضائع کر دیا تھا۔ وہ دونوں اب سلائی سیکھنے ساتھ جایا کرتی تھی۔ اس نے فری لانس کا کورس بھی کیا مگر عملی زندگی میں فری لانسنگ شروع نہیں کی۔ اس نے اپنا سال اسی طریقے سے نکالا اور اگلے سال پھر میڈیکل کے ٹیسٹ دینے لگی۔ مائدہ نے اس سے پوچھے بغیر لاہور کے جی سی یونیورسٹی میں اس کا فورم جمع کرا دیا تھا۔ وہ انٹری ٹیسٹ بھی نہیں دینا چاہتی تھی مگر مائدہ کے بہت اصرار پر وہ بی ایس

انگلش کا انٹری ٹیسٹ دے آئی تھی۔اس کے ایف ایس سی کے مارکس کم تھے اور اس سال بھی اس کا نام میرٹ لسٹ میں نہیں آیا تھا البتہ جی سی یونیورسٹی میں اس کا نام آگیا تھا۔

گھر میں خاموشی تھی۔کسی کو اس کے ایڈمشن کی خوشی نہیں تھی۔

"مورے میرا ایک سال پہلے ہی ضائع ہو چکا ہے میں مزید سال ضائع نہیں کر سکتی۔میں آپ سب سے زیادہ دکھی ہوں پر اب میں اس ڈاکٹری کے خواب کو دفن کر چکی ہوں۔آپ خان بابا کو کہہ دے نا کہ وہ فی جمع کرادے 'پلیز۔"وہ یاسمین کے سر میں گود رکھے ماں کو دیکھ رہی تھی جو آہستہ آہستہ اس کے سر میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔

"تمہارے باپ کو لگتا ہے انگریزی انسان کو بد تہذیب بنا دیتا ہے۔"سلیمان جان تسبیح کے دانے گراتی بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے نہایت آزردگی سے بولی تھی۔

مہروز نے سر ترچھا کر کے دادی کو دیکھا تھا اور پھر ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی تھی"فرح پھوپھو نے بھی انگلش لٹریچر پڑھا تھا نا۔کیا ہوا تھا؟آپ لوگ مجھ سے کیوں چھپاتے ہیں؟میں اب بڑی ہوں'پلیز مجھے بتائے ان کے ساتھ کیا ہوا تھا؟"

یاسمین بیڈ سے پاؤں اتار چکی تھی جیسے وہ اب مہروز کے سوال نہیں سننا چاہتی تھی۔

وہ اکثر رات کے وقت بند کمرے سے باپ کے سامنے دادی کی رونے اور کبھی گڑگڑانے کی آواز سنا کرتی تھی۔وہ غمزدہ تھی'وہ اپنے ہی بیٹے سے اپنی ہی بیٹی کی واپسی کی استدعا کرتی تھی۔یہ ایک معمہ تھا کہ خان بابا بہن کے معاملے میں سخت دل کیوں ہو جاتے تھے؟

مائدہ کے مشورے کے مطابق مہروز نے بھوک ہڑتال کر رکھی تھی اور ہر وقت گھر میں رونے کی آواز سنائی دینے لگی۔اس کی بھوک ہڑتال سے گھبراتے ہوئے سلیمان جان جرار کے سامنے بس ہاتھ جوڑنے والی تھی کہ انہوں نے شکست مانتے ہوئے اسے انگلش پڑھنے کی اجازت دے دی تھی۔

ناولز کلب
Clubb for Quality Content

وہ اور مائدہ جی سی یونیورسٹی کے حدود میں کھڑے تھے۔اس نے یونیورسٹیز کے بارے میں بہت سے ناول پڑھ رکھے تھے اور آج اپنی آنکھوں سے اس قدیم بلڈنگ اور اسٹوڈنٹس کو ادھر ادھر جاتے دیکھ کر اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

"یار لگ رہا ہے نا کہ ہاگ ورٹس آ گئے ہو۔"وہ دونوں یونیورسٹی کے کاریڈور میں گھوم رہی تھیں جب مائدہ نے خوشی سے اچھلتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"قدیم جو اتنی ہے۔مجھے بہت خوشی ہے۔"مہروز نے خوشی سے مائدہ کے ہاتھ پکڑ لیے تھے۔

وہ خوشی بس وہی تک تھی۔ان کے سینئیر زان دونوں سمیت ان کی کلاس کے پانچ چھ لڑکے لڑکیوں کو کیمسٹری لیب لے گئے تھے جہاں ان کی ragging جاری تھی۔سب سے بری ریگنگ مہروز کی ہوئی تھی۔اسے جھاڑو پکڑا کر لیب کے تمام جالے صاف کروائے گئے اور پھر وہی اونچی سی کھلی کھڑکی میں گھونسلے میں رکھے چڑیا کے بچوں میں سے کسی ایک کو اٹھانے کا ڈیئر دیا گیا۔وہ جانوروں کے لیے ہمیشہ سے حساس تھی اسی لیے اس نے ایک منٹ لگائے بغیر انکار کر دیا تھا۔اس کی پینالٹی اسے کیفے سے سب کو من پسند کھانا کھلانا تھا۔وہ اس وقت کیفے میں موجود ضرور تھی مگر اس کے پاس پیسے کم پڑ گئے تھے۔اسی کے کلاس کے لڑکے نے مہروز کی مشکل سمجھتے ہوئے اسے ادھار دے دیے تھے جسے جلد ہی مہروز نے لوٹا دیے تھے۔اسے لگتا تھا کہ فرح پھوپھو بھی شاید یونیورسٹی میں کسی کو پسند کر بیٹھی ہونگی اور یہی بات دادا کو بری لگی ہوگی۔اسے یہ سب نہیں دھرانا' اسے اپنے باپ کا مان رکھنا ہے۔وہ اس لڑکے کے ساتھ ہمیشہ سخت لہجے میں بات کرتی تھی' وہ لیا دیا سا رویہ رکھنے لگی اور وہی لڑکا اس کا انکار سمجھتے ہوئے پیچھے ہٹ چکا تھا۔یونہی وہ چوتھے سمیسٹر میں تھی جب اس نے شیشے میں اپنے دونوں ہاتھوں کی کہنیاں دیکھ لی تھی۔اب ان دونوں کہنیوں پر بھی انڈے شکل کے سفید داغ نکل آئے تھے۔وہ کب تک کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر سکتی تھی۔خود کو ناقبول

کرنا ہی اسے تکلیف دے رہا تھا اور آہستہ آہستہ اس نے قبول کر لیا تھا کہ یہی اس کی آزمائش ہے۔

خان بابا اب اسے 'زماظوئے' (میرا بیٹا) کہہ کر پکارتے تھے۔ وہ دونوں رات کو چائے کی پیالیاں لے کر چھت پر بیٹھ جاتے تھے۔ دونوں باپ بیٹی کرسی پر نیم دراز میز پر پاؤں دراز کر کے بیٹھ جاتے تھے اور مہروز انہیں کہانیاں سناتی تھی کہ آج اس نے کیا نیا پڑھا۔

"Neo-colonialism یہ کیا ہے؟"

"خان بابا آپ کو پتا ہے نا کہ آدھے سے زیادہ دنیا تو colonized تھی کسی جگہ پر جاپان کا قبضہ تھا تو کہیں انگریزوں کا تو کہیں اسپین کا۔ پھر ایک دور آیا جب سمجھا جانے لگا کہ دنیا پر قبضے ختم ہیں اور اب یہ خود مختار ہیں تو وہی گیم میں آیا امریکہ۔ یہ نیا قابض ہے دنیا کا۔ نیو کلونیلزم میں آپ کو لگے گا کہ ہم خود مختار ہیں پر ایسا نہیں ہے۔ اب دیکھیں اکانومی پر قبضہ کس کا ہے؟ کلچر سے ہم کس کے متاثر ہیں؟" اس نے جیسے باپ سے سوال پوچھے تھے اور خان بابا اس سے متاثر نظر آتے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اکتوبر کا موسم ہلکا ہلکا ٹھنڈا ہوتا تھا اور وہ دونوں باپ بیٹی روٹین کے مطابق بیٹھے پھر سے نئے موضوع کو ڈسکس کر رہے تھے۔ دونوں نے ہی اپنے کندھوں پر شال پھیلا رکھی تھی۔

"Weheliye اپنے Radical Emancipation Theory میں یہی تو بات کر رہا ہے نا خان بابا کہ جب ہم سب کا گوشت ایک جیسا ہے دو گردے میرے دو کسی انگریز کے ہیں' آنتوں کا رنگ ایک جیسا پھر یہ رنگ نسل کی لڑائیاں کیا معنی رکھتی ہیں؟ کس بنیاد میں دنیا کو کالے اور گورے میں تقسیم کیا ہے جب گوشت اور خون کا رنگ ایک جیسا ہے۔ جب صرف اسکین کلر مختلف مگر flesh ایک جیسا ہے۔ جب کالا بھی اسی ہوا سے سانس لیتا ہے جس سے گورا لے رہا ہے تو superiority کیسی؟ صرف اپنے آگے ہر کسی کو evaluate کر کے گورے خود کو برتر سمجھتے ہیں۔" یہ تھیوری پڑھتے ہوئے مہروز کو بہت تسکین ملی تھی۔ اس میں بھی تو بس رنگ کی ہی کمی تھی' اگر اس کا جلد کاٹا جاتا تو وہ بھی اندر سے سرخ ہی نکلتا۔ پھر وہ کیوں احساس کمتری کا شکار تھی؟ تو جواب معاشرہ اور ایک لڑکی کے لیے سخت بیوٹی اسٹینڈرڈز تھے!

"یہ تو بڑی مزے کی تھیوری ہے۔مجھے تو لگتا تھا انگلش والے بس شاعری اور ناولز ہی پڑھتے ہونگے۔"

"نہیں خان بابا۔"اس نے ہاتھ جھلایا تھا"میں نے اس دن بھی کلاس میں یہی کہا تھا کہ WE live in bodies کیونکہ ادب آپ کا سوچنے کا انداز بدل دیتا ہے۔آپ کو سوال کرنا سکھاتا ہے'آپ دوسرے انسان کو سمجھنے لگتے ہو۔ہم انسان اور معاشرے کو پڑھتے ہیں۔ہم سائنس والوں کی طرح رٹے نہیں لگاتے'دماغ لگا کر سوچتے ہیں۔اب آپ دیکھیے یہ جوا ے آئی نکلا ہے ہم اس کی دونوں سائیڈز دیکھتے ہیں کہ اس سے انسان کتنا متاثر ہوگا۔اب تو اس پر بھی ریسرچز لکھی جا رہی ہیں۔"وہ اپنے ہی دھن میں لگی ہوئی تھی جب کہ خان بابا بس ایک ہی جگہ رک گئے تھے"آپ کو سوال کرنا سکھاتا ہے۔"سوچ تو فرح کی بھی بدل ڈالی تھی پڑھائی نے۔سوال تو وہ بھی بہت کرنے لگی تھی۔

چار سال گزر گئے تھے۔ڈگری اب ہاتھ میں تھی۔وہ ایک پرائیویٹ اسکول میں پڑھانے لگی تھی اور اس کی دادی اب اس کی زندگی کے اگلے مراحل کا سوچ رہی تھیں اور وہ تھی شادی۔۔۔

مائدہ کی شادی جلد ہو جانے پر سلیمان جان ہاتھوں پر سرسوں جمانا چاہتی تھی۔وہ تینوں ہی اس کی شادی وزیرستان میں نہیں کرنا چاہتے تھے۔وہ جانتے تھے کہ وہ وہاں سروائیو نہیں کر پائیں گی۔ مگر وہی ایک سوال ان تینوں کو مشکل میں بھی ڈال دیتا تھا۔چاہے وہ اپنی بیٹی کو پرفیکٹ سمجھتے ہو پر معاشرے کی نظر میں اس کے اندر نقص تھا اور وہ بہت واضع تھا۔

مہروز روزانہ یوٹیوب پر جرمنی کے ٹورز دیکھا کرتی تھی۔اس کا دل تھا کہ وہ ایم فل باہر سے کرے مگر یہ بھی جانتی تھی کہ اسے اکیلے پڑھنے کے لیے بھیجا نہیں جائے گا۔وہ آج تک اپنی پچیس سالہ زندگی میں لاہور سے باہر تو نکلی نہیں تھی کجا وہ یورپ اکیلے پڑھنے جاتی۔بس وہ ایک ٹھنڈی آہ ہی بھر سکتی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆☆☆

ٹھنڈے فرش پر جائے نماز بچھائے مہروز سلام کر کے جائے نماز پر بیٹھے بیٹھے دیوار سے ٹیک لگا چکی تھی۔آج فری برگ میں سردی ہڈیوں کو جما دینے والی تھی۔وہ انگلیوں پر درود شریف پڑھنے لگی اور دیوار سے سر ٹکائے آنکھیں بند کر چکی تھی۔پھر سے اس کا ماضی اسے چھیڑنے لگا'اسے بازو سے کھینچ کر پیچھے دھکیلنے لگا۔

سلیمان جان اور یاسمین اس کے کمرے میں بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔اے سی کی ٹھنڈک کی وجہ سے اس کا کمرہ ٹھنڈا تھا۔وہ قالین پر بیٹھی کاپیاں پھیلائیں انہیں چیک کر رہی تھی۔

"بس رکھ دو'ہم چھوٹی سی بات کرے گے۔"یاسمین نے کاپیوں کا انبار دیکھ کر اکتا کر کہا تھا۔

مہروز نے جھٹ سے کاپیاں بند کر دی تھی اور گھٹنوں کے گرد دونوں ہاتھوں کا حلقہ بنا کر ماں اور دادی کو دیکھنے لگی۔

"اب ماشااللہ تم سمجھدار اور بڑی ہو چکی ہو اور یہ وقت ہر لڑکی کی زندگی میں آتا ہے۔"یاسمن تمہید باندھنے لگی"پہلے میں تم سے پوچھتی ہوں اور اس کی اجازت تمہارے خان بابا نے دی ہے۔تمہیں اگر کوئی مناسب لگا ہے شادی کے لیے تو بتا دو۔"

مہروز کے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔تو خان باباconservativeنہیں ہیں؟اسے تو لگا تھا فرح پھوپھو کسی کو پسند کرتی ہونگی اور سماج کی دیوار جرار ہونگے مگر یہاں تو اسے کھلی اجازت دی گئی تھی اپنی پسند بتانے کی۔

"اب بتا بھی دو۔کیا بات بن گئی ہو؟"سلیمان جان کو جیسے اس کا جواب سننے کی جلدی تھی۔

"ن۔۔نہیں۔کوئی نہیں پسند۔"اس کا دل دھڑکا تھا۔

سلیمان جان نے سکھ کا گہرا سانس لیا تھا۔ وہ انکار ہی تو سننا چاہتی تھیں۔

"اچھا ایک اچھا رشتہ ہے۔ رشتے والی سے بات کی تھی میں نے۔ وہ لوگ بھی پٹھان ہیں اور لڑکے نے ابھی سی اے مکمل کیا ہے۔ بس خان بابا نے کہا ایک بار پوچھ لوں تم سے۔ چونکہ تمہاری کوئی پسند نہیں تو اس کی ماں کو بلا لیتے ہیں پھر۔" یاسمین نے سلیمان جان کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کہا تھا۔ انہوں نے بھی بہو کی تائید میں مسکرا کر سر ہلایا تھا۔

"مورے انہیں میرے نقص کا پتا ہے؟"

"ایسے مت کہو۔" وہ ماں تھی ان کا دل کٹتا تھا لفظ نقص پر۔

"مورے مگر یہ سچ تو ہے نا۔ مائدہ کا رشتہ میرے سامنے ہوا ہے۔ میری یونیورسٹی کی لڑکیوں کے رشتے بھی میرے سامنے ہو رہے ہیں۔ مورے یہ جو دل کے اچھے لڑکے ہوتے ہیں نا یہ بس ڈراموں میں ہی ہوتے ہیں جو کسی اغوا شدہ لڑکی کو بھی اپنا لے گے یا طلاق یافتہ کو۔ حقیقت زیادہ تلخ ہے اب کوئی مانے نا مانے مگر اچھے لوگ کم ہی ہیں۔ برے وہ بھی نہیں جو ایسی لڑکیوں سے شادی نہیں کرتے' ہر انسان کو حق ہوتا ہے کہ وہ اپنے پارٹنر کے بارے میں سوچے۔ پر یہ جو آئیڈیلز ہوتے ہیں نا یہ ہمارے لیے کام مشکل بناتے ہیں۔ میں بیمار ضرور

ہو پر مجھے بھی اچھا لگے گا کہ میرا ساتھی اچھی پرسنالٹی اور سوچ کا مالک ہو۔ تو کیا یہی خواہش لڑکے کی نہیں ہو گی؟ مگر میرے اندر کمی ہے' میں نہیں جانتی کہ کب میرے چہرے' گردن اور ہاتھوں پر یہ داغ نکل آئے۔ جو ظاہر کو بد صورت بناتے ہیں' باطن کون دیکھتا ہے نا باطن پہلی نظر میں نظر آتا ہے۔ یہ لو میرج نہیں ہے جہاں لڑکے کو اس بات سے مسئلہ نہ ہو' یہ ارینج ہے جہاں ایک لڑکی میں بہت کچھ دیکھا جاتا ہے۔ یہ دیکھے۔" اس نے اپنی دونوں کہنیاں ننگی کر کے دادی اور ماں کو دیکھائی تھی۔

یاسمین کا دل ڈوب گیا تھا جب کہ دادی کا حال بھی کچھ مختلف نہیں تھا۔ اللہ نے انہیں ایک ہی اولاد دی تھی اور اس کے ساتھ بھی آزمائش تھی۔

"اب گھٹنوں کے بعد یہاں اور ایک داغ پیٹ پر نکلا ہے۔" اس نے واپس کہنیاں چھپا لی تھی "مورے میرے داغ میرے کپڑوں میں ضرور چھپے ہیں' دیکھنے والوں کو تو نظر تب آئے گے جب ہاتھ اور چہرے پر نکلے گے مگر مورے ہمیں تو میری بیماری کا پتا ہے نا۔ ان کو بعد میں پتا لگے گا تو میرا کیا امپریشن جائے گا؟ میں جھوٹ بول کر شادی نہیں کرنا چاہتی۔ میں نے ویسے بھی زیادہ شادی کا سوچا بھی نہیں ہے' اگر انہیں میرے برص سے مسئلہ نہیں تو مجھے

بھی اعتراض نہیں اور اگر اس بات پر ریجیکٹ ہو جاؤ گی تو خیر ہے۔"اس نے کئی سال تک اپنے نئے نکلنے والے داغ چھپائے تھے'وہ جانتی تھی ان داغوں کا سن کر اس کی ماں غمزدہ ہو جائے گی اور وہ انہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔

اس نے یہ بات کہہ تو دی تھی مگر ساری رات اس گھر کا کوئی ایک فرد بھی نہیں سویا تھا۔جہاں بیٹی کے بڑھتے داغ کی وجہ سے ماں فکر مند ہوئی تھی وہاں جرار بھی ساری رات سو نہیں سکا تھا۔اس نے ہومیو پیتھی اور ایلو پیتھی'ہر دوائی تو آزما لی تھی مگر اسے شفا نہیں ملی تھی۔

تو طے یہ ہوا تھا کہ پہلے لڑکے کے گھر والوں سے مل لیا جائے اور پھر ہی بیٹی کی حقیقت سے آگاہ کرنے کا سوچا جائے گا۔مہروز لائٹ پنک کلر کا لان کا سوٹ پہنے ان تین خواتین کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ایک دوسرے کے بارے میں جاننے اور دیکھنے کا مرحلہ بھی طے پا گیا تھا۔اس نے لڑکے کی تصویر دیکھ لی تھی'وہ بس عام سی صورت کا مالک تھا البتہ لڑکی کی کوئی تصویر لڑکے کو نہیں دکھائی گئی تھی۔مہروز کا باپ لڑکے سے بھی مل چکا تھا اور یہ مرحلہ نہایت مشکل تھا جب یاسمین اور سلیمان جان لڑکے کی ماں بہن کو مہروز کے بارے میں بتانا چاہتے تھے۔

یاسمین کتنی ہی بار اٹکی تھی اور ساس کو مدد طلب نظروں سے دیکھا تھا۔ سلیمان جان کے لیے اس بیماری کی تفصیل بتانا بہو سے بھی زیادہ مشکل تھا مگر وہ اس مشکل مرحلے سے گزر گئی تھیں۔ لڑکے کی ماں اور بہن خاموش ہو گئی تھی۔ان کے چہرے کے تاثرات ناقابل فہم تھے 'وہ حیران تھے کہ ترس کھا رہے تھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ 'اللہ اسے شفا دے' پر بات ختم ہو چکی تھی۔

گھر کے چاروں افراد کشمکش کا شکار تھے کہ ان کا کیا جواب آئے گا۔ مہروز نے خود کو پہلے سے بھی زیادہ مصروف کر لیا تھا۔ اور کچھ دنوں کی خاموشی کے بعد رشتے والی عورت کی جانب سے ہی انہیں لڑکے والوں کا جواب موصول ہو گیا تھا۔

"میں آپ کا اسائنمنٹ نہیں کر سکتی۔ آپ نے تو جھوٹ بولا۔ لڑکی کو برص ہے۔ یہاں خوبصورت لڑکیاں بیٹھی رہ جاتی ہیں اور آپ کی تو۔۔۔" اسپیکر سے گونجتی آواز یاسمین اور سلیمان جان سن رہے تھے۔

سنا تو گھر کے داخلی دروازے پر کھڑی مہروز نے بھی لیا تھا۔اس کے گلے میں آنسوؤں کا گولہ سا بنا تھا۔وہ جانتی تھی کہ اس کا رشتہ آسانی سے نہیں ہوگا مگر ماں باپ کی خوشی کے لیے خاموش رہی۔

"آج کل کے لڑکے کم عمر'پیاری'پڑھی لکھی اور مالدار لڑکی چاہتے ہیں۔آپ کا تو گھر بھی کرائے کا ہے۔"

"تو ہماری بیٹی بھی پڑھی لکھی ہے۔"یاسمین کی آواز میں لغزش تھی۔

"سارا پیکج چاہیے ہوتا ہے لڑکوں کو۔میرے تو کان کھا جاتی ہیں لڑکے کی مائیں کہ ایسی لڑکی ہو یہ ہو وہ ہو۔شکر ہے کہ مسز خان کی بدولت آپ کی بیٹی کا پتا چلا ورنہ میرے کلائینٹس آپ کے چکر میں چلے جاتے۔اگر رشتہ کرانا ہے تو ایک رشتہ ہے۔مرد زرا بڑی عمر کا ہے اور اس کی ایک بیٹی ہے۔بیوی اس کی مر چکی ہے۔اسے دوسرے بچے کی خواہش ہے نا ہی لڑکی کے بارے میں کچھ خاص ڈیمانڈ ہے کہتی ہو تو ان سے پروفائل شیئر کر دیتی ہوں۔"

"استغفر اللہ۔میری بچی کنواری اور کم عمر ہے۔ہم پر بوجھ نہیں ہے وہ۔ایسے کرو تم ہمارے پیسے واپس کر دو۔تم سے باتیں سننے کے لیے کام نہیں کروا رہے تھے۔" سلیمان جان اب اپنے غصے پر ضبط نہیں کر پا رہی تھی۔

"کس کام کے پیسے واپس کروں؟میں رشتہ لائی تو اب تمہاری بیٹی میں نقص ہے تو کیا کرے۔"

"چپ کرو۔اللہ کا خوف کرو کل کو یہی وقت تم پر بھی آئے گا کیسے منہ پھاڑ کر نقص نقص لگا رکھی ہے۔بی بی بیس ہزار دیے ہیں تمہیں۔اچھا کاروبار نکالا ہے تم لوگوں نے گھر بیٹھے ادھر سے ادھر کرتے ہو تصویریں اور کام نا ہونے پر واپس بھی نہیں کرتے۔شرافت سے واپس کرو۔" سلیمان جان کا خون کھول اٹھا تھا۔

"میری محنت ہے۔بیس ہزار لیے ہیں کونسا بیس لاکھ لے لیے۔میں نہیں کر رہی واپس۔" اس نے کھٹاک سے فون بند کیا تھا۔

فون بند ہوتے ہی یاسمین کا بلند بین مہروز تک پہنچا تھا۔وہ فوراً اندر داخل ہوتے ہی اپنے کمرے کی طرف دوڑی تھی۔

وہ جیتا جاگتا انسان تھی' گوشت سے بنی ہوئی۔ اسے شدید تکلیف ہوئی تھی۔ وہ کمرے کا دروازہ بند کر کے دروازے سے کمر لگا کر بے آواز آنسو بہانے لگی۔

اس نے اس دن 'خیر ہے' کہہ تو دیا تھا مگر اب اسے تکلیف ہو رہی تھی۔ اسے دکھ رشتے سے انکار کا نہیں تھا کونسا اس کی لو میرج تھی اسے دکھ لوگوں کی نظروں کا تھا۔ تو طے ہوا کہ خوبصورت وہی ہے جو آنکھوں کو بھائے۔ اس کی کلرڈ اسکن آنکھوں کو نہیں بھاتی تھی اسی لیے اسے نقص کا کہہ کر انکار کر دیا گیا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ وہ اس دن کے لیے تیار ہے مگر وہ کبھی بھی اس دن کے لیے تیار نہیں تھی۔ سوچنے میں اور حقیقت میں فرق ہوتا ہے۔ حقیقت یہی تھی کہ آج بھی رشتہ کرتے وقت لڑکی میں پرفیکشن دیکھی جاتی ہے چاہے لڑکا خود کسی بھی قابل نا ہو۔ اس نے تو کوئی ڈیمانڈ بھی نہیں رکھی تھی' اسے اپنی کمی کا احساس تھا اس لیے اس نے لڑکے سے متعلق کوئی ڈیمانڈز نہیں رکھی تھی مگر وہ کبھی اپنی کمی پر جج ہونا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اسے یک دم اللہ سے گلہ ہوا تھا۔ کیا تھا جو کسی ایک گولی میں اس کے لیے شفا ڈال دیتا یا پھر اس معاشرے کا دماغ ہی کھول دیتا کہ وہ صحت مند ہے بس وہ ایک چیلنج کا شکار ہے۔ اس کی بیماری بے ضرر تھی سوائے اس کے کہ وہ اسی کا جلد خراب کر رہی تھی۔

گھر میں عجیب سی خاموشی تھی۔ وہ بستر پر لیٹے لیٹے کروٹیں بدل رہی تھی پر نیند کوسوں دور تھی۔ وہ ڈوپٹہ اٹھاتے ہی اپنے کمرے سے باہر نکلی تھی۔ اسے حبس محسوس ہورہا تھا۔ وہ چھت پر چلی آئی تھی مگر وہاں کا منظر دیکھ کر وہ سیڑھیوں پر ہی رک گئی تھی۔ یاسمین کرسی پر بیٹھی بظاہر تسبیح کے دانے گرا رہی تھی مگر وہ کچھ سوچ رہی تھی۔ خان بابا تہجد پڑھ رہے تھے۔ سلام پھیر کر انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تھے اور اس نے پہلی بار اپنے باپ کو آنسو بہاتے دیکھا تھا۔ مہروز کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑا تھا۔ اس نے بہت سے آنسو پیے تھے اور اللہ سے اپنے گلے کی معافی مانگنے لگی۔ اس نے کبھی اللہ سے گلہ نہیں کیا تھا پھر آج کیوں کر بیٹھی؟ اسے اپنا آپ اپنے ماں باپ کے لیے مضبوط کرنا تھا۔ وہ ڈوپٹہ سر پر پھیلاتی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ وہ عین باپ کے دائیں طرف پاؤں موڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ کتنی ہی دیر وہ باپ کو آنکھیں بند کیے' دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے آنسو بہاتے دیکھنے لگی۔ یاسمین تو جیسے بس ایک نقطے پر نظریں جمائے خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔

"آمین۔" اس کے زور سے آمین کہنے پر خان بابا نے آنکھیں کھولی تھی۔ یاسمین بھی چونک گئی تھی۔

"آپ کی دعا اللہ نے سن لی ہو گی۔ وہ یہاں نہیں تو اس دنیا میں کسی اور طریقے سے اس دعا کا پھل دے گا۔" خان بابا دوسری جانب چہرہ موڑے آنسو صاف کرنے لگے' انہیں جھجک محسوس ہو رہی تھی کہ ان کی بیٹی نے انہیں آنسو بہاتے دیکھا ہے۔

"مجھے اچھا لگا بابا۔ آنسو مت چھپائے۔ میں اور آپ ہمیشہ فاصلے پر ہی رہے۔ میں اب سمجھتی ہوں کہ ہمارے ہاں باپ بیٹیوں سے شرماتے ہیں اس لیے وہ دوستی نہیں رکھ پاتے جو ہونی چاہیے۔ پر خان بابا آپ اچھے ابو ہیں' آپ کو دوستی آتی نہیں تھی پر ہم نے کر لی۔" مہروز نے مسکرا کر باپ کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

جرار سر جھکائے اب خاموشی سے اسے سن رہے تھے۔ یاسمین دائیں ہاتھ کی ہتھیلی میں دایاں رخ رکھے باپ اور بیٹی کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کے بس میں جو تھا وہ آپ نے کیا۔ یہ آزمائش ہے اور میں اکیلی تو اس آزمائش سے نہیں گزر رہی نا' کتنے ہی لوگوں کو کتنی ہی بیماریاں ہیں۔ میں آج ایک شخص کو دیکھ رہی تھی وہ اپاہج تھا اور خود سے بس میں بھی نہیں چڑھ پا رہا تھا۔ میرے تو پاؤں بھی سلامت ہیں۔ وہ اسگنل پر بیٹھے کٹے بازو والا فقیر دیکھا ہے! میرے تو بازو بھی ہیں۔ میں اندھی بھی نہیں اور

گونگی بھی۔اور سب سے بڑا امتحان 'میں عقل سے معزور نہیں۔سوچ سکتی ہوں 'لکھ سکتی ہوں۔سوچے میرا دماغ گرو نا کرتا اور اسپیشل ہوتی تو کیسے ڈیل کرتے آپ لوگ مجھے ؟ارے میرے اسکن میں بس میلانن کی کمی ہے۔اللہ نے آپ لوگوں کو میلانن دے رکھا ہے۔اور کوئی بات تو نہیں ہے نا۔"اس نے مسکرا کر ماں اور باپ کو دیکھا تھا۔وہ ماں اور باپ کا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔وہی تو ماں اور باپ کا حوصلہ تھی۔وہ کیوں ٹوٹتی پھر؟

"اگر آپ بھی معاشرے کی طرح نہیں سوچتے تو اداس نا ہو۔مجھے تعلیم سے کوئی نہیں روک سکتا نا ہی کیئریر بنانے سے۔میرا رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے تو پریشان کیوں ہوتے ہیں؟ایک شادی ہی ہے نا نہیں ہو گی۔کتنے ہی لوگ شادیاں کر لیتے ہیں؟کیا سب خوش ہوتے ہیں؟نہیں۔۔۔یہ صرف ایک فینٹسی ہے اور جب اصل میں شادی شدہ زندگی میں داخل ہوتے ہیں تو اصل مشکلات کا پتا چلتا ہے۔میں نے ویسے بھی شادی کو زندگی کا گول نہیں بنایا۔مجھے شادی نہیں کرنی۔"

مہروز نے ایک بار پھر باپ اور ماں کو ماضی میں بھیج دیا تھا۔وہ کیا تھی؟کیا فرح کا نیا روپ؟کیا اس گھر کی ایک اور بیٹی شادی سے اتنی بدظن ہو گی کہ وہ بھی ساری زندگی اکیلے گزار لے گی؟

یاسمین ایک بار پھر بین کرنا چاہتی تھی۔یہی تو غم تھا جو اس وقت ان کی بیٹی نہیں سمجھ رہی تھی۔اس کا مستقبل ان کو رلاتا تھا۔وہ کب تک زندہ رہے گے اور وہ کب تک اکیلے رہ لے گی؟

"نہیں ایسے نہیں کہو۔" جرار نے آہستہ سے کہتے ہوئے بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

"نہیں بابا۔یہ ریئلٹی ہے اور اسے قبول کرے۔پلیز مجھے کسی کے سر نہ تھوپے۔میں اپنا مقام بنانا چاہتی ہوں۔میں کیا تیر مار لوں گی شادی کر کے؟اگر یہ رشتے کا پروسیس ہم سب کو ہی تکلیف میں ڈالتا ہے تو میں اس سے نہیں گزرنا چاہتی۔"

"اللہ سے امید رکھو۔" جرار بس اتنا ہی کہہ پائے تھے۔یاسمین ہونٹوں پر کپڑا رکھے بے آواز رونے لگ گئی تھی۔

"ہے نا اللہ سے امید۔میں بس شادی کی امید ہی کیوں رکھو جب کہ وہ قادر ہے اور مجھے اس سے بھی زیادہ نواز سکتا ہے۔میں معاشرے کے لیے ان فٹ ہو نگی مگر میں اپنے آپ میں بہت صحت مند اور عقل والی ہوں۔میں خوش ہوں اس بیماری سے۔یہ ایک فیکٹ ہے بابا کہ لڑکے خوبصورت لڑکی چاہتے ہیں اور میں کبھی بھی 'مطلب میرا چہرہ کبھی بھی خراب ہو سکتا

Clubb of Quality Content

ہے۔اس بیماری کا پری وینشن کے علاوہ کوئی علاج نہیں بابا۔کوئی مستند علاج نہیں ورنہ پیسے والے لوگ اپنی اولاد کا علاج یورپ سے کروا لیتے 'انہیں کیا کمی ہے؟ پلیز بابا میری زندگی شادی تک محدود نا کرے۔"

"ہاں ٹھیک ہے ہم تمہیں کسی بات سے نہیں روک رہے مگر شادی بھی زندگی کا حصہ ہے۔" خان بابا کا دل بھی ڈوب رہا تھا۔انہیں یہیں تو ڈر تھا کہ اس گھر کے تمام افراد بوڑھے تھے 'کس کا کب بلاوا آجائے کوئی نہیں جانتا تھا۔اس کا کوئی بھائی بہن بھی نہیں تھا تو اس کا سہارا کون بنے گا؟

"بالکل خان بابا۔شادی پارٹ آف لائف ہے 'ہول لائف نہیں۔ ہمیں لڑکیوں کو سکھانا چاہیے نا کہ اگر شادی ناکام ہو جائے یا نا ہو سکے تو ڈپریشن میں نہیں جانا چاہیے۔ بابا میں البتہ اس رشتے کے تکلیف دہ پروسیس سے گزر گزر کر ڈپریشن کا شکار ہو جاؤ گی۔میں اس بیماری کے ساتھ پبلک اسپیس میں جانے کا کانفیڈنس آج تک اسی لیے خود میں پیدا نہیں کر سکی کیونکہ لوگ بہت عجیب نظروں سے دیکھتے ہیں۔ نظریں ہی تو دکھ دیتی ہیں۔ مجھ سے کوئی

دوستی تو کرلے مگر رشتہ بناتے وقت وہ سو دفعہ سوچے گا۔میں انسان ہوں بابا میرا حوصلہ بھی ٹوٹ سکتا ہے۔"اس کی آواز رندھ گئی تھی۔

جرار نے آہستہ سے بیٹی کا سر اپنے کندھے سے لگایا تھا اور یہ مہروز کی زندگی میں پہلی دفعہ ہوا تھا کہ اس کے باپ نے اسے اپنے کندھے سے لگایا تھا۔یہ احساس 'یہ پروٹیکشن نا صرف اسے رلانے لگی بلکہ یاسمین بھی خود پر ضبط کھونے لگی تھی۔

گھر کا ماحول بھی بدل رہا تھا۔ایسے لگتا تھا جیسے مہروز اور جرار besties ہو۔ہر ویک اینڈ پر مہروز اور جرار چپس پلیٹوں میں بھر کر لیپ ٹاپ پر ہارر فلم دیکھنے بیٹھ جاتے تھے۔پہلے پہل سلیمان جان ان دونوں کو پاگل کہہ کر گزر جاتی تھی مگر ایک رات وہ بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔انہیں انگریزی سمجھ تو نہیں آتی تھی مگر ایکشن ضرور سمجھ آرہا تھا۔ان کی ہر خوفناک سین پر منہ سے نکل جانے والے 'اللہ اکبر' پر جرار اور مہروز ہنس پڑتے تھے۔

اب گھر میں کوئی اس کی شادی کو ڈسکس نہیں کرتا تھا مگر اس کے مستقبل کی فکر نے جرار کو بیماریوں میں مبتلا کر دیا تھا۔جرار اور یاسمین نے شادیوں پر جانا بھی کم کر دیا تھا 'شادی کی

تقریبات میں ان سے بس ایک ہی سوال ہوتا تھا'مہروز کی شادی کب کریں گے؟'جیسے ماں باپ سے زیادہ تو انہیں لوگوں کو مہروز کی فکر ہے۔

مہروز ماں کے گود میں سر رکھے پزل کے کلر فل ٹکڑے آپس میں ملا رہی تھی۔سلیمان جان اسی کے قریب بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے مضمحل لگ رہی تھی۔

"تمہارے دادا کے دو روپ تھے۔وہ گھر کے لیے درشت اور سخت تھے اور باہر کے لوگوں کے لیے نرم اور مددگار۔کون تھا جس کی مالی مدد نہیں کی اسی لیے تو میرے شکوہ کرنے پر خاندان والے ہنس پڑتے تھے کہ ہمارے لیے اتنا اچھا ہے تو بھلا گھر والے کیوں ناخوش ہیں؟ناشکرے لوگ۔ان کی عادت تھی روزانہ اپنی بہنوں کو کال کر کے گھر کے حالات بتانا'میری برائیاں کرنا اور باقی کی تیلی ان کی بہنیں لگاتی تھی۔پورے خاندان میں مجھے چالاک اور بری عورت مشہور کیا تھا۔انہیں سمجھاتی تھی کہ مت کیا کرے ایسے'انسان کی عزت اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے پر وہ سمجھتے ہی نہیں تھے۔"

"اور آپ کو پتا ہے بے بے جب اللہ قرآن مجید میں کہتا ہے کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کا لباس ہیں تو اس کا مطلب ہر طرح سے لباس ہیں۔ایک دوسرے کے عیب کے بھی۔" وہ پزل کے ٹکڑے ملا چکی تھی۔

"یاسمینیں مہروز کتنی سمجھدار ہو گئی ہے۔" سلیمان جان مسکرائی تھی۔وہ پیار سے یاسمین کو 'یاسمینیں' کہا کرتی تھیں۔

یاسمین نے مسکرا کر بیٹی کے ماتھے پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"پھر فرح پھوپھو گھر سے کیوں نکلی؟" اس کی تان فرح پر آکر ٹوٹتی تھی۔

سلیمان جان خاموش ہو گئی تھی۔یاسمین کا ہاتھ بھی اس کے ماتھے پر ٹھہر چکا تھا۔مہروز نے سر اٹھا کر دادی کو دیکھا تھا جن کا چہرہ بجھ گیا تھا۔

"کیا انہیں کوئی پسند تھا؟ انہوں نے اپنی پسند سے شادی کی تھی اور۔۔۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

"کاش وہ اپنی پسند سے کر لیتی شادی۔" سلیمان جان کا دکھتا دل ان کے لہجے سے واضع تھا۔ان کی زندگی کا آدھا حصہ فرح کے انتظار میں گزرا تھا۔

"پھر دادا نے زبردستی کروادی تھی شادی؟"

"اسے تو شادی کے نام سے نفرت تھی۔میری پیاری بیٹی۔"

"فرح پھوپھو تو حسین بھی بہت ہونگی۔مجھے ہلکاہلکا یاد ہے۔خان بابا جیسی ہی تھی شاید۔خان بابا انہیں کیوں نہیں لاتے؟"

"خبردار اب اس گھر میں کسی نے فرح کی بات کی۔"جرار کی دھاڑ سنتے ہی تینوں جی جان سے گھبرا گئی تھی۔بابا کیوں پھوپھو کے خلاف تھے؟

مہروز نے ایچ ای سی کا اسکالرشپ ٹیسٹ پاس کرتے ہی university of Freiburg میں ماسٹرز آف انگلش لٹریچر کے لیے اپلائی کر لیا تھا۔اس کا آن لائن انٹرویو بھی اچھا گیا تھا۔اسے یقین تھا کہ اس کا ایڈمیشن ہو جائے گا' اسے ان چند مہینوں میں جرمن سیکھنی تھی اور آگے کے پروسیس کے لیے تیاری بھی کرنی تھی۔مگر اب مشکل مرحلہ گھر والوں سے بات کرنا تھا۔

"تم ہمیں چھوڑ جاؤ گی؟"سلیمان جان نے دکھ سے پوتی کو دیکھا تھا۔

وہ چاروں شام کے وقت گھر کے ساتھ ہی پارک میں واک کرنے گئے تھے جب مہروز نے اپنے انٹرویو کا بتایا تھا۔وہ گیندے کے پھول کو دائیں بائیں کرتی سر جھکائے کھڑی تھی۔

"ہم بوڑھے لوگوں کو چھوڑ جاؤ گی ؟"یاسمین کا دل بھی بیٹھ گیا تھا البتہ جرار کمر کے پیچھے ہاتھ باندھے خاموش کھڑے تھے۔

مہروز نے سر اٹھا کر باپ کو دیکھا تھا کہ وہ کیوں ری ایکٹ نہیں کر رہے۔

"چھوڑوں گی کیوں ؟ صرف دو سال کی پڑھائی ہے اور پھر میں واپس آ جاؤں گی۔وہ بہت اچھی یونی ہے۔میں چاہتی ہوں کہ میرا exposure بڑھے۔بابا پلیز۔"اس نے منت بھری نظروں سے باپ کو دیکھا تھا"میرے پاس ٹیچنگ سے کچھ پیسے جمع ہوئے ہیں۔بابا آپ قرضہ لے لے'جرمنی میں جاب لازمی کرنی ہوتی ہے اور وہاں کے پیسے کی ویلیو بھی زیادہ ہے۔سب سے پہلے میں قرض اتارنے کے لیے پاکستان پیسے بھیجوں گی اور ہم جلد ہی قرض اتار لے گے۔بابا آپ کو میں نے کبھی وعدہ خلافی کرتے نہیں دیکھا تو میں کیسے وعدہ خلافی کروں گی۔"

"اب باپ کو قرض لینے پر اکسا رہی ہو۔ خدایا پاکا۔" سلیمان جان گھٹنے پر دباؤ ڈالتے ہوئے ساتھ بینچ پر بیٹھ گئی تھی۔

"قرض لینے کو کہا ہے چوری کرنے کا تو نہیں۔ میرا اسکالرشپ بھی ہے بے بے' اپنی محنت سے ٹیسٹ پاس کیا تھا۔" مہروز نے منہ بسورتے ہوئے کہا تھا "میں چاند پر جانے کا تو نہیں کہہ رہی۔ میں آب و ہوا بدلنا چاہتی ہوں۔ یہاں رہی تو بہت جلد مایوس رہنے لگوں گی۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ اپنے own پر آپ لوگوں سے دور میں کیسا انسان بن سکتی ہوں۔ میں اپنا پوٹینشل چیک کرنا چاہتی ہوں۔"

جرار نے صرف ایک لمحے کے لیے نظر اٹھا کر بیٹی کو دیکھا تھا اور بیٹی کی آنکھوں میں امید دیکھ کر وہ ہار گئے تھے۔ بابا کی اجازت نے جہاں مہروز کا چہرہ کھلا دیا تھا وہی اس کی دادی اور ماں دل مسوس کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ جرمنی جانے سے پہلے جتنے دن یہاں رہی اس کی ماں اور دادی بس روتی ہی رہی۔ مہروز انہیں دیکھ کر دکھی بھی ہو جاتی تھی مگر وہ جانتی تھی وہ جلد آجائے گی۔

اسے یہاں کے حبس زدہ ماحول سے نکلنا تھا جو عورت کے لیے تنگ معاشرہ تھا۔ وہ بہت سارا کمانا چاہتی تھی۔ وہ کسی کے سہارے نہیں بیٹھنا چاہتی تھی۔ وہ یہاں غربت کی چکی میں نہیں

پسنا چاہتی تھی۔ وہ اتنا کمانا چاہتی تھی کہ کل کو اسے کوئی ناکام عورت نا کہے'سب اس کی قسمت پر رشک کریں۔ اسے کسی مرد کا سہارا نہیں چاہیے تھا نا ہی وہ اپنے بال رشتے کے انتظار میں بیٹھ کر سفید کرنا چاہتی تھی۔

اور وہ نہیں جانتی تھی کہ جرمنی اس کی قسمت ہی نہیں اس کا دل بھی بدل کر رکھ دیگی۔

☆☆☆

صبح کے سات بج رہے تھے اور مہروز دیوار گیر آئینے کے سامنے کھڑی اپنے بالوں کو ہائی پونی میں باندھ رہی تھی۔ وہ اب پورے ستائیس سال کی ہو چکی تھی۔ اس کے بال کمر سے نیچے تک لمبے اور گھنے تھے۔ کانوں کے گرد ear warmer پہن کر اس نے خود پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی تھی۔ اس نے سر پر پی کیپ پہن لیا تھا۔ اس کے چہرے اور گردن پر کل پانچ ننھے کالے تل تھے۔ اس کے ہونٹ بھرے بھرے تھے'مائدہ کو اس کے ہونٹ پسند تھے کہ لپ اسٹک لگائے تو کچھ رنگ تو نظر آتا تھا۔

گھٹنوں تک آتی پنک فراک'موٹا جیکٹ' گلے میں پہنے مفلر اور بلیو جینز کے ساتھ وہ تیار نظر آرہی تھی۔ وہ بیڈ پر پڑا بیگ اٹھا کر مڑی تھی کہ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ اس کی رشین

روم میٹ جھومتی ہوئی اندر آ رہی تھی۔ وہ ہفتے میں چار دن اسی حالت میں واپس آتی تھی 'نجانے پڑھتی کس وقت تھی؟ اس کے ٹاپ پر قے کے نشان خشک ہو چکے تھے۔ وہ توازن برقرار نا رکھتے ہوئے مہروز کے بیڈ پر اوندھی لیٹ گئی تھی۔ مہروز ماتھے کو دائیں ہاتھ سے مارتے ہوئے اس کی پشت دیکھنے لگی۔ وہ دوسری دفعہ اس کی بیڈ پر اس حالت میں گری تھی اور اب اسے واپس آ کر بیڈ شیٹ بدلنی ہو گی۔

وہ بیگ کندھوں پر ڈالے اپنے کمرے سے نکل آئی تھی۔ یہ دو منزلہ گھر تھا جو تقریباً بیس مرلے تک تھا۔ اس گھر کی اونر دو مڈل ایج کورین خواتین تھی۔ لانڈری ہر کوئی اپنی کرتا تھا البتہ کچن کا کام وہی کرتی تھیں۔ ان کی سخت نظر ہوتی تھی راشن پر۔ صرف مہروز اپنا کھانا خود بناتی تھی کیوں وہ حلال کھانے کا خاص خیال رکھتی تھی۔ یہ گھر boarding house کی طرح تھا جہاں اوپر نیچے کافی کمرے تھے اور ہر کمرہ اچھا خاصہ بڑا تھا۔ ہر کمرے میں دو دو لڑکیوں کا بیڈ رکھا گیا تھا۔

وہ آج بغیر ناشتہ کیے ہی گھر کا دروازہ کھول کر باہر نکل چکی تھی۔ سامنے بلڈنگ پر پڑتی ہلکی سنہری روشنی کو دیکھ کر وہ مسکرائی تھی۔ فری برگ 'جرمنی کا خوبصورت شہر تھا۔ یہاں کا

انفراسٹرکچر نہایت خوبصورت اور آنکھوں کو بھاتا تھا۔جب لائٹ پنک کلر کی بلڈنگ پر دھوپ پڑتی تھی تو ایسے لگتا تھا جیسے کینوس پر کسی مصور نے رنگ بھر دیے ہو۔یہاں کی گلیوں کی سڑکیں تار کول کی بنی ہوئی نہیں تھی بلکہ جیسے کسی نے تازہ بنی گولڈن اینٹیں زمین میں دھنسادی ہو۔وہ اسائیکل چلاتی تازہ ہوا پھیپھڑوں میں بھر رہی تھی۔یہاں کی تازہ ہوا کا سنا تھا مگر خود یہاں آکر اسے اندازہ ہوا تھا کہ اس شہر کو one of the green cities in the world کیوں کہا جاتا ہے۔پہلے پہل وہ اندرون شہر چلنے والی خوبصورت ٹرین میں اپنے کام پر پہنچا کرتی تھی پھر اس کی انڈین دوست جاتے جاتے اس کے لیے اپنی اسائیکل چھوڑ گئی تھی۔اس کے اسائیکل کے آگے ایک چھوٹا سا ٹوکرا لگا ہوا تھا جس میں وہ روزانہ تازہ پھول رکھ کر سوکھے پھول ہٹا دیتی تھی۔یہاں ہر عمر کا فرد اسائیکل چلاتا تھا' یہاں بڑی بڑی گاڑیاں اور گاڑیوں سے اٹھتا دھواں نہیں تھا۔

وہ اسائیکل برج پر چڑھا چکی تھی۔برج کے دونوں طرف پانی بہہ رہا تھا۔برج کی ریلنگ آدھی کٹی بیضوی شکل کی تھی۔یہ ریلنگ ہرگز خطرناک نہیں تھی اسی لیے لوگ اور ان میں سب سے زیادہ کپلز اس اونچی ریلنگ پر بیٹھ کر صبح صبح نکلے سورج کی شعاؤں سے محظوظ ہوتے تھے۔

وہ ایک تنگ گلی میں داخل ہو گئی تھی جس کے دونوں طرف اونچے مکانات تھے۔ یہاں گلیوں کے دونوں طرف تنگ سے خندق تھے جیسے water streams ہو جس میں ہر وقت پانی رواں رہتا تھا۔ وہ شروع شروع میں کئی بار اس ٹھنڈے پانی میں اپنی اسائیکل پھنسا چکی تھی۔

اس نے ایک بات نوٹ کی تھی کہ یہاں کہ لوگ ہر وقت مسکراتے تھے۔ کبھی کبھی تو اسے ہاتھ بھی ہلا دیتے تھے اور پھر وہ بھی مسکرا کر ہاتھ ہلا دیتی تھی۔ یہاں کے لوگ خوش باش تھے کیوں نا ہوتے۔ یہاں لوگوں کو معاش کی فکر نہیں تھی۔ غربت بھی کم تھی 'نوجوان فیوچر کے لیے پریشان نظر نہیں آتا تھا۔ یہاں کی حکومت اپنی عوام کا سوچتی تھی۔ جب سب اچھا ہو تو مایوسی کے بارے میں سوچے گا کون؟

اس کا 'ماچو کیفے' نزدیک آتے ہی وہ اسائیکل ایک طرف کھڑی کرتے فوراً اندر کی طرف بڑھی تھی۔ اسے یہاں کام کرتے ہوئے آٹھ مہینے ہو گئے تھے۔ اس کیفے کی اچھی بات یہ تھی کہ کیفے کا اونر اس سے ایکسٹرا کام نہیں لیتا تھا۔ وہ بس دن کے بارہ تک ہی یہاں کام کرتی تھی

اور پھر یونیورسٹی روانہ ہو جاتی تھی۔ یونیورسٹی سے واپسی پر وہ بورڈنگ ہاؤس اور رات کو پڑھنے کا موقع بھی مل جاتا تھا۔ سب کچھ آئیڈیل تھا۔

وہ بیگ کاؤنٹر کے نیچے بنی الماری میں ڈالتی اپنا ایپرن نکال چکی تھی۔ ایپرن باندھتے ہی وہ کافی بنانے کی تیاری کرنے لگی۔ کیپوچینو کافی کی مہک نے پورے کیفے کو مہکا دیا تھا۔

"میں جانتا تھا تم مجھ سے بھی پہلے پہنچی ہو گی۔" اس کیفے کا مالک Otto Felix مسکرا کر کہتے ہوئے اندر داخل ہوا تھا اور مہروز کی پشت دیکھی تھی۔ وہ پچاس کے لگ بھگ عمر کا مرد تھا جس نے ٹنڈ کرا رکھی تھی۔

"آپ کی کافی۔" مہروز نے کافی کا دوسرا کپ کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے ابرو سے کپ کی طرف اشارہ کیا تھا اور فریج کی طرف مڑی تھی۔

"کل رات بہت ٹھنڈ تھی۔" وہ اسٹول کھینچتے ہوئے وہی بیٹھ کر کافی کا کپ اٹھا چکا تھا۔ وہ دونوں شستہ انگلش میں بات کر رہے تھے پر اوٹو کے لہجے میں جرمن ایکسنٹ کا ٹچ آتا تھا۔

"بہت۔" وہ فریج سے ٹی کیک نکال کر اوٹو کے مخالف سمت کاؤنٹر کی طرف آ چکی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"تم چاہو تو میرا کچن استعمال کر لو۔ تم پڑھائی کرتی ہو تمہیں بہت خوراک کی ضرورت ہے' کچھ ہیوی ناشتہ بناؤ۔" اوٹو اس کے لیے فکر مند لگ رہا تھا۔ وہ ایسا ہی تھا ہر کسی کے لیے فکر مند مگر کچن میں پرسنل کام کی اجازت ہر کسی کو نہیں دیتا تھا۔

مہروز نے ٹی کیک کھاتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ وہ جو شائی سی تھی اسے اب بات کرنا اور دوستی کرنا آگئی تھی۔ وہ جلد ہی نہیں گھل مل جاتی تھی' وقت لیتی تھی مگر اچھے لوگوں سے دوستی رکھتی تھی۔ تو اس نے بات چیت کرنا سیکھ لیا تھا' اسے لوگوں کو ڈیل کرنا آگیا تھا۔

آج کچن استعمال کرنے کی آفر اوٹو نے اسے دوسری بار دی تھی۔ مہروز نہیں چاہتی تھی کہ اس کے باقی ورکرز کو لگے کہ اوٹو اسے فیورز دیتا ہے اسی لیے وہ یہ آفر نہیں قبول کرتی تھی۔ یہاں کام کرنے والے تمام لڑکے لڑکیاں اسٹوڈنٹس تھے اور ان تمام کو اپنا خرچہ خود اٹھانا تھا۔

"I'm good" اس نے کافی ہونٹوں سے لگائی تھی۔

"اب کتنا قرضہ رہ گیا؟" اوٹو ہر مہینے اس سے پوچھتا تھا۔

"چوبیس لاکھ۔" مہروز نے گہرا سانس بھر کر کہا تھا۔ اسے مخصوص آورز ملے تھے اور وہ اس سے زیادہ کام نہیں کر سکتی تھی ورنہ وہ دوسری جاب ڈھونڈ کر جلد از جلد قرضہ اتارنے کی کوشش کرتی۔ ہر مہینے ملنے والی تنخواہ سے وہ بہت کم اپنے لیے رکھتی تھی اور ان آٹھ مہینوں میں وہ کل پچیس میں سے ڈیڑھ لاکھ روپے کا قرض اتار چکی تھی۔

"میں تمہارے لیے کہیں اور بھی جاب دیکھ رہا ہوں جو تمہیں مجھ سے بھی زیادہ پے کرینگے۔" وہ کافی کا آخری گھونٹ بھر کر اب اٹھ چکا تھا اور کچن کاؤنٹر سے گھومتے ہوئے کھونٹی سے لٹکے ایپرن کو اٹھا کر پہننے لگا۔ وہ فارغ نہیں بیٹھتا تھا بلکہ اپنے ورکرز کے شانہ بشانہ کام کرتا تھا۔

"مگر کوئی بھی مجھے چار گھنٹے کی جاب آفر نہیں کریگا جبکہ میرے فارم کے مطابق میں بس چار گھنٹے ہی کام کر سکتی ہوں۔" اس نے پلٹ کر اوٹو کو دیکھا تھا۔

"ڈونٹ وری۔" اوٹو مسکرا کر کافی میکر کی طرف بڑھا تھا۔

ٹھیک بارہ بجے مہروز اپنا کالا بیگ اٹھا کر کیفے سے نکلی تھی اور اسائیکل پر بیٹھتے ہی یوٹرن لیا تھا۔ یہاں سب کچھ فاسٹ تھا' وہ یہاں زیادہ ہشاش بشاش تھی۔ پاکستان میں وہ اپنے باپ پر

انحصار کرتی تھی جبکہ یہاں چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی وہ خود خریدتی تھی۔اس نے مسکرا کر اپنے گھر والوں کا سوچا تھا۔وہ ہر روز یونیورسٹی سے واپس آنے کے بعد لازمی گھر والوں سے بات کیا کرتی تھی۔پاکستان جرمنی سے تین گھنٹے آگے تھا۔

وہ ماسٹرز کے دوسرے سمیسٹر کی طالبہ تھی۔یونیورسٹی آف فری برگ مختلف بلڈنگز پر مشتمل تھا۔وہ نہایت صاف شفاف تھا جیسے کوئی شیشہ چمک رہا ہو۔وہ چمکتے شیشے جیسے بلڈنگ کے اندر داخل ہو چکی تھی۔بلڈنگ میں بھانت بھانت کے لوگ نہیں تھے۔وہ جیسے کسی پرسکون جگہ آگئی تھی۔سفید دیوار اور ٹائلز پر مشتمل کاریڈور میں اسے دائیں بائیں واک کرتے ہوئے پندرہ منٹ ہو چکے تھے۔ٹھیک ساڑھے بارہ ہوتے ہی وہ کلاس میں داخل ہوئی تھی۔اس کی کلاس کی دیواریں بھی سفید پینٹ شدہ تھی اور کرسیاں بھی۔سفید کرسیاں اور ان کے آگے رکھے سفید میز ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر رکھے گئے تھے جیسے پاکستان میں ایگزامز کے دوران رکھے جاتے ہیں۔سامنے ہی دیوار پر بڑی سی ایل ای ڈی نصب تھی۔

وہ فرنٹ رو میں رکھی کرسی پر بیگ رکھتے ہوئے بیٹھ چکی تھی۔سر سے پی کیپ ہٹاتے ہوئے بیگ میں رکھ کر ہاتھوں سے ہی ماتھے کی طرف بال ہاتھ کی ہتھیلی سے بٹھانے لگی۔کلاس کا

دروازہ کھلا تھا اور چند لڑکے لڑکیاں اندر داخل ہو چکے تھے۔ وہ اسے مسکرا کر دیکھتے ہوئے اپنی اپنی کرسیوں کی طرف بڑھ چکے تھے۔ اسے بے اختیار اپنا جی سی یونورسٹی یاد آئی تھی جہاں کلاس میں داخل ہونے والا کوئی بھی اسٹوڈنٹ چپ چاپ اندر نہیں آتا تھا۔ ایک شور برپا ہوتا تھا۔ روزانہ کی روداد سنانے کو طلبہ تڑپ رہے ہوتے تھے۔ کچھ تو بیگز رکھتے ہی کینٹین کی طرف دوڑ لگاتے تھے اور کچھ کرسیاں کم ہونے پر دوسری کلاسوں سے کرسیاں گھسیٹ گھسیٹ کر لاتے تھے۔ ایک ادھم مچا ہوتا تھا۔ مہروز نے مسکرا کر اپنے پاکستانیوں کو یاد کیا تھا۔

"Hallo Rapunzel" یہاں انگریزوں کی طرح ہیلو میں 'ای' نہیں بلکہ 'اے' لگایا جاتا تھا۔ وہ کولہوں تک لمبے بالوں کی وجہ سے کلاس میں راپنزل مشہور تھی جبکہ یہاں سب کے بال کندھوں یا اس سے زرا نیچے تک ہی ہوتے تھے۔

"ہالو۔" مہروز نے پلٹ کر مسکرا کر برونو کو جواب دیا تھا۔

"ہمیشہ کی طرح تم کلاس میں سب سے پہلے آئی ہو۔ خیر 'یونو سر ایمل البرٹ پرسوں سیمینار روم میں انوائیٹڈ ہیں۔ تم جوائن کرو گی؟"

ایمل البرٹ۔۔۔یہ کون ہے؟ مہروز نے اسے دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔وہ پوچھ کر شرمندہ بھی نہیں ہونا چاہتی تھی 'وہ کیا کہے کہ اسے کچھ پتا ہی نہیں کہ اکڈیمکس میں کون کون اپنا نام بنا چکا ہے۔وہ اپنا مذاق ہی بنوالے گی یوں تو۔

"شیور۔کس ٹائم آئے گے؟"مہروز نے مسکرا کر ایکسائٹمنٹ شو کی تھی۔

"شام کے پانچ بجے۔وہ تمہیں بہت پسند آئے گے۔"

مہروز نے مسکرا کر سر ہلایا تھا اور واپس ایل ای ڈی کی طرف مڑ کر' ڈیسک پر باہم انگلیاں پھنسا کر دونوں ہاتھ رکھ دیے تھے۔چلو اگر کوئی عام سے اکڈیمک رائٹر ہوئے تو وہ لیکچر کے درمیان سے ہی اٹھ جائے گی۔

اسے سامنے ایل ای ڈی میں اپنے پیچھے بیٹھے لڑکے لڑکیوں کا عکس نظر آنے لگا۔یہاں اس سے بھی زیادہ لمبے مرد و خواتین موجود تھے کہ اسے اپنا آپ ان سب میں چھوٹا لگتا تھا۔چلو اب کوئی اسے کھمبا تو نہیں سمجھتا تھا۔یہاں تو ہر آنے جانے والا اپنے آپ میں کھمبا ہی تھا۔

☆☆☆

لاہور میں فروری کے موسم میں ٹھنڈ تھی۔ آج تو ہوا اور بھی آلودہ لگ رہی تھی۔ جرار چھت پر بیٹھے چودہویں کے چاند کو یاسیت سے دیکھ رہے تھے۔ وہ پچھلے سال جرمنی گئی تھی اور روزانہ بس ویڈیو کال پر ہی بات ہوتی تھی۔ جوں جوں عمر بڑھتی جا رہی تھی جرار نئے واہمات کا شکار ہو رہا تھا۔ وہ واپس آ گئی اور جرار زندہ ہی نہ رہا؟ وہ اسے اپنے سامنے 'اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے' سر پر ہاتھ رکھنا چاہتے تھے۔

خاندان والے فرح کی وجہ سے اس سے ناراض تھے اور جو باقی رہ گئے تھے وہ بیٹی کو اکیلے باہر بھیجنے پر اس پر لعنت ملامت کرتے تھے۔ اسے بے غیرت کہنے لگے تھے جس نے جوان بیٹی کو کچھ زیادہ ہی چھوٹ دے رکھی تھی۔ اس کی بیٹی کے کردار پر انگلیاں اٹھائی جا رہیں تھیں۔ اس کی زندگی کبھی سکون سے نہیں گزری تھی۔ پہلے باپ کی سختی اور بے توجہی نے اسے توڑا تھا' پھر فرح کی بغاوت نے اور اب اس کو بیٹی کا ساتھ دینے پر باتیں سنائی جانے لگی تھی۔ مگر یہ 'لوگ' تھے کون؟ خدا تو نہیں تھے اس کی مخلوق تھے پھر زمین کے خدا کیوں بنے پھرتے تھے؟

اسے ایک اور غم بھی کھائے جا رہا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کے مستقبل کے لیے کیا چھوڑ کر جا رہا تھا؟ وہ شوگر اور بلڈ پریشر کا مریض اب اپنی صحت پر مزید بوجھ نہیں ڈال سکتا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہیں؟" یاسمین کی آواز پر انہوں نے چونک کر سر دائیں طرف موڑ اتھا۔ یاسمین ان کے دائیں طرف کرسی پر بیٹھ رہی تھی۔

"رات کے دو بجے یہاں بیٹھے ہیں۔ صبح بینک نہیں جانا کیا؟"

جرار گہرا سانس بھر کر پیٹ پر دونوں ہاتھوں کی انگلیاں پھنسا کر ہاتھ رکھ چکے تھے۔

"کیا بات ہے خان' ہر دوسرے تیسرے دن یہاں آکر بیٹھ جاتے ہیں۔ نیند کیوں پوری نہیں کرتے؟"

"نیند بڑھاپے میں ویسے ہی بھاگ جاتی ہے۔ اور جب اولاد نزدیک نا ہو تو نیند بھی نہیں آتی۔" جرار مسکرائے تھے۔

"میرے باپ نے کبھی ہمیں پیار نہیں دیا اس لیے میں شروع میں جھجکتا تھا مہروز سے لیکن اس کا بابا کہنا بہت اچھا لگتا تھا۔ ہماری دوستی بڑی لیٹ ہوئی اور یہ میری ہی غلطی ہے۔ ماں کا

رشتہ تو بچے سے کوکھ میں ہی بن جاتا ہے البتہ باپ کو اپنی اولاد کو توجہ دینی ہوتی ہے'اپنے لمس کا احساس اور پہچان کرانی پڑتی ہے۔"

"آپ اچھے باپ ہیں۔اس کی تو اب دوستی بھی آپ سے زیادہ ہے۔میری نہیں وہ آپ کی مانتی ہے۔"یاسمین نے سر جھٹکتے ہوئے پیر چپلوں سے آزاد کیے تھے اور کرسی پر دونوں پاؤں اوپر اٹھا کر رکھے تھے۔

"مجھے اس کی مستقبل کی فکر کھائے جارہی ہے۔"انہیں بات کرتے کرتے بہت سا پسینہ آیا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"جب میرا باپ فوت ہوا تو اپنی ایک ہی زمین بھائی کے بچوں کے نام کر دی۔نجانے انہیں ہم اپنی اولاد لگتے بھی تھے کہ نہیں۔آج کل اتنی مہنگائی ہے کہ جس کا پہلے سے گھر موجود ہو چاہے چار مرلے کا ہی کیوں نا ہو وہ خوش قسمت ہے۔میرے باپ نے مجھے مشکل میں ڈالا میں ساری زندگی اپنی زمین لینے کے لیے پیسے جوڑتا رہا اور اب وہی مستقبل کیا اپنی بیٹی کے لیے بھی چھوڑ دوں؟میں ریٹائر ہو جاؤ گا تو کیا کریں گے ہم؟ہم اس دنیا میں نا رہے تو ہماری

بیٹی کیا کرے گی؟ میں اس کے لیے ایک مکان بھی نہیں لے سکا۔ ہے کیا میرے پاس ایک موٹرا سائیکل اور بینک میں کچھ پیسے 'بس۔" انہوں نے سینے پر دایاں ہاتھ رکھا تھا۔ وہ بینک میں بیٹھے ہو یا گروسری شاپ پر' یا گھر پر' بیٹی کے مستقبل کا سوچ کر وہ یونہی رو دیتے تھے۔ انہیں اپنا آپ بہت بے بس لگ رہا تھا۔

"تو آپ نا بیچتے وہ پلاٹ جس کی قسطیں جمع کر رہے تھے۔ تین چار سال بعد آپ ریٹائر ہو جائے گے تو قسط جمع کرنے کے پیسے بھی نہیں رکھ سکیں گے۔ کیوں اس کی باتوں میں آکر پلاٹ کی فائل بیچ دی؟" انہیں پھر سے اپنے شوہر پر غصہ آنے لگا تھا۔

"میں اس کے خوابوں کے بیچ دیوار نہیں بننا چاہتا تھا۔ یہ خواہش وہ شاید دبا جاتی اور یہی دبی خواہش اس کا دل توڑ دیتی' مرجھا دیتی۔" ان کا گلہ رندھ گیا تھا۔

"وہ تو پاگل ہے اسے کیا سمجھ ہے آپ بھی پاگل بن گئے۔ ابھی تین سال اور قسط جمع کرتے تو اس کے نام پلاٹ تو ہو جاتا۔ اب کیا ہے ہمارے پاس؟" دونوں میاں بیوی ایک بار پھر مہروز کے مستقبل کے لیے پریشان ہونے لگے تھے۔

"یہی تو خوف ہے مجھے کہ میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکا۔ وہ عورت ذات اپنے لیے کل کو دھکے کھاتی رہے گی۔ زمانہ کتنا خراب ہو چکا ہے 'بن ماں باپ کے بچی۔۔۔" وہ اگلے الفاظ بھی ادا نہیں کر پائے تھے 'ان کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑا تھا۔

"مجھے بھی یہی خوف ہے۔" یاسمین کی آواز میں مستقبل کا خوف تھا "ہم کب تک زندہ رہیں گے 'پھر وہ کیا کریں گی ؟اس کا تو کوئی بھائی بہن بھی نہیں ہے اور رشتہ دار۔ وہ کوئی مدد نہیں کرینگے مگر باتیں سب سے زیادہ بنائیں گے 'انہیں غرور ہے کہ اللہ نے انہیں بیٹے دے رکھے ہیں جو ان کا سہارا ہیں اس لیے دوسروں پر باتیں بنانا سب سے زیادہ آسان ہے ان کے لیے۔ آپ کی مامی پھیلا رہی ہے خاندان میں کہ جرار کے گھر کی عورتیں منحوس ہیں 'پہلے فرح کی شادی نہیں ہونے دی اور اب بیٹی کو بھی گھر بٹھا رہے ہیں۔"

جرار دائیں ہاتھ کی ہتھیلی میں اپنا چہرہ رکھے دکھ سے آنکھیں بند کر چکے تھے۔

"خان۔" یاسمین احتیاط سے الفاظ تول کر اگلی بات کہنے کے لیے کرسی پر ذرا آگے جھکی تھی۔

"کیوں نا ہم کوئی ایسا مرد دیکھے جو بے شک پہلے سے شادی شدہ ہو۔"

جرار نے پٹ سے آنکھیں کھول کر حیرانی سے یاسمین کو دیکھا تھا۔

"دیکھیے یہ خوف ہم دونوں کو ہے کہ وہ ہمارے بعد کیا کرے گی تو ٹھیک ہے ہم اس کے لیے کنوارہ مرد نہیں دیکھے گے۔ مرد عورت کا بہت بڑا سہارا ہوتا ہے۔اس پاکستانی معاشرے میں مرد کا ساتھ نا ہو تو لڑکی پر بہت سی باتیں بنتی ہیں اور اگر لڑکی پڑھی لکھی' باہر سے پڑھ کر آئی ہو تو لوگ بگھار لگا کر اس کی کردار کشی کرتے ہیں۔"

"میں نے کسی سڑک سے اپنی بیٹی کو نہیں اٹھایا جو ایسے ہی کسی دوسری شادی والے کو دے دو۔ کوئی بوجھ نہیں ہے مجھ پر۔" ان کے دل پر بوجھ مزید بڑھا تھا۔

"کس نے کہا وہ بوجھ ہے؟ میرے دل کی ٹھنڈک ہے وہ مگر وہ بھی کب تک یوں جوان رہے گی' اسے بڑھاپے میں بھی تو کسی کے سہارے کی ضرورت ہوگی اور اکیلے زندگی کیسے گزارے گی وہ؟ اس کی حالت ہم دونوں کے سامنے ہے' کنوارے کی رٹ لگائے رکھے گے تو اچھے اچھے رشتے ہاتھوں سے نکل جائے گے۔اس سے دوسری شادی والے ہی۔۔۔"

"بس کر دو۔" جرار کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے "تم کب سے لوگوں کی طرح اپنی بیٹی کے لیے ایسا سوچنے لگی؟" ان کا تنفس تیز ہوا تھا۔

ناول کلب
Clubb of Quality Content

"مجھے بھی تکلیف ہوئی ہے اپنی قابل بچی کے لیے ایسا کہتے ہوئے۔"ان کی آنکھیں سرخ ہو کر لبالب پانی سے بھرنے لگی تھیں"لیکن میں نے دیکھ لیا ہے لوگ لڑکی میں بہت کچھ دیکھتے ہیں 'ہلکی سی بات پر چھوڑ جاتے ہیں۔کوئی میری بیٹی کا قد یا اس کی تعلیم 'اس کی اچھائی 'مزاج میں ٹھہراؤ نہیں دیکھ رہا۔وہ بس دیکھتے ہیں کہ اس کا ظاہر کیسا ہے۔جب کہ میں نے دیکھ لیا ہے خان' باطن کی خوبصورتی ہی ظاہر کی خوبصورتی ہے۔میرا دل زیادہ دکھی ہے 'خان۔"ان کے گال آنسوؤں سے بھر گئے تھے۔

جرار اپنے سینے کو مسلنے لگے تھے۔

"آپ تو بینک چلے جاتے ہیں 'دوستوں میں بیٹھ کر گپ شپ لگا کر دھیان بٹا لیتے ہیں مگر میں اور بے بے سارا دن گھر میں بس ایک دوسرے کے ساتھ مہروز کی ہی باتیں کرتے ہیں۔ہم کہاں دھیان بٹائے؟میرا دل ان لوگوں نے بہت دکھایا ہے۔میں نے اپنی بچی کو لوگوں کے سامنے اپنے پیر اور کہنیوں کو چھپاتے دیکھا ہے۔وہ احساس کمتری کا شکار ہوتی گئی کیونکہ اس نے ایک دفعہ مجھ سے کہا تھا کہ ایسی مختلف بیماریوں پر ماں باپ کو بچوں سے بات کرنی چاہیے 'ان کو اعتماد دینا چاہیے۔مجھے اب سمجھ آیا اس کو ہم سے گلہ تھا۔ہم خاموش رہے کہ

شاید اس بیماری کا ذکر کریں گے تو وہ دکھی ہو گی' زیادہ سوچنے لگے گی مگر ہم نہیں جانتے تھے کہ وہ تو سوچتی تھی۔اسے ہماری چپ اچھی نہیں لگی۔اگر ہم اسے اعتماد دیتے تو اس میں اپنے لیے شرم نا ہوتی۔" یاسمین کا دل پھٹ رہا تھا۔

جرار سرخ آنکھیں لیے سینے کے درد سے کرسی پر پہلو بدل گئے تھے۔ان کی قمیض پسینے سے بھر چکی تھی۔ابھی تو وہ اس دنیا سے جانے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے جب تک اپنی بیٹی کے لیے کسی مضبوط ٹھکانے کا انتظام نا کر لیتے۔

"یاسمین' ساتھ والے حامد صاحب کی بیگم کو کال کر سکتی ہیں؟" انہوں نے گھبرا کر اپنی بیوی کو دیکھا تھا۔ان کے چہرے کی ہوائیاں اڑی ہوئی تھی۔

"کیا ہوا خان؟ یاسمین نے گھبرا کر پاؤں فرش پر رکھے تھے۔

"ان سے کہیے کہ مجھے اسپتال لے جائے' میرا دل ڈوب رہا ہے۔"

"حوصلہ رکھے۔میں۔" یاسمین نے تھوک نگلا تھا" ان سے کہتی ہوں۔آپ فکر نا کریں میں ہوں نا' ورنہ میں لے جاؤں گی۔" وہ شوہر کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈال کر ننگے پیر ہی سیڑھیوں کی طرف بھاگی تھیں۔

Clubb of Quality Content

جرار کا چہرہ پسینے سے شرابور تھا۔وہ کرسی پر نیم دراز ہوتے سرمئی آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔وہ اللہ سے بس اتنی مہلت چاہتے تھے کہ ان کی بیٹی ان سے مل لے!بس اتنی سی۔

☆☆☆

جاری ہے

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

خلا

باب2

فری برگ کی وہ رات

ماہ نور زہرا

مہروز کھڑکی سلائیڈ کر کے پیالہ اٹھانے لگی جو وہ روزانہ کھڑکی سے باہر ابھری ہوئی سیمینٹ پر رکھا کرتی تھی۔اسے عادت تھی وہ فجر کے وقت پیالے میں باجرہ بھر کر چڑیوں کے لیے کھڑکی سے باہر رکھتی تھی۔وہی ایک پوٹ میں پرپل پھولوں کو بھی وہ روزانہ پانی دیا کرتی تھی۔اس کی پھول بوٹوں اور چرند پرند سے اچھی خاصی دوستی تھی۔نجانے اس کے گھر کے صحن میں لگے ایلویرا کے پودوں'پودینہ اور ٹماٹروں کو اس کی ماں پانی بھی ڈالتی تھی کہ نہیں۔نہیں ڈالتی ہونگی'وہ بھول جایا کرتا تھیں۔وہ مسکرا کر فضا میں گہرا سانس بھر کر کھڑکی سے پیچھے ہٹی تھی۔منہ سے خارج ہونے والے بھاپ کو فضا کے حوالے کرتے ہی اس نے کھڑکی بند کر دی تھی۔وہ مڑ کر اپنے بیڈ کی طرف آئی تھی اور ایک بار پھر فون اٹھا کر دیکھا تھا کہیں اس کے گھر والوں نے اسے کال کی ہو اور اس نے اٹھائی نا ہو۔وہ کب سے ماں سے بات کرنے کا انتظار کر رہی تھی پر فون کی اسکرین شفاف تھی اور وہاں رات کے آٹھ بج رہے تھے۔

وہ فون واپس بیڈ پر پھینکتے ہوئے اپنی الماری کی طرف بڑھی تھی۔الماری کھول کر اس نے لحاف میں لپٹے قرآن مجید کو اٹھایا تھا۔

وہ بیڈ پر بیٹھے ہی ڈوپٹہ اچھے سے چہرے کے گرد باندھ چکی تھی اور اتنی آواز میں تلاوت کرنے لگی کہ اس کے کانوں تک اس کی آواز پہنچتی رہے۔

اسی وقت اس کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور اس کی رشین روم میٹ 'پولینا بربرا' منہ میں کچھ چباتے ہوئے اندر داخل ہوئی تھی۔اس کے بال کندھوں تک بلانڈ رنگ کے تھے۔وہ نہایت گوری تھی'اس کی بلی جیسی آنکھیں بلیو رنگ کی تھی مگر اس میں تمیز نام کو نہیں تھی۔وہ بہت چڑنے اور چڑانے والے مزاج کی تھی۔وہ اون کی شرٹ پہنے 'سر کو ٹوپی سے چھپائے دھڑام سے اپنے بیڈ پر بیٹھی تھی اور کچھ دیر خاموش بیٹھی مہروز کو سنتی رہی۔مہروز محویت سے تلاوت کرتی رہی۔

"تم خاموشی میں نہیں پڑھ سکتی جیسے کوئی ناول پڑھتا ہو؟ کتنی بار کہا ہے تمہیں 'تمہیں اپنے ارد گرد لوگوں کو تکلیف میں نہیں ڈالنا چاہیے 'کیا یہ مینشن نہیں ہے قرآن میں؟ یو نو واٹ 'بری لگتی ہے تمہاری آواز میرے کانوں کو جب تم ایک ردم میں اسے پڑھ رہی ہوتی ہو۔" وہ مہروز کی آواز کی نقل اتارنے لگی۔

مہروز نے قرآن چوم کر بند کر دیا تھا۔

"تم اونچی آواز میں جو گانے لگاتی ہو تم خیال رکھتی ہو ارد گرد کا؟ کیا تمہارا لبرل مائنڈ سیٹ تمہیں دوسروں کو تکلیف دینا سکھاتا ہے؟" مہروز نے اسے دیکھتے ہوئے قرآن کو لحاف میں لپیٹنا شروع کیا۔ اسے یہ رشین لڑکی زہر لگتی تھی جو ہر وقت منہ میں کچھ نا کچھ رکھ کر چبا رہی ہوتی تھی۔

"ہاہ 'لبرل مائنڈ سیٹ۔" پولینا نے استہزایہ کہتے ہوئے دونوں ہتھیلیاں اپنے کمر کے پیچھے بیڈ پر رکھے تھے "تم لوگوں کا مسئلہ ہی یہی ہے کہ تم لوگ دماغ سے کام نہیں لیتے۔"

مہروز نے اٹھتے ہوئے چپل میں پاؤں ڈالے تھے "اور تم لوگوں کا مسئلہ دوسروں کا دماغ کنٹرول کرنا ہوتا ہے۔ اگر وہ سوال کر دے تو فوراً سے غصے میں آجاتے ہو۔ دوسروں کو conservative کہنا شروع کر دیتے ہو۔ یو نو لبرلزم کو اچھے سے پڑھ لو۔ لبرل جو ہوتا ہے وہ سب کے دین کو ریسپیکٹ دیتا ہے یہ exclusionary liberalism کو مت اپناؤ۔ یہ اچھی لبرلزم ہوئی جس میں خود جو چاہو کرو اور دوسروں کو بھی اپنے نقش قدم پر چلانے کی کوشش کرو۔" وہ کہتے کہتے اپنی الماری تک پہنچ گئی تھی "اور تمہیں کتنی بار کہا

میں نے کہ مت لیٹا کرو میرے بیڈ پر شراب کی حالت میں 'تم باز آئی؟" مہروز الماری کا پٹ کھول چکی تھی۔ کاش وہ یوں اس سو کالڈ لبرل کا دماغ بھی کھول سکتی۔

پولینا آنکھیں گھماتے ہوئے اٹھی تھی اور چلتے ہوئے عین مہروز کی پشت کی طرف کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ مہروز سے بھی قد میں لمبی تھی اس کے مطابق چھ فٹ کی ہو گی۔ مہروز قرآن مجید سب سے اوپری خانے میں رکھ چکی تھی جب پولینا جھٹ سے اس کے دائیں طرف بنے خانے سے گولیوں کا پتا اٹھا کر پیچھے ہٹی تھی۔ مہروز اس جھٹکے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس کا پارہ یک دم ہائی ہوا تھا۔ اس کی ہمت کیسے ہوئی تھی مہروز کی الماری میں ہاتھ ڈالنے کی۔

"واپس کرو۔" مہروز جھٹ سے مڑی تھی اور نہایت درشتی سے کہا تھا۔

"یہ کیا ہے Rose؟ تم ملٹی وٹامنز کیوں لیتی ہو؟" وہ گولیوں کا پتا الٹا کر اجزاء پڑھنے لگی۔ وہ طنز کرتے ہوئے یونہی ایک طرز میں بات کرتی تھی جیسے گنگنا رہی ہو۔ وہ مہروز کو 'روزے' کہتی تھی "کیا تم پتلی ہو اور فلیٹ چیسٹ ہو اس لیے؟" اس کا لہجہ صاف مذاق اڑاتا ہوا تھا۔

Clubb of Quality Content

"تم نے میری الماری میں ہاتھ ڈالا کیسے؟ میں نے کبھی چھیڑ چھاڑ کی تمہاری الماری کے ساتھ؟" مہروز غصے سے مٹھیاں بھینچ رہی تھی جبکہ پولینا اسے چڑانے والے انداز میں دیکھ کر مسکرا کر مزید شڑپ شڑپ کے ساتھ چیونگم چبانے لگی۔

"ایسے۔" اس نے باقائدہ ہاتھ مہروز کے قریب لے جا کر واپس کھینچا تھا۔

"شٹ اپ۔ واپس کرو گولیاں ورنہ میں تمہاری الماری کھولو گی نہیں توڑو گی۔"

"اوہ۔ سیریسلی۔ تو میں توڑنے کی وجہ دیتی ہوں تمہیں۔" پولینا کندھے اچکاتے ہوئے گولیوں کے پتے سے کوٹنگ ہٹا ہٹا کر گولیاں گرانے لگی۔

مہروز فوراً سے آگے بڑھی تھی' پولینا اس کے دائیں ہو جانے پر اپنا دایاں کندھا آگے کر دیتی تو کبھی اس کے بائیں ہو جانے پر اپنا بایاں کندھا آگے کر کے راستہ بلاک کر دیتی۔ ایک ایک کر کے وہ دس گولیاں اب زمین بوس تھی۔ وہ خالی پتا فرش پر گرا کر محضوظ ہو رہی تھی۔

مہروز غم اور غصے سے فرش پر پڑی گولیوں کو دیکھ رہی تھی۔ یہ آخری پتا رہ گیا تھا اس کے پاس اور مارچ آنے میں بھی دس دن تھے۔ اس نے سوچا تھا تنخواہ ملتے ہی گولیاں لے گی مگر اب اس کے پاس دھیلا نہیں تھا کہ وہ مزید گولیاں لیتی اور پولینا نے اسے تنگ کرنے کی خاطر اس

کی دوائی ضائع کر دی تھی۔وہ گولیاں اس کے لیے تو اہمیت رکھتی تھی۔وہ برص کے لیے کھاتی تھی انہیں اور ایک دن کا بھی ناغہ نہیں کرتی تھی۔

وہ سرخ آنکھیں اٹھائے پولینا کو دیکھ رہی تھی جو ہونٹوں کو گول گھمائے اس پر افسوس کر رہی تھی۔

"تیری تو۔"مہروز اردو میں کہتے ہوئے اس کی الماری کی طرف بڑھی تھی۔

اور نیچے کچن تک ڈھاز کی آواز آئی تھی۔

لاؤنج چکور سا بنا ہوا تھا۔شیشے کا سلائیڈنگ ڈور بند تھا'مہروز اور پولینا کھڑی تھیں اور ان کے سامنے ہی کورین بہنیں سینے پر ہاتھ باندھے دونوں کو خونخوار نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔مہروز کمرے میں رکھی لکڑی کی کرسی پولینا کی الماری پر مار کر نا صرف الماری کا نقصان کر چکی تھی بلکہ کرسی بھی توڑ چکی تھی۔

"کتنا نقصان کر دیا'Aigo"روجین نے کورین لہجے میں انگریزی بولی تھی۔

"اب نقصان تم بھرو گی۔"

مہروز نے سر اٹھا کر پولینا کو دیکھا تھا جس کے چہرے پر کوئی ندامت نہیں تھی اور پھر سر موڑ کر یانگ جن کو جس کی نظریں مہروز پر تھیں۔ مہروز نے سینے پر شہادت کی انگلی رکھی تھی۔

روجین اور یانگ جن نے ایک ساتھ سر ہلایا تھا۔

"میں کیسے؟" اس کی ہوائیاں اڑ گئی تھی "یہ۔۔۔ اس نے شروع کیا۔"

"ہمیں دلچسپی نہیں ہے۔"

"ہونی چاہیے۔ وجہ جانی چاہیے کہ شروع کس نے کیا۔"

"ہم ماں نہیں ہیں تمہاری کہ وجہ جان کر تم دونوں کو ڈانٹیں۔ ہمارا کام ہمارے نقصان سے ہے جس کو تم بھرو گی۔" ان کورین خواتین کی کورین انگریزی وہ بامشکل ہی سمجھ پاتی تھی۔

پولینا ہونٹ آپس میں پیوست کیے مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

اتنی سردی میں بھی مہروز کے ہونٹوں کے اوپر پسینہ آ گیا تھا۔ اس کے پاس اپنی گولیاں لینے کو پیسے تو تھے نہیں وہ ان کا نقصان کیسے بھرتی؟ اور پاکستان میں قرضہ؟ اگر وہ اگلی تنخواہ انہیں دے دیگی تو خود کیسے مہینہ گزارے گی؟ اسے یک دم اپنے غصے پر غصہ آنے لگا مگر مائدہ کہتی تھی کہ وہ کبھی کبھی ہی تو درست بات کے لیے کھڑی ہوتی تھی۔ اس نے جو کیا سہی کیا۔

"میں کہاں سے بھروں نقصان؟ میرے پاس ان گولیوں کے بھی پیسے نہیں جو اس نے ضائع کر دیے اس لیے اس کی الماری کا دروازہ توڑ دیا کہ اس نے میری الماری میں ہاتھ ڈالا کیسے۔ آئی سویئر میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔" بحث کا مزہ اپنی ہی زبان میں آتا تھا' انگریزی میں اس کا غصہ سہی سے نکل نہیں رہا تھا۔ اسے اپنی پشتو شدید یاد آرہی تھی۔

"گولیاں کس چیز کی گولیاں؟" روجین نے بھنویں اٹھا کر کہا تھا۔

"آپ میری امی نہیں ہیں کہ میں وجہ بتاؤ۔ یہی کہا نا آپ نے تو پرسنل بات بھی پھر کیوں بتاؤں میں؟" اس نے اسی کا جملہ اسی کے انداز میں لوٹایا تھا۔

روجین نے گڑبڑا کر یانگ جن کو دیکھا تھا اور پولینا اپنے بائیں طرف دیوار پر لگے آئینے میں خود کو دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ سارا ملبہ تو مہروز پر گرا تھا' اس کا تو کوئی نقصان نہیں ہوا تھا نقصان مہروز کا ہوا تھا تو وہ خوش کیوں نا ہوتی۔

"تمہیں صبح کاغذ پر رقم لکھ دونگی۔ جلد از جلد۔۔۔" یانگ جن نے فوراً روجین کی بات کاٹی تھی۔

"کل پرسوں۔ بس اس سے زیادہ کا وقت نہیں۔"

"یاخدایاپاکا'زچڑتاخاخاشولو۔"(یااللہ میں کہاں پھنس گئی ہوں۔)مہروز روہانسی ہوگئی تھی۔اس نے اپنا غم پشتو میں بیان کیا تھا۔

"کیا بولا؟ٹرانسلیٹ؟"روجین کے کان کھڑے ہوگئے تھےاور ساتھ چھوٹی سی ناک بھی۔

"مجھے دس دن کی مہلت دے دے۔مجھے دس دن بعد تنخواہ مل جائیں گی'میں دے دونگی۔"

"اگر نا دیے تو گھر سے بھی نکال دونگی اور پیسے بھی نکلواؤ گی۔"روجین نے سخت لہجے میں وارن کرتے ہوئے انہیں جانے کا کہا تھا۔

پولینا شیطانی مسکراہٹ اچھالتی اس سے پہلے لاؤنج سے نکل گئی تھی۔مہروز نے اس کی پشت دیکھتے ہوئے دانت پیسے تھے۔وہ اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی اور ستم ظریفی یہ تھی کہ وہ اس کی روم میٹ تھی۔

ہاہ'روم میٹ۔

☆☆☆

پاکستان میں دن کا وقت ہو چکا تھا۔ تنگ سی گلی میں پانچ مرلہ گھر میں اداسی تھی۔ جرار بیڈ پر لیٹے ہوئے تھے۔ کھڑکیوں سے پردے ہٹائے گئے تھے' اس لیے دھوپ کو اندر داخل ہونے کا کھلا راستہ مل گیا تھا۔ حامد صاحب اپنے پندرہ سالہ بیٹے کے ہمراہ بیڈ کے دائیں طرف رکھے صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حسیب مہروز کے جانے کے بعد گھر کا سودہ خریدنے اور بلز جمع کرنے میں جرار کی مدد کرتا تھا۔ جرار کے گھر خواتین تھیں اس لیے وہ گھر میں مردوں کو کم ہی بلاتے تھے مگر حسیب ان کے سامنے پیدا اور بڑا ہوا تھا' وہ ان کے لیے بیٹے جیسا تھا۔ وہی اپنے اسمارٹ فون سے سلیمان جان اور یاسمین کی مہروز سے ویڈیو کال کرواتا تھا کیونکہ ان تینوں میں سے کسی کو بھی اسمارٹ فون استعمال کرنا نہیں آتا تھا۔

"یار بلوا لو بیٹی کو۔ جب سے وہ گئی ہے تم کمزور ہوتے جا رہے ہو اور اب مائنر ہارٹ اٹیک بھی آ گیا ہے۔ جب مائدہ رخصت ہوئی تھی تو میری بھی حالت کچھ مختلف تو نہیں تھی مگر وہ پاکستان میں تو تھی۔ میں اسے سامنے سے دیکھ تو سکتا ہوں۔ جب چاہے جا کر مل سکتا ہوں۔"

"میں ٹھیک ہوں۔" جرار مسکرایا تھا۔

"چلو۔" حامد نے جیسے ہاتھ اٹھا دیے تھے "خیر حسیب یہیں رہے گا کسی بھی چیز کی ضرورت ہو سکتی ہے تمہیں۔ میں چلتا ہوں۔ خیال رکھنا ان کا۔" وہ بیٹے کے کندھے کو تھپتھپا کر اٹھے تھے۔

ان کے کمرے سے نکلنے کے کچھ دیر بعد ہی سلیمان جان اور یاسمین ہاتھ میں ٹرے لیے اندر داخل ہوئی تھی۔

"کل سے کئی دفعہ مہروز باجی کالز کر چکی ہیں۔" اس نے بیچارگی سے دادی کو دیکھا تھا۔

"اسے بتایا تو نہیں؟" جرار نے گھبرا کر حسیب کو دیکھا تھا۔

یاسمین دنبے کی یخنی جرار کے دائیں طرف رکھے میز پر رکھتے ہوئے اب شوہر کے پاؤں کے پاس بیٹھ گئی تھی۔ ان میں جھجک تھی' ان کا دل تھا کہ وہ خود اپنے ہاتھوں اپنے شوہر کو یخنی پلائے پر وہ پرانے زمانے کی عورت تھیں جو بہت سے لوگوں کے سامنے اپنے میاں سے فاصلے پر بیٹھا کرتی تھی۔

"نہیں۔ میں نے بہانہ کر دیا کہ میں تو اسکول ٹرپ پر مری آیا ہوں۔"

"اچھا کیا۔ایسے ہی پریشان ہو جاتی۔ جرار بہتر ہو گا تو اسے کال کرینگے ورنہ وہ ویڈیو میں ہی باپ کے چہرے سے پڑھ لے گی کہ باپ بیمار تھا۔" سلیمان جان بیٹے کے بائیں طرف بیٹھ گئی تھی۔

کل رات اس گھر پر قیامت کی رات تھی۔ساری رات وہ دونوں خواتین جائے نماز سے نہیں اٹھی تھی جب تک حسیب نے کال کر کے جرار کی خیریت کی خبر نہیں دے دی تھی۔

"امی دن کا کھانا لائے گی۔"

"ارے کیا ضرورت ہے۔انہیں کہو تکلیف نا کرے۔"یاسمین نے بوکھلا کر شوہر کو دیکھا تھا اور پھر حسیب کو دیکھتے ہوئے منع کیا تھا۔

"میں بھی تو مہروز باجی کا بھائی ہوں۔اور پھر آپ دنبے کی یخنی اتنی لذیذ بناتی ہیں آپ وہ پلا دیں۔تو ہو جائیں مقابلہ۔"اس نے سرف کی ماشوری کے انداز میں آخری جملہ ادا کیا تھا جس پر وہ تینوں دل کھول کر ہنس دیے تھے۔

"میں خود ڈال دیتا ہوں۔"

وہ یاسمین کو اٹھتا ہوا دیکھ کر خود اٹھا تھا اور کچن کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"بس اب تم کل کی بھی چھٹی لے لو۔" سلیمان جان جرار کے لیے فکر مند تھیں۔

"نہیں بے بے آرام کی عادت نہیں ہے۔ کام پر جاؤ گا تو کچھ بہتر محسوس کرونگا۔"

"زیادہ ٹینشن نہیں لو۔ جب اللہ چھوٹی سی چھوٹی چیونٹی کے بھی رزق کا مالک ہے پھر ہم کیوں خود کو سوچ سوچ کر بیمار کرتے ہیں۔ تمہارے لیے دعا کرنے والے ہاتھ ابھی زندہ ہیں۔"

"بے بے۔" جرار نے فوراً اماں کے جھریوں زدہ ہاتھ پکڑ کر چوم ڈالے تھے۔

یاسمین اپنے شوہر کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر خود بھی آنسو بہانے لگی۔ بلکہ اب تو آنسو نکلنے کا بہانہ مانگتے تھے۔

☆☆☆

فری برگ پر ٹھنڈی صبح اتری تھی۔ یہاں کی صبح پاکستان سے مختلف تھی۔ یہ eco-friendly شہر ہے جس کی آب و ہوا اس لیے صاف ہے کہ یہاں کی حکومت کے اقدامات عالمی سطح پر سراہے گئے تھے۔ جا بجا درخت تھے' گاڑیوں کا دھواں نا ہونے کے برابر اور پلاسٹک شاپر کے بجائے پیپر بیگ کا استعمال ماحول بدلنے میں معاون ثابت ہوا تھا۔ پہلے پہل تو مہروز سوچتی تھی یہ ہوا اتنی ہلکی کیوں ہے' دھوپ اتنی سنہری کیوں لگتی ہے مگر آہستہ

آہستہ اسے احساس ہوا کہ لاہور کی فضا دنیا کی آلودہ ترین فضا تھی تو وہاں دھوپ کیسے سنہری اترتی۔

مہروز پولینا کے کمرے میں نا ہونے پر چین سے ساری رات سوئی تھی۔ کھڑکی سے اترتی دھوپ کو دیکھ کر وہ معمول کے مطابق چڑیا اور پودوں کو دانہ پانی ڈال کر اب آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ بلیو فراک اور جینز پر اونی سویٹر پہنے' لمبے بالوں کی بیچ کی مانگ نکال کر دائیں بائیں سنہری پنز لگا چکی تھی۔ اس نے یہاں آکر بھنویں بنوانی شروع کی تھی۔ اب وہ اپنے چہرے کو دیکھ کر مایوس نہیں ہوا کرتی تھی' اسے اب لڑکیوں کی باتیں بھی یاد نہیں آتی تھی۔ اسے اپنا کیئریر بنانا تھا جس کا تعلق چہرے سے ہرگز نہیں ہوتا۔

وہ بیگ کندھوں سے لٹکائے لاؤنج سے گزر رہی تھی جہاں سے مختلف لڑکیاں آجا رہی تھیں۔ وہ بھی کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہی تھیں۔ وہ گھر کا دروازہ کھول کر باہر نکلی تھی اور فٹ پاتھ کے ایک طرف بنی پارکنگ میں کھڑی اپنی اسائیکل کی طرف آئی تھی۔ اپنی اسائیکل کا ٹائر دیکھ کر اس کا دل بیٹھ گیا تھا۔ اس کی اسائیکل کے دونوں ٹائرز پچس ہو چکے تھے۔

"پولینا۔" وہ اونچا چلائی تھی۔

اس کی کنپٹی کی رگیں تن گئی تھی۔ بہت سا غصہ اس کا چہرہ سرخ کر رہا تھا' وہ مٹھیاں بھینچے آگے بڑھی تھی اور وہی ٹھنڈی زمین پر بیٹھ کر یک دم رونے لگی تھی۔ وہ قمیض کو دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں میں دبائے اونچی آواز میں رونے لگی تھی۔

وہ کتنی بے رحم تھی۔ صرف بدلہ لینے کی خاطر اس نے مہروز کا نقصان کروایا تھا۔ پہلے اس کی گولیاں ضائع کر دی' پھر اس کو اشتعال دلا کر الماری تڑوائی اور اب اس کے ٹائر پھس کیے تھے۔ اس کے پاس ٹرین کے ٹکٹ کے پیسے بھی نہیں تھے' وہ اب کیفے اور یونیورسٹی کیسے پہنچے گی؟ وہ ناک سے گیلی سانس کھینچ کھینچ کر رونے لگی تھی۔ وہ پہلے ہی قرضے میں ڈوبی ہوئی تھی اور اب دو دو نقصان بھرنے کے لیے کس سے قرضہ لے؟ اوٹو سے؟ اسے قرضہ لینے سے نفرت تھی وہ کبھی قرضہ نہیں لیتی تھی مگر اب سر تا پیر ڈوبی ہوئی تھی۔ الماری کا نقصان تو وہ تنخواہ کے پیسوں سے بھر لے گی مگر آج اسائیکل کے ٹائر بدلوانے کے لیے وہ کیسے پیسے لے؟ اسے اللہ سے پھر گلہ آیا تھا۔ اس سے چھوٹی چھوٹی عمروں کے لوگ کامیاب ہو کر بہت سا پیسہ بھی کما چکے تھے اور وہ اب تک کیئریر بنانے کی جدوجہد ہی کر رہی تھی۔

اس نے ہاتھ میں پہنی گھڑی دیکھی تھی 'اس وقت ساڑھے سات بجے تھے۔ وہ کام پر سب سے پہلے پہنچتی تھی مگر آج دیر ہو جائے گی۔ وہ گہرا گہرا سانس بھر کر اپنے اعصاب پر سکون کرنے لگی۔

"One work at a time." وہ گہرے گہرے سانس لینے کے دوران یہیں الفاظ دہرائے جا رہی تھی اور ٹھنڈی زمین پر ہتھیلیاں رکھتے کھڑی ہو گئی تھی۔

"پہلے ساتھ والے شاپ جا کر اپنی گھڑی بیچنی ہے۔ اسائیکل پر پندرہ منٹ لگ جائے گے اور پیدل ؟" وہ ہاتھ کی پشت سے ناک رگڑتے ہوئے خود سے باتیں کر رہی تھی "آدھا گھنٹہ چلو سہی ہے۔ جو پیسے ملے اس سے یہ ٹائرز بدلوا لونگی اور پھر اوور ٹائم۔ یہ سہی رہے گا۔ اوٹو کو فون کر کے زرا لیٹ پہنچنے کا بتا دیتی ہوں۔" وہ سرخ گالوں کو تھپتھپاتے ہوئے سر دائیں طرف موڑ کر اونچے سے پول سے لگے سی سی ٹی وی کو دیکھ کر اسائیکل گھسیٹنے لگی۔

☆☆☆

کیفے کی عمارت پر پنک کلر کا پینٹ ہوا تھا پر اس کا داخلی دروازہ سفید رنگ کا تھا۔ کیفے کے اندر کرسیاں 'میز اور دیوار بھی سفید رنگ کے تھے اور ہر میز پر پنک تازہ پھول واز میں سجا کر رکھے

جاتے تھے۔ بارہ بجے وہ کیفے میں موجود تھی۔اس کی جگہ شفٹ پر شام کے لڑکوں نے اوور ٹائم لگالیا تھا۔

وہ ایک کونے میں سیڑھیوں کے پاس رکھے میز پر بیٹھی کافی پی رہی تھی۔وہ یہاں سے کافی کے علاوہ کچھ نہیں پیتی تھی پر آج بھوک کا غلبہ اتنا تھا کہ وہ فرنچ ٹوسٹ بھی کانٹے میں پھنسا پھنسا کر کھا رہی تھی۔

"اگر اسائیکل کے ٹائرز بدلوانے تھے تو مجھے بتا دیتی۔میں اپنے جاننے والے سے کم قیمت پر ڈلوا دیتا اور آج کے آج اسائیکل موجود ہوتی تمہارے پاس۔"اوٹو میز کے دوسری طرف بیٹھے اس پر افسوس کر رہا تھا۔

مہروز دلجمعی سے فرنچ ٹوسٹ کھانے میں مگن تھی۔

"اگر کوئی ایشو ہے تو تم مجھے بتاؤ۔میں دوست ہوں تمہارا۔"مہروز کا ہاتھ تھما تھا۔اس نے آہستہ سے سر اٹھا کر اوٹو کو دیکھا تھا۔دوست؟دوست اس کی بس ایک ہی تھی مائدہ۔

"کوئی ایشو نہیں ہے۔"اس نے آہستہ سے کافی کا مگ اٹھا کر گھونٹ بھرا تھا۔حالانکہ وہ بہت سے مسائل میں گھری ہوئی تھی مگر وہ اوٹو کو نہیں بتانا چاہتی تھی۔اوٹو اس کو دوستی کی خاطر

Clubb of Quality Content

پیسے دے دیتا مگر وہ مفت میں پیسے نہیں لینا چاہتی تھی اور قرض لینے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ ابھی اسے پچھلا قرض بھی اتارنا تھا۔

"مجھے نئی جاب کی ضرورت ہے۔ تم نے کل کہا تھا کہ میرے لیے کہیں بات کرو گے۔ میں یونیورسٹی کے بعد جاب کر سکتی ہوں۔" اس نے ٹیبل پر پڑے نیپکن کو اٹھا کر ہونٹ تھپتھپائے تھے۔

"یعنی کوئی ایشو ہے۔" اوٹو نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا تھا۔

"میں آج سے کچھ دن اوور ٹائم کرنا چاہتی ہوں۔"

"پیسوں کی ضرورت ہے تمہیں۔" اوٹو میز پر ہاتھ رکھتے ہوئے زرا آگے کو جھکا تھا" کتنے چاہیے؟ میرے پاس موجود ہیں اس وقت۔"

"دیکھو اوٹو۔" مہروز دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھتے ہوئے بیٹھے بیٹھے زرا آگے جھکی تھی" ہاں مجھے پیسوں کی ضرورت ہے مگر فیور کی نہیں۔ اگر تم مجھے اپنا دوست سمجھتے ہو تو میری سیلف ریسپیکٹ کو ہرٹ نہیں کرو گے۔ مجھے اپنی محنت کے پیسے چاہیے۔" اس نے 'تم مجھے دوست سمجھتے' پر زور دیا تھا مگر یہ نہیں کہا تھا کہ وہ بھی اسے دوست سمجھتی ہے۔

"تم ایک اچھا ریسورس ہو۔ تم یہ جو فریش فلاورز کا آئیڈیا لائی تھی اس نے بہت سے گاہکوں کو اٹریکٹ کیا ہے۔ تم ذہن میں کوئی اور بات مت لانا۔ ٹھیک ہے تم اوور ٹائم کر لینا۔" اوٹو نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔

وہ آج یونیورسٹی نہیں گئی تھی۔ آج ویسے بھی آف تھا وہ آف ڈیز میں صرف اپنا ریسرچ کا کام کرنے جاتی تھی۔

رات کے آٹھ بجے وہ اپنی اسائیکل' اسائیکل شاپ سے لے کر بورڈنگ ہاؤس کے لیے نکلی تھی۔ اس کی اسائیکل کا ٹوکرا آج خالی تھا۔ رات کے وقت سردی کچھ زیادہ ہی بڑھ جاتی تھی۔ اسٹریٹ پولز کی زرد روشنی میں سڑکیں کچھ اور بھی خوبصورت لگتی تھی۔ اس کے منہ سے بھاپ نکل نکل کر اس سے آگے بھاگ رہی تھی۔

اس وقت وہ تین باتوں پر غور کر رہی تھی۔ ایک' حسیب آ گیا ہو گا مری سے کہ نہیں؟ دوئم' اسے شدید بھوک لگ رہی تھی' اسے تو اب پاکستانی کھانوں نے ترسا دیا تھا۔ سوم' اسے پولینا کے ساتھ حساب برابر کرنا تھا۔

☆☆☆

وہ چکور بنے لاؤنج میں ان کورین بہنوں کو بٹھائے شراب کی بوتلیں ان کے سامنے رکھ چکی تھی اور سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے میز کے دوسری طرف بیٹھ گئی تھی۔ چند ہی منٹوں بعد پولینا لاؤنج کا دروازہ دھکیلتے اندر داخل ہوئی تھی۔

اس نے گھٹنوں تک سرخ جھلملاتا ٹاپ پہنا ہوا تھا۔ لانگ سا کس گھٹنوں کو چھپا رہے تھے' سر پر موٹی اونی ٹوپی پہن رکھی تھی جس سے اس کے بلانڈ بال نکلتے ہوئے کندھوں پر پھیلے ہوئے تھے اور ہونٹوں پر سرخ ہی لپ اسٹک لگائے وہ کہیں جانے کے لیے تیار لگ رہی تھی۔ اس نے اندر داخل ہوتے ہی میز پر رکھی شراب کی بوتلوں اور صوفے پر بیٹھی مہروز کو دیکھا تھا۔ وہ مہروز کو دیکھ کر مسکرائی تھی۔ مہروز نے کبھی اسے غصے میں نہیں دیکھا تھا' وہ یونہی مسکرا کر چڑانا جانتی تھی۔

"یہ شراب کی بوتلیں تمہاری ہیں؟" روجین نے لہجے کو سخت بناتے ہوئے میز کے بائیں طرف کھڑی پولینا کو دیکھا تھا۔

"بالکل۔" اس نے ڈھٹائی سے مان لیا تھا۔ مہروز کا منہ حیرت سے کھلا تھا جسے اس نے فوراً بند کر دیا تھا۔

Clubb of Quality Content

"کیوں؟ جب اس گھر میں رہنے کا پہلا اصول بتا دیا تھا کہ یہاں کوئی نشہ آور چیز نہیں آئے گی تو کیوں لائی ہو یہ بوتل؟" یانگ جن کی چھوٹی سی ناک غصے سے پھول گئی تھی۔

"آپ ہماری ماں نہیں ہیں' آپ کا کام پیسوں سے ہے اور وہ ہر مہینے آپ کو مل جاتے ہیں۔ آپ پابندیاں نہیں لگا سکتی۔" پولینا نے ٹھرے ہوئے لہجے میں جواب دیا تھا۔

"اگر تم نے باز نہیں آنا تو تم کہیں اور انتظام کر لو۔ یہاں ایسی کوئی چیز نہیں آئے گی جس سے میرے بورڈنگ ہاؤس کا ماحول خراب ہو۔"

پولینا نے سر جھٹک کر آنکھیں گول گھمائی تھی جیسے ان کے سخت لہجے کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا ہو۔ مہروز ہونٹ ایک دوسرے میں پیوست کیے اس ڈھیٹ لڑکی کو دیکھ رہی تھی جس پر کسی بھی بات کا اثر نہیں ہوتا تھا۔ وہ ایسی کیوں تھی؟

"اور صرف تم نہیں بلکہ تم نے باقی لڑکیوں کو بھی اپنے ساتھ شراب پینے میں شریک کیا ہے؟ چلو بتاؤ ان کے نام۔"

"Rose" پولینا نے 'روزے' کو لمبا کھینچ کر کہتے ہوئے مہروز کو دیکھا تھا جس پر مہروز نے پہلو بدلا تھا۔

وہ جھوٹ بول رہی تھی۔ وہ صرف ٹائر پنکچر کا بدلہ پولینا سے اتارنا چاہتی تھی۔

"بتاؤ شاباش۔"

"جس نے آپ کو یہ انفارمیشن دی ہے اسی سے پوچھیے۔ چلو روزے 'بتاؤ۔" پولینا کمر پر ہاتھ رکھتے ہوئے مسکرا کر روزے کو دیکھنے لگی۔

مہروز نے گڑبڑا کر کورین بہنوں کو دیکھا تھا۔ تھی وہ چھوٹے قد کی دبلی پتلی سی مگران کے غصے میں شکلیں دیکھ کر اسے اپنی اردو کی استانی یاد آجاتی تھی۔

مہروز نے گلہ کھنکھارا تھا "وہ میں نے رات کی تاریکی کی وجہ سے لڑکیوں کی شکل نہیں دیکھی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں خود ہی مائیک میں اناؤنسمنٹ کر دو گی۔ اور یہ لاسٹ وارننگ ہے اگر پھر تمہارے پاس سے شراب کی بوتلیں برآمد ہوئی تو وہ تمہارا اس گھر میں آخری دن ہو گا۔" یانگ جین نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ اسے کھڑا دیکھ کر مہروز بھی کھڑی ہوئی تھی۔

"واٹ ایور۔" پولینا ہاتھ جھلاتی لاؤنج کے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

"روجین ان شراب کی بوتلوں کو اٹھالو۔اور تم جاؤاب۔" یانگ جین نے مہروز کو کھڑے دیکھ کر ہاتھ جھلا کر کہا تھا۔

مہروز ایگ فرائڈ رائس اور چکن ونگز کی ٹرے لیے اپنے بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔وہ ہر لقمہ لینے کے ساتھ اللہ کا شکر ادا کرتی تھی۔

اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور پولینا اندر داخل ہوئی تھی۔مہروز کا ہاتھ سست پڑا تھا۔

وہ کمرے میں ہیلز کی ٹک ٹک پیدا کرتی اپنے بیڈ تک آئی تھی۔بیڈ پر پرس پھینک کر وہ آہستہ سے بیٹھی تھی۔

مہروز اس کی خود پر مرکوز نظریں بآسانی دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں لگا تم نے میرے بیگ سے شراب کی بوتلیں نکال کر بڑا بدلہ لیا ہے۔"

مہروز نے لقمہ نگلتے ہوئے سر دائیں طرف موڑ کر پولینا کی بلیو آئیز میں اپنی کالی آنکھیں گاڑھیں تھی "تم نے بھی تو میری اسائیکل پنکچر کی تھی۔یہ شراب کی بوتلیں تو اس نقصان کا ایک پرسنٹ بھی نہیں بھر سکی۔"

Clubb of Quality Content ناولز کلب

"سہی کہا۔" پولینا دائیں گھٹنے پر دونوں ہاتھوں کی کہنیاں دائیں بائیں رکھتے ہوئے زرا آگے جھکی تھی "میری شراب کی بوتلیں بہت مہنگی ہیں۔ تم سے بھی زیادہ 'تمہاری اسائیکل سے بھی زیادہ۔ مگر۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی "اچھا بدلہ نہیں لیا تم نے۔ شراب کا کیا ہے پھر لے لونگی۔ تم نے سوچا کہ میری الماری توڑ کر تم مجھے نقصان پہنچا رہی ہو حالانکہ تم نے تو اس میں بھی اپنا نقصان کروالیا۔" پولینا اس کا مذاق اڑاتے ہوئے ہنسنے لگی۔

مہروز چکن ونگ اٹھا کر اسے کیچپ میں ڈبونے لگی جیسے وہ بہت مصروف ہو۔ وہ اپنے غصے کو قابو میں رکھنا چاہتی تھی جو صرف اسے نقصان پہنچا رہی تھی۔

"تم لوگ واقعی بہت شدت پسند ہوتے ہو۔ یونو میں تمہارے ہی غصے کو تمہارے خلاف استعمال کر کے تمہیں تمہارے ہی ہاتھوں سے برباد کروں گی۔" پولینا کے ہونٹوں سے مسکراہٹ ایک پل کے لیے بھی نہیں چھوٹی تھی۔

وہ اپنا بیگ اٹھا کر اٹھی تھی اور قدم دروازے کی طرف بڑھائے تھے جب مہروز کی بات پر وہ رکی تھی۔

"میرے قرآن مجید میں لکھا ہے کہ عزت اور ذلت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔میں جانتی ہوں کہ تمہیں مجھ سے نفرت ہے کیونکہ میں مسلمان ہوں۔کیونکہ تم سو کالڈ آزاد خیال اور لبرل ہو۔تم صرف سو کالڈ ہی ہو۔تم وہ ہو نہیں جو دکھتی ہو۔تم بس اپنے ہی اندر ایک قید انسان ہو جو بلاوجہ دوسروں سے چڑتی ہے اور ان میں نقص نکال کر انہیں ٹارگٹ کرتی ہے۔"

پولینا نے پلٹ کر مہروز کو دیکھا تھا۔مہروز نے اس کا اسپاٹ چہرہ پہلی دفعہ دیکھا تھا۔

وہ کسی پھڑکتے ہوئے جواب کی منتظر تھی مگر پولینا بغیر کچھ کہے ہی کمرے کا دروازہ کھول کر نکل گئی تھی۔

مہروز دھڑام سے پیچھے ہوتی اپنے تکیے پر گری تھی۔گوروں کی مسلمانوں سے نفرت کے بارے میں اس نے بہت پڑھا تھا۔ان stereotypes کو ہائی لائٹ بھی کیا تھا جن کو گورے استعمال کر کر کے خود کو آزاد خیال دکھاتے تھے مگر اصل زندگی میں مسلمانوں سے نفرت کرنے والوں سے سامنا کرنا نہایت مشکل تھا۔

☆☆☆

لاہور میں فروری کی آخری تاریخ میں سردی کی شدت پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔

دن کی دھوپ سینکنے کے لیے یاسمین چھوٹے سے باغیچے میں ہی کرسی ڈال کر بیٹھ گئی تھی اور ان کے سامنے والی کرسی پر شمیم بیٹھی ہوئی تھی۔یاسمین ایلوویرا کے پودوں کو دیکھ رہی تھی جو مہروز نے اگائے تھے۔اس کے جانے کے بعد بس یہ یونہی لگے رہتے تھے' وہ وقتاً فوقتاً ایلوویرا کاٹ کاٹ کر محلے میں بانٹ دیا کرتی تھی۔

"بہت کمزور ہو گئی ہو مہروز کے جانے کے بعد۔کیوں اداس ہو سب؟ مجھے حسیب بھی بتا رہا تھا کہ بہت پریشان پریشان سے لگ رہے تھے تم سب۔"

"پریشانی تو ہو گی جب خان کو دل کا دورہ پڑ گیا۔وہ اس گھر کا مرد ہے۔اس کے بغیر یہ گھر چل بھی نہیں سکتا۔" انہوں نے یاسیت سے کہا تھا۔

"کچھ نہیں ہو گا اسے۔" شمیم نے انہیں دلاسہ دیا تھا۔

"وقت کا تو کچھ پتا نہیں ہوتا۔ہم تینوں کو ہی مہروز کی فکر رہتی ہے اور مہروز کی فکر میں خان نے خود کو شوگر' بلڈ پریشر اور دل کی بیماری لگا دی۔اتنی اولادوں کے بعد اللہ نے زندہ اولاد دی مگر آزمائش بھی دی۔اللہ ہمیں آزمائش پر پورا اترنے کی توفیق دے' آمین۔"

"تم بیٹی کو آزمائش کہہ رہی ہو؟ دیکھو کسی کو اللہ نے اولاد بھی نہیں دے رکھی۔اللہ نے چاہا تو اس کا نصیب بہت اچھا ہو گا۔"

"نصیب۔"یاسمین استہزائیہ مسکرائی تھی"بہت عجیب لفظ ہے نصیب۔کسی کے لیے کھل جاتا ہے اور کسی کو تو ساری زندگی نصیب کا دروازہ ہی نہیں ملتا۔"

"کیوں اتنی مایوس لگ رہی ہو؟"وہ یاسمین کا زرد چہرہ دیکھتے ہوئے زرا آگے ہوئی تھی۔

"اپنی بیٹی کا نصیب لے کر ہی تو غمزدہ ہوں۔جس عمر میں اس کی شادی ہو جانی چاہیے تھی اس عمر میں وہ ہم سے دور ہے۔باہر ہے۔لوگ اتنی عجیب باتیں کر رہے ہیں اس کے بارے میں کہ وہ وہی شادی کر لے گی۔وہاں جانے والی لڑکیاں ہاتھوں سے نکل جاتی ہیں۔میں تو کہتی ہوں کر لے وہی کر لے'اس معاشرے سے تو کوئی امید نہیں مجھے۔بہت دکھ دیا ہے اس معاشرے کے لوگوں نے۔"ان کا گلہ رندھ گیا تھا'انہوں نے کھدر کے ڈوپٹے سے آنکھیں رگڑ ڈالی تھیں۔

"کھل کر بتاؤ۔کچھ چھپا رہی ہو تم'کچھ مسئلہ ہے۔کیا بات ہے یاسمین؟"وہ نرم لہجے میں کہہ رہی تھی۔وہ بھی ایک بیٹی کی ماں تھی۔

یاسمین کا دل پھٹ رہا تھا اور وہ مزید دل پر بوجھ نہیں رکھ پا رہی تھی۔

"یاد ہے دو سال پہلے اس کا رشتہ بس پکا ہونے والا تھا اور بات طے نہیں ہو سکی تھی۔" وہ اب براہ راست شمیم کو دیکھنے لگی تھی۔

دھوپ آہستہ آہستہ سمٹ کر ایلو یرا پر گر رہی تھی۔

"یاد ہے۔"

"پھر مہروز سے چھپ کر میں نے درس کرانے والی عالمہ سے بات کی تھی مہروز کی اور اس کی حالت بھی بتا دی تھی۔ مگر جو رشتہ اس نے بتایا وہ خان کو پسند نہیں آیا تھا۔ لڑکا طلاق یافتہ اور ایک بچی کا باپ تھا۔"

"کیسی حالت؟"

"مہروز کو برص ہے۔" ان کے گلہ میں آنسوئں کا گولہ سا پھنس گیا تھا" اس کی کہنیاں' پیٹ اور گھٹنوں سے نیچے ٹخنوں تک فاصلے فاصلے سے گول برص کے نشانات ہیں۔ اس کی حالت ہی اس کے رشتہ نا ہونے کی وجہ ہے اور لوگ آ آ کر طعنے دیتے ہیں اور مذاق اڑاتے ہیں۔ اتنا ہی غم ہے تو ٹھیک ہے مانگ لو میری بیٹی کا رشتہ۔ کسی کو کیسے بتاؤ کہ ہمارے ساتھ کیا پریشانی

ہے۔ہم پٹھانوں کے آپسی مسائل کی وجہ سے ہم اپنی بیٹی کی بیماری کا ذکر نہیں کر سکے۔ بات یہ نہیں کہ ہمیں اس کی وجہ سے کوئی شرمندگی ہے بلکہ ہمارے رشتے دار ہی ہماری آزمائش کا مذاق اڑائے گے'خوش ہونگے'فضول کی باتیں پھیلائے گے۔رشتے دار بھی بہت عجیب مخلوق ہیں'بہت اذیت دیتے ہیں۔اور اس ساری صورتحال نے مہروز کی خوداعتمادی کو ٹھیس پہنچائی ہے۔میں ماں ہو مجھ سے کچھ بھی چھپا نہیں ہے'وہ اندر ہی اندر احساس کمتری کا شکار ہو چکی ہے اور ایک ماں کی حیثیت سے میں کچھ بھی نہیں کر سکی۔"یاسمین کے گال آنسوں سے بھر گئے تھے۔

شمیم تھوڑی تلے ہاتھ رکھے یاسمین کو دیکھ رہی تھی۔ان کے چہرے پر کوئی حیرانی نہیں تھی۔

"میں نے تو اسے مائدہ کے ساتھ بڑا ہوتے دیکھا ہے'مجھے وہ پیاری ہے بالکل مائدہ جیسی۔میرے جاننے والوں میں ایک لڑکا تھا اس کا تو پورا جسم ہی بھر گیا تھا برص سے'مگر اس کی شادی ہوگئی اور اب دو بچے بھی ہیں اس کے۔"

"وہ مرد ہے نا' میری بیٹی لڑکی ہے۔ جب رشتے والی سے مہروز کی بات کی تھی تو جو مطالبات اس نے مجھے لڑکوں کے بتائے' میرا تو دل بیٹھ گیا تھا۔ ہمارے زمانے میں تو بس شرافت دیکھی جاتی تھی یہ شکل پیسہ کہاں دیکھا جاتا تھا۔"

"اس لیے آج کل کے رشتے مشکل سے ہو رہے ہیں جب لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کے لیے ایسی ڈیمانڈز رکھے گے تو شادیاں کم ہی ہونگی۔ میں نے تو حسیب کو پہلے سے ہی کہہ دیا ہے کہ میں انسان کا رشتہ دیکھو گی 'اس دنیا میں حور کا وعدہ اللہ نے نہیں کیا' البتہ انسان اسی دنیا میں مل جائے گے۔ اگر کترینہ کیف چاہیے تو خود ہی ڈھونڈ لینا میں تو گھر گھر جا کر چائے نہیں پیو گی اور یہی بات مائدہ سے بھی کی تھی کہ ہم تمہارے لیے فواد خان نہیں ڈھونڈ سکتے البتہ انسان کا بچہ ڈھونڈے گے جو انسانوں کی طرح عزت سے پیش آئے۔ ہم اپنی طرف سے بہت اچھا لڑکا ڈھونڈنے کی کوشش کرینگے مگر ہو گا وہی جو اللہ نے تمہارے لیے لکھا ہے۔"

"ہر کوئی تمہاری جیسی سوچ نہیں رکھتا۔" یاسمین نے گہرا سانس لیا تھا "میں نے تو یہ مشورہ بھی دیا تھا خان کو کہ ویسے بھی اس کے داغ کپڑوں میں چھپے ہوتے ہیں ہم نا بتائے تو پتا بھی نہیں لگتا۔ ایک دفعہ بات ہو جائے' نکاح ہو جائے تو بتا دینگے' پر وہ نہیں مانے۔" وہ جیسے اس

معاملے میں شمیم کی تائید چاہتی تھی۔ سلیمان جان اور یاسمین نے بہت سوچ بچار کے بعد یہی حل نکالا تھا کہ مہروز کے بارے میں پہلے نہیں بتائے گے مگر خان کے سخت انکار پر وہ دونوں فی الوقت چپ ہو گئی تھی۔

" صحیح کہہ رہے تھے ناجرار بھائی۔ ایسامت کرنا' دیکھو جب ہم کہتے ہیں کہ شادی نئی زندگی کی شروعات ہوتی ہیں تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اس شخص کے ساتھ نئی زندگی شروع کی جاتی ہے جو ابھی آپ کو جانتا ہی نہیں ہے اور آپ پہلے ہی مرحلے میں جھوٹ بول کر اپنی عزت گنوا بیٹھتے ہیں۔ کیا وہ لڑکا ساری زندگی آپ کی بیٹی پر یقین کریگا؟ کیا گارنٹی ہے کہ نکاح کے بعد سچائی جاننے پر وہ مہروز کو رخصت کرلیں گے؟ یہ تو زیادہ شرمندگی کی بات ہو گی کہ وہ نکاح کے بعد چھوڑ دیگا' پورے خاندان میں وہ تماشہ بن جائے گی اور آپ لوگ جھوٹے مشہور ہو جائے گے۔ اگر اللہ نے اس کی قسمت میں کسی کا ساتھ لکھا ہو گا تو وہ سب جانتے ہوئے اسے اپنا لے گا۔ مگر جھوٹ بول کر رشتہ کروانا صرف اور صرف آپ لوگوں کو رسوا کروائے گا۔"

یاسمین ان کی بات پر گہرا سانس بھر کر رہ گئی تھی' وہ اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔

"لوگ تو پیسہ بھی دیکھتے ہیں۔ ہمارے پاس تو کوئی پیسہ نہیں ہے۔ایک پلاٹ قسطوں پر لے رہے تھے وہ بھی بیٹی کی محبت میں بیچ دی اور قرضہ الگ لے رکھا ہے انہوں نے۔پتا نہیں ہمارا کیا ہو گا۔"

"اچھا ہے کہ وہ باہر ہے۔وہ اپنا فیوچر خود بنا لے گی۔مائدہ بتا رہی تھی کہ ان کی کلاس کی ساری لڑکیوں کی شادیاں ہو گئی بس ایک مہروز ہی ہے جو آگے پڑھ رہی ہے 'اسے بہت فخر ہے مہروز پر۔اسے پڑھنے دے 'اپنا کیئریر بنانے دے 'جب وہ یوں مصروف رہے گی تو اس کے پاس وقت ہی نہیں ہو گا ان فضولیات کے بارے میں سوچنے کا کہ معاشرہ کیا کہتا ہے۔میں تو کہتی ہوں آپ لوگ بھی اس کے پاس چلے جائے۔"

"نہیں 'میں تو پاکستان کے علاوہ کہیں نہیں رہ سکتی۔بس میرے دل کی ایک ہی خواہش ہے کہ اسے کوئی شہزادہ مل جائے۔میں سکون سے مر جاؤں گی۔"

"اونہوں۔"انہوں نے یاسمین کو ٹوکا تھا"میرا بیٹا بہت چھوٹا ہے ورنہ میں ہی مہروز کا ہاتھ مانگ لیتی۔وہ بہت عزیز ہے مجھے۔تم کبھی فکر نا کرنا 'ہم ہمیشہ اس کا خیال رکھے گے۔اللہ اس

پر تم لوگوں کا سایہ سلامت رکھے' اگر کل کو ہم نا ہوئے تو ہمارے بچے تو ہیں نا۔ حسیب کی ایک نہیں دو بہنیں ہیں۔ آپ فکر نا کریں۔ چلیے قہوہ بناتے ہیں۔"

یاسمین ہلکا پھلکا محسوس کرتی کھڑی ہو گئی تھی۔

کبھی کبھی زندگی میں ایسے لوگ بھی چاہیے ہوتے ہیں جو آپ کو جج نا کریں' آپ کو سمجھے۔

☆☆☆

وہ گرین گھیر دار فراک اور بلیو جینز پہنے ہوئے تھی۔ اس نے موٹی سی جیکٹ پہن رکھی تھی اور سر اونی ٹوپی سے باندھ رکھا جس سے کالے لمبے بال نکلتے اس کی پشت پر گر رہے تھے۔ آج موسم نہایت ٹھنڈا تھا' آسمان بادلوں سے بھرا ہوا تھا۔

وہ روزانہ پھولوں کی دکان پر کھڑی ہو کر تازہ پنک لی لیز لیا کرتی تھی۔ اپنی اسائیکل کے لیے پھول وہ اپنے پیسوں سے لیا کرتی تھی۔ آج مارچ کی پہلی تاریخ تھی اور اسے تنخواہ کچھ دنوں میں مل جانے والی تھی۔ اس کے پاس اپنی ضرورت کے بہت کم پیسے تھے اس لیے اس نے اپنی اسائیکل کو یاسیت سے دیکھ کر آنکھیں پٹپٹائیں تھیں' جیسے کہہ رہی ہو بس کچھ دنوں کی بات ہے پھر تمہارے لیے بھی تازہ پھول لیا کروں گی۔ وہ ٹوکری میں پھول لیتی اپنی اسائیکل کی

طرف بڑھی تھی۔اس شاپ کے ساتھ ہی کتابوں کی شاپ تھی'شاپ سے باہر اسٹینڈ پر نئے روز کا اخبار ٹنگا ہوتا تھا اور یہ ایک ہی شخص پلاسٹک کی کرسی ڈالے اخبار عین چہرے کے سامنے پھیلائے اخبار میں محو ہوتا تھا۔اس کی صرف ٹانگیں نظر آتی تھی۔ کبھی دائیں ٹانگ بائیں پر اور بائیں 'دائیں پر ڈال کر بیٹھتا تھا مگر کبھی اسکا چہرہ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا کہ وہ جوان تھا یا بوڑھا۔

پھولوں کا ٹوکرا اسائیکل کے ٹوکرے میں ڈالے وہ گنگناتے ہوئے برج سے گزر رہی تھی جہاں آج زیادہ کپلز گرل پر بیٹھے ہوئے تھے۔اسے کبھی کبھی لگتا تھا وہ کسی مصور کی پینٹنگ میں ہو۔اسے Freiburg کی آب و ہوا اور اسٹر کچر سے محبت ہوتی جا رہی تھی۔اگر کبھی ریل وے ٹریک پر ٹرین گزر رہی ہوتی تھی تو وہ اسکی اسپیڈ کا مقابلہ کرتی تھی مگر وہ سرخ ٹرین اس سے جیت جاتی تھی۔یہاں ٹرین شہر کے اندر ہی چلا کرتی تھی جیسے لاہور میں میٹرو چلا کرتی تھی۔ٹھنڈ اس قدر شدید تھی کہ اس کے ہاتھوں پر خشکی ہو چکی تھی۔وہ اسائیکل چلاتے ہوئے ٹھنڈ سے کانپ رہی تھی۔

ماچو کیفے نزدیک آتے ہی وہ کیفے کے ایک طرف بنے خالی جگہ میں اسائیکل کھڑی کرتی کیفے کے اندر گئی تھی۔ وہ ٹھیک بارہ بجے اپنی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر نکلی تھی۔ سامنے بلڈنگ پر پڑتی دھوپ کو دیکھ کر اس نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ اس نے اس سے پہلے اتنی شفاف دھوپ نہیں دیکھی تھی' شاید یہ آب ہوا کا ہی اثر تھا کہ دھوپ بھی سنہری لگتی تھی۔ وہ اپنی اسائیکل کے قریب آئی تھی کہ اسائیکل کی ٹوکری میں پنک لی لیز دیکھ کر اپنی جگہ جامد ہو گئی تھی۔ کون ہو سکتا تھا جس نے اس کی ٹوکری میں پھول رکھے تھے؟ اوٹو؟ نہیں وہ تو ساری صبح اسی کے ساتھ کھڑا رہا اور پھول خریدنے کا کام بھی مہروز کے ذمہ تھا۔ اس نے سر دائیں بائیں موڑا' مگر اس وقت وہ شخص اسے کہاں سے ملے گا بھلا۔ وہ سر جھٹکتی اپنی اسائیکل کی طرف بڑھی تھی۔

سیمینار روم کلاس روم سے قدرے کشادہ تھا۔ آڈینس کے لیے بڑے سے ایل ای ڈی کا انتظام کیا گیا تھا۔ اسلائیڈ چینج کرنے کے لیے ریموٹ اسپیکر کے ہاتھ میں تھا۔ یہاں کرسیاں ایک سیدھ میں رکھی گئی تھی۔ روم کھچا کھچ اسٹوڈنٹس سے بھر چکی تھی کہ لیٹ آنے والے اب پیچھے دیوار کے پاس کھڑے ہو رہے تھے اور ان میں مہروز بھی شامل تھی۔ پر مائیک کی سہولت کی وجہ سے ان سب کو بآسانی اسپیکر سنائی دے رہا تھا۔ ایمل البرٹ گورا' مڈل ایجڈ آدمی تھا' جس کے کان کے پاس بال بالکل سفید تھے۔

وہ لیٹ پہنچی تھی اس لیے انٹروڈکشن مس کر دیا تھا مگر اسلائیڈ کے ٹاپ پر لکھے ٹاپک کو وہ آنکھیں چھوٹی کر کے پڑھ رہی تھی۔

The Limits of Female Agency in Pakistan: Is Islam Reconcilable with Feminism?

سیمینار روم میں خاموشی تھی اور ایمل البرٹ مائیک ہاتھ میں پکڑے نہایت ٹھہرے ہوئے لہجے میں اپنا مدعا بیان کر رہے تھے۔ مہروز کو یک دم ہی اس کے سیمینار پیپر میں دلچسپی ہوئی تھی۔

"جیسے کہ صبا محمود ایک نامور پروفیسر اپنے آرٹیکل میں مصر میں پر کی گئی آبزرویشن کی مثال دے کر یہ بتاتی ہے کہ کیسے خواتین اپنی مذہبی لباس میں ایک مسجد میں بیٹھ کر اپنی خود مختاری 'agency' کا اظہار کرتی ہیں۔ وہ صرف اطاعت گزار نہیں بلکہ مسجد میں بیٹھ کر اپنی ایک پولیٹکس generate کرتی ہیں۔ مگر سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا ان کی آبزرویشن ہم دوسرے ملکوں کی مسلم خواتین پر اپلائی کر سکتے ہیں؟ کیا دوسرے ملکوں کی مسلم خواتین کے پاس بھی اتنی آزادی ہے کہ وہ مسجد میں بیٹھ کر اپنی خود مختاری کا اظہار کریں؟ چلیے ایک اور

مثال لیتے ہیں 'افغانستان کی۔ میں خود وہاں فیلڈ ورک کرنے گیا۔ایسے بڑے بڑے پردے انہوں نے اپنے گرد لپیٹے ہوتے ہیں۔" انہوں نے کھڑکیوں سے ہٹے ہوئے بلائنڈ فولڈز کی طرف اشارہ کیا تھا۔ان کی بات پر سیمینار روم میں قہقہہ گونجا تھا۔

مہروز بالکل اسپاٹ چہرہ لیے ایمل کو دیکھ رہی تھی۔

"میں نے ان میں سے ایک خاتون کا انٹر ویو لیا تھا۔ یہ رہی اس کی ویڈیو۔" انہوں نے ریموٹ کا بٹن دبا کر اگلی سلائیڈ لگائی "چونکہ وہ اپنی علاقائی زبان میں بات کر رہی ہیں اس لیے میں نے آڈیو کا ترجمہ کروایا ہے۔" انہوں نے گردن اسکرین کی طرف موڑ کر بٹن پش کیا۔

اسکرین پر شٹل کاک برقعہ پہنے خاتون پتھر پر بیٹھی ہوئی تھی اور ایمل اس سے زرا فاصلے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دھوپ کی شدت ویڈیو سے لگائی جا رہی تھی۔

"طالبان کا غلبہ ہو چکا ہے یہاں 'کیا کہو گی اس پر؟ کیا تم اس حکومت کے حق میں ہو؟ زندگی یہاں ایک عورت کے لیے کیسے تنگ ہے؟"

ایمل کے سوال کا ترجمہ سنتے ہی وہ عورت اپنی علاقائی زبان میں جواب دینے لگی جس پر کچھ ہی دیر میں ایک انگریز خاتون کی ٹرانسلیشن کی آواز آنے لگی۔

"بہت مشکل۔"اس نے گہرا سانس لیا تھا"میرا شوہر فوت ہو چکا ہے۔میری ایک بیٹی ہے اور میں نے پسند کی شادی کی تھی اس وجہ سے میری فیملی نے میرے ساتھ تعلق ختم کر دیا تھا۔میں ایک پارلر میں کام کر کے اپنا گزارا کر رہی تھی۔میں ایک ورکنگ ومن تھی اور اس حکومت نے سب تباہ کر دیا۔میں گھر سے اب نہیں نکل سکتی۔بھلا گھر کا خرچ کون چلائے گا؟میرے گھر میں تو کوئی مرد نہیں۔"

"سنا ہے ایسی عورتوں سے طالبان خود ہی شادی کر لیتے ہیں؟"

"درست کہا۔وہ شدت پسند لوگ ہیں اور میں اپنی مرضی کے خلاف ان سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔اس کا دوسرا حل یہ کہ میں اور میری بیٹی زہر کھا کر مر جائے۔"

ویڈیو ختم ہو چکی تھی۔ایمل نے مسکرا کر سیمینار روم پر نظر ڈالی تھی۔بہت سے اسٹوڈنٹس غمزدہ لگ رہے تھے جبکہ بہت سی لڑکیوں نے منہ پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔

مہروز سینے پر ہاتھ لپیٹے پوری کلاس پر ایک نظر دوڑا چکی تھی۔تو گورے اپنی superiority دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دے رہے تھے۔اس سیمینار روم کا مقصد صرف اور صرف طلبہ کے ذہنوں کو اسلام سے پراگندہ کرنا تھا۔کون اٹھ اٹھ کر

مسلم ممالک میں جا کر خواتین کی حالت دیکھتا اور یہ جان پاتا کہ ویسٹرن اکیڈیمیا صرف اور صرف اسلام کو بدنام کر رہی ہے۔

"کیا یہی خواتین اپنے مذہبی لباس کے ساتھ وہاں بغیر مرد کے نہیں رہ سکتی؟ رہ سکتی ہیں پر اسلام میں مردوں پر شادی کی کوئی پابندی نہیں ہے اس لیے وہ ایک ہی وقت میں کئی کئی خواتین سے نکاح کر کے بیٹھے ہوتے ہیں۔ مسلم ممالک جیسے کہ پاکستان' افغانستان میں عورت کو اپنی پسند کی اجازت نہیں ہے۔ وہ اپنی پسند سے نا شادی کر سکتی ہے نا تعلیم حاصل کر سکتی ہے ایران کی مثال لے لیں' وہاں تو لباس بھی مرد کی پسند کا پہنتی ہیں۔ وہاں ٹیکہ مرد کا چلتا ہے۔ مرد ہی سب کچھ ہے۔ اس لیے feminism کی ایک لہر ان ممالک میں چلی ہے اور یہ ایک اچھا سائن ہے۔ دروازہ کھٹکھٹانے سے ہی کھلتا ہے۔" انہوں نے ریموٹ کا بٹن دبا کر ایک اور سلائیڈ لگائی تھی۔

"یہ پاکستان کی خواتین ہیں جو اپنے حق کے لیے نکلی ہیں۔" وہ ان سلائیڈز میں تصاویر کا کولاج دیکھا رہے تھے جو پروٹیسٹ کر رہی تھیں۔

مہروز مٹھیاں بھینچے ایمل کو دیکھ رہی تھی۔

ایک لڑکی نے سوال کے لیے ہاتھ اٹھایا تھا۔ جس پر ایمل نے یس کہہ کر اسے اجازت دی تھی۔

"میرے خیال میں آل ریڈی ان کی consciousness raise کرنے کے لیے western academics اپنا کام کر رہی ہیں' بلکہ ان کی اپنی خواتین جو ویسٹ سے اپنا کام پبلش کروا رہی ہیں وہ اپنے معاشرے کے لوپ ہولز کو اجاگر کرتی ہیں۔ ان کی اپنی ہی آئی کونک فگر ان کے لیے مثال ہیں کہ وہ اب اپنی مرضی استعمال کر سکتی ہیں۔ آپ کے خیال میں progressive approach کیسی ہونی چاہیے' کیونکہ ہم تو فیمنزم کی فورتھ فیز میں آچکے ہیں اور وہ ابھی تک پہلے سے بھی نہیں نکلے۔"

"اچھا سوال۔" ایمل نے اسے سراہا تھا "ان کے ہاں تعلیم کا بڑا فقدان ہے۔ ایک عورت کو اپنے ہی حقوق کا پتا نہیں ہے کہ وہ انسان ہے اور اس کی بیسک ہیومن رائٹس کیا ہیں؟ Arabs خواتین کو تعلیم سے روکتے بھی اسی لیے ہیں تاکہ خواتین کسی جانور کی طرح خالی دماغ کے ساتھ زندگیاں گزارتی رہیں اور ان کے مردان کو ہانکتے رہے۔ وہی خواتین جب ویسٹ سے تعلیم حاصل کرتی ہیں اور اپنے ہی کلچر' دین کو criticize کرتی

ہیں' خواتین کے لیے آواز اٹھاتی ہیں تو یہ مسلم ممالک انہیں قبول نہیں کرتے۔اس کی آواز کو دبایا جاتا ہے کہ کہیں ان کی عورتوں میں بھی کچھ عقل نہ آجائے۔اب حال ہی میں ایران میں جس لڑکی کا قتل ہوا ہے وہ ایک تازہ مثال ہے کہ اگر ایک خاتون اپنا حق استعمال کرتی ہے کہ اسے پردہ نہیں کرنا تو اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔پر کیا وہاں کی resistance نوٹ کی آپ نے؟ایسی جدوجہد کی ضرورت ہے ان ممالک میں' ان کو اپنی اسٹریٹیجی بنانی چاہیے تب ہی وہاں کی خواتین آزاد ہو سکتی ہیں۔کیونکہ اسلام بہت تنگ نظر دین ہے۔"

مہروز نے فوراً ہی ہاتھ کھڑا کر دیا تھا۔اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا' اتنے غیر مسلموں میں وہ ایک مسلمان تھی جس کے دین کو ٹارگٹ کیا جا رہا تھا' سب کو غلط بتایا جا رہا تھا۔اسے یک دم ہی کمرے میں حبس محسوس ہونا شروع ہوا تھا۔

ایمل نے اسے اشارے سے اجازت دی تھی۔مائیک اسٹوڈنٹس کی ہاتھوں میں گھومتا گھومتا اس تک پہنچ گیا تھا۔

"میرا نام مہروز جرار ہے اور میں ایک مسلم' پاکستانی' اسنگل' ایجوکیٹڈ' بااختیار' ہوش مند لڑکی ہوں۔"

سیمینار روم میں بیٹھے بہت سے طلبہ نے مڑ کر اسے دیکھا تھا جس کی آواز میں گرج تھی۔ایمل نے اس کے تعارف پر ابرو اچکا کر داد دی تھی۔

"ہو سکتا ہے میری بات لمبی ہو جائے اس کے لیے میں معذرت خواہ ہوں مگر ڈسکشن ہو اسلام اور خواتین پر 'سامعین سارے غیر مسلم ہو تو ایک مسلم لڑکی اپنی پوزیشن کا دفاع تو کریگی ورنہ یہ پیٹرن بڑا گھسا پٹا ہو جائے گا کہ آپ اسلام کو ٹارگٹ کرتے رہے اور طلبہ کے سوالات بھی اسی ٹارگٹ کے ارد گرد گھوم رہے۔"سیمینار روم میں ایسی خاموشی تھی جسے پن ڈراپ سائلنس کہتے ہیں۔

"سب سے پہلے عرب اور مسلمان دو الگ پہچان ہیں انہیں خدارا merge نا کرے۔سارے مسلمان عربی نہیں ہیں ویسے ہی جیسے آپ یورپین نہیں بلکہ نارتھ امریکن ہے۔اب میں آپ کا تعارف یورپین آتھر کراؤ تو آپ مجھے کریکٹ کرینگے کیونکہ بہت لوگ یورپین اور امریکن گوروں میں فرق نہیں جانتے۔"وہ ٹھہر ٹھہر کر ایمل کے ایک ایک اعتراض کا جواب دے رہی تھی۔

ایمل نے تائید میں سر ہلایا تھا۔طلبہ اب کچھ اور غور سے اسے سننے لگے تھے۔

"دوسرا آپ نے شروع میں کہا کہ کیا مصر کی آبزرویشن ہم دوسرے ممالک پر اپلائی کر سکتے ہیں؟ نہیں۔ میرا جواب بھی نفی ہے کیونکہ ہر مسلم ملک کا کلچر مختلف ہے 'سوچ اور رہنے کا انداز مختلف ہے۔ تو جب ہم ایک اپروچ کو دوسرے پر اپلائی نہیں کر سکتے اسی طرح ہم ایران اور افغانستان کی خواتین کا lived experience بھی کسی دوسرے ملک کی مسلم خاتون پر نہیں لگا سکتے 'انہیں نہیں جج کر سکتے۔ میں افغانستان کو پریزینٹ کر رہی نا ہی ایران کو بلکہ میں ایک پاکستانی مسلم ہونے کے ناطے بول رہی ہوں اور میں اپنے lived experience کی بات کروں گی۔ میں باپردہ گھر سے مسلم لڑکی ہوں جس نے پاکستان میں رہتے ہوئے اپنی تعلیم مکمل کی۔ جس نے انگلش لٹریچر اپنی مرضی سے چنا 'جو ہائر ایجوکیشن حاصل کرنے بھی اپنی مرضی سے جرمنی آئی۔ جس پر زبردستی کر کے کسی کی تیسری چوتھی بیوی نہیں بنایا گیا اور نا ہی میرے باپ نے دوسری تیسری شادی کی ہے۔ ہاں البتہ اپنی بیوی کو چیٹ کرنے سے بہتر اسلام نے ایک راستہ دیا ہے نکاح کا 'تو اس میں برا کیا ہے؟ کیا چیٹ کرنا زیادہ برا ہے یا نکاح میں لانا؟"

اس کے سوال پر کچھ طلبہ نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"آپ اچھی گفتگو کر رہی ہیں اور ایسی ذہین طلبہ مجھے پسند بھی بہت ہیں۔ مگر کیا آپ کے ہی قرآن میں مرد کو superior درجہ نہیں دیا گیا؟ کیا اس کی ایک گواہی کو ترجیح نہیں دی گئی جب کہ عورت کی دو گواہیاں 'ridiculous'۔" وہ ہنسا تھا "کیا مرد کو عورت کو مارنے کی اجازت نہیں دی گئی؟" ان کی بات پر سیمینار روم میں بیٹھے کچھ طلبہ نے ہاتھ پیٹ ڈالے تھے۔

کچھ طلبہ پر جوش ہوتے آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے تھے۔ مہروزان سب پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے ایمل کو دیکھنے لگی جس کی آنکھوں میں شیطانی چمک تھی۔

"ہاں قرآن مجید میں مرد کو قوامون 'عورت کا محافظ' گھر کا بڑا کہا گیا ہے کیونکہ وہ اپنے کنبہ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔" مہروز کے جواب پر خاموشی چھا گئی تھی 'ڈسکشن بہت دلچسپ ہو چکی تھی۔

"اسلام میں مرد کو ایک درجہ اوپر اس لیے نہیں رکھا کہ وہ جب چاہے اپنی پوزیشن کا غلط استعمال کر سکتا ہے بلکہ اس لیے ایک درجہ اوپر دیا ہے کہ جب وہ شادی کرتا ہے تو اپنی بیوی کی اور پھر ہونے والی اولاد کے نان نفقے کا ذمہ دار ہوتا ہے اور اگر وہ اپنی زمہ داری سہی سے نہیں نباہے گا تو اللہ کے ہاں اس کو پوچھا جائے گا۔ اسلام کبھی بھی ایسے مرد کی مثال پیش نہیں کرتا

جس کا کردار ہلکا ہو' اسلام ہمیشہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی مثال دیتا ہے جو ہر طرح سے اعلیٰ تھے۔ دوسری بات آپ نے عورت کی دو گواہیوں کی کی۔" مہروز نے ٹھہر کر سانس لیا تھا۔ سارا سیمینار روم سر موڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اگر بات اللہ کی کتابوں تک آ ہی گئی ہے تو میں بھی پھر عزت کے ساتھ آپ کی کتاب کا حوالہ دوں گی۔ کیا آپ کے ہاں حوا کو evil نہیں دکھایا گیا جن کی باتوں میں آکر آدم جنت سے نکالے گئے؟ عورت کو برا نہیں دکھایا گیا' اسے manipulative کہا گیا اور آپ ہمارے قرآن مجید کی بات کر رہے ہیں کہ وہاں عورت کی دو گواہیاں لکھی گئی ہیں۔ ہمارے ہاں حوا کو ایول نہیں سمجھا جاتا۔ آپ نے قرآن کو سہی سے پڑھا ہی نہیں' آپ نے اپنے مطلب کی آیات نکالی اور غلط ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔ ہمارے ہاں تو پوری ایک سورۃ عورت کے نام پر بھیجی گئی ہے تو آپ بھی دیجیے کوئی ایسی مثال؟ ہمارے ہاں تو عورت اپنے باپ کے جائیداد کی حصہ دار بھی ہوتی ہیں اور شوہر کی جائیداد کی حصہ دار بھی' کیا آپ کے ہاں بھی ایسا ہے؟"

اس کی بات پر ایمل چندپل اسے گھورتا رہا۔ کچھ طلبہ ایک دوسرے کو دیکھ کر پھر سے کھسر پھسر شروع کر چکے تھے۔

"آپ اسلام کو stereotype نا کرے۔ایک دو برے لوگوں کی مثالوں کو لے کر اسلام اور خواتین کو ٹارگٹ کرنا چھوڑ دے اور اگر عورتوں اور انسانوں کا اتنا ہی خیال ہے تو فلسطین کی خواتین کا ساتھ دیجیے۔"اس کی بات پر یک دم ہی سیمینار روم کسی مچھلی کا بازار لگنے لگا جو آپس میں کوئی تبصرہ کرتے اور پھر مہروز کو دیکھتے تھے۔

مہروز مائیک دیوار کے ساتھ کھڑے مینیجمنٹ کے لوگوں کو پکڑا چکی تھی۔

"ویٹ گائز۔"ایمل کے ہاتھ اٹھانے پر سیمینار روم میں آہستہ آہستہ خاموشی چھانے لگی"اچھی باتیں کی آپ نے۔آپ نے دفاع بھی اچھا کیا مگر پھر یہ بھی بتایے کہ جب آپ کے ہاں اللہ ہی سب دیکھ رہا ہے اور ہو بھی وہی رہا ہے جو اس نے لکھ دیا ہے۔وہی سب چلا رہا ہے نا تو پھر ایسا کیوں ہوتا ہے کہ کچھ خواتین نہایت ہی برے حالات میں رہتی ہیں اور کچھ اچھے حالات میں۔کیا وہاں اللہ bias نہیں ہو جاتا؟میری اسسٹنٹ شارلٹ کو دیکھیے جو پہلے زینب تھی وہ اپنے ہی دین سے تنگ ہو کر convert ہوئی ہے۔مسلمان تو یہ بھی تھی اور آپ بھی ہیں پھر اسکا سامنا ایسے مردوں سے کیوں تھا جو عورت سے نفرت کرتے تھے اور اسے اپنے جوتے تلے دیکھنا چاہتے تھے؟حالات اس کے لیے کبھی اچھے کیوں نہیں ہوئے؟"

مہروز نے نظروں کا رخ موڑ کر اس کے دائیں طرف کھڑی شارلٹ کو دیکھا تھا جو سینے پر ہاتھ باندھے مہروز کو ہی دیکھ رہی تھی۔ مہروز کی گردن پر پسینہ ابھر آیا تھا۔ سارے طلبہ کبھی مہروز کی طرف دیکھتے تھے اور کبھی شارلٹ کی طرف۔

"یہ کیوں آپ کی طرح آزاد نہیں تھی؟ وہ اسلام جس میں عورت کے بڑے حقوق ہیں' ان میں سے ایک بھی اسے کیوں نہیں ملا؟ وہ مرد اس کی زندگی میں کہاں تھے جو آپ کی زندگی میں ہیں' جن کا دفاع آپ کر رہی ہیں؟ کیا واقعی پاکستانی ساری مسلم خواتین آپ کی طرح اپنی مرضی کی مالک ہیں؟ اور اگر نہیں ہیں تو ایسا اب تک کیوں نہیں ہو سکا ہے؟"

مہروز دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پیوست کیے صرف ایمل کو ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ اس وقت سب کی نظروں کا مرکز تھی۔ بس وہ اتنا جانتی تھی کہ اس نے جتنا دفاع کیا سہی کیا۔

"خیر اگلی سلائیڈ کی طرف چلتے ہیں۔" ایمل سر جھٹکتے ہوئے ریموٹ کا بٹن دبا چکے تھے۔

مہروز' ایمل کو گردن موڑتے دیکھ کر ہی فوراً طلبہ کے بیچ سے جگہ بناتی دروازے تک پہنچی تھی اور دروازہ کھول کر باہر کاریڈور میں نکلی تھی۔ تازہ ہوا میں اس کا دبا ہوا سانس بحال ہوا

Clubb of Quality Content

تھا۔وہ تیز تیز کاریڈور سے گزرتی کیمپس سے باہر نکل چکی تھی۔سیڑھیاں پھلانگ کر وہ اپنی اسائیکل تک پہنچی تھی اور اسائیکل کا پہیہ گھماتے ہی اس پر بیٹھ گئی تھی۔

ہلکے ملگجے اندھیرے میں وہ اپنی پوری طاقت لگاتے اسائیکل چلا رہی تھی۔اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھی۔اس کا دل ٹوٹ چکا تھا۔اسے اللہ سے شرمندگی ہو رہی تھی کہ وہ غیر مسلموں کے بیچ اپنے دین کا سہی سے دفاع نہیں کر پائی تھی۔اسے بس ایک اطمینان تھا کہ وہ دین حق پر تھی۔

☆☆☆

عشاء ہوئے بہت وقت بیت چکا تھا۔یہاں اسے آذان کی آواز نہیں آتی تھی 'وہ اندھیرے کو دیکھ کر نماز کے وقت کا تعین کرتی تھی۔کمرے میں بس ٹیبل لیمپ کی ہی روشنی تھی۔قبلہ کھڑکی کی طرف تھا۔مہروز سر پر ڈوپٹہ لیے رکوع کی حالت میں تھی جب کمرے کی تمام لائٹس جل اٹھی تھی۔

پولینا اپنا ہینڈ بیگ بیڈ پر پھینک کر کچھ دیر یونہیں مہروز کو دیکھتی رہی جواب سجدہ کر رہی تھی۔اس نے مسکرا کر بیڈ سے اپنا پرس اٹھایا اور فون نکالتے ہی اسکرین پر انگلیاں چلانے لگی۔کچھ ہی دیر میں کمرے میں میوزک بجنے لگا۔

مہروز جائے نماز سے آنکھیں نہیں ہٹا رہی تھی حالانکہ اس شور میں اس کے لیے نماز مکمل کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

"Please don’t stop the music"وہ گانے کے ساتھ گنگناتے ہوئے عین مہروز کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔وہ رکوع کی حالت میں جھکی ہوئی تھی۔

"تمہیں مزا آرہا ہے؟مجھے تو آرہا ہے۔"پولینا کمر پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے جھک کر مہروز سے مخاطب تھی۔

مہروز سجدے کے لیے جھکنے والی تھی کہ پولینا نے پیر سے جائے نماز کا کونہ پلٹا دیا تھا۔مہروز جائے نماز کا کونہ واپس ٹھیک کر کے سجدہ کرنے لگی۔پولینا مزید جھک کر اس کے کان میں گانے لگی تھی۔وہ جیسے ہی سجدے سے اٹھی پولینا نے دوبارہ جائے نماز کا کونہ پلٹا دیا تھا۔اگلی رکوع میں اس نے دوبارہ یہ حرکت دہرائی تھی۔

"میں تو تمہیں نماز نہیں پڑھنے دو نگی۔ کب تک برداشت کرو گی۔" پولینا زور کا قہقہہ لگاتی سیدھی کھڑی ہو گئی تھی۔

مہروز کی آنکھ سے آنسو گرا تھا۔ وہ ویسے ہی آج کے سیمینار کی وجہ سے دکھی تھی' پھر کئی دنوں سے گھر والوں سے بھی بات نہیں ہوئی تھی اور باقی کی کثر پولینا پوری کر رہی تھی۔

"اوہ بے بی۔ cry baby" پولینا کہتے ہی اس کے سامنے ناچنے لگی تھی۔

یک دم ہی ٹھک ٹھک کی آواز پر پولینا کھڑی ہو گئی تھی اور ارد گرد نظر دوڑانے لگی۔ وہ اپنے بیڈ کی طرف گئی' فون اٹھایا اور پلے بٹن بند کر کے غور سے ٹھک ٹھک سننے لگی۔ اب وہ ٹھک ٹھک جیسے ایک نہیں کئی لوگ کرنے لگے تھے۔ بہت غور کرنے پر پولینا کی توجہ کھڑکی پر گئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ کھڑکی کی طرف بڑھتی گئی اور اسے ٹھک ٹھک اور بھی قریب سے سنائی دینے لگی۔

کھڑکی کے قریب پہنچتے ہی پولینا نے جھٹ سے پردہ ہٹایا تھا۔ چار کبوتر ایک قطار میں بیٹھے کھڑکی پر چونچ مارتے ہوئے ٹھک ٹھک کی آواز نکال رہے تھے۔ پولینا نے سر دائیں طرف موڑ کر مہروز کو دیکھا تھا جو نماز مکمل کیے' گیلی آنکھوں سے کبھی پولینا کو اور کبھی کبوتروں کو

دیکھتی تھی۔تو یہ کبوتر جو روزانہ یہاں دانہ چگنے آتے تھے' آج وہ اپنی دوستی کا ثبوت دینے آئے تھے۔

پولینا فون ہاتھ میں اٹھائے بغیر کچھ کہے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

مہروز تشکر بھری' گیلی نظروں سے ان کبوتروں کو دیکھ رہی تھی جواب ایک ایک کر کے اڑ کر کہیں جا رہے تھے۔

☆☆☆

لاہور کے گھر کا تو ماحول ہی عجیب تھا۔سلیمان جان' یاسمین فون کی اسکرین پر بیٹی کو دیکھ رہی تھی۔جرار واش روم میں تھا جب حسیب اپنا فون لیے بھاگا بھاگا ان کے گھر آیا تھا۔

"بہت مس کیا آپ لوگوں کو۔اس الو نے مری میں اتنے دن گزار لیے۔آپ سب لوگ ساتھ ہیں نا اس لیے ہوم سکنس اتنی فیل نہیں ہوتی ہوگی۔ایک دوسرے سے دل کی بات بھی کہہ دیتے ہونگے۔ایک فون لے لے نا مورے۔"

حسیب نے آنکھیں گول گھمائی تھی۔ یہ تین دن مہروز کی وجہ سے اس پر بہت بھاری گزرے تھے' وہ پینڈولم کی طرح مہروز اور اس کے گھر والوں کے بیچ گھومتا رہا تھا۔ مہروز اسے روزانہ سلواتیں سناتی تھی اور وہاں سے سلیمان جان حسیب کو ایک دن اور کہہ کر ٹال دیتی تھی۔

"ہم نے بھی بہت یاد کیا تمہیں۔ ہم کیسے بھول سکتے ہیں تمہیں۔" سلیمان جان نے اسکرین کو ہی ہاتھوں سے چھو کر اسے چوما تھا۔

"فون نہیں آتا نا استعمال کرنا۔ بس یہ بٹن والا ہی خان استعمال کر سکتا ہے۔ یہ بیٹھی کہاں ہو؟ بڑی ہوا چل رہی ہے۔" یاسمین اسکرین پر مہروز پر پڑتی دھوپ اور ہوا سے اڑتے بال دیکھ رہی تھی۔

مہروز نظر اٹھا کر سامنے دریا کو دیکھنے لگی' جس میں سفید بطخیں پانی اچھالتی نہا رہی تھی۔ پانی کے قریب ٹھنڈی ہوا اسے بہت بھلی لگ رہی تھی۔

"سی پارک مورے۔ میں پارک میں ہوں۔ رکے میں دکھاتی ہوں۔" وہ فون کا رخ بدلتے انہیں پانی دکھانے لگی اور فون گول گھماتے ہوئے انہیں آس پاس گریزی دکھانے لگی۔

"اچھا یہاں پانی بھی ہے؟" سلیمان جان نے تھوڑی تلے ہاتھ رکھ لیا تھا۔

"جی۔یہاں بہت گرینری ہے اور ماحول بہت ہی صاف ہے۔یہاں ماحولیات کا بہت خیال رکھا جاتا ہے مورے۔"وہ کل کا دکھ بھول گئی تھی۔گھر والوں سے بات کرتے ہوئے وہ سب بھول جاتی تھی۔

"میرے پودوں کو تو کوئی پانی نہیں ڈالتا ہو گا نا؟"

"میں روزانہ ڈالتی اور تمہاری طرح ان سے باتیں بھی کرتی ہوں۔"یاسمین پر جوش ہوتے ہوئے اسے بتا رہی تھیں۔

"خان بابا کہاں ہیں؟"

"واش روم میں دیر لگا دی نا۔"بے بے انہیں آواز دینے والی تھی کہ وہ گیلے چہرے کے ساتھ واش روم سے نکل آئے تھے۔

"مہروز بیٹی نے کال کی ہے۔"سلیمان جان نے مسکرا کر بیٹے کو کہا تھا۔

جرار گیلے چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرتے ہوئے بیڈ پر حسیب کے برابر بیٹھ گئے تھے۔حسیب نے فوراً فون جرار کو پکڑایا تھا۔مہروز کو دیکھتے ہی جرار مسکرا اٹھے تھے۔ان کے چہرے کی چمک دیکھ کر ہمیشہ ہی یاسمین کی آنکھیں گیلی ہو جاتی تھی۔

"زماظوئے۔" جرار نے پرجوش آواز میں مہروز کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

سلیمان جان' حسیب اور مورے اب خاموش بیٹھے باپ اور بیٹی کو گفتگو کرتے ہوئے سن رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ ان دونوں کے علاوہ کوئی اور وجود کمرے میں ہے ہی نہیں۔ مہروز اپنے دن بھر کی روداد سناتی تھی اور جرار مسکراتے ہوئے سنتے رہتے تھے۔

مہروز بالوں کو ڈھیلے سے جوڑے میں باندھتے ہوئے اب بازار میں گھوم رہی تھی۔ وہ بلاوجہ ہی مسکرائے جا رہی تھی' ماں باپ سے بات کرنے کے بعد وہ بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ یہ بازار اتوار بازار جیسا ضرور تھا مگر نہایت صاف تھا۔ یہ بازار کشادہ سی گلی نما تھا جس کے آس پاس carts کھڑے تھے۔ وہی ان کارٹس کے بیچ کوئی اپنا ہاٹ ڈاگ بیچ رہا تھا' کوئی آئیس کریم رولز' کوئی جرمن اسنیکس۔ وہ یہاں سے صرف سبزی خریدتی تھی۔ اسی بازار کے آخری کونے میں ایک مسلم شاپ تھی جہاں ہر قسم کا گوشت ملتا تھا۔ وہ تیار کٹے بریسٹ پیسز خرید کر اسی دن پکا لیتی تھی۔ چکن وہ فریج میں نہیں رکھتی تھی مبادا دوسرے گوشت کے ساتھ مکس ہو جائے۔ وہ حرام' حلال کا خاص خیال رکھتی تھی۔

بازار سے فارغ ہوتے ہی وہ کیفے چلی گئی تھی۔رات کے ساڑھے نو بجے وہ کیفے سے نکل کر اپنی اسائیکل کی طرف بڑھی تھی۔اسٹریٹ پولز کی روشنی میں اس نے اپنے اسائیکل کے ٹوکرے میں فریش لی لیز دیکھی تھی جو آج پھر کوئی اس کے ٹوکرے میں رکھ چکا تھا۔اسے جھرجھری آئی تھی۔وہ ہاتھ میں پکڑے پیپر بیگز کو بھی اسی ٹوکرے میں ڈالتی اپنے بیگ سے موٹے گلوز نکالنے لگی۔رات کے اندھیرے اور مدہم پولز کی روشنی میں اس کے منہ سے نکلتا بھاپ 'کوئلوں پر تیل ڈال کر دھواں نکلنے کی مانند لگ رہا تھا۔

وہ اسائیکل سڑکوں پر دوڑاتی شارٹ کٹ مارتے ہوئے ایک گلی میں گھس چکی تھی۔بھوک سے اس کا برا حال تھا اور جب بھوک سخت لگی ہو تو ذہن میں مختلف قسم کے کھانے دماغ کو اور پھنساتے ہیں۔گلی کے آخر میں ایک لمبا سا ہیولہ دیکھ کر مہروز نے بمشکل بریک لگائی تھی اور بریک لگاتے لگاتے وہ اپنے ٹانگ پر زور ڈالتے ہوئے اسائیکل بروقت روک چکی تھی 'اس کی بائیں ٹانگ پر شدید دباؤ پڑا تھا۔اسائیکل کے ٹوکرے سے کچھ سبزیاں زمین پر گر گئی تھی۔

"کون ہے وہاں ؟"مہروز نے اکتا کر کہا تھا اور اسائیکل کا اسٹینڈ چڑھاتی سبزیاں اکٹھی کرنے کے لیے اتری تھی۔

"میں۔مہروز 'تھینک گاڈ۔"

جانی پہچانی آواز پر مہروز نے زمین پر جھکتے جھکتے سر اٹھایا تھا۔وہ پولینا تھی جو اب اسٹریٹ پولز کی روشنی میں کھڑی گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی۔اس کی آنکھوں کے گرد کا جل پھیل چکا تھا اور ہونٹوں کے گرد سرخ لپ اسٹک بھی۔

"ہیلپ می۔"

"میری سبزیاں گرادی۔"مہروز سر جھٹکتے ہوئے زمین پر بیٹھ کر کدو اٹھانے لگی۔

"مہروز۔"پولینا بھی زمین پر بیٹھ کر تیز تیز ہاتھ چلاتے ہوئے کیلے اور ٹماٹر اٹھانے لگی "جلدی چلو۔پلیز جلدی کرو۔"وہ اٹھ کر کیلے اور ٹماٹر ٹوکری میں ڈالنے لگی۔

مہروز کے ہاتھ سست پڑے تھے۔مہروز نے کنکھیوں سے پولینا کو دیکھا تھا جس کی آواز میں عجلت اور ہاتھوں میں کپکپاہٹ تھی۔اس نے سر اٹھا کر پولینا کو دیکھا تھا جو اب پھر جھک رہی تھی۔

"کیوں؟"

"میری مدد کرو۔کچھ فضول لوگ میرے پیچھے پڑ چکے ہیں۔ہمارے پاس اتنا ٹائم نہیں ہے'پلیز۔"وہ ٹماٹرز مین پر چھوڑ کر مہروز کو بازو سے کھینچنے لگی۔

"میرے پاس بہت ہے۔"مہروز نے اپنا بایاں بازو جھٹکا تھا اور سستی سے سیب اور کدو اٹھانے لگی۔

"تم سمجھ نہیں رہی۔"پولینا کی آواز میں اضطراب تھا۔وہ گاہے بگاہے اسٹریٹ پولز سے دوسری طرف نظر بھی ڈال لیتی تھی۔وہ فوراً جھک کر مہروز کے ہاتھ سے کدو چھیننے لگی۔

"بی بی تم اپنا رستہ ناپو۔میں نہیں جانتی تمہیں نا مجھے دلچسپی ہے کہ کون پڑا ہے تمہارے پیچھے۔"ہاتھوں میں دو سیب اٹھائے مہروز اٹھ چکی تھی اور آرام سے اسائیکل کے ٹوکرے میں سیب ڈالنے لگی۔

"پلیز۔"پولینا اس کے سامنے کھڑی ہوتی اس کے سامنے ہاتھ باندھ چکی تھی'وہ بس رو دینے کو تھی۔

یہی آنسو مہروز کی کمزوری تھے۔وہ کسی کو دکھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔وہ بھول گئی تھی کہ ایک رات پہلے پولینا نے اس کے ساتھ کیا کیا تھا۔

"اگر کوئی تمہارے پیچھے پڑا ابھی ہے تو مجھے نا گھسیٹو۔"مہروز سر جھٹکتے اسٹینڈ سے بائیک ہٹا چکی تھی۔

"میں مر گئی تو ان سی سی ٹی وی کیمروں میں تم بھی آؤ گی تم سے بھی پوچھ گچھ ہو گی۔جب پوچھے گے کہ میں نے ہیلپ مانگی تھی اور تم نے کیوں نہیں کی تو کیا کہو گی؟"

"یہی کہ میں شدت پسند مسلم ہوں جسے خون خرابہ پسند ہے۔"مہروز طنز کرتی اسائیکل کے پہیوں پر جو گر زر کھ چکی تھی کہ اسائیکل کا بوجھ بڑھ چکا تھا اور اس نے کندھوں پر دو وزنی ہاتھ بھی محسوس کیے تھے۔

"یہاں نہیں۔"پولینا اسائیکل پر ہی آگے جھکتے مہروز کے ہاتھوں پر دباؤ ڈالے اسائیکل ریورس کر رہی تھی۔مہروز کو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کھیلنے والی اسائیکل پر بیٹھی ہے جس کو بچہ کنٹرول کر رہا ہو۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟اترو'اترو۔"مہروز بوکھلا گئی تھی۔

اسائیکل ہلتی جلتی ریورس ہو رہی تھی "میں یہ احسان یاد رکھو گی۔"

"شکریہ بس تم اتر جاؤ۔"

"ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ 'روزے۔"

مہروز نے پہلی بار پولینا کو اتنا حواس باختہ دیکھا تھا۔یقیناً وہ سچ ہی کہہ رہی ہو گی۔مہروز گہرا سانس بھرتی اسائیکل چلانے کی جدوجہد کرنے لگی 'پولینا کے وزن کی وجہ سے اسائیکل کی رفتار کم ہو چکی تھی۔اسائیکل زگ زیگ ہوتی چل رہی تھی۔

"ویسے اس سے اچھا تو تم بھاگ ہی لیتی۔یہ اسائیکل ایسے چل رہی ہے جیسے ہم پیدل چل رہے ہو۔"مہروز زچ آچکی تھی۔

وہی ایک گلی ختم ہونے میں ہی نہیں آرہی تھی۔آس پاس مکانات میں ایسی خاموشی تھی جیسے کوئی رہتا ہی نا ہو'بس Bachle(گلی کے دونوں اطراف ایک واٹر اسٹریم سی بنی ہوتی ہے جو زیادہ گہری نہیں ہوتی) سے پانی گزرنے کی آواز آرہی تھی۔

یک دم ہی پانچ مرد گلی کے بیچ میں عین اسائیکل سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہو گئے تھے۔ان سب نے کالے رنگ کی قمیضیں اور ماسکس پہن رکھے تھے۔وہ رات کی تاریکی میں تاریکی کا حصہ لگتے تھے۔

مہروز نے یک دم ہی اسائیکل کو بریک لگائی تھی۔وہ ان ہٹے کٹے مردوں کو دیکھ کر پچھتا رہی تھی کہ ایک نیکی اس کے گلے پڑ گئی تھی۔

"اوہ نو۔"پولینا نے مہروز کے دونوں کندھوں پر دباؤ ڈالتے ہوئے خوف سے کہا تھا۔

"دیکھو خود ہی شرافت سے اتر کر معاملہ اسیٹل کر لو۔مجھ غریب کو کیوں گھسیٹ رہی ہو؟نا میں لینے میں نا دینے میں۔"مہروز نے آہستہ آواز میں پولینا کو مشورہ دیا تھا۔

"اترو پولی۔"ان پانچ مردوں میں سے ایک نے اونچی ہانک لگائی تھی۔

"شاباش پولی۔"مہروز نے پولینا کا بایاں ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹایا تھا۔اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

کاش وہ شارٹ کٹ نا مارتی۔

"یہ برے لوگ ہیں۔"مہروز کو اپنے کان کے قریب پولینا کی گیلی آواز سنائی دی تھی"یہ مجھے زبردستی پورن ورلڈ میں گھسانا چاہتے ہیں۔تم بھی ایک لڑکی ہو'میری سچویشن کو سمجھو۔پلیز'میرا فون بھی وہی رہ گیا ہے۔کال کرلو پولیس کو پھر چلی جانا۔"

مہروز کا دل عجیب کشمکش میں گرفتار ہو رہا تھا۔ایک لڑکی کو اس کی مرضی کے خلاف استعمال کیا جارہا تھا۔وہ کیا کرے؟مہروز نے گہرا سانس بھر کر جیب میں ہاتھ ڈالا تھا۔

"دونوں اترو۔ہری اپ۔"دائیں طرف کھڑے آدمی کی آواز میں ایسی گرج تھی کہ وہ دونوں جی جان سے کانپ اٹھی تھی۔

پولینا آہستہ سے اسائیکل سے اتری تھی اور اس کے بعد مہروز اسائیکل سے اترتے ہوئے اسائیکل اسٹینڈ سے لگا چکی تھی۔وہ فون کیسے نکالے؟اگر ان اغواکاروں نے اسکا فون اس سے چھین لیا تو؟نئے فون کا خرچہ'نیا قرضہ۔۔۔نہیں اسے فون نہیں نکالنا چاہیے۔مہروز اپنی اسائیکل کے پاس کھڑے ہوتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"پول بے بی'کم کلوزر۔"

پولینا دو قدم پیچھے ہٹی تھی اور مہروز کی پشت کی طرف کھڑی ہو گئی تھی۔ مہروز نے حیرانی سے سر موڑ کر پولینا کو اور پھر ان مردوں کو دیکھا تھا جن میں سے ایک آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کا ہر بڑھتا قدم مہروز کو سوو سوسوں کا شکار کر رہا تھا۔ اس نے فوراً گلہ کھنکھارا تھا۔

"مجھے تو جانے دے۔ میں اسے نہیں جانتی' اس نے کہا اسائیکل پر بٹھادو تو بس بٹھادیا۔ میں نہیں جانتی آپ دونوں کے بیچ کیا مسئلہ ہے۔ آئی سوئیر' میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔" مہروز نے دونوں ہاتھ اس کے سامنے باندھتے ہوئے منت کی تھی۔

"روزے۔" اسے اپنے کان میں پولینا کی بے یقین آواز سنائی دی تھی۔

"تم ایسی سچویشن میں ہوتی تو تم بھی میرے ساتھ یہی کرتی۔" مہروز نے سرگوشی میں پولینا کو حقیقت بتائی تھی۔

"اونہوں۔" اس شخص نے سر نفی میں ہلایا تھا" ہمیں واقعی تم سے مطلب نہیں ہے لیکن ہمیں تم پر یقین بھی نہیں ہے۔ اس لیے تم یہاں سے نہیں جاسکتی البتہ وہ ہمارے ساتھ جائے گی۔"

مہروز کے قدموں تلے زمین نکل گئی تھی۔یہ کیا کہا تھا اس نے "تم یہاں سے نہیں جا سکتی؟"اس کے پورے جسم پر سنسنی طاری ہو گئی تھی۔

"روزے'فون نکالو۔"پولینا نے مہروز کے کندھے پر دباؤ ڈالتے ہوئے سر گوشی کی تھی۔

مہروز تو اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی۔برف جمتی ٹھنڈ میں وہ بھی جم رہی تھی۔وہ یہیں مر جائے گی اور اس کے ماں باپ اس کا انتظار کرتے رہ جائے گے؟یہ سوچ ہی تکلیف دہ تھی۔وہ کیا کرے؟کیا کرے۔۔۔اس کی نظر اسائیکل کے ٹوکرے میں رکھے لمبے کدوؤں پر گئی تھی۔اس نے سیلف ڈیفنس سیکھا تھا اور اس کا پہلا اصول ہوش مند رہنا اور مقابل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا تھا۔

مہروز گہرے گہرے سانس بھرتی'چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی'اسائیکل کے ٹوکرے کے پاس کھڑی ہو گئی تھی۔اس میں اور نقاب پوش میں چند قدم کا فاصلہ ہی رہ گیا تھا۔

مہروز نے آہستہ سے ہاتھ پشت کی طرف کیا تھا اور دو لمبے کدو اٹھا چکی تھی۔پولینا منہ پر دونوں ہاتھ رکھے مہروز کو دیکھ رہی تھی'جواب اس سے کئی قدم آگے تھی۔

Clubb of Quality Content

"خبر دار۔"مہروز نے دونوں کدوں ڈنڈوں کی طرح دونوں ہاتھوں میں لہراتے ہوئے انہیں خبر دار کیا تھا۔

اس کے ہاتھوں میں جھولتے لمبے کدؤں کو دیکھ کر اس کے سامنے کھڑے مرد قہقہہ لگا بیٹھے تھے۔پولینا کا دل خوف سے دھڑک رہا تھا ورنہ اس کی حالت بھی کچھ مختلف نا ہوتی۔مہروز کا دل بھی سینہ توڑ رہا تھا پر وہ مقابل کی آنکھوں سے آنکھیں نہیں ہٹا رہی تھی۔

"میں بلیک بیلٹ ہوں۔ چیلنج نہیں کرنا۔"اس نے آواز حتی الامکان مضبوط بنائی ہوئی تھی۔اس کا پٹھان خون جوش مار رہا تھا۔اس کے منہ سے خود ہی بلیک بیلٹ کا لفظ نکلا تھا۔

نقاب پوش نے 'بلیک بیلٹ' کا لفظ کھینچ کر کہا تھا اور سب ایک بار پھر ہنس پڑے تھے"او کے کم آن۔Let's have one on one"اس نے مہروز کو پچکارا تھا۔

مہروز اپنی جگہ جامد کھڑی رہی۔اس نے تو سادہ سے سیلف ڈیفنس تکنیک سیکھے تھے 'بلیک بیلٹ کہاں تھی وہ۔پولینا بھی خوفزدہ کھڑی مہروز کو دیکھ رہی تھی۔اس کا دل چاہا وہ ماتھے کو پیٹ ڈالے 'وہ آدمی کس قدر خوفناک تھے مہروز نہیں جانتی تھی پر پولینا کو اندازہ تھا

اس کے پیچھے کھڑے چار نقاب پوش تالیاں پیٹ پیٹ کر اپنے ساتھی کو cheer کر رہے تھے جو قدم با قدم آگے بڑھ رہا تھا۔

مہروز دونوں کدو لیے کھڑی اسے دیکھ رہی تھی جیسے ہی وہ قریب آیا مہروز نے دونوں کدو ایسے اس کے سینے پر مارے تھے جیسے کوئی پیار سے کسی کے سینے پر مکیاں مارتا ہے۔

اس کی حرکت دیکھ کر سب ہی ہنس پڑے تھے جبکہ پولینا ماتھے کو سیدھے ہاتھ کی مٹھی سے مار چکی تھی۔

"یو بچ۔" اس شخص نے ہاتھ مار کر مہروز کے سر سے اونی ٹوپی گرائی تھی اور آبشار جیسے بالوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اسے سڑک پر گھسیٹنے لگا۔

مہروز کے ہاتھ سے کدو چھوٹ کر فرش پر گر چکے تھے۔

وہ درد سے چیختے ہوئے سڑک پر اس شخص کے ساتھ گھٹنوں کے بل گھسیٹتی جا رہی تھی۔ پولینا منہ پر ہاتھ رکھے مہروز کی دردناک چیخیں سن رہی تھی۔ جس طرح وہ بالوں کو ہاتھوں میں لپیٹ کر اسے سڑک پر کھینچ رہا تھا' پولینا اپنے انجام کا اندازہ لگا رہی تھی۔

مہروز کے بالوں کو جھٹکا دیتے ہوئے وہ بیکلے کے پاس لے گیا تھا کہ اس کا دایاں پاؤں بیکلے میں بہتے ٹھنڈے یخ پانی میں پھنس گیا۔ مہروز کی دردناک چیخ پر اس شخص نے مہروز کو بالوں سے چھوڑ دیا تھا۔

اس کے پیچھے کھڑے چار مرد پولینا کی طرف بڑھ رہے تھے۔ پولینا اسائیکل کے ٹوکرے سے سیب اٹھا اٹھا کر ان کا نشانہ لے لے کر ان پر پھینکنے لگی۔

مہروز فٹ پاتھ پر عجیب پھنسی ہوئی تھی 'وہ دائیں گھٹنے پر دباؤ ڈالتے ہوئے اسے پانی سے نکالنا چاہتی تھی کہ پیٹ پر پڑنے والی لات سے وہ درد سے دہری ہونے لگی۔ خالی پیٹ میں عجیب مروڑ اٹھا تھا۔ وہ ایک اور لات بھی مارنا چاہتا تھا کہ اس کا پاؤں ہوا میں معلق رہ گیا تھا۔

مہروز کی آنکھوں پر درد سے اندھیرا چھا رہا تھا۔ اس نے بند ہوتی آنکھوں سے کسی لمبے 'اسمارٹ نقاب پوش کو دیکھا تھا جو اس کے عین قریب کھڑا ہو چکا تھا۔

☆☆☆

جاری ہے

خلا

ٹریٹ

باب 3

ماہ نور زہرا

وہ چند ہی پل ہوش و خرد سے بیگانہ رہی تھی کہ اس کی کانوں میں درد سے چیختے مردوں کی آوازیں آنے لگی۔اسے اپنے نام کی پکار بھی سنائی دی۔اس کا دماغ سو یا جاگا سا تھا۔کوئی اس کا کندھا ہلا رہا تھا۔وہ دھندلی ہوتی بصارت کے ساتھ اپنے قریب بیٹھی پولینا کو دیکھنے لگی۔مہروز کے کان اب آہستہ آہستہ جیسے کھل رہے تھے'اسے بوٹس کی آوازیں بھی آنے لگی تھی۔

وہ آنکھیں پوری طرح کھول کر سن دماغ کے ساتھ ایک لمبے مرد کو پانچ مردوں کے بیچ گھرا ہوا دیکھنے لگی۔وہ دائیں بائیں ہاتھوں سے'دائیں بائیں کھڑے مردوں کی ایک ایک ٹانگ گھٹنے سے کھینچتے ہوئے ان کا گھٹنا dislocate کر چکا تھا۔ان کی دردناک چیخیں سن کر وہ انہیں چھوڑ چکا تھا۔وہ بے جان ہوتے ٹھنڈی فرش پر گر چکے تھے۔ان پانچوں میں صرف ایک ہی مرد تھا جس میں ابھی بھی لڑنے کی سکت باقی تھی۔وہ اس لڑکے کے کندھوں پر سوار ہوتے ہوئے اس کے بغلوں سے ہاتھ لپیٹتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھوں کو لاک کر رہا تھا۔

پولینا اور مہروز اسی لڑکے کی طرف نظریں پھیرے بیٹھی تھیں اور وہ لڑکا بھی مہروز کو دیکھ رہا تھا۔وہ گہرا سانس بھرتے ہوئے کمر کو جھکا چکا تھا اور ایک جھٹکا مار کر اسے اپنے آگے زمین پر لیٹا کر اس کا دایاں بازو پکڑ کر'اس کے دائیں کندھے پر بایاں پاؤں رکھ کر بازو کو ایسے اپنی طرف کھینچ کر جھٹکا دیا تھا کہ 'چٹاخ' کی آواز مہروز اور پولینا تک گئی تھی۔اس کا بازو چھوڑ کر وہ مہروز کی طرف بڑھا تھا۔

مہروز یک دم جیسے ہوش میں آئی تھی۔اسے درد سے کراہتے مردوں کی آوازیں آ رہی تھی۔

وہ ایک بند دکان کے دروازے کی لکڑی سے سے کمر لگائے بیٹھی ہوئی تھی۔اس کا دایاں پاؤں دکھ رہا تھا'اس کی جینز گھٹنوں تک گیلی تھی'اسے سو فیصد یقین تھا کہ اس کا ٹخنا سوجھ چکا ہے۔ٹھنڈے یخ پانی کی وجہ سے اسے اپنا پاؤں سن لگ رہا تھا۔وہ زمین پر ہتھیلیاں رکھتے ہوئے اٹھنے لگی کہ پولینا نے اس کو کندھوں سے پکڑ کر سہارا دیا تھا۔

"میرے ساتھ چلیے۔"وہ شستہ انگلش میں کہتے ہوئے ان دونوں کے نہایت قریب کھڑا ہو چکا تھا۔

مہروز کو اپنے ٹخنے میں شدید درد محسوس ہو رہا تھا پر وہ برداشت کیے کھڑی ہو چکی تھی اور سر اٹھا کر اس نقاب پوش لڑکے کو دیکھنے لگی جس کی آنکھیں ہی صرف نظر آ رہی تھی۔اس کی آنکھیں نہایت بڑی تھی اور پلکیں بھی۔

"تھینک یو۔"پولینا نے آہستہ سے کہا تھا"میں اسے اسپتال لے جاؤ گی۔"وہ مہروز کا ہاتھ اپنے کاندھے پر ڈالے اسے سہارا دیے کھڑی تھی۔

"آپ کے پاس یہاں کا ہیلتھ انشورنس ہے؟"وہ جیسے مہروز سے مخاطب تھا۔

"میرے ہاسٹل میں ہے۔"مہروز نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔وہ نہایت لمبا مرد تھا۔

"تو پھر میرے ساتھ چلیے۔میں ڈاکٹر ہوں اور میری وجہ سے آپ کا ٹریٹمنٹ جلد ہو جائے گا۔"

"نہیں۔"

"اوکے۔"پولینا نے فوراً مہروز کی بات کاٹی تھی۔مہروز نے سر ٹیڑھا کر کے پولینا کو دیکھا تھا جو اسے نظر انداز کیے ہوئی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میری اسائیکل۔"

"فکر نا کرے۔یہیں کھڑی کر دیتے ہیں۔چوری نہیں ہو گی آئی سویئر۔"

"یہ لوگ؟"مہروز نے روڈ پر پڑے بیہوش مردوں کی طرف ابرو اچکا کر اشارہ کیا تھا۔

"ہمارا مسئلہ نہیں ہیں۔"وہ کہتے ہوئے مہروز کی اسائیکل کی طرف بڑھا تھا اور اسائیکل اسٹینڈ سے ہٹاتے ہوئے اسے ایک کونے کی طرف بڑھانے لگا۔

"میری سبزیاں۔"مہروز نے اونچی آواز میں کہا تھا۔

پولینا نے مہروز کو ایسے دیکھا تھا جیسے کہہ رہی ہو سیریسلی۔۔۔اس لڑکے نے رک کر اسائیکل کا ٹوکرا دیکھا تھا اور ایک بار پھر اسائیکل چلاتے ہوئے چھوٹے سے گھر کے پاس خالی جگہ پر کھڑی کر دی تھی۔وہ ٹوکرے میں سے بچی کچی سبزیاں اٹھا کر ان کی طرف بڑھا تھا۔

اسائیکل کی ٹوکرے میں مرجھاتی لی لیز اکیلی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

رات آدھی سے بھی زیادہ سرک چکی تھی جب وہ دونوں اس انجان مرد کے ساتھ اسپتال آئی تھیں۔یہاں کے اسپتال آنے کا اتفاق بھی پہلی دفعہ ہوا تھا۔نہایت صاف اسپتال جیسے جو گرز رکھنے پر ٹائلز میلے ہو جائے گے۔elevator کے ہر بٹن پر ماحول دوست ہدایات لکھی گئی تھی۔یہ چھوٹا سا اسپتال تھا جس میں اسٹاف بھی کم تھا اور لوگ بھی'شاید رات کا وقت تھا اسی لیے خاموشی تھی۔

وہ بیڈ پر دونوں پاؤں اوپر کیے بیٹھی ہوئی تھی۔اسے سر کے پچھلی سائیڈ پر جلد میں شدید جلن محسوس ہو رہی تھی۔پانچ سو'نہیں چھ سو'چلو سات سو بال تو اس منحوس کی مٹھی میں آ ہی گئے ہونگے۔مہروز کو اپنے پورے جسم میں یہ سر کے بال ہی تو پسند تھے۔

پولینا اس کے بالکل قریب سائیڈ ٹیبل سے ٹیک لگائے'سینے پر ہاتھ باندھے خاموش کھڑی تھی۔

(ایک اور قرضہ۔۔۔اپنے ساتھ ضرورت کے تمام کارڈز رکھنے چاہیے'ایک ہیلتھ کارڈ ہوتا تو اسے انجان شخص کی مدد نا لینی پڑتی۔اب الماری کے دروازے کے پاکستانی پچیس ہزار دینے ہیں'اسائیکل کے ٹائرز بدلوانے کے دس ہزار اور اسپتال کے کتنے ہونگے۔)وہ سوچ میں ہی

ایک کاپی پر نمبرز لکھ کر انہیں کیلکولیٹ کر رہی تھی کہ کندھا جھنجوڑنے پر سارا کاغذ غائب ہو گیا تھا۔

اس کے بیڈ کے پاس کالے گھنگریالے بالوں والا مرد کھڑا تھا۔اس کی آنکھیں نہایت بڑی تھی'مرد کی اتنی بڑی آنکھیں اس نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔اس کے چہرے پر ہلکی ہلکی داڑھی اسے اور جاذب نظر بنا رہی تھی۔وہ سفید کوٹ پہنے اس کے دائیں پیر سے جو گر اتار چکا تھا۔وہ اب گیلا جراب بھی اتار چکا تھا۔مہروز کا ٹخنہ سوجھا ہوا تھا۔

مہروز نے ایک نظر پولینا اور ایک نظر اس لڑکے پر ڈالی۔

"آپ وہی ہیں جس نے ہمیں ابھی ریسکیو کیا؟"

اس لڑکے نے سر اٹھا کر براہ راست مہروز کو دیکھا تھا"جی۔"

"آپ کیسے وہاں پہنچے تھے؟"

پولینا نے سر ٹیڑھا کر کے مہروز کو دیکھا تھا جو مشکوک نظروں سے اس ڈاکٹر کو دیکھنے لگی۔

Clubb of Quality Content

"کیونکہ وہاں سے پانچ منٹ کی واک پر ہی ٹرین ہے اور یہاں تک آتے ہوئے آپ نے دیکھ لیا ہو گا کہ وہ گلی اس اسپتال اور ٹرین کے بیچ آتی ہے۔آپ کو کیا لگا تھا؟"اس نے ابرو اچکایا تھا۔

پولینا تو بس اسے ہی دیکھے جا رہی تھی۔

"آپ کو مارنا مطلب 'لڑنا بھی آتا ہے جب کہ آپ ڈاکٹر ہیں' رائٹ؟"

"جی۔میں آرتھوپیڈک سرجن ہوں۔"وہ اب دوبارہ اس کے ٹخنے کی طرف متوجہ ہوا تھا"ایک دفعہ ایکسرے کرا لیتے ہیں۔"

"آپ کا نام؟"وہ جیسے سنی ان سنی کر گئی تھی۔

"عبداللہ جمشید۔"

مہروز اور پولینا نے ایک ساتھ اس کا نام زیر لب دہرایا تھا' البتہ پولینا کو اسکا نام لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔

"یہ اسپتال۔۔۔یہاں کام کرتے ہیں آپ؟"

"جی۔"وہ مختصر بولتا تھا۔

"تھوڑا سا ٹخنے سے اوپر دیکھ لیتے ہیں کہیں۔۔۔"وہ کہتے ہوئے مہروز کے جینز کا پائنچہ اوپر کرنے والا تھا کہ مہروز نے بائیں ٹانگ اس کے ہاتھ پر ماری تھی۔اس کے باقی کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے تھے'وہ بڑی بڑی آنکھوں میں حیرت لیے مہروز کو دیکھنے لگا۔حیرت تو پولینا کو بھی ہوئی تھی۔

وہ دائیں ہاتھ کو سہلاتا ہوا پیچھے ہٹا تھا۔

"یہ کیا کیا؟"پولینا نے حیرانی سے پوچھا تھا۔

"نو۔"مہروز نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"نو؟ کیا نو؟ میں ہاتھ نا لگاؤں؟"عبداللہ اب تک حیران تھا۔

مہروز نے سر اٹھائے بغیر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"کیا آپ کی فرینڈ ہیلپ کر دے؟ میں ہاتھ نہیں لگاؤ گا۔"

پولینا فوراً ہی آگے بڑھ کر عبداللہ کے کندھے کے قریب کھڑی ہو گئی تھی۔

نادل کلب
Clubb of Quality Content

"نہیں۔" مہروز نے پہلے سے بھی زیادہ سختی سے انکار کیا تھا۔

پولینا نے عبداللہ کو سر اٹھا کر دیکھا تھا مگر عبداللہ مہروز کو دیکھ رہا تھا۔

"کیوں 'روزے؟" پولینا نے چہرے کا رخ مہروز کی طرف پھیرا تھا۔

مہروز سینے پر ہاتھ باندھے بائیں ٹانگ کو ہلانے لگی تھی جسے عبداللہ نے بہت غور سے دیکھا تھا۔ وہ اضطراب کا شکار لگ رہی تھی۔

اسے ٹخنے سے اوپر برص کے بہت سے نشانات تھے اور وہ کبھی بھی نہیں چاہتی تھی کہ پولینا یا عبداللہ میں سے کوئی ایک بھی یہ نشانات دیکھے۔ ہاں اگر ڈاکٹر عبداللہ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ پولینا کو باہر نکال کر اسے گھٹنے تک چیک کرنے دیتی۔ مگر اس وقت 'نہیں۔۔۔' اسے نجانے کیوں مگر عبداللہ کو اپنی ٹانگ نہیں دکھانی تھی۔

"پیشنٹ کی رضامندی ضروری ہوتی ہے۔ کیوں ڈاکٹر ایسا ہے کہ نہیں؟" اس نے سر اٹھا کر عبداللہ کو دیکھا تھا جس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"بس ٹھیک ہے۔ پھر صرف میرے ٹخنے کا ہی ایکسرے ہوگا۔ مجھے گھٹنے یا اس کے ارد گرد کسی قسم کا درد محسوس نہیں ہو رہا۔"

"آل رائٹ۔"عبداللہ نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا تھا اور بیڈ سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھا تھا تاکہ بٹن دبا کر نرس کو بلا سکے۔

مہروز نے ایک گہرا سانس فضا میں خارج کیا جس کو کنکھیوں سے عبداللہ نے دیکھا تھا۔وہ اب ریلیکسڈ لگ رہی تھی مگر کچھ دیر پہلے خوفزدہ 'کیوں؟

☆☆☆

لاہور پر مارچ کا موسم آنکھ مچولی کھیل رہا تھا۔رات ٹھنڈی ہو جاتی تھی اور صبح گرم۔۔۔مہروز کے جانے کے بعد گھر کی رونق کم ہو گئی تھی۔تینوں جیسے کسی روبوٹ کی طرح صبح اٹھتے اور رات سو جاتے۔البتہ مہروز کا کمرہ اور اس کے پودوں کا خیال رکھنا یاسمین نہیں بھولی تھی۔

وہ پوٹ میں لگے موتیے کے پھولوں میں سے خشک پھول توڑ توڑ کر نکال رہی تھی۔ہلکی نکلی سورج کی روشنی ان کے پیروں پر پڑ رہی تھی۔

"میری بیٹی کے لیے دعا کرنا 'ہاں۔"یاسمین نے آہستہ آواز میں موتیے کے پھول کو مخاطب کیا تھا۔

مہروز کہتی تھی کہ پودوں سے بات کرنی چاہیے وہ سنتے ہیں' وہ انسان کے احساسات کو محسوس کرتے ہیں' ان کی presence کو محسوس کرتے ہیں' ان سے اٹیچڈ ہو جاتے ہیں اور اس کی بات سچ ثابت ہوئی تھی۔ مہروز کے جرمنی جانے کے تین بعد ٹماٹر مرجھا گیا تھا۔ یاسمین کو بھی اب ان پودوں سے باتیں کرنے کی عادت ہو گئی تھی۔

"میں اس کی ماں ہوں۔ اب اس کے جانے کے بعد میں خیال رکھتی ہوں۔ تم بہت اچھے ہو' بہت خوبصورت ہو میرے مہروز کی طرح۔"

انہیں اپنے قریب رکھی کرسی پر کسی کے بیٹھ جانے کا احساس ہوا تھا۔

"یاسمینیں' یہ فون دیکھو کہیں فرح نے فون کیا ہو اور ہم نے اٹھایا نا ہو۔" وہ بٹن والا فون بہو کی طرف بڑھائے ہوئے تھی۔

یاسمین نے گلے میں اٹکے عینک کو اتار کر آنکھوں پر لگایا تھا اور فون کی اسکرین روشن کی تھی۔ اسی وقت جرار ہاتھ میں ہیلمٹ لیے گھر کا اندرونی دروازہ کھول چکے تھے۔

"بے بے' مہروز نے کہا تھا کہ اسکرین پر ٹیلی فون کا نشان آتا ہے اگر کسی کا فون اٹھانے میں دیر ہو جائے اور فون بند ہو جائے۔ پر یہاں تو کوئی نشان نہیں ہے۔"

"اللہ خیر کرے۔ کتنے مہینوں سے اس سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ خیر ہو گی۔" سلیمان جان کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی تھی۔

وہ کتنے مہینوں سے بیٹی سے رابطہ کرنا چاہتی تھی پر یاسمین کو اس کا نمبر یاد نہیں تھا۔ مہروز کو بھی فرح کا نمبر یاد نہیں تھا۔ البتہ وہ دونوں کتنے مہینوں سے فون کا انتظار کر رہی تھیں کیونکہ فون ہمیشہ فرح کی طرف سے ہی آتا تھا۔

جرار آہستہ سے دروازہ بند کرتے اپنی بائیک کی طرف بڑھے تھے۔ انہیں بائیک پر بیٹھتے دیکھ کر یاسمین فوراً اٹھی تھی۔ ان کے لیے گیٹ کھولا تھا۔

بائیک باہر نکلتے دیکھ کر گیٹ بھی لاک ہو چکا تھا۔ جرار کک لگاتے بائیک اسٹارٹ کر چکے تھے اور گلی میں نہایت آہستہ سے بائیک چلانے لگے۔ وہ ماں اور بیوی کی گفتگو سن چکے تھے۔

یہ گلی انہیں آہستہ آہستہ ماضی میں لے گئی تھی جب آج سے چھ ماہ پہلے ان کے ہاتھ 'ماں کا فون لگا تھا۔ سلیمان جان واش روم میں تھی۔ اسکرین پر ایف کالنگ آ رہا تھا۔ جرار نے گرین بٹن دباتے ہی فون کان سے لگایا تھا۔

"السلام علیکم مورے۔ کیسی ہیں؟ بس اس دفعہ بہت ٹائم لگا لیا نا فون کرنے میں۔" جانی پہچانی آواز اسپیکر سے ابھر رہی تھی۔

جرار کے جبڑے بھینچ گئے تھے۔ وہ یہ آواز بھولے بھی کب تھے۔

"ہیلو مورے۔۔۔ہیلو۔"

"آئندہ کال مت کرنا۔" جرار نے درشت لہجے میں کہا تھا۔

دوسری طرف اس قدر خاموشی چھا گئی تھی کہ جرار نے فون کاٹ دیا اور فوراً ہی یہ نمبر بلاک لسٹ میں ڈالتے ہوئے 'نمبر ڈیلیٹ کر دیا تھا۔

تو بے بے فرح سے چھپ چھپ کر باتیں کیا کرتی تھی؟ مگر کب سے؟ اور یاسمین نے بھی کبھی انہیں نہیں بتایا؟

جرار فون بیڈ پر پھینکتے ہوئے غصے کو قابو کرتے ہوئے کمرے سے نکلے تھے۔

☆☆☆

Freiburg میں بڑھی اچھی دھوپ پڑ رہی تھی۔ کھڑکی سے پردے ہٹے ہوئے تھے اسی لیے دھوپ سیدھی اندر داخل ہو رہی تھی۔

مہروز بالوں کو ڈھیلے سے جوڑے میں باندھے 'گیلے چہرے کے ساتھ اپنے کمرے میں لنگڑاتے ہوئے داخل ہوئی تھی۔ ایکسرے رپورٹ ٹھیک تھی 'بس ٹخنے کی ہڈی سوجھی ہوئی تھی۔ اس کا دایاں ٹخنہ پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ وہ لنگڑا لنگڑا کر چلتے ہوئے اپنے بیڈ تک آئی تھی۔ اسے دو کام کرنے تھے او ٹو سے آج کی چھٹی لینی تھی اور آج کی پریزنٹیشن سے چھٹی بھی۔

کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور پولینا ہاتھ میں ٹرے لیے اندر داخل ہوئی تھی۔ وہ گرم نائٹ سوٹ میں ملبوس تھی 'بلانڈ بالوں کا جوڑا بنا رکھا تھا۔

بیڈ پر پڑے سویٹر کو اٹھا کر مہروز بیڈ پر بیٹھے بیٹھے پہن رہی تھی جب پولینا نے اس کے برابر جھک کر ٹرے بیڈ پر رکھا تھا۔ مہروز کا ہاتھ سست پڑا تھا۔ باؤل میں گرم بھاپ اڑاتی سوپ نما چیز تھی 'سبزیاں تو تیر رہی تھی 'سوپ ہی ہو گا۔ اس نے حیرانی سے پولینا کو دیکھا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"تمہارا ویجی سوپ۔" پولینا نے واپس کھڑے ہوتے ہوئے نرم مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔ یہ مسکراہٹ شیطانی نہیں تھی۔

مہروز نے سر جھٹکتے ہوئے جیسے خود کو حیرانی کے فیز سے نکالا تھا اور سویٹر کا دوسرا بازو بھی پہن لیا تھا "زحمت کی۔ میں خود بنا سکتی ہوں۔"

"ہاں جانتی ہوں۔ میں بس ہیلپ کر رہی ہوں۔ تھینک یو رات کے لیے۔"

مہروز اس کے نرم لہجے پر آکورڈ فیل کر رہی تھی۔

"میں حلال کھانا بناتی ہوں۔ بہت خیال رکھتی ہوں حلال کھانے کا۔" مہروز نے دونوں گھٹنوں کے بیچ ہتھیلیاں رکھتے ہوئے سر اٹھایا تھا۔ پولینا نے تھینک یو کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"وہ بھی جانتی ہوں۔ یہ دیکھو 'کارن ہے' کیرٹ ہے' بند گو بھی اور پیاز ہے اس میں۔ ایون سر کا تک نہیں ڈالا میں نے اس میں۔ بس نمک اور کالی مرچ۔"

اس کا یہ نرم لہجہ مہروز سے ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ آکورڈنس کچھ زیادہ ہی ہو گئی تھی۔

"میری سبزیاں۔ وہ بھی وہیں رہ گئی۔" مہروز نے اپنی سبزیوں کا سوچتے ہوئے افسوس کیا تھا۔

"چھوڑ دو ان سبزیوں کا پیچھا۔" پولینا پیچھے قدم اٹھاتے ہوئے اپنے بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

"ایویں چھوڑ دوں۔ محنت سے پیسے کما کر لی تھی سبزیاں۔"

مہروز نے ٹرے اٹھا کر گود میں رکھی تھی اور چمچ میں سوپ کا پانی اکٹھا کرنے لگی۔

"تو اب کیا ان سبزیوں کا پیچھا کبھی نہیں چھوڑنا؟"

مہروز نے چمچ سے سوپ پیتے ہوئے کندھے جھٹکے تھے۔

پولینا نے زیر لب سبزیاں کہا تھا اور کمرے میں یک دم زوردار قہقہہ گونج اٹھا تھا۔ مہروز ابرو اچکائے پولینا کو ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوتے دیکھنے لگی۔ کبھی اس کے ہنسی کا دورانیہ کم ہو جاتا اور وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ایک اور دورا پڑ جاتا تھا اور اس بار تو دھڑام سے بیڈ پر ہی لیٹ گئی۔ وہ مہروز کو مرگی کی مریض لگنے لگی تھی۔ ہنس ہنس کے اس کے چہرے کا رنگ سرخ ہو رہا تھا۔

"کیا ہوا؟ کیوں ہنس رہی ہو؟" مہروز سے اب رہا نا گیا۔

پولینا ہچکیاں لیتے بیٹھ گئی تھی اور گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ مہروز اس دوران ایک 'دو اور پھر کئی چمچ سوپ کے بھر کر پی چکی تھی۔

"مجھے سبزیوں سے تمہارے ہاتھ میں پکڑے کدو یاد آ گئے۔" وہ اپنے ہی گھٹنوں پر جھک کر پھر ہنس دی تھی۔

"تم انہیں لہراتے ہوئے بہت فنی لگ رہی تھی جیسے وہ دو کدو نہیں بلکہ ہینڈ گرینیڈ ہاتھ میں پکڑے ہو تم نے۔"

مہروز سوپ کو بیڈ پر رکھ کر اسے دیکھنے لگی جو اپنے میز پر پڑے دو لپ گلاسز کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر مہروز کی نقل اتارنے لگی۔

"تم آگے بڑھے تو ان کدوں سے ایسا حشر کروں گی کہ تم لوگوں کو کدوں سے نفرت ہو جائے گی۔" وہ ہاتھوں میں مہروز کی طرح لپ گلاسز لہرانے لگی اور پھر ایک اور ہنسی کا دورہ پڑتے ہی فرش پر بیٹھ گئی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اپنی بری نقل دیکھتے ہوئے مہروز کو رات کا واقعہ یاد آیا تھا۔ مہروز کا قہقہہ بھی پولینا کے ساتھ گونج رہا تھا۔ کتنے ہی دیر وہ دونوں پاگلوں کی طرح مہروز کے کدو پکڑنے کے اسٹائل پر ہنس رہی تھیں۔

مہروز آنکھوں میں ہنسنے کی وجہ سے آئے پانی کو دو انگلیوں سے صاف کرتے ہوئے واپس سوپ کا پیالہ اٹھا چکی تھی۔

پولینا گہرے گہرے سانس لیتی اٹھ چکی تھی۔ وہ مہروز کے ٹیبل کی طرف بڑھی تھی اور اس کا دھیان مہروز کی ٹیبل پر پڑی تصویر پر گئی تھی۔ مہروز سوپ پیتے ہوئے بغور اسے دیکھ رہی تھی جواب تصویر اٹھا کر دیکھ رہی تھی۔

مہروز 'سلیمان جان' جرار اور یاسمین ایک ساتھ کھڑے مسکرا رہے تھے۔

"کون ہے یہ؟"

"میرے گھر والے۔"

"یہ تمہارے والد ہونگے؟" اس نے جرار پر انگلی رکھتے ہوئے تصویر مہروز کی طرف پلٹائی تھی۔ مہروز نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

Clubb of Quality Content

"فیچرز مل رہے ہیں۔"

"نہیں میں تو اپنی ماں کی شکل پر گئی ہوں۔"

"پھر یہ دو خواتین کون ہیں؟"

"میری ماں اور دادی۔"

"نائس۔" کہتے ہوئے اس نے تصویر واپس رکھ دی تھی۔

مہروز نے باخوبی اس کے چہرے پر ایک تاریک سایہ لہراتے دیکھا تھا۔دل چاہا تھا کہ وہ بھی اس کی فیملی کا پوچھ ڈالے مگر وہ دانستہ خاموش رہی۔

"آج پولیس اسٹیشن جانا ہے۔" پولینا واپس اپنے بیڈ تک آئی تھی۔

"کیوں؟" مہروز نے تشویش سے اسے دیکھا تھا۔

"کیونکہ رات کو ہی پولیس ان پانچوں کو گرفتار کر چکی تھی۔ سی سی ٹی وی کیمروں میں 'میں اور تم کیپچر ہو چکے تھے۔ ہمیں وہاں جا کر جو سچ ہے وہی بتانا ہے۔"

مہروز نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا تھا۔

"چلو سوپ ختم کر و تو پھر چلتے ہیں۔"

پولینا کہتے ہوئے بیڈ سے اٹھی تھی اور اپنی ٹوٹی ہوئی الماری کی طرف بڑھی تھی۔

☆☆☆

پولیس اسٹیشن سے فارغ ہونے کے بعد وہ دونوں ایک قریبی اوپن ایئر ریسٹورنٹ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ آٹھ مہینوں میں پہلی دفعہ ہوا تھا جب مہروزیوں کسی ریسٹورنٹ میں بیٹھی تھی۔ یہاں حلال کھانا ڈھونڈنا بہت ہی مشکل تھا۔

ہلکی سنہری دھوپ میں لکڑی کے رنگ کی کرسیوں پر بیٹھنا اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس ریسٹورنٹ کے باہر اسائیکل کا جم غفیر کھڑا تھا۔ یہاں کے لوگ اسائیکل کو ترجیح دیتے تھے۔ دن کے وقت بھی یہاں بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور سب سے زیادہ پی جانے والی مشروب بیئر تھا۔ البتہ سب بہت آہستہ آواز میں بات کر رہے تھے۔

"مجھے یہاں کا بیئر پسند ہے۔"

مہروز نے سر ہلا کر پولینا کی بات کا جواب دیا تھا۔اتنے دنوں کی سرد مہری کے بعد اس کا نرم لہجہ مہروز سے ہضم نہیں ہو رہا تھا۔وہ فوراً سے اس کے ساتھ فرینک بھی نہیں ہونا چاہتی تھی۔اسے پولینا کے مزاج کا کچھ پتا نہیں تھا۔

"تورات کو جو تم نے کہا وہ سہی تھا؟"

"کیا؟"

"وہ پورن والی بات؟"مہروز نے ہچکچاتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

"ہاں۔"پولینا نے نہایت پست آواز میں جواب دیا تھا۔اس کی نیلی آنکھیں مرجھا سی گئی تھی۔

ویٹر نے قریب آکر پولینا کے آگے بیئر کا گلاس رکھا تھا اور واپس پلٹ گیا تھا۔

"میں کوئی جاب نہیں کرتی۔میں پورن ویڈیوز ایڈیٹ کر کے پیسے کماتی ہوں۔"ویٹر کے جاتے ہی اس نے بات کا آغاز کیا تھا"وہ مجھے زبردستی گھسیٹ رہے تھے کل کیونکہ ان کی پورن ایکٹریس نہیں آئی تھی۔لڑکیوں کو بھی لوگ کیسے مس یوز کرتے ہیں۔پورن اسٹارز کی کوئی ریسپیکٹ نہیں کرتا'روزے۔ان کی مجبوریوں کو خریدتے ہیں یہ لوگ'ورنہ وہاں

بہت سے ایکٹرز مجبوری میں آتے ہیں۔"پولینا نے افسوس سے سر جھٹکا تھا۔اس کے لہجے میں کرب تھا۔وہ پرت در پرت کھل رہی تھی۔

"کوئی اور جاب کر لو۔"

پولینا نے بیئر کا گھونٹ بھر کو مہروز کو دیکھا تھا"روزے،مجھے ان ویڈیوز کو ایڈیٹ کر کے اتنا پیسہ ملتا ہے جتنا تمہیں کیفے سے بھی نہیں ملتا۔تم اسکالرشپ پر آئی ہو یہاں میرا کوئی اسکالر شپ نہیں ہے۔مجھے تو اپنی فی خود ہی دینی ہے نا۔"

مہروز کو حیرت ہوئی تھی تو وہ بھی طالبہ تھی۔

"یونیورسٹی آف فری برگ سے؟"

"ہاں۔"

"کبھی دیکھا نہیں تمہیں۔کونسی فیکلٹی کی ہو؟"

"ایجوکیشنل سائنس۔"

مہروز نے ابرو اچکا کر سر ہلایا تھا۔تو بہر حال یہ معمہ بھی حل ہو گیا تھا کہ وہ کیا کرتی ہے۔

"کچھ لو نا یہاں سے؟"

"یہاں کچھ حلال نہیں ملتا اور میں حلال حرام کا بہت خیال رکھتی ہوں۔" مہروز نے سویٹر کے بٹن سے کھیلتے ہوئے کہا تھا۔

"اچھا یہ حلال حرام کانسیپٹ ہے کیا؟ کن چیزوں کو حلال حرام کہتے ہو؟" پولینا متجسس لگ رہی تھی۔

"اللہ نے کچھ چیزوں کو انسان کے لیے اچھا، مفید پیدا کیا ہے اسے حلال کہتے ہیں اور کچھ انسانوں کے لیے اچھا نہیں ہے' اس میں شر ہے اسے حرام کہتے ہیں۔ اب مزید اس کو narrow down کیا جائے تو اس میں بہت سی چیزیں آتی ہیں لیکن مثال میں فی الحال ایک ہی دے رہی ہوں۔ جیسے کہ تمہارے ہاتھ میں پکڑا یہ بیئر کا گلاس۔"

پولینا نے نظریں اپنی بیئر کی طرف پھیریں تھیں۔

"یہ حرام ہے۔ تمہیں عادت ہے نا اسے پینے کی اسی لیے تم پر کم اثر انداز ہو گی میں پیو گی تو ادھر ہی ہوش کھو بیٹھو گی۔ جو چیز انسان سے ہوش بھلا دے اور پھر وہ صحیح غلط کی تمیز نا کرے اس میں انسان کے لیے خیر کیسے ہو سکتا ہے۔ جیسے سور کا گوشت حرام ہیں۔ کہتے ہیں you

are what you eat.یعنی آپ جو کھاتے ہیں اس کے اثرات آپ کے جسم، آپ کے دماغ اور عادات پر پڑتے ہیں۔"

"سہی۔" پولینا نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا تھا۔

"تمہیں تو یہاں کا ماحول پاکستان سے بہت مختلف لگا ہو گا نا۔"

مہروز نے ٹیبل کی سطح پر انگلی پھیرنی شروع کی۔ جو کبھی لاہور سے باہر نا گئی ہو' جو ماں باپ سے اجازت لے کر گھر سے نکلا نہ کرتی تھی' جس کی چھوٹی سی چھوٹی ضرورت بھی خان بابا پوری کیا کرتے تھے اسے واقعی جرمنی مختلف لگا تھا۔ وہ اب زیادہ پریکٹیکل ہو گئی تھی۔

"ہاں۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پائی تھی۔

"تم بھی تو رشیا سے ہی یہاں آئی ہو گی نا۔ رشیا تو ڈویلپڈ کنٹری ہے پھر تم یہاں کیوں آئی؟"

پولینا نے ایک نظر مہروز پر ڈالی تھی اور پھر بیئر کا گلاس اٹھا لیا تھا۔

اگلے کچھ لمحے خاموشی میں گزرے تھے۔ پولینا بیئر پیتی رہی اور مہروز ارد گرد کے لوگوں کو دیکھتی رہی۔ بیئر کا آخری گھونٹ بھر کر اس نے خالی گلاس میز پر رکھا تھا۔

"چلو۔"

"ہاسٹل؟"

"چلو اٹھو۔" پولینا اپنا بیگ اٹھائے اس سے بہت آگے بڑھ چکی تھی۔

وہ لوگ وہاں کی تیز ٹرین کا سفر کر رہے تھے جو خوبصورت سڑکوں پر 'آس پاس اونچے' صاف عمارات کے بیچ دوڑ رہی تھی۔ ٹرین سے نکلتے ہی وہ اسے پانچ منٹ ایک جانی پہچانی سڑک پر گھما کر اسپتال لے آئی تھی۔

"یہاں کیوں؟" مہروز کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔

"تمہاری سبزیاں لینی ہیں نا؟"

"سیریسلی؟"

"سیریسلی۔"

پولینا اسے بازو سے پکڑ کر اب اسپتال کے اندر لا رہی تھی۔ وہ لنگڑاتی ہوئی اسپتال کی راہداریوں سے ہوتی مطلوبہ ڈاکٹر کے کمرے کے آگے موجود تھی مگر افسوس وہ ڈاکٹر اس

Clubb of Quality Content

وقت وہاں نہیں تھا۔ پولینا کا چہرہ لٹک گیا تھا جبکہ مہروز نے شکر ادا کیا تھا۔ وہ اس ڈاکٹر کو اوائڈ کرنا چاہ رہی تھی جس کی آنکھیں ایکسرے سے زیادہ تیز تھیں' جیسے وہ اسے پڑھ رہا ہو۔

مہروز کی سبزیوں کا بیگ اور اس ڈاکٹر کا فون نمبر لیے دونوں اپنی سوچ میں غلطاں اسپتال کے بیرونی دروازے کی جانب چل پڑی تھی۔

☆☆☆

مہروز کمبل اچھے سے اپنے کندھوں کے گرد لپیٹے' دیوار سے ٹیک لگائے' کانوں میں ہیڈ فونز ڈالے' اسکرین سامنے رکھے مائدہ سے ویڈیو کال پر بات کر رہی تھی۔ پولینا اسے ہاسٹل چھوڑ کر خود کہیں چلی گئی تھی۔

مہروز کے پاس اس کو سنانے کے لیے بہت سے قصے تھے۔ پہلا قصہ یونیورسٹی سیمینار کے منحوس پروفیسر کا تھا اور دوسرا پانچ غنڈوں اور ان میں پھنسی مہروز عرف رضیہ کا تھا۔ مائدہ تحمل سے پورے دو گھنٹے اس کو سنتی رہی۔ ان کی کال کبھی پانچ گھنٹے سے پہلے ختم ہوئی نہیں ہوتی تھی اگر مائدہ کا کوئی کاکا اسے مزید اجازت نا دیتا تو فون جلد بند ہو جاتا تھا۔

"یہاں ٹھنڈ ہے نا اس لیے ٹخنے کا درد کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہا ہے۔ ہائے بے بے ہوتی تو ہلدی ملا دودھ ہی دے دیتی۔ تم بے بے کو مت بتانا۔"

"نہیں بتاؤ گی۔"

"یہاں کی پولیس بھی بہت تیز ہے یار۔ سی سی ٹی وی کیمروں سے ہم تک پہنچ گئی۔ میری جرمن کچھ کچی پکی سی ہے۔ بہت سی باتوں کی تو سمجھ بھی نہیں آرہی تھی۔ پر اللہ کا شکر ہے اس نے حفاظت کی۔"

"بہت ڈرامائی قصہ تھا۔ ایک دم سے ہیرو کی انٹری، پھر وہ ڈاکٹر نکل آیا۔ ویسے علاج پر کتنا خرچہ ہوا ہو گا؟"

علاج کا خرچہ؟ مہروز کو یک دم ہی یاد آیا تھا کہ اس نے انجان شخص کی مدد لی تھی اور یہ قرضہ بھی اتارنا تھا۔ وہ بھول کیسے گئی۔

"پتا نہیں۔" مہروز نے کندھے اچکائے تھے۔

"خیر۔" مائدہ نے گہرا سانس بھرا تھا اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگایا تھا "اب میں بھی کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"کیا؟"

"تم مجھے اپنا پکا دوست سمجھتی ہو نا؟" اس کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

"ہاں۔ بچپن کی 'لڑکپن کی اور اب بڑھاپے کی دوست ہو گی تم۔ بلکہ میں تو اللہ سے کہو گی اسے جنت میں بھی میرا دوست بنانا۔" مہروز مسکرا دی تھی مگر دوسری طرف مائدہ نہیں مسکرا سکی تھی۔

اس کی اس قدر سنجیدگی دیکھ کر مہروز گھبرا گئی تھی "کیا ہوا؟ کوئی ٹینشن ہے؟ ہزبینڈ تو ٹھیک ہیں نا؟ کیوں اپنے فیشل ایکسپریشن سے ڈرا رہی ہو مجھے۔"

"اگر میں اتنی ہی اچھی اور پکی دوست ہوں تو پھر کیوں مہر 'کیوں ساری زندگی چھپایا تم نے مجھ سے اپنا اتنا بڑا سچ۔"

"کونسا۔۔۔سچ۔" مہروز کی زبان لڑکھڑا گئی تھی۔

"یہی کہ تمہیں برص ہے۔"

مہروز کا دل تو رک کر دھڑکا تھا۔ چند ثانیے وہ خاموش رہی۔ کمرے میں تو خاموشی تھی ہی اب فون پر بھی تھی۔ تو کیا مورے نے اسے سب بتایا تھا؟ اور اگر مورے نہیں تو پھر کون بتا سکتا تھا؟

"یہ کہ تمہارا رشتہ بھی اس لیے نہیں ہو سکا تھا کہ انہیں تمہارے پرابلم کا پتا لگا تھا۔ تم نے مجھ سے کبھی کیوں ڈسکس نہیں کیا یار؟"

"کس نے بتایا تمہیں؟"

"تمہاری امی نے میری امی کو بتایا تھا۔ امی سمجھ رہی تھی کہ تم میری بیسٹ فرینڈ ہو تو شاید مجھ سے تم نے نہیں چھپایا ہو گا مگر ایسا نہیں تھا۔ تم اکیلے اس پرابلم سے لڑتی رہی۔ تمہیں گول گپے پسند تھے تم نے یک دم وہ کھانے چھوڑ دیے۔ میں جو آم چور لایا کرتی تھی تمہارے لیے تم نے وہ بھی کھانے چھوڑ دیے تھے مگر مجھے تم نے کبھی نا بتایا۔"

"مجھے لگا کہ ۔۔۔" مہروز بہت سوچ کر بول رہی تھی' وہ جملہ مکمل نہیں کر پا رہی تھی۔ اسپیچ لیس۔

"تمہیں لگا میں تم سے گھن کھاؤ گی یا تم سے ہاتھ ملانا چھوڑ دو نگی۔۔۔تم ایک بار بھروسہ تو کرتی یار۔مجھے افسوس ہے کہ میں نے کیوں نوٹ نا کیا۔اب تمہاری وہ حسرت بھری نظریں یاد آتی ہیں مجھے جب میں لیمو پانی پیتی تھی اور تم بہانہ کر کے نہیں پیتی تھی۔میں چھوڑ دیتی صرف تمہاری خاطر۔تم نے جھوٹ بولا کہ لڑکے والوں نے جواب نہیں دیا اور بات آگے نہیں بڑھ سکی۔رشتہ نا ہونا' انکار ہو جانا لڑکی کو توڑ دیتا ہے۔ٹرسٹ می' میں سمجھ سکتی ہوں تمہیں۔تم نے پھر بھی اپنا دل نہیں کھولا میرے آگے۔مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ میں کیا سمجھوں ؟میں پتا نہیں دوست تھی بھی یا نہیں۔"

مہروز کے گلے میں آنسوؤں کا گولہ سا اٹک گیا تھا۔اسے واقعی لگا تھا کہ اس کی عزیز دوست اسے چھوڑ دیگی' لوگ اسے گھن کھائے گے پر کبھی کبھی ہم لوگوں کو غلط جج کر لیتے ہیں اور کبھی دوسروں کے ساتھ ہوئے برے رویے کو ہم اپنے اوپر اپلائی کرنا شروع کر دیتے ہیں اور دونوں صورتوں میں ہی ہم اپنا نقصان کرتے ہیں۔

"میں نے دوستی تمہاری شکل دیکھ کر نہیں کی تھی۔بس ہماری وائب میچ کر گئی تھی۔مجھے افسوس اس کا نہیں ہے کہ تم چھپاتی رہی 'افسوس تو اس بات کا ہے کہ جس تکلیف سے تم گزری میں تمہیں اس سے گزرنے نا دیتی۔تم اکیلے گزری۔"

"یاد ہے مائدہ۔"مہروز کی آواز رونے کو روکنے کی وجہ سے بھاری ہو رہی تھی"ایک شخص تھا بس میں اسے جذام تھا۔اسے برص نہیں تھا'برص اور جذام میں فرق ہے۔لوگ اس کے ساتھ بیٹھ نہیں رہے تھے۔"

"یاد ہے۔"

"میں مورے کے ساتھ بازار گئی تھی وہاں ایک مرد کو برص تھا'چہرے پر ہاتھوں پر'لوگ اسے بہت غور سے گھورتے تھے جیسے وہ کوئی alien ہو۔اس میں ہمت تھی لوگوں کی نظروں کو اوائڈ کرنے کی، مجھ میں نہیں ہے۔پتا ہے جب مورے نے لڑکے والوں کو سچ بتایا تھا تو ان کا رنگ فق ہو گیا تھا۔پورا ایک ہفتہ میرے گھر والوں نے ان کے فون کا انتظار کیا تھا۔فون نا آنے پر پہلے لڑکے کی ماں اور ان کے فون نا اٹھانے پر رشتے والی کو کال ملائی جو یہ رشتہ لائی تھی۔مورے لوگوں کو لگتا ہے کہ مجھے بس اتنا ہی پتا ہے کہ میرے رشتے سے انکار

ہوا تھا جبکہ وہ یہ نہیں جانتے کہ مورے نے فون اسپیکر پر لگایا تھا اور میں نے ساری باتیں سن لی تھی۔"مہروز کی آنکھ سے بالآخر آنسو نکل ہی آیا تھا" وہ مجھے ایسے ڈسکس کر رہی تھی جیسے میں کسی موذی مرض کا شکار ہوں' جیسے میرے ماں باپ دھوکے سے مجھے بیاہ رہے ہو۔وہ بار بار نقص نقص بول رہی تھی۔مجھے لگتا ہے میں تم لوگوں میں سے نہیں ہوں' جیسے ہندؤں میں 'شدرہ' ہوتے ہیں میں وہ ہوں۔"مہروز کے آنسوں کا بندھ ٹوٹ گیا تھا۔

وہاں مائدہ کے گال آنسوں سے بھیگ رہے تھے اور یہاں مہروز کے۔

"تمہیں پتا ہے میں نے جرمنی آنے کا فیصلہ کیوں کیا؟"اس نے زرا سا توقف لیا تھا"کیونکہ میں اپنی زندگی میں تبدیلی چاہتی تھی، کوئی مقصد چاہتی تھی۔اگر میں وہاں ہوتی تو میرے ماں باپ مجھے گھر بیٹھا دیکھ کر چھپ چھپ کر روتے رہتے۔انہوں نے شادیوں میں جانا چھوڑ دیا تھا کہ کیونکہ ہر انسان کو میری بہت فکر تھی کہ میری شادی کیوں نہیں کی جارہی؟ میرے ماں باپ سے بھی زیادہ وہاں موجود لوگوں کو میرے گزرتے عمر کی فکر تھی۔میں ان فضول باتوں سے دور آنا چاہتی تھی۔میں وہاں ہوتی تو ڈیپریشن کا شکار ہو جاتی۔"

"تم وہاں مت شرمانا۔" مائدہ نے ڈوپٹے سے آنسوؤں سے تر گال صاف کیے تھے "اس میں شرم کی کوئی بات نہیں۔ کیا تمہاری اسکن میں میلانن کم کرتے وقت اللہ نے تم سے پوچھا تھا؟ نہیں نا۔ اب اللہ نے کسی سے پوچھ کر اسکا رنگ نہیں بنایا' جو اسے اچھا لگا اس نے وہ بنایا پھر ہم کون ہوتے ہیں رنگ کے بنا پر discriminate کرنے والے۔ میں پہلے جانتی ہوتی تو تمہارے اندر سے شرم ورم نکالتی اور دیکھتی کون ہے جو ایسی نظروں سے تمہیں دیکھتا ہے۔ ہمیں یہ باتیں نارملائز کرنی چاہیے نا کہ بیوقوفوں کی طرح ایسی باتوں کو اگلی نسل میں ڈالے۔ تم وہاں کانفیڈنٹ رہو۔ کہیں تو یار اپنے اندر اس شرم کو ختم کرو۔"

"تم دوست ہونا جانتی ہو۔ پیار کرتی ہو اس لیے ایسی باتیں کر رہی ہو۔ عام لوگ ایسا نہیں سوچتے۔ مائدہ۔" مہروز نے گہرا سانس بھرتے ہوئے ٹیک ہٹائی تھی تو کمبل کندھوں سے گر گئی تھی، وہ سیدھے ہاتھ کی پشت سے دونوں گال رگڑنے لگی "میں یہ نہیں کہوں گی کہ مجھے شادی نہیں کرنی تھی۔ ہاں کہیں نا کہیں مستقبل کا خوف میرے اندر بھی ہے کہ میں اکیلی نا رہ جاؤں۔ مجھے بھی اچھا ڈیسنٹ مرد پسند ہے لیکن۔۔۔ میرے پاس چوائس نہیں ہے یار۔ میں عام لڑکیوں کی طرح کسی بھی رشتہ کو آسانی سے انکار نہیں کر سکتی اسی لیے تو اس فیملی کے لیے بھی ہاں کی تھی ورنہ وہ کوئی خاص فیملی نہیں تھی۔ وہ تو تھے بھی تنگ نظر اور

لٹریچر پڑھ کر میرے جو نظریات بن گئے تھے ایسی لڑکی تو وہ کبھی پسند ہی نا کرتے مگر ہاں کرنی پڑی۔"

"ہائے لٹریچر نے مار ڈالا۔" مائدہ نے گہرا سانس لیا تھا "شکر ہے پھر کہ انکار ہو گیا۔ اب انسان کو اتنا بھی شادی کا شوق نہیں ہونا چاہیے کہ جن کے ساتھ مزاج نہیں ملتا ان کے لیے بھی ہاں کر لی جائے۔ تم جانتی ہو میں نے تو یہی محسوس کیا ہے کہ شادی کا جوڑا اتارتے ہی مسائل شروع ہو جاتے ہیں۔ خیر 'تم اب بھی میرے دل کے قریب ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہو چکی ہو۔"

"آئی لو یو۔" مہروز نے سرخ ناک سکوڑتے ہوئے کہا تھا۔

"میں تو آئی لو یو تو نہیں کہوں گی۔ یہ جملہ اپنے شوہر کے لیے جو سنبھال کر رکھا ہے۔" مائدہ نے آنکھ دبائی تھی۔

مہروز کھل کر ہنس دی تھی۔ وہ ناک سے گیلی ہوا کھینچتے ہوئے ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔

"یار ہماری بی ایس کی کلاس میں ایک لڑکا تھا شہروز۔"

"اس کی شادی ہو گئی ہے۔ سو نو چانس۔" مائدہ نے شرارتاً کہا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ابے یار بات سنو۔وہ Fiverr کا کورس لے رہا تھا اور کلاس والوں کو بھی اس کا بتایا تھا۔یار تم نے بھی اسٹارٹ کیا تھا۔میں سوچ رہی ہوں کہ میں بھی اکاؤنٹ بنالوں اس پر۔"

"جب سے یہ کاکے میری زندگی میں آئے ہیں تب سے میرا فائیور اکاؤنٹ سن پڑا ہے۔ہاں بناؤ' بلکہ میں گائیڈ کر دیتی ہوں پر کیا وہاں کی مصروف زندگی میں تم فائیور کے لیے وقت نکال لو گی؟"

"ہاں کیوں نہیں۔پیسہ کمانا ہو تو وقت نکالنا پڑتا ہے۔"

"ایک پروٹپ دوں۔اس پاگل نے ایویں تین ہزار لگا کر وہ کورس کیا تھا۔یہ کورس کے نام پر پیسہ لوٹتے ہیں۔ہمارے کلاس میں کتنے ہی بچوں نے الابلا کورسز کیے تھے کہ جاب کے لیے فائدہ مند رہے گے۔آخر میں ان کی لک ہی چلی۔ساری چیزیں خود ایکپیرینس کرنے سے آتی ہیں۔تم بناؤ میں مدد کرو گی تمہاری۔"

مہروز تشکر بھری نظروں سے اسکرین پر اپنی سب سے اچھی دوست کو دیکھتی رہی جو منٹوں میں اس کو تمام بوجھ سے آزاد کر چکی تھی۔

☆☆☆

اگلی صبح نئ اور تازی ہونی چاہیے، نا بھی ہو تو خود سے بنا لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کسی بھی تکلیف کے ساتھ کتنے دن تک رہا جا سکتا ہے۔

وہ پھولوں کو پانی دے کر واپس شیشے کی طرف بڑھی تھی۔ بالوں کو اونچی پونی میں باندھ کر' گرم کوٹ پر رین کوٹ پہنتے ہوئے وہ لنگڑا لنگڑا کر چلتے ہوئے کمرے سے باہر نکلی تھی۔ وہ میک اپ کے نام پر مسکارا تک نہیں لگاتی تھی، اسے لگتا تھا کہ میک اپ سے کونسا وہ حسین ہو جائے گی۔ یہاں پیسے بچانے کے چکر میں وہ کھانا بھی کم کھایا کرتی تھی یا شاید قرضوں میں ڈوبے آدمی کو بھوک کا احساس کم ہوتا ہے۔

بورڈنگ ہاؤس سے نکلتے ہی اس نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا تھا۔ صبح صبح ہی بارش برس کر اب رکی ہوئی تھی۔ گیلی سڑکیں، گیلے نیلے، ہرے رنگ کی عمارتیں اسے بہت اچھی لگ رہی تھی۔ وہ صرف ایک ہی دن کا آرام کر پائی تھی۔ اس کا پیر اس قابل نہیں تھا کہ وہ اسائیکل چلاتی اس لیے وہ پیدل ہی ٹرین کی طرف چل پڑی تھی۔ اتنے خوبصورت موسم میں اسے لنگڑا کر چلنے کی بھی فکر نہیں تھی۔ آج کی صبح دھلی دھلی اور زیادہ حسین تھی۔

ٹرین اسٹاپ پر جا کر اسے پتا لگا تھا کہ ٹرین کسی وجہ سے آج کے لیے بند تھی۔ مہروز نے ہونٹ چبا ڈالے تھے 'اسے لازمی آج کام پر پہنچنا تھا۔ اب ٹخنہ برباد ہو یا کچھ بھی ہو' وہ اپنی اسائیکل چلائے گی۔ اس نے لنگڑانے میں تیزی کر دی تھی اور ساتھ ایک نظر فون کی اسکرین پر بھی ڈال لیتی تھی۔ پونے آٹھ بج چکے تھے اور اسائیکل جتنی بھی تیز چلا لے وہ آٹھ بجے تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ وہ بورڈنگ ہاؤس کے قریب ہی تھی جب اسے پولینا نظر آئی تھی۔ وہ بلانڈ بالوں کو کرل کر کے ایک طرف ڈالے، سر پر اونی ٹوپی 'لانگ بوٹس اور ٹخنوں تک آتی قمیض پر کوٹ پہنے اسائیکلوں کے اسٹینڈ کی جانب بڑھ رہی تھی مگر مہروز کو آتا دیکھ کر رک گئی تھی۔

"ہالو روزے۔" اس نے دور سے ہی اونچی آواز میں کہتے ہوئے ہاتھ ہلایا تھا۔

"ٹرین بند ہے۔"

"جانتی ہوں۔"

مہروز لنگڑا کر اب اس کے قریب کھڑی ہو چکی تھی۔

"مجھے نہیں بتا سکتی تھی؟ اس سوچے ہوئے ٹخنے کے ساتھ ٹرین اسٹاپ تک گئی ہوں۔" مہروز نے اس سے شکوہ کیا تھا۔ وہ بھی کس خود غرض سے شکوہ کر رہی تھی۔

"مجھے کیا پتا تھا تم جلدی نکل جاؤ گی۔ ہم کونسا ایک دوسرے کی روٹین کا خیال رکھتے ہیں۔ خیر، اسائیکل کا آئیڈیا کیسا رہے گا؟" پولینا نے ابرو اچکائے تھے۔

"تمہاری اپنی اسائیکل ہے؟" مہروز اپنی اسائیکل کی طرف بڑھی تھی۔

"نہیں۔ تمہاری تو ہے۔ تم کیسے چلاؤ گی؟ میں چلا لونگی آج۔ تمہیں ڈراپ کر دو گی۔ تمہاری ڈرائیور بنی رہو گی۔" وہ کہتے ہی مہروز کی پشت کی طرف بڑھی تھی۔

"مطلبی۔" مہروز نے اردو میں اپنے خیال کا اظہار کیا تھا۔

اس نے اسائیکل کے ٹوکرے میں فریش لی لیز دیکھی تھی۔ اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ اس نے مڑ کر پولینا کو دیکھا تھا اور اپنے ہی خیال کی نفی کی تھی۔ وہ ایسا کام نہیں کر سکتی تھی۔

"تم مجھے ڈراپ کر کے خود کہاں جاؤ گی؟" مہروز نے اپنی اسائیکل کی سیٹ پر ہاتھ رکھا تھا۔

"یونی۔"

Clubb of Quality Content

"مجھے ٹھیک بارہ بجے لینے آجانا، گاٹ اٹ؟" مہروز نے شہادت کی انگلی اٹھائی تھی۔

"گاٹ اٹ۔"

"میں اپنی چیزوں کے لیے possessive ہوں۔اس لیے بہت خیال سے پارک کرنا یونی میں۔" وہ اس پر پورا حکم چلانے کا حق رکھتی تھی۔

وہ پولینا کی پشت کی طرف بیٹھی ہوئی تھی جب ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو چکی تھی۔اسائیکل تو وہ بھی تیز چلاتی تھی پر شاید بارش کی وجہ سے ٹھنڈ ڈبل ہو رہی تھی اسی لیے اس کی پشت کی طرف بیٹھے اسے ٹھنڈ لگ رہی تھی پر وہ نہایت انجوائے کر رہی تھی۔ کبھی کبھار اسائیکل چلاتے ہوئے وہ اردو کے گانے بھی گاتی تھی اور آج بھی اسکا دل کر رہا تھا کہ وہ اونچا اونچا گائے، کون اسے جانتا تھا مگر پولینا۔۔۔وہ تو جانتی تھی۔وہ آہستہ آواز میں ہی گنگنانے لگی۔ماچو کیفے آتے ہی وہ اسائیکل سے اتری تھی اور رعب سے پولینا کو پھر سے ہدایات دیتی وہ اندر چلی گئی تھی۔

☆☆☆

کلاس میں وہ اپنی مخصوص سیٹ پر بیٹھی تھی۔اسے عام دنوں میں مسلمان ہونے کی وجہ سے کبھی اکیلا نہیں کیا گیا تھا بلکہ کسی کو فکر ہی نہیں تھی۔پر اس دن کے سیمینار کے بعد آج کلاس میں عجیب کھچاؤ محسوس کیا تھا اس نے، کسی نے اسے ہالو نہیں کہا تھا سوائے اس راپنزل والے لڑکے کے۔وہ کلاس میں خاموش بیٹھی آخر کے چند اسٹوڈنس کے ریسرچ آئیڈیاز اور تھیوری کو سن رہی تھی۔

"آپ کو صرف اس کلاس کی رعایت تھی رول نمبر 24،اگلی کلاس میں آپ اپنا abstract نالائی تو آپ کے نمبرز نہیں لگے گے۔"

وہ پریشان ہوتی سر کی تنبیہہ سن رہی تھی۔کلاس آہستہ آہستہ خالی ہو رہی تھی اور وہ پولینا کو ٹیکسٹ کر رہی تھی۔

وہ یونیورسٹی کے داخلی دروازے کے پاس بنے اسٹیچو کے پاس بیٹھی اپنے ریسرچ کا ہی سوچ رہی تھی۔اس کے پاس نہایت کم وقت تھا اور اس سمیسٹر اس کو چار ریسرچز لکھنے تھے۔صبح کا جوش اس وقت مفقود تھا۔وہ اسائیکل پر بھی خاموش ہی بیٹھی رہی۔خاموشی سے اپنا کھانا بنایا تھا اور اپنے کمرے میں خاموشی سے ہی گوبھی اور بریڈ کھا لی تھی۔

Clubb of Quality Content

وہ اپنے میز پر لیپ ٹاپ آن رکھے خود کرسی پر نیم دراز تھی۔اس کا دماغ چکرا رہا تھا۔اس ٹینشن میں تو اسے نیند بھی نہیں آنی تھی۔

"کیوں،روزے۔کیوں ایک ہی جگہ کو گھورے جا رہی ہو؟"وہ جیسے پولینا کی آواز پر ہوش میں آئی تھی۔

اس نے کرسی کی پشت سے گردن لگائی ہوئی تھی اور اس کے دائیں طرف پولینا کھڑی تھی۔

"کچھ نہیں۔"مہروز گہرا سانس بھرتی سیدھی بیٹھ گئی تھی۔اس کی گردن میں بھی درد شروع ہو گیا تھا۔

"چلو سہی ہے۔"پولینا جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اپنے بیڈ کی طرف بڑھی تھی۔اس نے نوٹ کیا تھا یہاں پاکستانیوں کی طرح سب کے پاس سب کے دکھڑے سننے کا وقت نہیں ہوتا تھا۔چلو پاکستانی حل نا نکال پاتے ہو،سن تو لیتے ہیں۔

"اس ڈاکٹر کا نمبر دینا۔"

"ڈاکٹر عبداللہ کا۔"

"ہاں۔"

"کیوں؟"

"میں اپنا انشورنس کارڈ گھر بھول آئی تھی۔ ظاہر ہے مجھے اب اس کی مہربانی لوٹانی ہے۔" مہروز نے سر موڑے بغیر کہا تھا۔

چند پل بعد ہی چٹ پر لکھا گیا نمبر اسکے سامنے موجود تھا۔

☆☆☆

وہ اگلی صبح بھی اپنی اسائیکل کے ٹوکرے میں پڑی پنک لی لیز کو دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر ٹوکرے سے وہ پھول اٹھائے تھے اور نرمی سے ان پر انگلیاں پھیرنے لگی تھی۔ اسے اچھا لگ رہا تھا، پتا نہیں کیوں۔ وہ متجسس تھی مگر وہ اتنی جلدی اس پھول والے کے بارے میں جاننا بھی نہیں چاہتی تھی۔ وہ اس لمحے کو انجوائے کرنا چاہتی تھی جب روزانہ صبح اپنی اسائیکل دیکھنے پر اسے پنک لی لیز پڑی نظر آئے۔ سر جھٹک کر معمول کا دن گزارتے ہوئے وہ اسائیکل اسپتال والی سڑک پر ڈال چکی تھی۔ آج اسے تنخواہ ملی تھی اور سب سے پہلے اس نے اسی ڈاکٹر کا قرض اتارنا تھا۔

Clubb of Quality Content

وہ اسپتال کے پارکنگ میں اسائیکل کھڑی کرتی اسپتال کی طرف بڑھ چکی تھی۔اس کے ٹخنے کی سوجن آہستہ آہستہ کم ہو رہی تھی۔اسپتال کی لفٹ کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے ایکسرے روم کے باہر شیشہ دیکھا تھا۔یہ ہو نہیں سکتا کہ پاکستانی آئینے میں خود کو دیکھے نہیں۔وہ بھی آئینے کے سامنے کھڑی خود کو دیکھنے لگی۔سردی کی وجہ سے سرخ ناک۔اس نے سر سے ٹوپی اتار کر اپنے بیگ میں رکھی تھی اور ماتھے کی طرف بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی۔اس نے لمبے بال پونی میں باندھ رکھے تھے۔سفید لمبی قمیض پر گول گلے والی سویٹر پہن رکھی تھی۔

کاؤنٹر پر اپنا نام بتا کر اس نے ڈاکٹر عبداللہ کا پوچھا تھا اور اتفاق سے وہ وہی پائے گئے۔وہ عبداللہ کی پشت فالو کرتے ہوئے اسپتال کے بالکونی کی طرف آئی تھی جہاں گریزی ہی گریزی تھی۔اسے سبزے کے بیچ زرد پھول نہایت اچھے لگے تھے۔چکور سی بالکونی تینوں طرف سے سبزے سے بھری ہوئی تھی اور سب سے خوبصورت دیوار پر چڑھتی ہوئی سبز بیلیں تھیں۔عبداللہ چند پل اسے سبزے میں غرق دیکھتا رہا کہ مہروز کو خود ہی احساس ہو گیا کہ وہ اس کا منتظر ہے۔وہ چلتے ہوئے اس کے برابر گرل کے پاس کھڑی ہو گئی تھی۔

عبداللہ نے بلیو جینز پر گول گلے کا سویٹر پہن رکھا تھا اور گھنگریالے کالے بال سر پر بکھرے اس پر جچ رہے تھے۔ مہروز اس کی بڑی بڑی آنکھوں کے ارتکاز پر جھینپ جاتی تھی۔

"اس دن جو بھی خرچہ آیا تھا آپ وہ بتادیں۔" اس نے بغیر لحاظ رکھے کہا تھا۔

"پندرہ یورو۔" اس نے بھی لحاظ نہیں کیا تھا۔

مہروز کو حیرت نہیں ہوئی تھی، وہ پاکستان میں تھوڑی تھی جو پہلے لحاظ میں انکار کیا جائے۔ مہروز بیگ کھولے اس میں ٹاپ پر رکھی اونی ٹوپی نکال کر بائیں ہاتھ میں پکڑلی تھی۔ پھر ایک موٹی سے تھیوری کی کتاب بھی نکال کر بائیں ہاتھ میں پکڑلی تھی۔ بیگ میں دایاں ہاتھ مارتے ہوئے اس نے لوشن بھی نکال لیا تھا۔ وہ زرا جھک کر بیگ کو ٹٹول رہی تھی کچھ اس طرح کہ بیگ دائیں گھٹنے پر ٹکا رکھا تھا۔ اس کا بایاں ہاتھ اب مزید چیزیں پکڑنے سے انکاری تھا۔ اس نے سر اٹھا کر عبداللہ کو دیکھا تھا جو اسپاٹ چہرہ لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اسپاٹ چہرہ ہی رکھتا تھا شاید اسی لیے وہ جاذب نظر لگتا تھا۔

مہروز کا دل کر رہا تھا کہ فرش پر بیٹھ کر تسلی سے بیگ ٹٹول ڈالے مگر عبداللہ کے سامنے اسے جھجھک محسوس ہو رہی تھی۔

"یہ پکڑے ؟"مہروز نے موٹی تھیوری کی کتاب اس کے سامنے بڑھائی تھی جس پر عبداللہ نے حیرت سے ابرو اچکایا تھا"رہنے دیں۔"وہ کھسیانی ہنسی تھی۔

"اوہ"اس نے ماتھے پر ہاتھ مارا تھا۔

"کتنی پگلی ہو تم اسی تھیوری کی کتاب میں ہے نا لفافہ۔"وہ اکثر اپنے ساتھ اردو میں بات کرتی تھی۔

لوشن اور ٹوپی واپس اپنے بیگ میں ٹھونستے ہوئے اس نے تھیوی کی کتاب کھولی تھی اور کتاب بائیں ہاتھ میں پکڑے لفافہ نکال لیا تھا۔لفافے میں سے گن کر پندرہ یورو نکالتے ہوئے اس نے عبداللہ کے سامنے ہاتھ بڑھایا تھا۔

"وہ اسٹوڈنٹ کا بیگ تو ایسا ہی ہوتا ہے۔آپ بھی اسٹوڈنٹ رہے ہیں آپ کو اندازہ تو ہو گا۔"مہروز نے مسکراتے ہوئے اپنی خجالت مٹانے کی کوشش کی تھی۔

"میں سلیقہ مند اسٹوڈنٹ تھا۔"عبداللہ نے سلیس اردو میں اسے جواب دیتے ہوئے اس کے ہاتھ سے نوٹ لیے تھے۔

مہروز کا منہ حیرت سے کھلا تھا۔اس کا ہاتھ وہی کا وہی رہ گیا تھا۔اس نے یہاں بہت سے مسلمان نام کے یورپین دیکھے تھے۔اسے لگا تھا یہ بھی کوئی یورپین مسلمان ہوگا مگر وہ تو اردو بھی بولتا تھا۔اپنی زبان کا شخص اس نے پہلی بار یہاں دیکھا تھا۔وہ لڑکی ہوتا تو مہروز یقیناً اس سے دوستی کر لیتی۔اسے خوشی تو ہوئی تھی کہ یہاں کوئی ہم زبان ملا تھا مگر اس نے اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی۔

عبداللہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس کے تاثرات نوٹ کر رہا تھا۔

"اس دن کے لیے ایک بار پھر شکریہ۔"مہروز نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے تھیوری کی بک اپنے بیگ میں رکھی تھی۔

زپ بند کر کے اس نے ایک بار پھر زرد پھولوں کو دیکھا تھا۔اسے وہ ننھے زرد پھول زیادہ بھائے تھے۔

"Begonia"

"جی؟"مہروز نے حیرت سے عبداللہ کو دیکھا تھا۔

"اسے بیگونیا کہتے ہیں۔انڈور پلانٹ کے طور پر لگایا جاتا ہے اسے۔"

"اوہ اچھا۔" مہروز بیگ کے اسٹریپ کو پکڑے زیر لب نام دہرانے لگی۔

"ویک اینڈ پر پلانٹس لگانے کا پروگرام ہے یہاں کے اسکول کے بچوں کے ساتھ آپ انوائیٹڈ ہیں۔"

"واؤ۔ مجھے پسند ہے پلانٹس۔ کونسی جگہ پر ہوگا؟"

"آپ نے جس نمبر سے مجھے ٹیکسٹ کیا تھا اسی پر جگہ ٹیکسٹ کر دونگا۔"

"گریٹ۔" مہروز نے سر ہلایا تھا۔ صبح تو اس نے میسج کا کوئی جواب نہیں دیا تھا، چلو اب اس نے نمبر تو رکھ لیا ہوگا۔

"ٹخنہ کیسا ہے؟"

"بہت بہتر۔" تو اسے اس کا ٹخنہ یاد تھا۔

عبداللہ نے بنا کچھ کہے سر ہلایا تھا۔

"چلتی ہوں میں۔"

عبداللہ نے سر کو خم دیا تھا جیسے کہہ رہا ہو کہ تم اب جا سکتی ہو۔

مہروز نے ایک بار پھر ان پھولوں پر نظر ڈالتے ہوئے قدم اسپتال کی راہداری کی طرف بڑھائے تھے پر اسے اپنی پشت پر اس کی بڑی آنکھیں کافی دیر تک محسوس ہوتی رہی۔

☆☆☆

ہاسٹل آتے ہی اسے سب سے بڑا دھچکا لگا تھا۔ پولینا اس کا نقصان بھر چکی تھی اور اب اسے اس کا قرضہ واپس کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر وہ اس کا احسان کیوں رکھے؟ اس کا لہجہ نرم ضرور ہوا تھا مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ بھول جائے کہ پولینا نے اس کے ساتھ کیا کیا تھا۔ پہلے تو وہ جلے پیر کی بلی کی طرح کمرے میں گھومتی رہی مگر اس کا بہت انتظار کر لینے کے بعد وہ بالآخر کچن چلی ہی گئی تھی۔

Clubb of Quality Content

رات بہت گہری ہوتی جا رہی تھی۔ رات کے دو بج رہے تھے اور وہ لیپ ٹاپ کھولے سر ہاتھوں میں رکھے پریشان سی بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کس آئیڈیا کو لے کر ریسرچ کرے۔ بہت سی سوچیں اس کا دماغ کھا رہی تھی۔ اس مہینے اس کی کوئی بچت نہیں ہونی تھی۔ الماری کا نقصان ادا کر کے جو تھوڑے سے بچ جانے تھے وہ ضرورت کے لیے اس نے سنبھال لینے تھے۔ وہ جاب اور اسٹڈی ساتھ لے کر نہیں چل پا رہی

تھی۔دونوں کا ہی حرج ہو رہا تھا۔اگر اوور ٹائم لگائے تو پیسے تو آئے گے مگر پڑھائی کا حرج بھی ہو گا۔اس نے گہرا سانس بھرتے ہوئے گردن سے چٹاخ کی آواز نکالی تھی۔

"کیا حسابی ہو گئی ہو تم بھی۔"اس نے اونچی آواز میں خود کلامی کی تھی۔

وہ انگلیوں کو چٹخاتے ہوئے لیپ ٹاپ پر سارے ٹیبز بند کر چکی تھی اور ٹھیک آدھا گھنٹہ لگا کر اس نے فائیور پر اپنا اکاؤنٹ بنا لیا تھا۔اس نے دو gigs بنائی تھی۔ایک اسٹوری رائٹنگ اور ایک انٹرٹینمنٹ نیوز کی۔اسے لکھنا ہی تو آتا تھا سو وہ اپنی تحریر بیچ کر کمائے گی۔فائیور کی ڈی پی میں اپنی تصویر لگا کر وہ کافی دیر تک یونہیں لیپ ٹاپ دیکھتی رہی پر کوئی ریکوئسٹ نہیں آئی تھی۔

"مائدہ نے کہا تھا کہ تحمل سے ریکوئسٹ کا انتظار کرنا ہے۔ایک دن یا ایک مہینہ بھی لگ سکتا ہے۔ریٹنگ مینٹین کرنی ہے۔اگر فائیور پر کام چل پڑا تو گھر بیٹھے کمائی۔واہ"اس نے بیٹھے بیٹھے خواب دیکھ لیا تھا۔

وہ رات دیر تک لیپ ٹاپ کھولے بیٹھی رہی اور وہی کرسی پر بیٹھے بیٹھے سو گئی تھی۔

☆☆☆

یہاں آکر اسے کھانے کی بہت قدر ہوئی تھی۔ اسے بچت کرنے کے لیے بہت کم کھانا پڑتا تھا اور شاید اسی وجہ سے اس کا معدہ سکڑ گیا تھا۔ اسے بھوک پر قابو کرنا آگیا تھا۔

جامنی گھٹنوں تک آتی شرٹ کے ساتھ ہم رنگ اسکارف گلے میں پہنے' ہم رنگ موٹا سویٹر اور جوتے پہنے وہ جامن بنی یونی کے کیفے آئی تھی۔ وہ یہاں سے فروٹ سیلڈ ہی لیا کرتی تھی بس۔ کیفے نہایت وسیع تھا۔ یہاں سب کچھ سفید رنگ کا تھا۔ اسٹوڈنٹس کاؤنٹر پر کھڑے ہو کر آرڈر دیتے' صاف شفاف کپڑوں میں ملبوس شیفزان کا مطلوبہ آرڈر ایک ٹرے میں رکھ کر خودکار چلنے والی ٹرے میں رکھتے جو خود بخود آگے بڑھتی ہوئی ایک کھڑکی کے پاس رک جاتی ۔وہ بھی اپنا مطلوبہ باؤل اٹھائے اب کیفے میں ایک طائرانہ نگاہ ڈال رہی تھی۔

اسے دور سے ہی ایک میز پر پولینا بیٹھی مل گئی تھی۔ وہ میزوں کے بیچ میں سے ہوتی پولینا کے میز تک گئی تھی اور اپنا باؤل میز پر رکھتے ہوئے وہ اس کے سامنے بینچ پر بیٹھ گئی تھی۔

"ہالو روزے۔" پولینا پاستہ منہ میں ڈالتے ڈالتے رکی تھی اور اسے بیٹھتا ہوا دیکھنے لگی۔

کیفے میں مختلف قومیت کے طلبہ بیٹھے اپنا میل انجوائے کر رہے تھے اور مدہم آواز میں باتوں کے دوران کھا رہے تھے۔

"میں نے بہت انتظار کیا کل تمہارا۔"

"کیوں؟"

اس کیوں کا جواب دینے میں مہروز نے کافی وقت لیا۔وہ فروٹ سیلڈ کے دو چمچ لینے کے بعد اس کی طرف دیکھنے لگی تھی جو تحمل سے اپنا پاستہ کھا رہی تھی۔

"میرا نقصان تمہیں بھرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ایک بات کلیئر کر لیتے ہیں۔"مہروز نے گلہ کھنکھارتے ہوئے مزید سنجیدگی چہرے پر طاری کر لی تھی"میں اور تم دوست نہیں ہیں۔میں تم سے یہ فیور نہیں اکسیپٹ کروں گی۔پولینا ہمارے بیچ کبھی بھی کچھ اچھا نہیں رہا۔اس ایک رات کے واقعے نے کچھ نہیں بدلا۔تم نے ہرٹ کیا تھا مجھے،تم بھولی ہو گی میں نہیں۔مذہب ہر انسان کے لیے sensitive ٹاپک ہوتا ہے مگر جب بات اسلام کی آئے تو کوئی ریسپیکٹ نہیں کرتا۔میری ذات کی بات نہیں ہے،میرے دین کی بات ہے۔تم نے میری عبادات کا مذاق اڑایا ہے۔پولینا میں وہ رقم تمہیں واپس کرنے آئی ہوں۔"مہروز نے سویٹر کی جیب میں ہاتھ ڈالا تھا اور لفافہ نکال کر میز پر رکھتے ہوئے اس کے سامنے ہی کھسکا دیا تھا۔

پولینا کبھی لفافے کو دیکھتی اور کبھی مہروز کو جواب فروٹ سیلڈ کھانے میں متوجہ تھی جیسے اس سے اہم کام اور کوئی نا ہو۔

"میں بھی احسان نہیں رکھتی۔" پولینا کبھی سوری نہیں بول سکتی تھی۔

"میں بھول گئی وہ احسان۔" مہروز نے پولینا کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا تھا۔

"مہروز میری حرکت تمہیں بری لگی ہوگی مگر مجھے تم سے نفرت نہیں ہے۔ شاید تمہاری جگہ کوئی اور ہوتی تو وہ رکتی بھی نا۔ بھاگ جاتی۔ تم بہادر ہو تم میرے لیے کھڑی رہی۔ تم نے مجھے اس وقت ماضی یاد نہیں دلایا۔ تمہارے ان کدوؤں نے بھی میرا بہت ساتھ دیا۔" اتنی سنجیدہ گفتگو میں وہ پھر کدو لے آئی تھی اور مہروز کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔

اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لیے اس نے پہلے سے بھرے منہ میں دوسری چمچ فروٹ سیلڈ کی بھی ڈال لی تھی۔

پولینا بھی اسے دیکھ کر ہلکا سا مسکرا دی تھی اور لفافے کی طرف ہاتھ بڑھا کر اسے تھام لیا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر نو فیورز۔ اور اب میں تمہیں بالکل تنگ نہیں کروگی۔ ہم دوست بھی بن سکتے ہیں لیکن چلو تمہیں مجھ سے دوستی نہیں پسند تو میں تمہارے فیصلے کا احترام کروگی۔ ویسے

یونی سے فارغ ہو کر کہاں جاؤ گی؟" پولینا نے پاستہ کانٹے میں پھنساتے ہوئے مہروز کو دیکھا تھا۔

"ہاسٹل۔"

"رک نہیں سکتی۔"

"کیوں؟"

"آج یہ کیفے سے باہر لان میں اسٹوڈنٹس اکٹھا ہونگے، ویسے تو ہر ویک ہوتے ہیں مگر آج اسپیشل یہ ہے کہ میں اپنی لکھی شاعری پڑھونگی۔"

مہروز نے لقمہ نگلا تھا۔ شاعری؟ اسے تو اردو شاعری بھی سمجھ نہیں آتی تھی۔ تھی وہ لٹریچر کی طالبہ ضرور تھی مگر شاعری کا ذوق اس میں زرا نہیں تھا۔

"نہیں آج نہیں، میں بزی ہوں۔"

"پھر کبھی سہی۔" پولینا نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا تھا۔

سرما کی دھوپ ہلکی ہلکی سرکتی ٹھنڈی سی شام اور پھر مغرب میں بدل رہی تھی۔

☆☆☆

ہفتے کا دن تھا اور اسے جگہ ٹیکسٹ کر دی گئی تھی۔

وہ پنک پھول دار فراک اور سفید جینز پہنے آئینے کے سامنے کھڑی خود کو تنقیدی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ بالوں کو چٹیا میں باندھتے ہوئے وہ صبح ہی صبح اسائیکل کے ٹوکرے سے پنک لی لیز اٹھا لائی تھی اور اب چٹیا کے ایک ایک بل میں انہیں احتیاط سے لگا رہی تھی۔

وہ آئینے کے سامنے کھڑی بہت احتیاط سے مسکارا لگا رہی تھی۔ اسے مسکارا سے بہت ڈر لگتا تھا۔ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور پولینا دروازے کا ہینڈل پکڑے اپنی جگہ ششدر کھڑی تھی۔ مہروز بہت سادہ رہتی تھی۔ بال بھی بس کبھی جوڑے میں باندھتی تھی اور کبھی چٹیا میں۔ آج گلابی رنگ میں وہ نہایت کھلی کھلی لگ رہی تھی۔ اس کی محویت دیکھ کر مہروز نے آئینے میں اس کا عکس دیکھا تھا۔ وہ اپنی جگہ جھینپ گئی تھی۔

"کیا ہوا؟ کیوں ایسے دیکھ رہی ہو، اب اتنی بھی بد صورت نہیں ہو۔" مہروز نے بچوں کی طرح خفگی کا اظہار کیا تھا۔

"تم تو اچھی لگ رہی ہو۔" وہ دروازہ بند کرتے ہوئے اندر داخل ہوئی تھی۔

"مذاق کر رہی ہو؟" مہروز کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ اسے کبھی کسی نے نہیں کہا تھا کہ تم اچھی لگ رہی ہو۔ میٹرک میں تو اسکا بہت مذاق اڑتا تھا۔

"بس یہ گلاس بھی لگا لو تو تم چمک جاؤ گی۔" وہ فوراً اپنی میز کی طرف بڑھی تھی اور پھیلے ہوئے گلاسز میں سے پنک لپ گلاس اٹھا کر اس کے قریب آئی تھی۔

"ایک منٹ میں اس کے اجزا دیکھو گی۔" اس نے فوراً سے پولینا کے ہاتھ سے گلاس لیا تھا۔

"کیوں؟"

"کوئی حرام ingredient نا ہو نا۔" وہ آنکھیں چھوٹی کیے گلاس پر لکھے کیمیکلز کے نام پڑھنے لگی۔

"تم نے تو کہا تھا کہ کھانے کی چیزوں میں حرام حلال دیکھتی ہو۔"

"نہیں ہر چیز میں دیکھتی ہوں۔" وہ تسلی کر کے آئینے کی طرف مڑی تھی اور گلاس کا برش ہونٹوں پر پھیرنے لگی۔

"ویسے کہاں جانے کی تیاری ہے؟" پولینا اس کے بالوں میں اٹکی لی لیز کو انگلیوں سے چھوتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"ڈاکٹر عبداللہ نے انوائیٹ کیا ہے۔بچوں کے ساتھ پلانٹس لگانے ہیں۔"

پولینا کی انگلیاں یک دم تھمی تھی۔اس نے نظریں اٹھا کر مہروز کو دیکھا جواب ہونٹ آپس میں مسل رہی تھی۔

"گیو میں فائیو منٹس۔" وہ کہتے ہی پھرتی سے الماری کی طرف دوڑی تھی اور اپنا جوڑا نکال کر الہ دین کے چراغ کی طرح غائب ہوئی تھی۔

مہروز سفید فر والے مفلر کو گردن کے گرد بل ڈال کر بیڈ پر بیٹھ کر جو گرز باندھنے لگی تھی جب پولینا کپڑے بدلے کمرے میں واپس داخل ہوئی تھی۔

اس نے وائڈ لیگ جینز پر گرے کلر کا گرم ٹاپ پہنا ہوا تھا۔وہ اپنی الماری سے کرلر نکال کر اب آئینے کے ساتھ لگے سوئچ بورڈ میں کرلنگ مشین کو کنیکٹ کر کے ہیٹ کرنے لگی۔

"تم بھی کہیں جا رہی ہو؟" مہروز نے جو گرز پہنتے ہوئے مصروف سے انداز میں پولینا کو دیکھا تھا جو ایک طرف کرلر گرم کر رہی تھی اور ساتھ ہی آئی شیڈز اٹھائے انگلیوں سے تیز تیز آنکھوں پر بلیک آئی شیڈ پھیلا رہی تھی۔

"ہاں تمہارے ساتھ۔" جواب بھی مصروف سا آیا تھا۔

"کیا؟" مہروز کے تسمے باندھتے ہاتھ تھمے تھے۔

"میں یہاں بیٹھ کر کیا کرلونگی۔ ساتھ چلتے ہیں اور پودیں لگاتے ہیں۔" وہ تیزی سے اپنے بلانڈ بال کرل کر رہی تھی۔

"تم بغیر انویٹیشن کے جاؤ گی؟" مہروز کا منہ حیرت سے کھلا تھا۔

"کیا یہ شادی کی انویٹیشن ہے؟" اس نے رک کر آئینے میں مہروز کو دیکھا تھا۔

مہروز نے سر نفی میں ہلایا تھا اور اگلہ آدھا گھنٹہ لگا کر پولینا تیار ہو چکی تھی۔ وہ اسمو کی آئیز میک اپ میں کچھ زیادہ ہی جچ رہی تھی۔ ظالم۔۔۔

مہروز اسائیکل برج پر سے گزارتے ہوئے مشکل کا شکار لگ رہی تھی۔

"وزن ہی کم کرلو۔" مہروز بڑبڑائی تھی۔

اسائیکل چلاتے اس کے پاؤں تھکنے لگے تھے۔ وہ کیتھڈرل چرچ سے بھی آگے نکل آئے تھے۔ اسے دور سے ہی Green Earth کا بینر لگا نظر آگیا تھا۔ پارکنگ میں بہت سی اسائیکلوں کے بیچ وہ اپنی اسائیکل کھڑی کرتی، سفید بیگ کندھے پر برابر کرتی اس پارک کی طرف بڑھی تھی۔ پولینا اس کے آنے سے پہلے ہی اندر جا چکی تھی۔

بہت سے چھوٹے بچے مسکراتے باتیں کرتے ہوئے وہاں موجود تھے۔ان کے ارد گرد مرد و خواتین ہاتھوں میں گلوز پہنتے ہوئے آپس میں محو گفتگو تھے۔وہ ان سب میں عبداللہ کو ڈھونڈ رہی تھی کہ اس کی آواز بائیں جانب سے آئی تھی۔

"آپ کے گلوز۔" وہ اس کی طرف گلوز بڑھائے کھڑا تھا۔

وہ گول گلا ہی پہنتا تھا اور آج بھی وہ گول گلے کا سفید سویٹر اور بلیو جینز پہنے کھڑا تھا۔اس کے گھنگریالے بال اس کی شخصیت میں اہمیت کے حامل تھے۔کیا کوئی مرد گھنگریالے بالوں میں بھی خوبصورت لگ سکتا ہے؟

"آپ کے گلوز۔" اس نے ایک بار پھر کہا تھا اور مہروز کی محویت توڑی تھی۔

مہروز خجل ہوتی گلوز پکڑ چکی تھی۔

"آپ کافی لیٹ آئی ہیں۔" وہ اس کے بالوں میں اٹکے پنک لی لیز کو دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"وہ بس۔۔۔" اس نے اپنی طرف آتی پولینا کو دیکھا تھا۔اسی کی وجہ سے تو لیٹ ہوئے تھے ورنہ مہروز وقت سے پہلے پہنچنے والے لوگوں میں سے تھی۔بس وہ سوچ کر ہی رہ گئی تھی۔

"آپ مجھے گائیڈ کرتے رہے۔" پولینا ہاتھوں میں گلوز پہنے براہ راست عبداللہ سے مخاطب تھی۔

"اصل میں یہ اہتمام بچوں کے لیے کیا گیا ہے تاکہ ان میں پھول پودوں کا خیال اور ان کو پروان چڑھانے کی عادت بن جائے۔ آپ بچے کو اسسٹ کر سکتی ہیں اور جو اس بچے کو اسسٹ کر رہا ہو آپ اسے دیکھتی رہے۔" وہ پولینا کو ہمیشہ کی طرح اسپاٹ تاثرات کے ساتھ جواب دیتا آگے بڑھ چکا تھا۔

وہ پارک کے ایک طرف لگے میز کے پیچھے کھڑے ہو کر تالی بجا چکا تھا تاکہ سب اسکی طرف متوجہ ہو۔ سارے بچے اور بڑے اب میز کی طرف رخ کیے خاموش کھڑے تھے۔ مہروز کے دل میں خواہش جاگی کہ کاش پاکستان کے ہر شہر میں بھی یوں پودوں کے حوالے سے شعور اجاگر کیا جائے تو یقیناً پاکستان کے موسم پر فرق پڑ سکتا ہے۔

"آپ سب کی آمد کا شکریہ، سب سے زیادہ ان اسویٹ کینڈیز کا۔" اس نے مسکرا کر جرمن میں اپنا خطاب شروع کیا تھا "یہ کیمپ بچوں کے لیے لگایا گیا ہے کیونکہ ہمارے بچے ہمارا مستقبل ہے اور اچھی قومیں بچوں پر انویسٹ کرتی ہیں۔ پھول پودوں سے پیار کرنا چاہیے

کیونکہ ان کی وجہ سے یہ زندگی خوبصورت ہے، آپ کا ماحول خوبصورت ہے اور سب سے بڑھ کر آپ کی آب و ہوا تازہ ہے۔ اچھا جب بیج بو دیا جائے تو اگلا اسٹیپ کیا ہونا چاہیے؟"

مہروز نے سب سے پہلے ہاتھ کھڑا کیا تھا۔ عبداللہ نے مہروز پر نظر ڈالی تھی اور اس کے دیکھا دیکھی سب نے مڑ کر مہروز کو دیکھا تھا۔ مہروز نے جھینپ کر پولینا کو دیکھا تھا جو کسی مقناطیس کی طرح بس عبداللہ کی طرف کھچ رہی تھی، دیکھ رہی تھی۔ عبداللہ نے ایک بچے کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"اس کا خیال کرنا چاہیے۔" بچے نے نہایت پرجوش ہو کر جواب دیا تھا۔

"اور؟" عبداللہ نے براہ راست مہروز کو دیکھا تھا۔

"بیج تو پودے کا بالکل پہلا اسٹیپ ہوتا ہے۔ یہ نہایت اہم اسٹیپ ہے، بیج میری ہی کوشش کی وجہ سے اگ کر بڑا پھلدار درخت بھی بن سکتا ہے اور مرجھا بھی سکتا ہے۔ سوا سے بھولنا بالکل نہیں چاہیے۔ جب وہ تناسا بن جائے تو اس کی اتنی حفاظت کرنی چاہیے کہ وہ مضبوط درخت یا پودے کی صورت اختیار کر لے۔ جب وہ بڑا ہو تو اس پر توجہ دی جائے اور اس کے

ساتھ باتیں کی جائے۔ پودہ آپ کو سنتا ہے، آپ کو محسوس کرتا ہے۔ آپ کا خاموش دوست ہوتا ہے۔"

عبداللہ یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔ سامعین نے مڑ کو عبداللہ کو دیکھا تھا کہ وہ انگریزی میں کی گئی بات کا جرمن ترجمہ کریگا مگر وہ بس خاموش کھڑا رہا۔

"ٹرانسلیشن پلیز۔" کسی نے اونچی آواز میں عبداللہ کو مخاطب کیا تھا۔

مہروز کی آنکھیں بھی کھلی تھی، بہت کھل گئی تھی جیسے دماغ میں کسی آئیڈیا کے آجانے سے ہوتا ہے۔ اس کا دل دھڑکا تھا وہ فوراً اپنے بیگ سے فون نکالتے ہوئے گیدرنگ سے زرا دور چلتی گئی اور فون پر کھٹا کھٹ اس کی انگلیاں چل رہی تھی۔ اسے ریسرچ کا آئیڈیا آ گیا تھا۔

وہ کافی دیر ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے کھڑی نوٹس میں لکھے جا رہی تھی جب کسی نے اس کے فراک کا کونہ پکڑا تھا۔ مہروز نے دائیں طرف چہرہ موڑا تھا۔ وہ ننھا سا جرمن بچہ تھا۔ اس نے بیج مہروز کی طرف بڑھایا تھا۔

مہروز اور کئی بچے اب مٹی کھود کھود کر اسے نرم بنا رہے تھے۔ وہ گاہے بگاہے ایک نظر عبداللہ پر ڈالتی تھی جو بچوں کے ساتھ نہایت مصروف تھا اور پولینا اس کے ساتھ۔

دن تک انہوں نے بہت سے بیج بو دیے تھے۔ مہروز چہرے پر آئی لٹ کو مٹی سے اٹے گلوز سے پیچھے کرتے ہوئے اٹھی تھی جب لمبی شاخوں والے درخت تلے اسے چڑیا گری نظر آئی۔ مہروز گلوز اتار کر مٹی پر رکھتے ہوئے، بیگ سنبھالتے ہوئے اس چڑیا کے نزدیک گئی تھی اور دائیں گھٹنے کے بل زمین پر بیٹھی تھی۔ اس نے نرم ہاتھوں کے ساتھ چڑیا ہاتھوں کی ہتھیلی میں اٹھائی تھی، اس کا بایاں پر زخمی تھا اور وہ رک رک کر سانس لے رہی تھی۔ مہروز نے چڑیا واپس مٹی پر رکھی تھی اور بیگ کا زپ کھولتے ہوئے اس نے ٹشو پیپر اور پانی کی بوتل باہر نکالی تھی۔

"تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔" اس کی آنکھیں گیلی ہونا شروع ہوئی۔ اسے چوزے کا بچہ یاد آیا تھا جو بہت پیار سے اس نے اپنے پاس رکھا تھا اور چار ہفتوں بعد جب وہ اس کے ساتھ مانوس ہو گئی تھی تو اسے بلی اٹھا کر لے گئی تھی۔ اسے لگا تھا اس کی اولاد مر گئی ہے، وہ پورے دو دن اس کے لیے روتی رہی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اس نے چڑیا ٹشو میں پکڑ لیا تھا اور پانی کی بوتل کھول کر ڈھکن میں پانی بھر کر اس کی چونچ میں پانی ٹپکانے لگی۔اسی پانی کے بیچ اس کی آنکھ کا آنسو بھی شامل ہو گیا تھا۔چڑیا رک رک کر سانسیں لے رہی تھی،وہ کسی بھی انسان کی طرح اپنی تکلیف پر رو بھی نہیں پا رہی تھی۔

"کیا ہوا؟"

مہروز نے سر بائیں طرف موڑا تھا اور گیلی آنکھوں کے ساتھ پنجوں کے بل بیٹھے عبداللہ کو دیکھا تھا۔ان دونوں کی پشت پر دھوپ پڑ رہی تھی۔

"یہاں کوئی جانوروں کا ڈاکٹر ہے؟"

"ہے تو مگر دور ہے۔"

"آپ اسے ٹھیک کر دیں۔"

عبداللہ نے نہایت حیرانی سے اس کی گیلی آنکھیں دیکھی تھی۔وہ بہت معصومیت سے بچوں کی طرح بولی تھی۔

"یہ مر جائے گی۔"اس نے ہچکی لی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"میں جانوروں کا ڈاکٹر نہیں ہوں۔"اس نے نہایت نرمی سے کہا تھا۔

"ڈاکٹر تو ڈاکٹر ہوتا ہے بس۔ یہاں کوئی فارمیسی ہے؟ میں خود ہی اسے وہاں لے جا کر فرسٹ ایڈ دے دونگی۔"اس نے سیدھے ہاتھ سے گیلے گال رگڑے تھے۔ کچھ مٹی اس کے دائیں گال پر چپک گئی تھی۔

"وہ مر چکی ہے۔"

مہروز کو دھچکا لگا تھا۔اس نے پلکیں جھپکا جھپکا کر آنکھوں کی نمی پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی تھی اور چڑیا کو شہادت کی انگلی سے ہلایا تھا۔ لیکن وہ نہیں ہلی تھی،وہ واقعی مر چکی تھی۔

مہروز ایک بار پھر بے آواز رونے لگی تھی۔اسے بے آواز ہی رونے کی عادت ہو گئی تھی۔ وہ روتی رہی،اس کے آنسو مٹی پر گرتے رہے اور عبداللہ ہاتھ آپس میں ملائے اسے دیکھتا رہا۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں؟"پولینا ان دونوں کی پشت کی طرف کھڑی ہو گئی تھی مگر ان کی طرف سے جواب ندارد۔

پولینا مہروز کی پشت کی طرف سے گھوم کر مہروز کے دائیں طرف کھڑی ہو گئی تھی جہاں سے منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ مہروز چڑیا کو ہاتھوں میں پکڑے آنسو بہائے جا رہی تھی اور عبداللہ اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا۔

"تم اتنے چھوٹے دل کی ہو، روزے۔" پولینا گھٹنوں سے جینز اوپر کھینچتے ہوئے پنجوں کے بل بیٹھی تھی۔ مہروز اس کی بات پر دھیان دیے بغیر مٹی کھودنے لگی تھی۔ پولینا اور عبداللہ اسے خاموشی سے دیکھتے رہے۔ وہ چڑیا مٹی کے سپرد کر کے مٹی برابر کر چکی تھی۔

"ہر شے کسی نا کسی کا خوراک ہوتی ہے۔"

"کیا مطلب؟" مہروز نے ناک سے گیلی سانس کھینچی تھی۔

"مطلب کسی نے اس کو کھانے کی کوشش کی تھی شاید اور یہ اس کے نصیب کا خوراک نہیں تھی، اپنا دفاع کرتے ہوئے زخمی ہو گئی اور مر گئی۔" عبداللہ نے گہرا سانس لے کر وجہ بتائی تھی۔

"مجھے اسی لیے بلیوں سے نفرت ہے۔ جو اپنا دفاع نہیں کر سکتی انہیں ہی یہ کھاتی ہے۔"

"اب یہ تو اللہ کا نظام ہے۔" عبداللہ کھڑا ہو گیا تھا۔

پولینا ان دونوں کو اردو میں بات کرتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

عبداللہ فوراً ہی جانے کے لیے مڑا تھا۔

مہروز ننھی سی قبر دیکھ رہی تھی اور پولینا عبداللہ کی چوڑی پشت۔

☆☆☆

فری برگ کی نرم دھوپ یہاں آنے والوں کو اپنا اسیر کر دیتی ہیں۔

ایسے ہی کئی نرم دھوپ کی صبح آئیں تھیں۔ مہروز کو اپنے ٹوکرے میں پنک لی لیز دیکھنے کی عادت ہو گئی تھی اور کئی دنوں سے صبح یہ ٹوکرا اسے خالی ملتا تھا۔ اس نے ایک دن خالی رہنے دیا مگر وہ خالی ٹوکرا اجاڑ لگ رہا تھا۔ وہ روزانہ کیفے کے کے لیے پھول لینے کے ساتھ اب پھر سے اپنے لیے بھی پھول لینے لگی تھی۔ جانے والے نے بہت بری عادت ڈالی تھی اسے۔

اسے کئی دن ہو گئے تھے فائیور کا اکاؤنٹ بنائے مگر کام کی کوئی ریکوئسٹ اب تک نہیں آئی تھی۔

اور آج اس کی پریزینٹیشن کا دن تھا۔

اس نے وہی پرپل قمیض پھر پہن لی تھی۔اس نے کئی مہینوں سے مائدہ کو نیا جوڑا آرڈر کرنے کو نہیں کہا تھا۔اس کی قمیضوں کا رنگ بھی سب کو یاد ہو گیا تھا۔

وہ ڈائس کے پیچھے کھڑی تھی۔میز پر لیپ ٹاپ رکھا ہوا تھا اور لیپ ٹاپ لی سی ڈی سے منسلک تھا۔اس کی سلائیڈز تمام اسٹوڈنٹس کو نظر آرہی تھی۔اس نے گلہ کھنکھار کر سب کو دیکھا تھا۔

"میں نے The Island of Missing Trees کا انتخاب کیا ہے اور جس بات کو میں problematize کرنے جارہی ہوں وہ نان ہیومن نریٹر ہے۔درخت دو پیار کرنے والوں کی محبت کا عینی شاہد ہوتا ہے اور جب استنبول میں کچھ ظالم آجاتے ہیں تو وہ یہاں کے نیچر کو تباہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں،اس درخت کو بھی نقصان پہنچایا جاتا ہے۔سو میرا آرگیومنٹ یہ ہے کہ نان ہیومن entities بھی محسوس کرتی ہے اور وجود رکھتی ہیں۔"

"ایک منٹ۔"

مہروز نے رک کر سر کو دیکھا تھا۔

"کیا آپ کو لگتا ہے آپ کا آئیڈیا اوریجنل ہے؟"

"جی۔" مہروز نے پورے اعتماد کے ساتھ کہا تھا۔

"تو آپ کی اسٹڈی کمزور ہے۔ سر میتھیو کا ریسرچ آئیڈیا بھی یہی تھا۔"

"ان کو لٹریچر ریویو میں شامل کیا ہے میں نے۔ پر میرے تھیورسٹ مختلف ہیں، بات مختلف ہے، کانٹیکسٹ مختلف ہے۔"

"آپ کا آئیڈیا نیا نہیں ہے۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے مہروز کے میں آپ کے آئیڈیاز سنتا رہوں۔ آپ لوگوں کے پاس ریسرچ لکھنے کا وقت بہت ہی کم ہے اور آپ اس وقت کو گنوا چکی ہیں۔" تھیوری کے سر اپنی موٹی عینک کو دو انگلیوں سے ٹھیک کر کے دروازے کی طرف مڑے تھے۔

"سر میں چینجز کر لوں گی، پلیز۔" مہروز کا دل ڈوبا تھا۔

پوری کلاس کو حیرت تھی۔ کسی کا بھی ریسرچ آئیڈیا ریجیکٹ نہیں ہوا تھا سوائے مہروز کے۔

"نو اسکینڈ چانسز۔"

"سر پلیز۔" مہروز ان کے پیچھے بھاگی تھی پر وہ تو جیسے سننے کے موڈ میں ہی نہیں تھے اور دروازہ کھول کر جا چکے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

مہروز گہرے گہرے سانس لیتی خود کو نارمل کرنے لگی تھی۔اسے ہار نہیں ماننی تھی۔اس کی تعلیم ہی اس کی اولین فوقیت تھی، وہ پوری کوشش کر کے بھی کیفے میں پہلے جیسا کام نہیں کر پارہی تھی۔اسے ٹوکرے میں پھول رکھنا بھی یاد نہیں ہوتے تھے۔وہ پورا ہفتہ سر کے پیچھے بھاگ بھاگ کر اسکینڈ چانس کی منتیں کرتی رہی اور آخر کار وہ چانس مل ہی گیا۔

"اس میں نیا کیا ہے؟"وہ سینے پر ہاتھ باندھے کلاس کے پیچھے کھڑے نہایت سنجیدہ تھے اور ایک بار پھر اپنا پچھلی کلاس میں کیا گیا سوال دھرا رہے تھے۔

اسے لگا اس کا اسکینڈ چانس بھی مس ہو جائے گا۔اس نے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیری تھی۔

"یہی کہ کیسے۔۔۔ومن آف کلر اپ۔۔نی resistance generate کر سکتی ہیں۔"وہ ہکلائی تھی۔

"آپ کا اسکینڈ چانس بھی ضائع گیا۔"وہ افسوس سے سر ہلاتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھے تھے۔

Clubb of Quality Content!

کلاس کے سارے طلبہ مہروز کا چہرہ دیکھ رہے تھے جس کا رنگ اڑ سا گیا تھا۔اس میں دوبارہ بھاگنے کی سکت نہیں تھی اب۔

مہروز کا ڈھیر سارا رونے کا دل کر رہا تھا پر وہ مضبوط رہنا چاہتی تھی۔اس نے ہونٹ آپس میں پیوست کیے لیپ ٹاپ آف کیا تھا۔

ایک اسٹوڈنٹ اس کا لیپ ٹاپ ایل سی ڈی سے ڈسکنیکٹ کر رہا تھا تو ایک اس کا بستہ اٹھائے اس کے پاس آیا تھا۔

کوئی کچھ کہہ بھی رہا تھا پر اسے خود پر ضبط کرنا تھا۔اسے لگ رہا تھا وہ منہ کھولے گی تو ان کی تسلیوں کا جواب دینے کے لیے نہیں بلکہ رو پڑنے کے لیے۔

کچھ طلبہ نے اسے کاریڈور میں بھی ساتھ چلتے ہوئے تسلی دی تھی اور پھر یونی کے کیفے کی طرف جاتے راستے کی طرف چل پڑے تھے۔

وہ اکیلی رہ گئی تھی۔اس نے اکیلے ہی یونی کی داخلی سیڑھیاں عبور کی تھی۔وہ سرخ آنکھوں اور بوجھل دل کے ساتھ اپنی اجاڑ تو کرے والی اسائیکل کی طرف بڑھی تھی۔

☆☆☆

وہ اسائیکل چلاتے چلاتے بھی تھک چکی تھی۔ ٹھنڈ سے اس کی ناک سرخ ہو رہی تھی اور آنکھیں رونے کی وجہ سے۔ اندھیرا ابھی اب بہت حد تک پھیل چکا تھا۔ نا صرف اسٹریٹ لائٹز بلکہ کچھ گلیوں میں لگے خوبصورت قمقمے بھی اس شہر پر اندھیرا نہیں رہنے دیتے تھے۔

وہ 'سی پارک' کے قریب اسائیکل، پارک کے جالے کے قریب کھڑی کرتی اب اس وسیع پارک میں واک کیے جا رہی تھی۔ اس وقت پارک میں بہت ہی کم لوگ تھے اور جو تھے وہ طلبہ لگ رہے تھے۔ ان طلبہ میں بیٹھے ایک لڑکے کو ہنستے ہوئے دیکھ کر اسے ڈھیر سارا رونا آیا تھا۔ جب دل بوجھل ہو اور کسی کو ہنستا ہوا دیکھ لیا جائے تو آنکھیں خود بہ خود بھر جاتی ہیں۔ اس کے آدھے مارکس یہیں کٹ گئے تھے اور اب ایک سائینوپسس رہتا تھا۔ مگر اس کا ویٹج کم تھا۔ وہ فائنل کے لیے محنت کر بھی لیتی تب بھی اس ریسرچ کے مارکس ضروری تھے۔ اسے پچھتر فیصد تو لازمی لینے تھے، وہ اسکالرشپ پر آئی تھی اپنے پلے سے وہ یہ فی افورڈ نہیں کر سکتی تھی مگر وہ اس سبجیکٹ میں اتنے مارکس نہ لے سکی تو اس کا سی جی پی اے بہت خراب ہو جائے گا۔

ہوا سے اس کی کانوں کے پاس نکلی لٹیں لہرا رہی تھی۔ وہ پانی کے قریب ہی لگے بینچ پر بیٹھ گئی تھی۔ دونوں گھٹنوں کے بیچ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں رکھ کر وہ ہچکیاں لے کر روئی تھی۔ پارک خالی تھا اور کون یہاں اس کی آواز سنے گا؟

وہ وقفے وقفے سے رک کر سانس بھی لیتی تھی۔ گرم بھانپ اس کے منہ سے نکلتا ہوا میں تحلیل ہو جاتا تھا۔ وہ جیکٹ کے جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اٹھی تھی اور کنارے کے قریب کھڑی ہو گئی تھی، ٹھنڈے پانی کے نہایت نزدیک۔ اتنی نزدیک کہ جو گر پھسلنے پر وہ گر سکتی تھی۔ اس کا دماغ شدید ماؤف تھا اور اسے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے؟ اس نے ہچکی لے کر اپنے جو گرز کو دیکھا تھا اور پھر ٹھہرے ہوئے ٹھنڈے پانی کو۔

"یہ خودکشی کی اچھی جگہ نہیں ہے۔"

وہ مردانہ آواز پر اچھلی تھی اور اس کا دایاں پیر واقعی پھسلا تھا کہ دو مضبوط مردانہ ہاتھوں نے اسے تھام لیا تھا اور آہستہ سے پیچھے ہٹاتے ہوئے اس کے بازو چھوڑ دیے تھے۔ مہروز کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اس کا تنفس خوف سے پھول گیا تھا۔ وہ واقعی ٹھنڈے پانی میں

Clubb of Quality Content

گرنے والی تھی۔اس نے نیم تاریکی میں گھنگریالے بالوں والے مرد کو دیکھا تھا جس کی بڑی بڑی آنکھیں اسی پر جمی ہوئی تھی۔بلکہ آج اس میں خفگی تھی۔

"اکثر اس ٹائم لوگ یہاں خودکشی کرنے آجاتے ہیں۔یہ پانی نہایت ٹھنڈا ہے اور موت جلد واقع ہونے کے بہت سے چانسز ہے۔اسی لیے پولیس یہاں بہت گشت کرتی ہے تاکہ کوئی طالب علم ایسی حرکت نا کرے۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر اسے سمجھا رہا تھا یا خود غلط سمجھ رہا تھا۔

"آپ غلط سمجھے ہیں۔" مہروز کے ابرو اکٹھے ہوئے تھے۔اسے عبداللہ کی آواز صور کی طرح لگی تھی جو کچھ دیر پہلے اس کا دل دہلا گئی تھی۔

"تو آپ یہاں کنارے پر کھڑی پانی کی پیمائش کر رہی تھی؟"

مہروز نے سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے اس کی سردی کی وجہ سے سرخ پڑتی ناک کو گھورا تھا۔سرخ ناک؟ وہ تو روئی بھی تھی اور رونے کی وجہ سے اس کی ناک سرخ ہو کر پھول جاتی تھی اور ہونٹ کا اوپری حصہ بھی۔اس کا اس بات پر کتنا مذاق اڑایا گیا تھا کا میٹرک میں۔اسے بندگو بھی کہا گیا تھا۔۔۔مرغی جو انڈا دے رہی ہو اور پتا نہیں کیا کیا۔

مہروز گردن میں بندھے مفلر کو ڈھیلا کر کے اسے ماسک کی طرح ناک اور چہرے کے گرد پھیلا کر باندھنے لگی۔

"اب آپ مفلر سے خودکشی کرے گی؟" وہ غور سے مہروز کو مفلر ناک کے گرد باندھتے ہوئے دیکھنے لگا۔

"آپ کب سے یہ کہانیاں بنانے لگے ہیں؟" اس نے زچ ہو کر پوچھا تھا۔

"کونسی کہانیاں؟"

"یہی کہ میں خودکشی کر رہی ہونگی؟"

"آپ پانی کے قریب کھڑی تھیں۔"

"آپ کا analysis خراب ہے۔ یہاں لوگ کمزور دل کے ہونگے جو یہاں خودکشیاں کرنے آتے ہونگے۔ میں پٹھان ہوں، مضبوط اعصاب کی۔" اس نے فخر سے ابرو اچکائے تھے "آپ تو فوراً سے کہانی کا دی اینڈ اپنی مرضی کا بنا دیتے ہیں۔"

عبداللہ لانگ جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، ہونٹ آپس میں مسلتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اچھا روئی تو تھی؟"

مہروز نے کوفت سے آنکھیں میچ لی تھی۔ایک تو یہ بوجھل دل اسے شرمندہ کروانے پر تلا ہوا تھا۔

"آپ کیا میری مخبری کرتے ہیں؟میں جہاں جاتی ہوں آپ آجاتے ہیں۔یہ بری بات ہے یو نو۔"اس نے شکایتی لہجے میں کہتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔اب اسکا آدھا چہرہ،ناک تک مفلر میں چھپا ہوا تھا۔

"خیر،آپ غلط سمجھی۔میں مخبری نہیں کرتا۔بلکہ اس پارک میں اکثر آتا ہوں۔دو چار طلبہ کو خودکشی سے بچایا ہے،یو نو۔"اس نے بھی مہروز کے انداز میں جواب دیتے ہوئے کندھے اچکائے تھے پر چہرے کے تاثرات اسپاٹ تھے۔

"گڈ فار یو۔"

"تو آپ پھر کیوں رو رہی تھی؟اکیڈمک اسٹریس؟"اس کی سوئی بس رونے پر اٹکی ہوئی تھی۔

مہروز نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

عبداللہ نے ہنکارا بھرا تھا۔

"یہاں ٹھنڈ بہت ہے۔ کسی کیفے چلتے ہیں۔"

"میں یہاں کے کیفز سے کچھ نہیں کھاتی۔"

"مسلم کھانا ملتا ہے قریب میں۔ دیسی مینیو بھی ہے۔ یقیناً آپ کو نہیں پتا ہو گا تو آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیجیے۔"

دیسی مینیو پر مہروز کی آنکھیں کھل گئی تھی۔ منہ میں پانی بھی آیا تھا۔ کب سے دیسی کھانے کا دل تھا اور وہ انکار نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اس ریسٹورنٹ کا نام 'سلطان' تھا، جہاں پر نا صرف مسلم بلکہ ملائیشین اور انڈونیشین کھانے بھی ملتے تھے۔ وہ لوگ ریسٹورنٹ کے اس حصے میں بیٹھے ہوئے تھے جہاں میز کے گرد چھوٹی چارپائیاں رکھی ہوئی تھی۔ دیوار سرخ رنگ کے تھے جس میں ہیر اور رانجھے کی تصویریں بنی ہوئی تھی۔ خوبصورت فانوس اور دیواروں سے لٹکتے فیری لائٹس نے اس حصے کو اچھا خاصہ روشن کرر کھا تھا۔ وہ یہاں کی گرمائش اور سیٹنگ دیکھ کر قدرے بہتر محسوس کر رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا وہ پاکستان میں بیٹھی ہے۔

مینیو کارڈ کے ورق آگے پیچھے کرتے اس نے اپنے لیے مٹکا بریانی، مصالحہ دنبہ کڑاہی، تین نان اور نمک والی لسی آرڈر کی تھی۔اس نے خاص تاکید کی تھی کہ دونوں کھانوں میں کسی قسم کی کٹھاس ناہو۔وہ آج اپنے اوپر دل کھول کر خرچ کرنا چاہتی تھی۔کل کی کل دیکھ لے گی جبکہ عبداللہ نے اپنے لیے چکن سوپ منگوایا تھا۔

"تم تو کافی مصالحے والی چیزیں کھاتی ہو۔"عبداللہ اس کے عین سامنے والی چارپائی پر بیٹھا تھا جہاں سے سیاہ آسمان صاف دکھ رہا تھا۔

"کتنے مہینوں سے پھیکے کھانے کھا رہی ہوں۔یہاں پاکستانی مصالحے ڈھونڈنا بہت مشکل ہے اور ہر مصالحے کو میں نہیں خریدتی۔مجھے حرام حلال کا فرق یاد رہتا ہے۔"

"گڈ۔"عبداللہ نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا تھا۔

چندپل دنوں خاموش بیٹھے ارد گرد کا جائزہ لیتے رہے جہاں صرف پاکستانی،انڈین نہیں بلکہ جرمن لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔سب سے نچلے فلور پر ملائیشین، دوسرے فلور پر انڈونیشن اور تیسرے پر پاکستانی فوڈ ملتا تھا۔

"اب بتاؤ یہ کیسا اکیڈمک اسٹریس ہے؟ میں اسٹریس اچھا ریلیز کرتا ہوں۔" وہ اس کی رونے کی وجہ سے سوجھی ہوئی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔

"آپ اسائکیٹرسٹ ہیں؟"

"نہیں پر کبھی اسٹوڈنٹ تھا اور میڈیکل کی تعلیم زیادہ ٹف ہے۔"

"خیر وہ تو لٹریچر بھی ہے۔" اسے شدید کوفت ہوتی تھی جب کوئی لٹریچر کو فار گرانٹڈ لیتا تھا۔

"سہی تو پھر مسئلہ کہاں ہے جب تعلیم میں محنت کرنی ہے اور سفر آسان نہیں ہے۔"

"محنت تو کی تھی۔" اس نے لکڑی کے میز کی سطح کو ناخن سے کھرچتے ہوئے غمزدہ آواز میں کہا تھا۔ اس کی ناک بھی اب تک سرخ تھی مگر وہ مفلر میں مزید اپنے ناک کو چھپا کر نہیں رکھ سکتی تھی آخر کو کھانے کے لیے بھی تو مفلر ہٹانا ہی تھا۔

"تھیوری کے سر کو کوئی مسئلہ ہو گیا ہے مجھ سے بلکہ جس دن ایمل البرٹ کا سیمینار ہوا ہے اس دن سے یونی کے اسٹوڈنٹس جو اس سیمینار میں شریک تھے وہ عجیب نظروں سے دیکھتے ہیں مجھے۔ میں نے دو ریسرچ آئیڈیاز دیے تھے انہیں اور دونوں اور یجنل، پر دونوں ہی ریجیکٹ کر دیے اور میرے پاس کوئی تیسرا چانس نہیں ہے۔ میرے مارکس لوز ہو گئے ہیں

اب اور میں فائنل میں جتنی بھی محنت کر لوں میں اے گریڈ نہیں لے سکتی نا ہی یہ سبجیکٹ ڈراپ کر سکتی ہوں۔" اس نے گہرا سانس بھرا تھا۔اس کے آنسو خشک ہو چکے تھے پر لہجے میں اب تک اداسی تھی۔

"ایمل البرٹ کا تعارف کروا دوں۔ایک اکیڈمک آرتھر ہیں اور ہمارے یونی میں سیمینار اٹینڈ کرنے آئے تھے۔ مسلمان خواتین کو ٹارگٹ بنایا ہوا تھا اور مجھے غصہ آگیا بس۔ مجھے لگتا ہے میں نے ان سے جو بحث کی وہ کسی کو پسند نہیں آئی۔شاید تھیوری کے سر تک بھی پہنچی ہو گی۔"

"یونی؟ یہ یہاں کے اسٹوڈنٹس کی لینگویج ہے؟ یونیورسٹی کا شارٹ کٹ۔"

"یہ یہاں کا شارٹ کٹ نہیں ہے۔It's a Pakistani thing" اس نے جیسے فخر سے کندھے جھٹکے تھے۔

عبداللہ اسے خاموشی سے دیکھتا رہا اور یہ خاموشی اتنی طویل ہوئی کہ ان کا آرڈر آچکا تھا۔مہروز کھانا کھاتے ہوئے بھول چکی تھی کہ کچھ دیر پہلے وہ کتنا روئی تھی۔ عبداللہ سوپ کے چمچ لیتا اسے ایک ایک لقمے کو انجوائے اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔کچھ پل

بعد وہ اخلاقاً پوچھ لیتی 'یہ دنبہ کڑاہی ٹرائے کر لے، دنبہ بہت پسند ہے مجھے 'اور وہ 'میں آئلی چیزیں نہیں کھاتا' کہہ کر انکار کر دیتا۔

کھانا ختم ہو چکا تھا اور مہروز ٹیشو سے لب تھپتھاتے عبداللہ کو دیکھ رہی تھی جو چھوٹا سا کتابچہ کھولے کھانے کا بل پڑھ رہا تھا۔

"کتنا بنا؟"

"زیادہ نہیں ہے۔" وہ کتابچہ بند کر کے میز پر رکھتے ہوئے اپنے جیکٹ کی اندرونی جیب سے والٹ نکالنے لگا۔

مہروز نے ہاتھ بڑھا کر کتابچہ اٹھایا تھا اور بل پڑھ کر اپنے بیگ کا زپ کھولنے لگی۔ عبداللہ ہاتھ میں والٹ پکڑے اسے دیکھ رہا تھا۔ مہروز چند نوٹ نکال کر کتابچے کے اندر رکھتے ہوئے کتابچہ میز پر رکھ چکی تھی۔

"یہ میرے کھانے کا بل۔" یعنی اپنے کھانے کا بل تم خود دو۔

عبداللہ نے سمجھتے ہوئے چند نوٹ نکال کر کتابچے میں پھنسائے تھے۔

ریسٹورنٹ کے باہر سڑک تک اندر لگی لائٹس کی روشنیاں اپنا عکس چھوڑ رہی تھی۔

"گڈ نائٹ۔" مہروز نے ہلکا سا مسکرا کر عبداللہ کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"آپ کا ہر دن اچھا گزرے۔" عبداللہ اسپاٹ تاثرات کے ساتھ کہتا ہوا دائیں طرف مڑا تھا۔

اس کی دعا پر غور کرتے ہوئے مہروز بائیں طرف ریسٹورنٹ کے نزدیک پارکنگ ایریا میں پارک اپنی اسائیکل کی طرف بڑھی تھی۔

☆☆☆

ہر صبح کو سنہری اور نرم دھوپ ویلکم کرتی ہے اور یہ صبح بھی خوشگوار تھی۔اسے فائیور پر پہلا آرڈر ملا تھا۔اسے ایک ہالی وڈ سیلیبریٹی کے بریک اپ پر پانچ سو الفاظ کا اسکرپٹ لکھنا تھا جس کے اسے بیس ڈالر ملتے۔

اسے اس سے اگلی صبح پتا لگا کہ پولینا بھی اس کے کیفے میں ہائر ہو چکی ہے۔

"اوٹو اچھا بندہ ہے۔ویسے ایک دن تم اسائیکل چلانا اور ایک دن میں۔روزانہ ساتھ ہی کیفے اور ساتھ ہی یونیورسٹی جایا کریں گے۔واپسی پر میں خود آجایا کروں گی۔" پولینا نے مسکرا کر کہتے ہوئے اپنے سارے دانتوں کی نمائش کر دی تھی اور مہروز صرف صبر سے سر ہلا کر رہ گئی تھی۔اب روزانہ اسائیکل کے ٹوکرے میں پنک لی لیز کے ساتھ سفید لی لیز کا بھی اضافہ

ہو گیا تھا کیونکہ پولینا کو سفید لی لیز پسند تھیں۔ وہ کیفے کے یونیفارم کے ساتھ منی اسکرٹ پہنتی تھی اور کافی میں مختلف رنگ کے شیپس بناتی تھی۔ اس کی مختلف شیپس کی کافی پسند کی جا رہی تھی۔

اس نے اس سے اگلی صبح ارادہ کیا تھا کہ وہ تھیوری کے پیپر میں جان بوجھ کر فیل ہو گی تاکہ امپر ومنٹ کا چانس ملے۔ اور امپر ومنٹ کے لیے اسے پیسے چاہیے تھے۔ وہ دوسری جاب کی تلاش میں اب پہلے سے بھی زیادہ تیزی لے آئی تھی۔

اور اس سے اگلی صبح اسے خوشخبری ملی تھی۔ تھیوری کے سر یونیورسٹی چھوڑ چکے تھے اور اس کی جگہ نئے سر آنے والے تھے۔

وہ پنک فراک اور سفید سویٹر پہنے تیزی سے اسائیکل چلا رہی تھی۔

"تم آہستہ اسائیکل چلا رہی ہو، روزے۔" مہروز کو اپنی پشت سے پولینا کی آواز آئی تھی۔

"یہ فل اسپیڈ ہے، پونا۔" اس نے ہانپتے ہوئے جواب دیا تھا۔ مہروز نے بھی اس کا نک نیم ڈھونڈ لیا تھا، 'پونا'۔

وہ تقریباً پونے ایک بجے یونیورسٹی پہنچی تھی۔اس کے اترتے ہی پولینا اسکی اسائیکل تھام کر پارک کر رہی تھی۔مہروز بھاگتے ہوئے سیڑھیاں عبور کر کے بلڈنگ میں داخل ہوئی تھی۔طلبہ سے ٹکرانے سے بچتے ہوئے وہ یونی کی سفید سیڑھیوں کو پھلانگ پھلانگ کر چڑھ رہی تھی اور اسی بھاگ دوڑ میں اس کے بال جوڑے سے آزاد ہو کر اس کی پشت پر پھیل چکے تھے۔بھاگنے کی وجہ سے اس کے گال سرخ ہو چکے تھے۔وہ پھولے تنفس کے ساتھ اپنی کلاس کے نزدیک آئی تھی اور آہستہ سے دروازہ کھولا تھا۔آج اس کا ہمیشہ کلاس میں سب سے پہلے آنے کا ریکارڈ ٹوٹ چکا تھا۔

سارے طلبہ نے حیرت سے سر موڑ کر مہروز کو دیکھا تھا جو منہ پر ہاتھ رکھے اپنا پھولا ہوا سانس برابر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔اس نے گردن موڑ کر ڈائس کے ساتھ کھڑے مرد کو دیکھا تھا۔وہ مڈ فارٹیز میں لگ رہا تھا جس کی قلمیں سفید اور باقی بال کالے، گھنے سے ایک طرف کو جمے ہوئے تھے۔ٹرٹل نیک سویٹر پر مفلر باندھ رکھا تھا، آنکھوں پر زرد رنگ کی عینک تھی اور ہونٹوں کے نیچے تکون صورت داڑھی رکھی تھی بلکہ بال ہی تکون صورت چھوڑ رکھے تھے۔

"بس آپ ہی آج کی کلاس کی پہلی absentee ہیں۔"

مہروز کچھ کہنے کے لیے منہ کھولنا چاہتی تھی کہ ہونٹ آپس میں ملا کر لب بند کر دیے۔ اسے نئے تھیوری کے سر سے نہیں بگاڑنی تھی۔

وہ چلتے ہوئے پہلی رو میں رکھی اپنی مخصوص نشست پر بیٹھی تھی اور بیگ کا زپ کھول کر رجسٹر نکالنے لگی۔ اسے کلاس خاموش لگ رہی تھی۔ اس نے آہستہ سے پین نکالا تھا۔ اتنی خاموشی؟ اس نے سر اٹھایا تھا اور سامنے ہی تو سر خاموش کھڑے اس کو دیکھ رہے تھے۔ مہروز نے گردن موڑ کر دائیں اور بائیں طرف بھی دیکھا تھا۔ سب اسے دیکھ رہے تھے۔ کیوں؟ اس نے اپنے سر کے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔ اچھا تو بھاگنے کی وجہ سے اس کے بال کھل گئے تھے اور اب وہ نہایت رف حلیے میں لگ رہی تھی۔ شاید اسی لیے سب اسے دیکھ رہے ہو۔ اس نے کلائی میں پہنی پونی اتار کر بالوں کو سادہ سی پونی میں باندھ کر، دونوں ہاتھ ٹیبل پر رکھ کر سر کو دیکھنے لگی۔

"آپ نے لپ گلاس یا ٹنٹ تو نہیں لگانا؟"

وہ سر کے سوال پر نا سمجھی سے انہیں دیکھنے لگی۔

"آپ بڑی فرصت سے رجسٹر نکال کر بال باندھنے لگی۔ کوئی اور کام بھی رہ گیا ہو تو پانچ منٹ اور لے لیں۔" سر کے طنز پر اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"میری کلاس میں دو absents کا مطلب میرے کورس کو فیل کرنا ہے۔ میں کلاس میں ہل جل، رجسٹر نکالنے، پانی پینے اور فون یوز کرنے سے ڈسٹرب ہوتا ہوں۔ آپ لوگوں کو ایسا کچھ بھی کرنا ہو آپ لوگ میری کلاس چھوڑ سکتے ہیں' انڈر اسٹینڈ؟"

سب نے مرامر اساہاں میں جواب دیا تھا۔ تو انہیں کلاس میں روبوٹس چاہیے تھے۔ مہروز خجالت سے کان کھجانے لگی تھی تو وہ کوفت کا شکار ہو رہے تھے اور اسے لگا سب اس کا رف حلیہ دیکھ رہے تھے۔

پگلی۔۔۔

"آپ اپنے ریسرچ آئیڈیاز دوبارہ شیئر کریں گے۔ جو اکسیپٹ ہوتی جائے گی ان کی پریزنٹیشن ہم کلاس میں لیں گے۔ آفٹر ٹو ویکس، گاٹ اٹ؟"

اور اس خبر پر مہروز سے زیادہ کون اونچی آواز میں یس کہہ سکتا تھا۔

وہ جو کل تک اس کورس کو فیل کرنے کا سوچ رہی تھی آج اس کے ہاتھ میں امید کا جگنو اپنی روشنی پھیلا رہا تھا اور اسے اپنی ہتھیلی روشن لگ رہی تھی۔

☆☆☆

ٹریٹ۔۔۔

کم ہی لوگ خود کو خود ٹریٹ دیتے ہونگے۔ کبھی کبھی خود کو اپنے پیسوں سے ٹریٹ دینی چاہیے، یہ اچھی ایکٹیوٹی ہے۔ ہم دوسروں کی ٹریٹ کا انتظار کرتے ہیں مگر خود کو ٹریٹ کرنے کا نہیں سوچتے۔

وہ آئس کریم اسٹک سے آئس کریم کھاتے ہوئے ہاسٹل کے قریب بنے چھوٹے سے واکنگ ایریا میں واک کر رہی تھی۔ وہ نہایت چھوٹے رقبے پر بنا واکنگ ایریا تھا جہاں شام کو زیادہ تر بوڑھے بیٹھتے تھے اور رات کو مہروز یہاں واک کرتے ہوئے خود کو ٹریٹ دے رہی تھی۔

وہ نرم گھاس پر چپل رکھتے ہوئے ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی اس نے بے بے کو کال کر کے سارا واقعہ بتایا تھا اور انہوں نے ہمیشہ کی طرح کہا تھا 'تمہارے لیے دو

ہاتھ ہر وقت دعا گو رہتے ہیں اور جن کی مائیں زندہ ہوا نہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔'

آئس کریم کھا لینے کے بعد وہ قریب بنے ڈسٹ بن میں اسٹک پھینک کر ہاسٹل جانے کے لیے مڑی تھی۔ ٹھنڈ پہلے ہی بہت تھی اوپر سے آئس کریم کھانے کی وجہ سے کچھ اور ہی بڑھ گئی تھی۔ چلتے چلتے اس کی نظر پارک کے چاروں طرف لگے جالے پر چڑھتے بیل پر پڑی تھی۔ زرد پھول ابھی کھلے نہیں تھے پر کونپلے نکل آئی تھی۔ یہ بیل اس نے کچھ ہفتہ پہلے ہی لگائی تھی۔ وہ اپنی محنت سے گرو کرتے بیل کو دیکھ کر مسکرا دی تھی، یہی تو تھے جن سے وہ دل کی باتیں کرتی تھی۔ جن کو وہ اولاد کی طرح ٹریٹ کرتی تھی۔

وہ بیل کے نہایت قریب پہنچ گئی تھی جب مردانہ آواز پر ٹھر کر اس نے دائیں طرف گردن گھمائی تھی۔ کالی عینک اور گردن میں مفلر پہنے لمبا سا مرد اسے مخاطب کر رہا تھا۔ اس کی آواز سنی سنی تھی۔ وہ جرمن ایکسنٹ میں انگلش بولتا تھا۔

مہروز کی کالی آنکھیں خوف سے مزید سیاہ ہو گئی تھی۔ تو اس شخص نے مہروز کی جان نہیں چھوڑی تھی۔ وہ پیچھے پولینا کے پڑے تھے اور پولینا مہروز کے راستے میں آگئی تھی اور ان کے راستے میں مہروز۔۔۔تو وہ جیل سے چھوٹا کب تھا؟

"کچھ یاد آیا؟"

جاری ہے

باب 4

دلدل میں پھنسے پیر

ماہ نور زہرا

اسٹریٹ پولز کی روشنی اس گوشے میں کم ہی آرہی تھی۔

وہ نیم اندھیرے میں کھڑا تھا مگر اس کا بایاں رخ نظر آرہا تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

مہروز کے قدموں سے جان نکل گئی تھی۔ اس نے گردن گھمائے بغیر نظریں ادھر ادھر پھیریں تھیں مگر آس پاس کوئی بھی نہیں تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اس دن تو کدؤں سے حملہ کر دیا تھا، آج ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہیں ہیں؟" اس نے ہنستے ہوئے طنز کیا تھا۔

"میری کوئی دشمنی نہیں ہے تم سے۔ میں نے کیا کہا ہے تم لوگوں کو جو تم میرے پیچھے یہاں تک آ گئے ہو؟"

"ہم تو یہ بھی جانتے ہیں کہ یہیں پاس ہوسٹل میں رہتی ہو تم اور یونیورسٹی میں انگلش لٹریچر پڑھتی ہو۔ صبح آٹھ بجے ماچو کیفے جاتی ہو۔"

مہروز کا گلہ یک دم خشک ہوا تھا۔ اسے پولینا کی باتیں یاد آئی تھی۔ یہ لوگ پورن مویز بناتے ہیں، یہ اچھے لوگ نہیں ہیں۔ وہ کس مصیبت میں پڑ گئی تھی۔ اس کے پاس تو فون بھی نہیں تھا۔ وہ اس کے منہ پر اسپرے کر کے اسے بیہوش کر کے اٹھا لے تو وہ کیا کر لے گی؟ اسے ڈھونڈتے ہی رہ جائے گے سب اور وہ کسی پورن۔۔۔ اس نے تکلیف سے آنکھیں میچ لی تھی۔

"جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔ اب کیا چاہیے؟ اپولوجی؟ آئی ایم سوری۔ ٹھیک ہے؟" مہروز نے دونوں ہاتھ کھڑے کر دیے تھے۔

"نہیں۔ ہمیں تو تم چاہیے ہو۔ ہمارے کانٹینٹ میں ایشیائی حسن کی بہت ضرورت ہے۔"

ایشیائی حسن؟ مہروز نے ابرو اچکائے تھے۔

مہروز نے آہستہ آہستہ قدم پیچھے ہٹانے شروع کیے تھے۔ وہ یک دم سے نہیں بھاگ جانا چاہتی تھی۔ وہ اسے ڈاج کر کے بھاگنا چاہتی تھی۔

"مجھے پولیس کی سائرن کی آواز آرہی ہے۔ تم واپس جیل جانا چاہتے ہو؟" اس نے حتیٰ الامکان اپنی آواز کو مضبوط رکھا۔

"یہاں پولیس سائرن نہیں بجاتی۔" وہ مہروز کے ساتھ ساتھ دو دو قدم آگے بڑھ رہا تھا۔

"بیڈ فاریو۔" مہروز رکی تھی۔

رکا وہ شخص بھی تھا۔

"پر میں نے تو پولیس کو الرٹ کر دیا ہے۔" مہروز کہتے ہی مڑ کر دوڑ لگا چکی تھی۔

"بچ۔"

وہ چیختا ہوا اس کے پیچھے بھاگا تھا۔

نوولز کلب
Clubb of Quality Content

مہروز بھاگتے ہوئے پارک کے جالے کو پار کرنا چاہتی تھی کہ چکنی مٹی پر چپل پھنسا بیٹھی تھی اور منہ کے بل گری تھی۔اس کی تھوڑی زمین سے لگی تھی،درد کی ایک لہر اس کے نچلے دانتوں اور مسوڑوں میں اٹھی تھی پر وہ اس وقت وہ تکلیف سے کراہ بھی نہیں سکتی تھی۔

مہروز نے ایک جست میں ہی گردن موڑ کر اس شخص کو دیکھا تھا جو اس کے نہایت نزدیک ،ہاتھ بڑھا کر اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑنے والا تھا کہ کسی نے اس کے پاؤں کے گرد جیسے پھندا ڈالنا شروع کیا اور وہ توازن نہ رکھتے ہوئے کمر کے بل گرا تھا۔

مہروز چپل چکنی مٹی میں چھوڑتے اٹھی تھی۔اسے تو کوئی ذی روح نظر نہیں آ رہی تھی پھر کون تھا جو اس اغوا کار کو پیچھے دھکیل رہا تھا اور وہ خود کو چھڑانے کی تگ ودو میں ہانپ رہا تھا؟وہ پیچھے کھچتا جا رہا تھا۔

اس کی پھولے ہوئے سانس کے دوران چیخنے پر مہروز کی نظر اس کی گردن پر پڑی تھی۔زرد کونپلوں کی بیل اس کے پاؤں سے لپٹتے ہوئے اس کے گردن کے گرد گھومنا شروع ہو گئی تھی۔

مہروز منہ پر ہاتھ رکھے ان بیلوں کو دیکھ رہی تھی۔خوف سے اس کے ہاتھ پاؤں جم رہے تھے۔اسے یہ سارا منظر خوفناک لگ رہا تھا جیسے یہ بیلے کوئی جادوئی بیلے ہو۔

مہروز تھوک نگلتے ہوئے لنگڑا لنگڑا کر پیچھے کو بھاگتے ہوئے یک دم گھوم کر ہاسٹل کی طرف بھاگی تھی بغیر پیچھے مڑے۔

☆☆☆

وہ پھولے ہوئے تنفس کے ساتھ اپنے کمرے میں داخل ہوئی تھی اور مرے مرے قدموں کے ساتھ چلتے ہوئے بیڈ کا سہارا لیتے ہوئے ٹھنڈے فرش پر ہی بیٹھ گئی تھی۔اس کے ایک پیر میں چپل تھی جبکہ دوسرے پیر کی جراب کیچڑ لگنے کی وجہ سے خراب ہو چکی تھی۔

وہ بری طرح ہانپ رہی تھی۔پسینے کے ننھے قطرے اس کے ماتھے پر نکل آئے تھے۔اس کی ٹانگیں ابھی تک کانپ رہی تھیں۔اس کے تھوڑی اور دونوں ہاتھ بھی مٹی سے اٹے ہوئے تھے۔

پولینا گیلے بالوں کو تولیے میں باندھے کمرے میں داخل ہوئی تھی اور مہروز کو فرش پر بیٹھے ہانپتے ہوئے دیکھ کر وہ گھبرا گئی تھی۔اس کے آبشار جیسے بال بکھرے ہوئے تھے اور دائیں پاؤں کی جراب پر کیچڑ لگی ہوئی تھی۔

"کیا ہوا، روزے؟ ٹھنڈے فرش پر کیوں بیٹھی ہو؟" پولینا فوراً ہی اسکے قریب پنجوں کے بل بیٹھی تھی۔

مہروز نے پولینا کی طرف گردن موڑی تھی۔اس کی آنکھوں میں پولینا کے لیے سخت غصہ تھا۔

"تم۔۔۔تمہاری وجہ سے ہوا سب۔تم ہو اس سب کی جڑ۔"

"کیا کہہ رہی ہو؟" اس نے نا سمجھی سے مہروز کو دیکھا تھا۔

"نا اس رات تم میرے راستے میں آتی نا ان لفنگوں، اغواکاروں سے میں ٹکراتی۔" اس نے درشت لہجے میں کہا تھا "کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہیں اغوا کرنے والے جیل میں ہیں؟"

پولینا کے چہرے کا رنگ زرد پڑا تھا۔اس سے کوئی جواب نہیں بن رہا تھا مگر اس کی خاموشی مہروز کو کھٹکی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

مہروز کے ابرو اکٹھے ہوئے تھے "تم جانتی تھی؟" اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

"کچھ دن پہلے پولیس نے فون پر بتایا تھا کہ ان کا ایک ساتھی جیل سے فرار ہو گیا ہے مگر۔" اس سے پہلے کہ مہروز کچھ کہتی پولینا نے اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا تھا "وہ اس سے جلد ڈھونڈ لیں گے۔ وہ یہاں آیا تھا؟"

"وہ ڈھونڈ لیں گے؟" مہروز نے کندھے سے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے اس کی بات دہرائی تھی "وہ یہاں، یہاں پارک میں آیا تھا۔ مجھے اغوا کرنے۔ وہ دندنا رہا ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ اسے ڈھونڈ لیں گے۔" اس نے استہزائیہ سر جھٹکا تھا۔

"تو اب وہ کیمرے میں بھی آ گیا ہو گا۔"

"پارک کی پچھلی طرف کوئی سی سی ٹی وی کیمرہ نہیں ہے۔ پولینا۔" مہروز کا غصے سے خون ابل رہا تھا "تم اکیلی ہو گی۔ تمہاری فکر کرنے والا کوئی نہیں ہو گا مگر میرے گھر والے موجود ہیں جو مجھ سے پیار بھی کرتے ہیں اور میرا انتظار بھی۔"

مہروز کا لہجہ اس قدر درشت تھا کہ پولینا خاموش رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک تاریک سایہ لہرایا تھا جسے مہروز نہیں دیکھ سکی تھی۔

پولینا خاموشی سے اٹھی تھی اور گیلے بالوں کو تولیے سے آزاد کرتی تولیہ اپنی میز کی کرسی پر ڈالتے ہوئے اپنے بیڈ کی طرف بڑھی تھی۔ مہروز تنے اعصاب لیے اسے دیکھ رہی تھی جو اب بیڈ پر بیٹھی تھی۔

"تمہاری باقی ساری باتیں ٹھیک تھی۔" وہ جب بولی تو اس کے لہجے میں دکھ پنہاں تھا" مگر آخری جملہ ٹھیک نہیں تھا۔ اتنی جلدی ججمینٹل نہیں ہو جاتے کہ دوسرے کا دل دکھا دیا جائے۔"

پولینا اس پر ایک ناراض نظر ڈالتے ہوئے اٹھ کر اپنی الماری کی طرف بڑھی تھی۔

رات بہت آہستہ آہستہ ہلکی آنچ پر پک رہی تھی۔ کمرے میں تاریکی تھی اور وہ سر تک کمبل تانے کروٹ پر کروٹ بدل رہی تھی۔ اسے چین نہیں آ رہا تھا۔ وہ سوئی جاگی سی تھی۔ اسے لگتا تھا وہ شخص اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ اور پھر سے زرد پھولوں کی بیلیں اس شخص کے پاؤں سے لپٹ کر اسے نگل جاتی ہیں۔ وہ خوف سے جاگ گئی تھی۔ اس نے سر سے کمبل ہٹا کر دائیں طرف دیکھا تھا۔ پولینا کب سے ایک ہی کروٹ پر سو رہی تھی۔ وہ پھر سر پر کمبل تان کر سو گئی تھی۔ اسے پولینا کی نیلی آنکھوں میں سرخ ڈورے یاد آئے تھے، دکھ دکھا تھا۔

وہ ساری رات ایسے ہی سوتے جاگتے گزارتی رہی۔

بلیو لانگ جیکٹ اور سفید جو گرز پہنے، سر پر سفید ٹوپی پہنے مہروز پارک کی طرف آئی تھی۔اس کی پشت پر لمبے بال لہرا رہے تھے۔وہاں اب کوئی نہیں تھا۔اسے صبح کی روشنی میں کونپلیں کھلی ہوئی نظر آئی تھی۔اس نے بوتل کا ڈھکن اتار کر بیل کی روٹس میں پانی ڈالنا شروع کیا۔

"میں نے کہیں پڑھا تھا کہ پودیں محسوس کرتے ہیں اور اچھے دوست بن جاتے ہیں۔نیچر آپ کی مدد کرتا ہے اگر آپ اس پر مہربان ہو۔تھینک یو، دوست۔"مہروز نے پانی کی بوتل پر ڈھکن چڑھاتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا۔

وہ ہاسٹل پار کرتی اسائیکلوں کی طرف بڑھ رہی تھی جب اسے پولینا فٹ پاتھ پر آگے بڑھتی نظر آئی۔وہ اسے نظر انداز کر چکی تھی۔

"پولینا۔"مہروز نے اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے اسے اونچی آواز میں پکارا تھا۔

وہ رکی تھی مگر مڑی نہیں۔

"آئی ایم سوری۔"

پولینا ہلکا سا گھومی تھی۔

"کچھ الفاظ اتنے سخت ہوتے ہیں کہ یہ جملہ 'آئی ایم سوری' اس کا مداوا نہیں کر سکتا۔"

مہروز کو پہلے سے زیادہ شرمندگی ہوئی تھی۔اس نے کچھ زیادہ سخت الفاظ ادا کیے تھے۔

"خیر میں نے پولیس کو اطلاع کر دی تھی۔وہ ہاسٹل، ماچو کیفے اور یونی کے ارد گرد سادہ لباس میں گشت کرتی رہے گی۔ تمہیں اب گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ کہہ کر رکی نہیں تھی اور آگے بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

ماچو کیفے میں پہلے سے زیادہ کسٹمرز آنے لگے تھے۔پنک لی لیز کے ساتھ سفید لی لیز بھی ہر میز پر سجی خوشبو پھیلا رہی تھیں۔

مختلف ذائقے کی کافی مگس میں مختلف شیپس بنی بہت اچھی لگتی تھی۔

پولینا معمول کی طرح چہرے پر مسکراہٹ سجائے کاؤنٹر کے دوسری طرف کھڑی کافی کی اوپری سطح پر دل کے بیچ S لکھ رہی تھی۔وہ مہروز کو یکسر نظر انداز کیے ہوئے تھی اور مہروز

بھی ایک ہی دفعہ مافی مانگ کر اب اسے دوبارہ مخاطب نہیں کر رہی تھی۔ دل تو پولینا نے بھی اس کا دکھایا تھا بلکہ رلایا تھا تو اس نے کب معافی مانگی تھی۔

اسے چکردار سیڑھیوں سے اوٹو اترتا دکھائی دیا جو سید ھا مہروز کی طرف آرہا تھا۔

"میرے پیچھے آؤ۔"

مہروز سر ہلا کر دراز بند کرتے ہوئے اوٹو کی تقلید میں چلنے لگی۔ وہ دونوں چلتے ہوئے کیفے کی پچھواڑے کی طرف آگئے تھے جہاں سنہری دھوپ پڑ رہی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہو گئے تھے۔

"تمہارے لیے ایک جگہ بات کی تھی میں نے۔ میرے لحاظ سے بہترین جاب ہے تمہارے لیے۔"

"کیسی جاب؟" مہروز کا دل خوشی سے دھڑکا تھا۔

"ایک کمپنی ہے اسکلز سکھاتی ہے نوجوانوں کو۔ پر کمپنی فرینکفرٹ میں ہے۔"

مہروز کے چہرے کی جوت بجھی تھی۔

"البتہ تم اداس ناہو۔ بہت سے اسٹوڈنٹس ٹرام بسز یا ٹرین کے ذریعے جاتے ہیں تم بھی ٹرین میں جانا۔ اچھی بات یہ ہے کہ تنخواہ اچھی ہے، تم جلد قرض ادا کر لو گی۔"

"میں پڑھائی کے دوران اتنا ٹریول نہیں کر سکتی پھر تم نے کہا وہ کمپنی اسکلز سکھاتی ہیں تو میں وہاں کیا سیکھو گی؟"

"سیکھنا نہیں ہے کچھ۔ انہیں بس مارکیٹنگ اسکرپٹ وغیرہ لکھوانے ہونگے۔ میں ایک دو لوگوں کی جابز بھی وہاں لگوا چکا ہوں۔ دیکھو تم میرا اچھا ریسورس ہو میں کیوں تمہیں جانے دوں مگر وہ کمپنی واقعی اچھا پے کرتی ہے تو تمہیں وہاں بھیج رہا ہوں۔ یہاں اوور ٹائم لگا کر بھی تم اپنا قرض نہیں اتار سکو گی۔ تمہیں تھوڑا سا اپنے کمفرٹ زون سے نکلنا ہو گا۔"

"اچھا میں سوچ کر بتاؤں گی۔ اس بدھ میری ایک پریزنٹیشن ہو جائے تو میں کچھ فیصلہ لے پاؤں گی۔"

"ضرور۔" اوٹو مسکرا کر اب کیفے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو رہا تھا۔

مہروز انگلیاں چٹخاتی کشمکش کا شکار لگ رہی تھی اور کیفے کے اندر کاؤنٹر کے پاس کھڑی پولینا کیفے کی اندرونی کھڑکیوں سے مہروز کو دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

لاہور پر مارچ کی نرم گرم دھوپ پڑ رہی تھی۔سب معمول کے مطابق ہو رہا تھا بس ایک مہروز کی کمی تھی۔

جرار کچھ دنوں سے زیادہ ہی پریشان رہنے لگے تھے۔کتنی دفعہ حسیب کو بلوا کر ان کا بلڈ پریشر چیک کروایا تھا جو نارمل سے بڑھا ہوا تھا۔یاسمین حد سے زیادہ پریشان ہو گئی تھی۔ناوہ سلیمان جان کو جرار کی حالت کا بتا پا رہی تھی نہ ہی مہروز کو۔

عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد جرار قرآن مجید اٹھائے اپنے کمرے میں بیٹھے تلاوت کر رہے تھے۔یاسمین گیلے ہاتھوں کو ڈوپٹے سے خشک کرتے ہوئے جرار کے دائیں طرف بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔وہ سر جھکائے جرار کا انتظار کرنے لگی،جیسے ہی جرار نے تلاوت ختم کی تھی یاسمین بول اٹھی۔

"ابھی قرآن الماری میں مت رکھیے گا؟"

"کیوں؟" جرار نے حیرانی سے بیوی کو دیکھا تھا۔

"اس پر ہاتھ رکھیے؟"

"کیا ہو گیا ہے؟"

"اچھا ہاتھ نہیں رکھ سکتے تو یہ سامنے رکھیے اور جو میں پوچھوں گی اس کا جواب سچ سچ دینا ہے۔اللہ کی کتاب کے سامنے جھوٹ نہیں بولا جا سکتا۔"

"کیا کہہ رہی ہو یاسمین؟" انہوں نے قرآن مجید کو لحاف میں لپیٹنا شروع کیا "کیوں مجھے ڈرا رہی ہو؟"

"کیوں طبیعت خراب رہنے لگی ہے، کیا چھپا رہے ہیں؟"

"اب اس عمر میں طبیعت بھی خراب نا ہو؟" انہوں نے مسکراتے ہوئے لحاف سے سلے تار سے اچھی طرح لحاف کو بند کر دیا تھا۔

"مذاق میں نا اڑائیے۔آپ کے سامنے قرآن پڑا ہے، سچ سچ جواب دینا۔مجھ سے چھپایا تو بے بے کو بتا دوں گی اور مہروز کو بھی۔"

"یاسمین۔" انہوں نے تنبیہی نظروں سے یاسمین کو دیکھا تھا اور اٹھ کر بیڈ کے گرد گھوم کر الماری کی طرف بڑھے تھے۔

"آپ اکیلے اپنے اوپر کسی بات کا بوجھ لے رہے ہیں۔ خدا کے لیے نا چھپائیے۔ آپ نے ابھی تلاوت کی ہے، یاد رکھے۔" وہ اپنے شوہر کو الماری میں قرآن رکھتے ہوئے دیکھنے لگی جو الماری میں قرآن رکھنے کے بعد مڑے تھے اور یاسمین کے برابر بیٹھ گئے تھے۔

"تم کیا کر لو گی؟"

"آپ چھپا کر کیا کر لینگے؟"

جرار لاجواب ہو کر چند پل خاموش رہے۔ وہ کچھ بولنے کے لیے لب کھولتے تھے اور پھر ہاتھ باہم پھنسا کر چپ ہو جاتے تھے۔ بالآخر گہرا سانس بھر کر انہوں نے یاسمین کی طرف دیکھا تھا۔

Clubb of Quality Content

"قرض۔۔۔ یہ بہت بڑا بوجھ ہوتا ہے۔ قرض کسی کے احسان کا ہو یا پیسوں کا، کندھوں کو جھکائے رکھتی ہے۔" ان کے لہجے میں یاسیت تھی "مجھے اچھا نہیں لگتا کہ مہروز وہاں کما کر ایک ایک پیسہ بچا کر ہمیں بھیجتی ہے کیونکہ اسے احساس ہے اس قرض کا مگر مجھ پر ایک اور قرض بھی ہے۔"

"ایک اور قرض؟" یاسمین نے دھرایا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے فرح کا معاملہ کیسے نپٹا تھا۔وہ لوگ جو خون کے پیاسے تھے جو مجھے بھی فرح کی غلطی کا نشانہ بنا رہے تھے میں نے کیسے اپنی اور تم سب کی جان بچائی ہے؟ جن کی زبان کلاشنکوف ہوتی ہے ان کو انسانی زبان کی سمجھ نہیں آتی،انہیں پیسے کی زبان سمجھ آتی ہے۔"انہوں نے رک کر گہرا سانس بھرا تھا"میں اس لیے کبھی گاڑی نہیں لے سکا، کبھی اچھا گھر نہیں لے سکا کیونکہ بہت بوجھ تھا مجھ پر۔میرے باپ نے مرتے ہوئے وہ ایک زمین بھی اپنے بھائی کے بچوں کے نام کر دی تھی۔میرے پاس وہ زمین ہوتی تو کب کا اپنی گردن چھڑا چکا ہوتا۔"

یاسمین کو ان کی کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

"ممنون داوڑ نے میری بہن کی سر کی قیمت،میرے سر کی قیمت واپس لی تھی مگر ایک شرط پر۔"

"کیا؟ کیسی شرط؟"یاسمین کا دل دہل رہا تھا۔

"کہ یا تو میں اس کے پوتے کے ساتھ مہروز کے بالغ ہوتے ہی نکاح کرواتا یا میں انہیں پچاس لاکھ دیتا۔" یاسمین نے ہونٹوں پر سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی رکھ دی تھی "تمہیں یاد ہے میں نے ایک پلاٹ لیا تھا بے بے کے زیور بیچ کر۔" یاسمین نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"میں نے پچاس لاکھ کی بات مان لی۔ میں نے وہ پلاٹ بیچ دیا تھا مگر بیس لاکھ کم پڑ رہے تھے۔ میں نے ایک جگہ سے بیس لاکھ کا قرض لیا تھا اور اپنی تنخواہ سے تھوڑے پیسے بچا کر انہیں واپس کرتا رہا۔ میرے اوپر سے قرض کا بوجھ اتر گیا تھا مگر میں نہیں جانتا تھا کہ وہ لوگ خبیث نکلے گے۔ میں جہاں سے چلا تھا اب بھی وہیں کھڑا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"جن سے میں نے بیس لاکھ لیے تھے ان کا مطالبہ ہے کہ میں نے انہیں قرض واپس نہیں کیا اور اگر میں انہیں انکا قرض واپس نہیں کرونگا تو وہ عدالت میں جائیں گے میرے خلاف۔ میرے ساتھ وہی کہانی ریپیٹ ہو رہی ہے۔ اپنا قسطوں پر لیا گیا اگلا پلاٹ بھی میں نے پچیس لاکھ پر بیچا اور مہروز کے لیے پچیس لاکھ کا قرض لیا۔ مگر میرا قرض تو کبھی ادا ہی نہیں ہوا تھا۔ اب مجھ پر پینتالیس لاکھ روپے کا قرض ہے۔"

یاسمین دل پر ہاتھ رکھے پریشان ہو چکی تھی۔

"غلطی یہ کی کہ پکی رسید نہیں رکھی، رکھنی چاہیے قرض ادا کرتے وقت۔ اسی لیے اللہ نے لکھت پڑت کا کہا ہے کہ منہ زبانی وعدے کو کوئی نہیں مانتا۔ میرے پاس کوئی پکا کاغذ ہوتا تو میں انہیں عدالت میں چیلنج کرتا کہ یہ لوگ بلیک میل کر رہے ہیں مجھے۔ میں نے تو قرض ادا کر دیا تھا۔ میں اب دہرے قرض کا شکار ہو چکا ہوں۔ ایسا لگتا ہے بس قرض کا بوجھ اور کفن لیے ہی دنیا سے رخصت ہونگا۔"

"اللہ نا کرے۔" یاسمین نے دہل کر شوہر کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا جو مضمحل لگ رہے تھے۔

"یاسمین، لوگ کبھی نا کبھی خوشیاں دیکھ لیتے ہیں۔ میں نا خود ساری زندگی سکھ سے رہ سکا نا تم لوگوں کو آسائش دی۔ ایک حج کی خواہش ہے میں تو وہ بھی نہیں پوری کر سکتا۔" ان کا گلہ رندھ گیا تھا۔

"آپ حامد صاحب سے بات کر لیں وہ نہایت ذہین انسان ہیں۔ اپنوں سے پرائے اچھے ہوتے ہیں جو دلجوئی بھی کرتے ہیں اور آگے بڑھ کر مدد بھی۔"

"اچھی بات کہیں ہے۔بس مورے کو نہ بتانا نہ ہی مہروز کو۔" انہوں نے یاسمین کو دیکھتے ہوئے منت کی تھی۔

یاسمین نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا تھا مگر اس وقت انہیں سب سے زیادہ غصہ مہروز پر تھا جو اپنے باپ کے لیے دکھ کا باعث بنی تھی۔یاسمین تو ویسے ہی اس کے باہر ملک جانے کے حق میں نہیں تھی۔

یاسمین اور جرار اپنی اپنی سوچ میں ڈوبے خاموش بیٹھے ہوئے دو الگ شخاص لگ رہے تھے۔

☆☆☆

پورے ڈیپارٹمنٹ میں نئے تھیوری اینڈ پریکٹس کے سر کی دھوم مچی ہوئی تھی۔وہ حاضر جواب بھی تھے اور خوبصورت بھی۔لڑکیوں کے منہ سے بس ان کے لیے قصیدے ہی نکلتے تھے اور ایسا ہی کچھ حال pervert لڑکوں کا بھی تھا البتہ جن اسٹوڈنٹس کی اس پروفیسر سے ستھری ہوئی تھی وہ اسے شدید ناپسند کرتے تھے۔ان کے ٹرٹل نیک پر مفلر لپیٹنے کا اسٹائل پوری یونیورسٹی میں مقبول ہوا تھا۔کتنے ہی لڑکے لڑکیوں نے یہ اسٹائل اپنایا تھا۔ان کے سویٹر کے بازو کہنیوں تک مڑے رہتے تھے' وہ اتنا ٹائٹ سویٹر پہنتے تھے کہ ان کے abs

واضع نظر آتے تھے۔ان کی ہلکی داڑھی پر تو ساری لڑکیاں مرتی تھی اور ان کی سانولی رنگت مزید چار چاند لگاتی تھی۔ان کی کلاس میں واقعی پن ڈراپ سائلنس ہوتی تھی اور نا ہونے کی عملی ثبوت بھی سب دیکھ چکے تھے۔

"سر میں تو پانی پی رہی تھی۔"ایک کلاس میں ایک لڑکی نے پانی کی بوتل واپس بیگ میں رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"نو مومنٹس ان مائی کلاس۔"ان کی آواز پوری کلاس میں گونجی تھی۔

"سر پین ختم ہو گیا تھا بس وہی نکال رہا تھا۔"ایک اور کلاس میں ایک لڑکے نے ڈرتے ڈرتے کہا تھا۔

"پہلے سے چیزیں چیک کر کے رکھا کرے،لیزی اسٹوڈنٹس۔اب اگلے پندرہ منٹ اسی پوسچر میں بیٹھے رہو۔"

وہ لڑکا بھونچکارہ گیا تھا۔وہ اپنے بیگ کی طرف کمر موڑ کر بیٹھا ہوا تھا اور گردن سر کی طرف موڑ رکھی تھی۔اگلے پندرہ منٹ اسٹیچو کی طرح اسی پوزیشن میں بیٹھے رہنے کی وجہ سے اس کی گردن میں چک پڑ گئی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اور مہروز کی کلاس میں معصومیت کی انتہا ہو گئی تھی۔ایک لڑکی نے نہایت اونچی آواز کے ساتھ چھینک ماری تھی۔سب کو عادت تھی اس کی اونچی آوز میں چھینک سننے کی۔وہ بیگ کی زپ کھولنے والی تھی کہ سر کی لیزر لائٹ سے بھی تیز نظریں دیکھ کر اس کے ہاتھ تھمے تھے۔اس نے ٹشو نکالنے کے بجائے سویٹر کے بازو سے ہی سب کے سامنے ناک صاف کر لی تھی۔اس کے ارد گرد بیٹھے طلبہ ہونٹ آپس میں مسل مسل کر مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔

اب ان کی کلاس میں چابی کے اسٹوڈنٹس بیٹھتے تھے اور ان کی چابی سر 'جوش ہیرلسن' کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔

مہروز دھڑکتے دل کے ساتھ سلائیڈز آگے کرتی اپنے آئیڈیا کو پریزینٹ کر چکی تھی اور اب خاموش کھڑی سر جوش کے ریمارکس کا انتظار کر رہی تھی۔وہ دوسروں کو 'نو مومنٹس' کا ضرور کہتے تھے مگر خود ضرور کوئی نا کوئی حرکت کرتے رہتے تھے۔اس وقت بھی وہ پین پکڑے کیپ بند کرتے اور کھولتے تھے اور زرد عینک کے پیچھے سے مہروز کو گھورے جا رہے تھے۔

Clubb of Quality Content

مہروز کشمکش کا شکار تھی۔اس سے پہلے ہونے والی پانچ پریزنٹیشنز میں سے اب تک ایک ہی اسٹوڈنٹ کی اکسیپٹ ہو پائی تھی اور وہ خود کو نیوٹن سے کم نہیں سمجھ رہا تھا اس وقت۔اب اگر اس کا ریجیکٹ ہو گیا تو وہ واقعی یہ سبجیکٹ فیل کریں گی۔

کھڑوس سر!

"آپ کا آئیڈیا اچھا ہے۔"

مہروز کو لگا تھا اس کے کانوں میں کوئی امرت ٹپکا ہو۔جہاں وہ خوشی سے مسکرا اٹھی تھی وہاں کلاس کے بہت سے طلبہ حیرت سے منہ کھولے سر کو دیکھ رہے تھے۔

"آپ کی تھیوریز بھی نئی ہیں۔بس کچھ کنیکشنز میں پرابلم ہے مگر آپ وہ بنا لیں گی۔ایم آئی رائٹ؟"انہوں نے پین کا کیپ ہاتھ میں پکڑ کر اسے دیکھا تھا۔

"رائٹ۔"مہروز نے زور و شور سے سر ہلایا تھا۔

مہروز اپنی کلاس میں مشہور ہو گئی تھی۔اب تک صرف دو ہی طلبہ کے ریسرچ آئیڈیاز اپرو ہوئے تھے اور سارے طلبہ مہروز سے تھیوری کے معاملے میں مدد لے رہے تھے۔وہ زیرو سے ہیرو بننے کا سفر انجوائے کر رہی تھی۔

وہ اپنے کمرے میں کرسی پر بیٹھی، کتابوں کے سہارے سے فون ٹکائے، ہاتھ میں چائے کا کپ تھامے مائدہ سے ویڈیو کال پر بات کر رہی تھی۔ اسے بات بات پر ہنسی آ رہی تھی۔

"میری زندگی عجیب ہی چل رہی ہے۔ ایک ہفتہ نہایت اچھا چلتا ہے اور ایک ہفتہ نہایت ہی برا کہ بس میں کوئی انتہائی فیصلہ کر لیتی ہوں۔ اب اس ویک کی تو ہیروئن ہوں لیٹ سی اگلے ویک کیا ہوتا ہے۔"

"چلو اچھا ہو یا برا، یار اپنی مرضی کی زندگی تو جی رہی ہو۔ اپنی مرضی پر چلنا بھی کم کم ہی مشرقی لڑکیوں کو نصیب ہوتا ہے۔" مائدہ بائیں ہاتھ سے اپنے تین سالہ بیٹے کو تھتھپا کر سلا رہی تھی اور دائیں ہاتھ سے فون پکڑ رکھا تھا۔

"اپنی مرضی! کچھ چیزوں پر انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔ تمہیں لگتا ہوگا کہ باہر ملک کی زندگی بڑے مزے کی ہوگی جیسے تم ڈائجسٹ کے ناولز میں پڑھتی تھی مگر ایسا کچھ نہیں ہے۔ یہاں بہت بورنگ زندگی ہے۔ نا ہم زبان لوگ ہیں نا ہی ٹی وی، نا محلے سے آنٹیوں کی باتیں کرنے کی آواز آتی ہے۔ نا چھلی والے کی، نا کوئی کسی کے ساتھ مذاق کرتا ہے۔ بس مشینی زندگی۔ پڑھائی اور پیسہ کمانا، خود کو مینٹین رکھنا بس۔ مجھے تو محلے سے گزرنے والے کباڑ

والے کی آواز بھی یاد آتی ہے۔" مہروز نے چائے کے کپ پر انگلی پھیرتے ہوئے یاسیت سے کہا تھا۔

"ہر انسان اپنی اپنی جگہ ناخوش ہے اور دوسرے کی جگہ لینا چاہتا ہے۔ جیسے کہ مجھے لگتا ہے مجھے تمہاری جگہ ہونا چاہیے تھا۔ یقین کرو شادی میں بھی کوئی مزہ نہیں ہے، یہ بس ایک فینٹسی ہے۔ صبح اٹھو شوہر کے لیے ناشتہ پکاؤ، پھر دیورانیوں کے ساتھ جو جو کام تقسیم کیے گئے ہیں ان میں جت جاؤ۔ گھر میں کوئی لڑائی ہو گئی ہے تو اپنے آپ کو الگ رکھنے کی کوشش کرو۔ والدین سے ملنے کا دل کرتا ہے تو شوہر کا انتظار کرو کہ وہ وقت نکالیں گے تو جاؤ گی۔ میرے پاس تو اب ڈراموں اور ڈائجسٹ کا بھی وقت نہیں رہا۔ میری زندگی تم سے زیادہ بورنگ ہے۔ مجھے زیادہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ میرے شوہر کے ماں باپ بس مجھ سے ناراض نا ہوں۔ میرا دل کرتا ہے کہ وہ مجھے ڈنرز پر لے کر جائے، شاپنگ کرائے مگر بس شادی کے پہلے چھ مہینے ہی میں نے یہ خواہشات پوری کی ہے اب تو جیسے بس ان کی زندگی آفس اور آفس سے گھر۔ شاپنگ کے لیے بھی مجھے دیورانی کے ساتھ بھیج دیتے ہیں اور دیور اور اس کی بیوی کے بیچ مجھے اپنا آپ کباب کی ہڈی لگتا ہے۔" مائدہ کا چہرہ بجھ گیا تھا۔

"تم نے پہلے کبھی نہیں بتایا۔" مہروز کرسی پر زرا آگے ہو کر بیٹھ گئی تھی اور چائے کا کپ میز پر رکھ دیا تھا۔

"میں تم سے اپنے شوہر کی شکایت نہیں کر رہی، دل ہلکا کر رہی ہوں۔ تم امی ابو سے مت کہنا۔"

"نہیں کہو گی۔ مجھے تو بتادیا کرو۔" وہ فکرمند لگ رہی تھی۔

"پتا ہے مجھے کیا لگتا ہے۔" مائدہ نے گہرا سانس لیا تھا" پاکستان کے بہت سے کپلز بس ساتھ رہ رہے ہیں ان میں محبت نہیں ہے۔ بہت سے کپلز میں بیوی neglected رہتی ہے۔ عدم توجہی کا شکار۔ اسے شوہر برا بھلا نہیں کہتا نہ مارتا ہے مگر اس میں دلچسپی بھی نہیں لیتا۔ اسے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس کی بیوی نے اپنے آپ کو اس کے لیے کتنا بدلا ہے، اس کی بیوی آج اس کے لیے تیار ہوئی، اس کی پسند کا کھانا بنایا۔ بس اسے ایک بیوی مل گئی نا بس یہی اسکے لیے شادی کا مطلب تھا۔ اسی لیے میں نے تم سے کہا کہ تم اپنی مرضی کر سکتی ہو پر میں نہیں۔ میری مرضی پر اب شوہر کی مرضی حاوی ہے۔ مجھے لگتا تھا سارے مرد ابو جیسے ہونگے، پیار کرنے والے اور ڈانٹ میں بھی پیار ہو گا مگر کاشف ایسا نہیں ہے۔ شاید ہمارے

بیچ میں عام کپلز جیسا کچھ بھی نہیں ہے، نا دوستی نا محبت۔ بس دونوں زندگی گزار رہے جیسے بس زندگی کے دن پورے کرنے ہو۔ میں نے اتنی بورنگ شادی کا نہیں سوچا تھا۔ یہ جو ہم 'سوچ' لیتے ہیں نا، آئیڈیلز بناتے ہیں یہ لڑکیوں کے لیے ٹھیک نہیں ہوتا۔ لڑکیاں نازک ہوتی ہیں، خواب ٹوٹے تو بہت عرصے تک کرچیاں جمع کرتے کرتے انگلیاں زخمی کرتی رہتی ہیں۔" مائدہ کا گلہ رندھ گیا تھا۔

"اسی لیے میں نے کبھی خواب بنے ہی نہیں۔"

"شادی خواب ہے بھی نہیں یہ ذمہ داری ہے۔ آپ سے آپ کا شوہر بہت سی توقعات رکھتا ہے مگر بیوی کیسی توقعات رکھتی ہے اس سے اسے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ میں چاہوں تو بات بات پر جھگڑ سکتی ہوں مگر مجھے سب کے سامنے اپنا تماشہ نہیں بنوانا۔ میں چاہوں تو اس گھر کا سکون بھی برباد کر سکتی ہوں مگر میں بس یہی سوچ کر گزارا کرتی ہوں کہ میرے پاس آپشن بھی کیا ہے؟ کیا ان سے لڑ جھگڑ کر میں ان کے دل میں اپنے لیے محبت پیدا کر لونگی؟ کبھی نہیں۔" مائدہ کی آنکھیں بھر آئی تھی۔

مائدہ کی پانی سے بھرتی آنکھیں دیکھ کر مہروز کی آنکھیں بھی گیلی ہونا شروع ہوئی۔ وہ دونوں ایک ساتھ ہی ہنستی تھی اور ایک ساتھ ہی روتی تھی۔

"تم اپنا creative space بناؤ۔" مہروز نے انگوٹھوں کی مدد سے آنکھوں کے کناروں پر جمع ہونے والے پانی کو صاف کیا تھا" تمہیں یاد ہے ہماری پروز کی میم صدف نے بتایا تھا کہ اپنے لیے ایکٹیویٹی ڈھونڈیں جو آپ کو نیگیٹویٹی اور مایوس ہونے سے بچائے۔ جس چیز کا شوق ہے، جو چیز دل کو خوش کرتی ہے اس میں سکون تلاش کرے اور وہی آپ کا کریٹیو اسپیس ہے۔ جیسے کہ مجھے لکھنے کا شوق ہے میں لکھ لیا کرتی تھی اور لکھنا ایک تھرپی ہے، مجھے سکون دیتی ہے۔ تمہیں یاد ہے تم ویڈیوز ایڈیٹ کرتی تھی، تم نے chroma key ایفیکٹ سیکھا تھا۔ تم اسے دوبارہ سے شروع کردو۔"

"میرے پاس۔۔۔"

"میرے پاس ٹائم نہیں والا بہانہ نہیں کرو۔" مہروز نے فوراً اس کی بات کاٹی تھی "اسی لیے کہتے ہیں کہ شوق کا کوئی مول نہیں ہوتا کیونکہ اس کے لیے آپ وقت نکال لیتے ہو۔ یاد ہے تمہیں انگلش مویز کا شوق ہوتا تھا اور سمیسٹر کے دوران بھی تم مویز کے لیے وقت نکال لیتی

تھی کیونکہ وہ تمہیں خوش کرتی تھی۔اب اگر تمہیں پینٹنگ کا شوق ہوتا تو میں تمہیں کہتی کہ پینٹنگ کرلو۔مگر تمہیں ایڈیٹنگ کا شوق ہے تو تھوڑا تھوڑا وقت نکال کر کیا کرو۔دیکھنا کیسے تمہارا دماغ ریلیکس ہوگا۔"

"تھینک یو۔"مائدہ آہستہ سے کہتے ہوئے مسکرادی تھی۔

"تھینک یو کیوں؟"مہروز حیران ہوئی تھی۔

"زندگی میں ایسے مخلص دوست کم ہوتے ہیں۔بلکہ مجھے یاد ہے یونی میں کسی کو کسی بھی کام میں مدد چاہیے ہوتی تھی تو وہ مہروز کے پاس جاتا تھا۔"دونوں جیسے ماضی یاد کر کے ہنس دی تھی"جو تمہارا ظاہر دیکھتے ہیں نا اصل میں انہوں نے تمہارا پیارا دل نہیں دیکھا۔زندگی میں بس پیارے دل والے لوگ ہی تو چاہیے ہوتے ہیں۔"

"اچھا اب زیادہ تعریفیں نا کروز کام لگ جائے گا مجھے۔"مہروز شرارتاً کہتے ہوئے مسکرادی تھی۔

اور پھر بہت دیر تک دونوں جرمنی کا موسم اور لوگوں کو ڈسکس کرتی رہیں۔

☆☆☆

کیتھڈرل چرچ سے فاصلے پر بنے سفید دیواروں والے اسپتال پر سنہری دھوپ پڑ رہی تھی۔

پولینا بلانڈ بالوں کو کرل کیے کورین ٹوپی پہنے جس میں کرلڈ بال نکل نکل رہے تھے۔اس نے گھٹنوں تک آتی ٹائٹ بلیک شرٹ جس کے بازو پفی تھے اور گھٹنوں سے نیچے تک بلیک اسٹاکنگز پہن رکھی تھی۔

وہ مسکراتے ہوئے آرتھوپیڈک بلاک کی طرف گئی تھی اور بائیں طرف مڑ کر ریسیپشن پر اپنا نام بتا کر وہ فوراً ڈاکٹر عبداللہ کے نیم پلیٹ لگے کمرے میں گئی تھی۔

ڈاکٹر عبداللہ اپنا سفید کوٹ کرسی کی پشت پر ڈالے،سفید کھلی شرٹ پہنے ہوئے میز کے پاس کھڑا اپنا اسٹھیتواسکوپ دیکھ رہا تھا۔اس کے کالے گھنگریالے بال سر پر گھنے گھنے سے جمے اچھے لگتے تھے۔

"ہالو۔"پولینا نے بہت پر جوش ہالو کہا تھا۔

اسے بس ڈاکٹر سے ملنے کا بہانہ چاہیے تھا۔اسے ڈاکٹر عبداللہ اسی دن اپنے دل کو دھڑکاتا اچھا لگا تھا جب وہ ان دو خواتین کی مدد کے لیے آیا تھا۔اس کی کالی بڑی آنکھیں پولینا کو سونے نہیں دیتی تھی۔اس نے کبھی کسی مرد کے لیے ایسا محسوس نہیں کیا تھا جیسے اب کرتی تھی۔

عبد اللہ اسے کم ہی دیکھتا تھا اور جب دیکھتا تھا تو پولینا سے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا مشکل ہو جاتا تھا۔

"ہالو۔" اس نے سر اٹھائے بغیر بڑا مصروف سا ہالو کہا تھا اور اسٹیتھواسکوپ میز پر رکھتے ہوئے اپنی کرسی کی طرف بڑھا تھا۔ کرسی پر بیٹھتے ہی اس نے نظروں کا رخ پولینا کی طرف کیا تھا اور تب پولینا بھول گئی تھی کہ وہ یہاں کیوں آئی تھی۔

"بیٹھ جائے اور اپنا مسئلہ بتائے۔"

پولینا اس کی آواز پر جیسے کسی خیال سے چونکی تھی۔ وہ سر ہلا کر آگے بڑھی تھی اور کرسی کھینچتے ہوئے بیٹھ گئی تھی۔ ان دونوں کے درمیان رکھے میز پر کھڑکی سے اترتی سنہری دھوپ پڑ رہی تھی۔

"اپنا مسئلہ بتائے۔"

"مسئلہ۔" پولینا جیسے سوچ میں پڑ گئی تھی۔

وہ تو ایسے بیگانہ بن رہا تھا جیسے اس دن کیمپین میں وہ کسی اور عبد اللہ سے مل کر آئی ہو۔

"میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔"

"اگر معمولی میگرین ہے تو میں میگرین کا علاج نہیں کرتا۔ اگر تو کسی چیز پر گر گئی تھی جس کی وجہ سے آپ کو سر کی ہڈی متاثر ہونے کا خدشہ لگ رہا ہے تو ایم آر آئی کرا لیں۔" اس کا روکھا سوکھا سا لہجہ پولینا کو گھبراہٹ کا شکار کر رہا تھا۔

"نہیں۔ میں۔" اس نے گلہ کھنکھارا تھا۔ عبداللہ کی بڑی آنکھیں جیسے اسے اسکین کر رہی تھی "میرے شولڈر میں درد ہے۔"

"آپ میرا وقت برباد کر رہی ہیں۔"

"نو۔۔۔ نہیں۔" پولینا سے جواب نہیں بن رہا تھا۔

وہ اتنے اسپاٹ تاثرات کے ساتھ کیسے بول سکتا تھا جبکہ پولینا کے چہرے کے ساتھ مسکراہٹ چپکی ہوئی ہوتی تھی۔

"آپ سیدھا سیدھا مدعے پر آئے۔ آپ کے شولڈر میں درد ہوتا تو آپ کو گرم کپڑا پہننا چاہیے تھا، ویسے چہرے کے تاثرات تو بالکل درد کا تاثر نہیں دے رہے۔"

پولینا نے گہرا سانس بھرا تھا۔ اسے بھی سچ بتا دینا چاہیے تھا۔

"آپ میرے ٹیکسٹ کا جواب ہی نہیں دے رہے تھے سو یہاں آنا پڑا۔"

"میری زندگی میں آل ریڈی بہت کچھ چل رہا ہے، پھر میں اور آپ کوئی کلوز فرینڈز نہیں ہیں جو آپ کو جواب دینا میں ضروری سمجھوں۔"

"نہیں ہیں تو بنالیں۔"

"آپ میری ٹائپ کی نہیں ہیں۔" اس نے تو صاف صاف جواب دے دیا تھا۔

پولینا کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑا تھا۔ اس کا دل بھی بری طرح ٹوٹا تھا۔ اتنا درشت لہجہ۔

"اگلا مریض۔" وہ ٹیبل کے نیچے لگے بٹن کو دبائے ریسیپشن کو اطلاع دے رہا تھا مگر سنا پولینا کو رہا تھا کہ تم اب جا سکتی ہو۔

پولینا مٹھیاں بھینچتی آہستہ سے اٹھی تھی۔ اس نے ہارنا کب سیکھا تھا پر اس وقت۔۔۔ وہ نہایت مرے مرے قدموں کے ساتھ دروازے تک پہنچی تھی۔

☆☆☆

مہروز گلے میں لائٹ پرپل اسٹول پہنے، لانگ ٹرٹل نیک سویٹر کے ساتھ لانگ کوٹ پہنے فرینکفرٹ کی طرف جاتی ٹرین میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے لمبے بالوں کو اچھی طرح سے پونی

میں باندھ رکھا۔وہ پہلی دفعہ ٹرین میں شہر سے باہر جارہی تھی۔ کبھی کبھی وہ اونگنے لگتی اور ہڑ بڑا کر خود کو سونے سے روکتی۔

دن کی سنہری روشنی میں وہ اپنا بیگ دائیں کندھے پر ڈالے ٹرین سے نکلی تھی۔اسے فرینکفرٹ بھی فری برگ جیسا لگا تھا البتہ یہاں عمارتیں اونچی تھیں جیسے نیو یارک میں ہوتی ہیں۔یہاں اسے گاڑیاں بھی چلتی نظر آئیں تھیں۔اسے اوٹو نے فرینکفرٹ کی ٹیکسی ایپ کرا رکھی تھی۔وہ مطلوبہ ایڈریس ڈالتی اب ایک بلڈنگ کے نزدیک بنے پانی کے تالاب کے پاس بیٹھ گئی تھی جہاں بہت سی عورتیں بیٹھی آپس میں محو گفتگو تھیں۔اسے فری برگ کے لوگ اچھے لگتے تھے مگر یہاں کے لوگ تو آپس میں محو گفتگو تھے،وہ کسی کو دیکھ کر مسکرا نہیں دیتے تھے۔ہلکی چلتی ہوا اس کے گھنے بالوں کو اڑانے کی کوشش کرتے تھے مگر بالوں نے بھی نا ملنے کی قسم کھائی ہوئی تھی۔یونہی چند پل گزرنے کے بعد اسے رائل بلیو گاڑی اپنے نزدیک کھڑی نظر آئی تھی۔وہ گاڑی کا نمبر کنفرم کرتی اندر بیٹھ چکی تھی۔

کھڑکی کی طرف نظریں موڑیں وہ آس پاس کے مکانات اور عمارتیں غور سے دیکھ رہی تھی۔اسے یہاں بھی سڑک کے ساتھ ساتھ چلتا بہتا پانی نظر آرہا تھا جس میں جوان لڑکے

لڑکیاں بورڈ ڈالے، چپو چلا چلا کر اپنی کشتی بورڈ کو آگے لے کر جا رہے تھے۔اسے یہ سب بہت دلچسپ لگا۔وہ بہت دور تک سرموڑے پانی میں کشتی چلاتے نوجوانوں کو دیکھتی رہی۔اپنی مطلوبہ پتے پر پہنچتے ہی مہروز گاڑی سے اتری تھی۔

اونچی سی عمارت پر سنہری دھوپ پڑتی تھی تو عمارت میں لگے شیشے ایسے چمکتے تھے جیسے چاندی کے ورق ہو۔مہروز چند پل یونہی مبہوت کھڑی اسے گھورتی رہی۔وہ بھول چکی تھی کہ وہ یہاں انٹرویو کے لیے آئی ہے۔ایک ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نے مہروز کے گالوں کو چھوا تھا تو مہروز جھرجھری لے کر ہوش میں آئی تھی۔وہ گلہ کھنکھارتی عمارت کے اندر گئی تھی اور اندر کی گرمائش اپنے اندر سمیٹتی وہ لمبی سی راہداری میں چلتی جا رہی تھی۔دائیں بائیں دیواروں پر چھوٹے چھوٹے فریمز آویزاں تھے جو یہاں پر اسکلز سکھائی جانے والے بچوں کی تھیں۔کوئی گاڑی کا دروازہ جوڑ رہا تھا تو کسی کے ہاتھ میں ریموٹ تھا اور وہ روبوٹ کو احکامات دیتا نظر آتا تھا۔راہداری کے اختتام پر اس کمپنی کا بڑا نام گول سے لابی ایریا میں رکھا ہوا تھا'Skilities'۔اس گول راہداری میں ایڑھیوں کے بل گول گھوم کر اس اونچی بلڈنگ کو سر اٹھائے دیکھ رہی تھی جس میں نجانے کتنے فلورز تھے۔وہ گھوم کر ایک جگہ رکی تھی اور

حیرت سے منہ کھولے سر نیچے کر چکی تھی مگر دیر ہو چکی تھی۔ ریسیپشن پر بیٹھے گورے لڑکی اور لڑکے نے بہت فرصت سے اسے دیکھا تھا۔ مہروز خجل ہوتی ان کی طرف بڑھی تھی۔

(وہ بھی کہتے ہونگے ندیدی ہے۔ اف!) مہروز نے ہوا میں ہی ہاتھ لہرا کر اپنا ماتھا پیٹ ڈالا تھا۔

"میں مہروز ہوں۔" وہ ریسیپشن پر میز کے دوسری طرف کھڑی ہو کر مسکرا کر بولی تھی "یہاں انٹرویو کے لیے آئی ہوں۔"

"انٹرویو ای میل دکھادے۔" لڑکی نے اسپاٹ لہجے میں کہا تھا۔

مہروز اپنا فون کوٹ کے جیب سے نکال کر مطلوبہ ای میل کھول کر فون اس کی طرف بڑھا چکی تھی۔ لڑکی ای میل پڑھ کر اسے ففتھ فلور پر جانے کا کہہ کر واپس لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ مہروز اس کے ساتھ بیٹھے لڑکے پر ایک اچٹتی نگاہ ڈال کر لابی ایریا کے بیچ رکھے بڑے بڑے الفابیٹس میں لکھے اسکلٹیز کے پاس واپس کھڑی ہو گئی تھی اور سیڑھیاں تلاشنے لگی پر سیڑھیاں اسے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ وہ لفٹس بھی تلاشنے لگی مگر ندارد۔ وہ مایوس ہو کر واپس ریسیپشن کی طرف مڑی تھی۔

"یہ لفٹ کس طرف ہو گا؟"

"ہر طرف۔"اس دفعہ لڑکے نے جواب دیا تھا۔

"مجھے نظر نہیں آرہا۔"

"آپ جس دیوار کے پاس کھڑی ہو گی وہاں سے لفٹ نظر آجائے گی۔"

(واؤ ٹیکنالوجی)مہروز نے متاثر ہوتے ہوئے سوچا تھااور مڑ کر ایک آف وائٹ دیوار کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔وہ دیوار خود بہ خود سرک کر کھل چکی تھی۔مہروز حیران ہوتی اندر گئی تھی۔

اسے کسی انگریز لڑکی کی شستہ آواز میں پوچھے گئے سوال کی آواز اسپیکر سے آئی تھی۔

"ویلکم ٹو اسکائیز۔آپ کونسے فلور پر جانا چاہے گی؟"

"ففتھ۔"مہروز نے اونچی آواز میں مطلوبہ فلور کا بتایا تھااور چند ہی اسکینڈز میں دروازہ کھلا تھا۔

مہروز نے لفٹ سے باہر قدم نکالا تھا تو یہاں الگ ماحول تھا۔اتنی اونچائی پر اسے قدآور شیشوں سے نیلا آسمان نظر آرہا تھا۔یہ بھی گولائی صورت بنی ہوئی لابی تھی جس کے ایک طرف بڑا سا کمرا تھااور اس کا دروازہ شیشے کا بنا ہوا تھا۔شیشے کے پار ایک قطار میں میز پر کمپیوٹر لگے

ہوئے تھے اور مرد و خواتین بیٹھے کھٹا کھٹ ٹائپنگ کر رہے تھے جبکہ مہروز کے بالکل سامنے زرا فاصلے پر بنے کمرے کا دروازہ سفید کا رنگ کا تھا۔اب اندر جو کوئی بھی تھا اسے اندر جا کر ہی معلوم کرنا تھا۔وہ دروازے کی طرف بڑھی تھی اور قریب پہنچ کر دروازے پر دستک دے کر ہینڈل پکڑ چکی تھی مگر دروازہ کھلنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔اس نے کتنی دفعہ ہینڈل گھمایا تھا۔

وہ گہرا سانس بھرتی دوسری جانب بڑھی تھی اور شیشے کے دروازے کو سلائیڈ کر کے اندر آئی تھی۔اس کمرے میں باہر سے زیادہ خاموشی تھی اسی لیے کی بورڈ کی کھٹ کھٹ زیادہ سنائی دے رہی تھی۔وہ قریب کمپیوٹر پر بیٹھے لڑکے کی طرف مڑی تھی۔

"ایکسکیوز می۔یہ دروازہ کیسے کھلے گا مجھے اندر جانا ہے۔"اس نے نہایت آہستہ آواز میں پوچھا تھا۔

"کیوں؟"اس نے سر اٹھائے بغیر جواب دیا تھا اور بدستور اسکرین دیکھ رہا تھا۔

"میرا انٹرویو ہے۔"

"تو دروازے کو اپنا نام بتاؤ،اگر دروازہ پہچان گیا تو کھل جائے گا۔"

(کھل جا سم سم) مہروز متاثر نظر آتی الٹے قدموں شیشے کے دروازے کی طرف مڑی تھی اور دروازہ سلائیڈ کر کے پھرتی سے دوسری جانب سفید دروازے کی طرف بھاگی تھی۔

"مہروز جرار۔" مہروز نے سفید دروازے کو اپنے نام سے متعارف کروایا تھا اور دروازہ خود بہ خود کھل گیا تھا۔

اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ اندر قدم رکھا تھا اور اونچی سی کرسی پر لڑکے کو براجمان دیکھا تھا جو کرسٹل کو گھماتے ہوئے کسی کا منتظر لگتا تھا۔ کمرے کے تینوں طرف کھڑکیاں ہی کھڑکیاں تھی۔ اس کمرے میں صرف ایک میز، ایک اونچی کرسی اور کمپیوٹر رکھا نظر آرہا تھا۔ لڑکے نے رنگ برنگی سلک کی شرٹ پہن رکھی تھی۔ گردن تک آتے بالوں کو چھوٹی چھوٹی چٹیاں میں باندھے اس نے ان کا چھوٹا سا جوڑا بنایا ہوا تھا۔ اس کے ایک آئی برو پر کٹ لگا ہوا تھا۔ وہ مہروز کو گھور رہا تھا، باقائدہ گھور رہا تھا۔

مہروز دائیں کندھے سے لٹکے بیگ کے اسٹریپ کو انگلیوں سے چھوتی کنفیوز ہو رہی تھی۔

"مہروز جرار۔" مہروز نے اپنا تعارف کرایا تھا اور آگے بڑھ کر کرسی کھینچ کر بیٹھنے لگی تھی کہ لڑکے کی گونجدار آواز پر وہ بھی گونج کر رہ گئی تھی۔

"کھڑی رہیں۔"

مہروز کے ہاتھ اس کی آواز پر کانپ گئے تھے۔

وہ کرسی واپس میز کی طرف پلٹا کر کرسی کے پیچھے ہی کھڑی ہو گئی۔ وہ چند پل مہروز کو گھورتا رہا اور مہروز اس کی حرکتوں کو مگر وہ گھورنا بہت بڑھ چکا تھا اس حد تک کہ مہروز کو گھبراہٹ شروع ہو گئی تھی۔ اس کی گردن پر پسینہ ابھرنے لگا تھا۔

"میں۔" مہروز نے گلہ کھنکھارا تھا "میں مارکٹنگ کانٹینٹ رائٹنگ کے جاب کے لیے انٹرویو دینے آئی ہوں۔" مہروز نے خود ہی بات کا آغاز کر دیا تھا۔

"اگر آپ آدھے گھنٹے تک اس گھورنے والے مقابلے میں سروائیو کر گئی تو آپ کی جاب فائنل۔"

"ایں؟" مہروز نے ابرو اچکایا تھا۔ ایسا عجیب و غریب انٹرویو اس نے پہلے کبھی نہیں دیا تھا۔

"میں نے اسٹاپ واچ سیٹ کر لیا ہے۔" اس نے دائیں کلائی میں پہنی گھڑی کے بٹن کو دبایا تھا "آپ کو اس جاب کی ضرورت ہے۔" اس نے اپنی شہد رنگ آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑدی تھی "مجھے آج تک کوئی ہرا نہیں سکا یعنی کہ لڑکیاں مگر آپ میں پوٹینشل ہے۔"

"مجھے ایسا کوئی انٹرویو نہیں دینا۔" مہروز کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔

ایسے مردوں سے سختی سے بات کرنی چاہیے جو اپنی لمٹس کراس کریں۔اس نے یہیں سیکھا تھا۔وہ اکیلے کمرے میں دیارِ غیر میں اکیلی تھی اور یہاں اسے اکیلے ہی لڑنا تھا۔وہ چاہے اندر سے جتنا بھی گھبرا رہی ہو اسے اپنی گھبراہٹ نہیں شو کرنی تھی۔اگر عورت گھبرا جائے تو مرد اسے اور ڈراتا ہے۔اس نے یہ بھی سیکھا تھا۔

"ٹائمر تو اسٹارٹ ہے اور آپ کئی بار آنکھیں جھپکا چکی ہیں مگر میں آپ کو کم بیک کرنے کا پورا موقع دے رہا ہوں۔" وہ اب تھوڑی تلے انگلی رکھے اسے گھور رہا تھا۔

مہروز واقعی اس کی شہد رنگ آنکھوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی جو کمرے میں پڑنے والی دھوپ میں مزید چمک رہی تھی۔

"مجھے کسی نے بتایا تھا یہاں ہنر سکھایا جاتا ہے۔یہ ایک عزت دار کمپنی ہے۔ہر چیز میں ٹیکنالوجی شامل ہے تو یہ ہے وہ ہنر۔"

"یہی تو ہنر ہے۔کسی کو گھورنا بھی ہنر ہی ہے۔" وہ مزید آنکھیں چمکا رہا تھا اب۔

Clubb of Quality Content

"مجھے ایسے کسی فضول گیم میں نہیں پڑنا۔ آپ نے ایک اسٹوڈنٹ کا قیمتی وقت ضائع کیا ہے۔ میں اتنی دور سے ٹرین پر یہاں آئی ہوں اور آپ میرے ساتھ سیریس ہی نہیں ہے۔" مہروز کا غصہ سوا نیزے پر پہنچ گیا تھا۔

"میں ہی تو آپ کے ساتھ سیریس ہوں۔ دیکھیے آج تک اتنا آسان انٹرویو کسی کا نہیں ہوا ہو گا۔" وہ اب میز پر دونوں ہاتھ ایک دوسرے پر رکھے مزید محویت سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

"مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔" مہروز افسوس سے سر ہلاتی دروازے کی طرف مڑی تھی اور دروازے کا ہینڈل گھمایا تھا مگر دروازہ کھل نہیں رہا تھا۔

مہروز کا دل چاہا وہ یہ لانگ کوٹ اتار کر پھینک دے۔ اسے خوف کی وجہ سے حبس محسوس ہو رہا تھا۔ دروازہ لاکڈ تھا، وہ واقعی پھنس تو نہیں گئی تھی!

"دروازہ میری مرضی سے کھلے گا۔"

مہروز نے چند پل گہرے گہرے سانس بھرے تھے۔ اگر وہ انہی الفاظ کو دوبارہ بول دے تو!

"مہروز جرار۔" مہروز نے اپنا نام دوبارہ بولا تھا اور دروازہ کھل گیا تھا۔

Clubb of Quality Content

مہروز بغیر رکے فوراً کھلے دروازے سے باہر کی طرف بھاگی تھی اور سامنے دیوار کے پاس پہنچی تھی۔ خودکار لفٹ اس کے سامنے کھل چکی تھی۔ وہ تیزی سے اندر داخل ہوئی تھی اور فوراً سے گراؤنڈ فلور کہا تھا۔ وہ لفٹ میں بھی مڑی نہیں تھی کہ کہیں وہ شہد رنگ آنکھیں اس کے پیچھے کھڑی نا ہو۔ جیسے ہی لفٹ کا دروازہ کھلا تھا وہ تیزی سے باہر نکلی تھی اور ریسیپشن کی طرف دوڑی تھی۔

"یہ اسکلز سکھاتے ہیں آپ لوگ؟ ایسے انسلٹ کرتے ہیں؟ میں ماسٹرز کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ میرے لیے ایک ایک منٹ اہم ہے اور مجھے کہا جارہا ہے کہ گھورنے کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اوہ مائی گاڈ۔" مہروز کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ڈیسک پر رکھے لیپ ٹاپس کو اٹھا کر زمین پر پھینک دے۔

وہ غصے کے عالم میں چیخ رہی تھی اور ریسیپشن پر بیٹھے لڑکا اور لڑکی حیرانی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"آپ کا انٹرویو کیسا رہا؟" لڑکی نے تحمل سے سوال پوچھا۔

Clubb of Quality Content

"کیسا رہا؟" مہروز نے اس کا سوال دہرایا تھا" مجھے کہا گیا کہ آدھا گھنٹہ گھورو تو جاب ملے گی، کیا آپ لوگ بھی گھورنے کے مقابلے میں ٹاپ کر کے یہاں بیٹھے ہیں؟ فضول کمپنی، جھوٹ، بوگھس، فراڈ۔" مہروز غصے میں پشتو انگریزی مکس کرتے مڑی تھی اور بڑ بڑاتے ہوئے لمبی راہداری کی جانب بڑھی تھی۔

اس کی پشت پر ریسیپشن والی لڑکی موبائل اٹھائے کسی کا نمبر ڈائل کر رہی تھی۔

☆☆☆

وہ رات کے دس بجے اپنے ہاسٹل پہنچی تھی۔ وہ اتنی تھکی ہوئی تھی کہ اس میں اٹھنے کی سکت نہیں تھی۔ وہ اسی حلیے میں اپنے بیڈ پر نیم دراز تھی اور یونہی سو گئی تھی۔ کمرے میں ہونے والے کھٹکے سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔

پولینا لیپ ٹاپ پکڑے بیڈ پر پیر اوپر کر کے بیٹھ رہی تھی۔

مہروز انگڑائی لیتے بیٹھ گئی تھی۔

"تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔" پولینا نے اپنے پیروں پر کمبل برابر کر کے رکھی تھی" کہاں تھی آج؟"

"ایک جگہ انٹرویو دینے گئی تھی۔" مہروز مرجھائی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

"کیسا رہا پھر؟"

"برا۔"

"چلو کہیں اور دے دینا انٹرویو۔ انٹرویوز کا کیا ہے وہ ہر جگہ ہوتے رہتے ہیں اور ہمارے جیسے ضرورت مند جاتے رہے گے۔" پولینا نے لیپ ٹاپ اپنے گھٹنوں پر رکھا تھا۔

"برا اس لیے نہیں کہ مجھے کچھ آتا نہیں تھا۔ برا اس لیے کہ اس نے مجھ سے کچھ پوچھا ہی نہیں۔ وہ کوئی فلرٹ تھا۔"

"ایک تو یہ ورک پلیس ہراسمنٹ کب ختم ہوگی۔" پولینا نے گردن پیچھے پھینک کر گہرا سانس لیا تھا۔ اس کے بلانڈ بال تکیے پر گر گئے تھے۔

"ہراسمنٹ بھی نہیں تھی۔" مہروز جیسے اب فرصت سے اس کے رویے پر غور کر رہی تھی۔

"پھر؟" پولینا لیپ ٹاپ بیڈ پر رکھتے ہوئے پوری کی پوری مہروز کی طرف مڑی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"وہ کوئی پاگل لگ رہا تھا۔مجھے کہا کہ آدھے گھنٹے تک میری آنکھوں میں دیکھو، گھوروا ور پھر جاب فائنل۔"

"واٹ؟"پولینا حیرانی سے اچھل پڑی تھی۔وہ عبداللہ کے رویے کا غم بھلائے مہروز کی طرف متوجہ تھی۔

"کمپنی کا نام بتاؤ۔"

"اسکللیٹز۔"

پولینا چند اسکینڈز میں لیپ ٹاپ کی اسکرین پر اس کمپنی کا پیج کھول چکی تھی اور اسکرال کرتی ایک ایک چیز پڑھ رہی تھی۔

"کمپنی تو اچھی ہے۔اسکلز سکھاتی ہے اور بہت سے لوگوں کے ریویوز اچھے ہیں۔ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ تم غلط جگہ پہنچی ہو۔"

"اتنا بڑا بڑا اسکلیٹز لکھا ہوا تھا اندر۔ریڈ اینڈ یلو رنگ کا۔"

"ہاں رنگ تو یہی ہے الفابیٹس کا۔"پولینا بھی سوچ میں پڑ گئی تھی۔

Clubb of Quality Content

"کیا پتا صحیح آفس میں نا گئی ہو تم۔"

"میں صحیح فلور پر گئی تھی البتہ میں بہت مایوس ہوئی۔ایک تو دوسرے شہر گئی، ٹکٹ کا خرچہ کیا اور ہاتھ بھی کچھ نہیں آیا۔اب اتنی تھکی ہوئی ہوں کہ بھوک لگ رہی ہے اور کچھ پکانے کی سکت بھی نہیں ہے۔"

"نوڈلز پکاتی ہوں۔نوڈلز کھاؤ گی؟"

مہروز نے فوراً سے ہاں کہہ دیا تھا۔وہ بس کھا جانا چاہتی تھی کچھ بھی۔اسے یک دم ہی وہ شہد رنگ آنکھیں اپنے آس پاس نظر آئی تھی تو اس نے جھرجھری لے لی تھی۔

☆☆☆

Clubb of Quality Content

اگلی صبح پچھلی صبح جیسا نہیں ہونا چاہیے۔اسے نیا اور بہار جیسا ہونا چاہیے۔

وہ اسائیکل چلاتی ماچو کیفے پہنچ گئی تھی۔اس کے ٹوکرے میں پنک اور سفید لی لیز رکھی ہوئی تھی۔

وہ آدھے بالوں کو سلک کی پونی میں باندھے آدھے بالوں کو پشت پر کھلا چھوڑے ہوئے تھی۔وہ زیادہ تر فراکس ہی پہنا کرتی تھی اور اس نے آج بھی سفید پھولدار فراک پہنا ہوا تھا۔

پولیناد لجمعی سے مسکرا مسکرا کر مطلوبہ شیپس کافی میں بنا رہی تھی اور مہروز کاؤنٹر کے ایک طرف کھڑی بلز بنا رہی تھی۔

"انٹرویو کیسا رہا؟" اوٹو وہ تیسرا شخص تھا جو اس سے یہی سوال پوچھ رہا تھا۔

"اچھا نہیں گیا۔" مہروز نے گہرا سانس لیا تھا "وہ کوئی عجیب مخلوق تھا۔ میں ساری رات سو نہیں سکی۔ اس نے مجھ سے کہا میں اس کی آنکھوں میں گھورتی رہوں صرف آدھا گھنٹہ اور پھر مجھے جاب مل جائے گی۔"

اوٹو قہقہ لگا کر ہنس دیا تھا۔

مہروز نے اسے ناراض نظروں سے گھورا تھا۔

"اوکے سوری۔" اوٹو نے ہوا میں ہاتھ لہرائے تھے۔

"میرے کچھ ورکرز نے جن کو میں نے وہی بھیجا تھا مجھ سے اس نمونے کو ذکر کیا تھا۔ وہ وہاں کا اونر ہے۔ بہت الگ مخلوق ہے وہ۔ سب اسے 'The Rock' کہتے ہیں بلکہ وہ خود کو دا راک کہلواتا ہے۔ انٹرویوز البتہ ان کے انسانوں والے ہوتے ہیں پر تم اس کے ہتھے چڑھ گئی۔ خیر، تم مایوس نا ہو۔ میں ایلسی سے بات کرتا ہوں اس دفعہ وہ تمہیں اپنے ساتھ اندر لے

جائے گی۔ میں نے ان کی پے معلوم کروائی ہے پاکستانی ڈیرھ سے دو لاکھ دیتے ہیں وہ۔ تم آہستہ آہستہ اپنی محنت سے ڈبل کرتی رہنا۔"

ڈیڑھ سے دو لاکھ روپے پر مہروز کے ہاتھ فریز ہو چکے تھے۔ اسے پورا کیفے پاکستانی روپے لگنے لگا۔ وہ تو حیرت میں ہی مبتلا رہتی اگر اوٹو اس کا کندھا نہ ہلاتا۔

"یہ بل نکال کر مجھے دو۔" وہ اپنی ہنسی دبائے ہوئے تھا۔

مہروز کیفے سے لے کر یونی تک بس تنخواہ کے بارے میں ہی سوچتی رہی۔ اس کے لیے تو بہت تھے ڈیڑھ دو لاکھ، اس نے کبھی اتنے کمائے جو نہیں تھے۔ وہ بس سوچتی ہی رہ گئی تھی کہ بچت کر کر کے وہ کتنے مہینوں میں اپنا قرض ادا کر سکتی تھی اگر اس 'پتھر' سے اس کا سامنا نہ ہوا ہوتا۔

کلاس کا منظر کچھ عجیب سا تھا۔ وہ جب اندر داخل ہوئی تو سب نے ایک ساتھ گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا اور کچھ دیر دیکھنے کے بعد ایک ساتھ ہی گردنیں ادھر ادھر موڑلی تھیں۔ کریٹیو تھنکنگ کی کلاس ختم ہوتے ہی سر جوش کے آفس کا بلاوا آچکا تھا۔

وہ بائیں کندھے پر بیگ ڈالے دستک دے کر دروازہ کھول چکی تھی اور وہاں اس سے پہلے ہی ایما سر کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔جوش آنکھوں پر زرد عینک لگائے، معمول کے مطابق کالے رنگ کے ٹرٹل نیک پر زرد مفلر باندھے، دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم پھنسائے اپنی کرسی پر بیٹھا مہروز کو دیکھنے لگا۔

"بیٹھ جایے۔"

مہروز ایما کے برابر رکھی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"آپ کے پاس کلاس کے طلبہ اپنے ریسرچ آئیڈیا کے لیے تھیوری ڈسکس کرنے آئے تھے؟"

"جی۔"

"اور آپ نے ایما کا آئیڈیا لیک کر دیا۔"

"جی؟"مہروز بھونچکارہ گئی تھی اور دائیں طرف گردن موڑ کر غمزدہ بیٹھی ایما کو دیکھنے لگی "نہیں۔"

اسے ایما کے چہرے کی کی افسردگی ڈرامے کے علاوہ کچھ نہیں لگا۔

Clubb of Quality Content

"آپ ہی کہ کلاس کے دولڑکے سیم آئیڈیا اور تھیوریسٹ لے کر آئے جو ایما نے اپنے ڈاکیومنٹ میں لکھا ہوا ہے۔"

"یہ اتفاق ہو سکتا ہے مگر میں نے لیک نہیں کیا۔" مہروز تھوڑی دیر پہلے کے خوف پر قابو پا کر مضبوط آواز میں بولی تھی۔

"تو کیسے مکی اور ڈیرک بھی وہی آئیڈیا لائے جو میں نے تم سے ڈسکس کیا تھا؟"

"انہوں نے سن لیا ہو گا۔ تم میرے ساتھ کلاس میں بیٹھ کر ڈسکس کر رہی تھی اور میں نے نوٹ نہیں کیا کہ اس وقت کون کون کلاس میں بیٹھا ہوا تھا۔ پھر میں کیوں لیک کروگی بھلا مجھے اس کام کے پیسے ملنے تھے۔" مہروز تپ رہی تھی ایما کی مکاری پر۔ مگر وہ ایسا کیوں کر رہی تھی اسے سمجھ نہیں آرہی تھی۔

"مجھے کیا پتا۔" ایما نے کندھے اچکائے تھے۔

"اب اس کا یہی حل ہے کہ مہروز آپ کا آئیڈیا بھی کینسل کیا جائے۔"

مہروز نے جھٹکے سے گردن موڑ کر سرجوش کو دیکھا تھا۔ اس نے بہت محنت سے اس آئیڈیا کو سوچا تھا اور سر ایک منٹ میں اس کا آئیڈیا ریجیکٹ کر رہے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کیونکہ آپ اپنی انوسنس پرو نہیں کر پا رہی۔"

"آپ بتائے کیسے کروں؟"مہروز کا گلہ بہت سے آنسو روکنے کی وجہ سے بھاری ہو رہا تھا۔

اسے اس وقت ایما اور سر جوش دونوں زہر لگ رہے تھے اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔

"آپ کو سوچنا چاہیے۔میرے پاس یہی آپشن ہے کہ آپ چاروں کو ایک ساتھ یہاں بٹھاؤں اور تین گھنٹے دوں جس میں آپ چار اپنا دماغ لگا کر اپنا پرابلم اسٹیٹمنٹ لکھے اور تھیورسٹس بھی۔"انہوں نے کرسی سے ٹیک ہٹاتے ہوئے گردن اپنے لیپ ٹاپ کی طرف موڑی تھی جیسے کہہ رہے ہو کہ وہ اپنا فیصلہ سنا چکے ہیں۔

تین گھنٹو کا سن کر ایما کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا جبکہ مہروز سر کو ہی دیکھتی رہی۔

سر جوش کا کلرک ان دو لڑکوں کو بھی بلانے چلا گیا تھا جبکہ سر کے آفس میں مہروز اور ایما ایک دوسرے سے گردن موڑے بیٹھے ہوئے تھے۔مہروز اپنا بیگ گود میں رکھے زپ مسلسل ہلاتے ہوئے پرسکون لگ رہی تھی جبکہ ایما فون ہاتھ میں پکڑے مسلسل اسکرین کو اسکرال کر رہی تھی جب ڈیرک اور ملی دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہوئے تھے۔کمرے کا سکوت دیکھ کر ان دونوں کا ماتھا بھی ٹھنکا تھا۔

ان دونوں کو داخل ہوتا دیکھ کر سر جوش نے گلہ کھنکھارا تھا۔

"سو آپ تینوں کا الزام ہے کہ مہروز نے آپ لوگوں کو ایک آئیڈیا دے کر مس گائیڈ کیا ہے۔" سر جوش مار کر نوٹ پیڈ پر مارتے ہوئے ان لڑکوں کی طرف متوجہ تھے جنہوں نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"مگر میرے پاس ثبوت آگیا ہے کہ یہ تینوں جھوٹ بول رہے ہیں۔" مہروز نے بڑے آرام سے کمرے کا سکوت توڑا تھا۔

ان پندرہ منٹوں میں وہ ہر پہلوں پر غور کر کے اپنے دفاع کے لیے تیار ہو چکی تھی۔اس کے چہرے پر پھیلا اطمینان دیکھ کر ڈیرک، مکی اور ایما لحظے بھر کے لیے سانس لینا بھول گئے تھے۔

"ڈیرک میرے پاس ٹرانس ہیومنزم کا آئیڈیا لے کر آیا تھا اور مکی سائی فائی پر کام کرنا چاہتا تھا۔"

سر جوش تھوڑی تلے ہاتھ رکھ کر دلچسپی سے اسے دیکھنے لگے تھے جبکہ ڈیرک اور مکی میز کے بائیں طرف کھڑے بس ماتھے کو ہاتھ سے پیٹنا ہی چاہتے تھے۔

"تمہیں تو سب کے آئیڈیاز یاد ہیں۔ تم نے ان کو میرا آئیڈیا بتادیا ہو گا اور ان کا آئیڈیا ریجیکٹ کر دیا ہو گا۔ ہم تینوں کو ایک ہی آئیڈیا میں پھنسانا کیوں چاہتی تھی تم؟ میں یہ معاملہ ڈین تک لے کر جاسکتی ہوں۔" ایما بس ہتھے سے اکھڑنے والی تھی۔اس کا آئیڈیا فلاپ جا رہا تھا۔

مہروز اسے نظرانداز کیے اپنا ای میل فولڈر کھول کر اب فون سرجوش کی طرف بڑھا چکی تھی۔

سرجوش نے انگلی اوپر نیچے کر کے موبائل واپس مہروز کی طرف بڑھا دیا تھا۔

"یہ ہے ان کا ابسٹریکٹ جو دو دن پہلے ان دونوں نے ریوائز کر کے مجھے بھیجا تھا اور آج آپ کو ملی اور ڈیرک اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ یہ تینوں ہی سیم آئیڈیا پر کام کر رہے ہیں۔ جبکہ ایما۔" وہ اب گردن موڑ کر ایما کو استہزایہ نظروں سے دیکھنے لگی "کو لگ رہا تھا کہ اس کے ڈیریسٹ فرینڈز اس کا ساتھ دینگے مجھے ذلیل کرنے کے لیے۔ ایما تم بیوقوف ہو جو ان پر بھروسہ کر بیٹھی جو بالا ہی بالا اپنے آئیڈیا کو پولش کرتے رہے اور تم نے اپنا ایک ہی آئیڈیا نجانے کیا سوچ کر انہیں دیا۔ یہی آئیڈیا پچھلے سر کو دیا تھا نا تم نے جو اس وقت تو نجانے کیسے اکسیپٹ ہو گیا مگر ابھی نہیں ہو سکا۔ تم تھیورسٹ بدلتی رہی پھر بھی نہیں۔ پھر تم

میرے پاس آئی اور میں نے تمہیں آئیڈیا کو مزید چینج کرنے میں مدد دی۔ تم نے تو سر کو بھی وہ آئیڈیا دکھایا جس کے تھیورسٹ میں نے تمہیں نہیں بتائے تھے۔"

ایما لال چہرہ لیے مہروز کو سنتی رہی جس کا چہرہ چمکنے لگا تھا۔

سر جوش تھوڑی تلے ہاتھ رکھے مہروز کا جوش خطابت سنتے رہے اور اس کے چپ ہو جانے پر لڑکوں کی طرف مڑے۔

"سوچا یہ تھا کہ چاروں کو بٹھا کر نیا ابسٹریکٹ لکھواؤں۔ سہی رہے گا؟ دوبارہ محنت کرنا۔"

ڈیرک اور مکی کے چہرے کی ہوائیاں اڑ گئی تھی۔ اپنے پرابلم پر کام کرنا، ڈھونڈنا بڑا مشکل ہوتا ہے کجا سرے سے مسئلہ سوچنا۔

"نو۔۔۔ نو سر۔" مکی گڑبڑا گیا تھا "ہم معافی چاہتے ہیں بس ایما نے سوچا کہ کچھ پرینک کر لے اور کوئی بات نہیں تھی۔ ہمیں نہیں پتا تھا یہ معاملہ بگڑ جائے گا۔"

ایما دانت چباتے ہوئے مکی کو دیکھنے لگی۔

"سوری سر۔ ہم نے اپنے آئیڈیا پر بڑی محنت کی ہے، پلیز ہم اتنی جلدی نیا آئیڈیا نہیں لکھ سکتے۔" ڈیرک منت پر اتر آیا تھا۔

"پرینک۔" سرجوش محضوظ ہوتے ہوئے کرسی سے ٹیک لگا چکے تھے "سوا یما کا ساتھ دے کر آپ لوگوں نے پرینک کیا۔اب اس پرینک کا دی اینڈ یہ ہوگا کہ آپ تینوں اسی وقت بیٹھے اور نیا آئیڈیا سوچے، صرف تین گھنٹے ہیں آپ کے پاس اور اگر آپ نا لکھ سکے تو میرا سبجیکٹ ڈراپ کرنا پڑے گا۔" انہوں نے ٹھرے ہوئے لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا تھا جبکہ مہروز سرخرو نظر آرہی تھی۔

ڈیرک اور ملی گھبرا کر سرجوش کے سامنے گڑگڑانے لگے تھے جبکہ سرجوش انہیں نظرانداز کرکے زرد عینک کے پیچھے سے مہروز کو دیکھنے لگے "آپ جاسکتی ہیں۔"

مہروز ایما پر نظر ڈالے بغیر اٹھ گئی تھی۔وہ جانتی تھی کہ ایما کا پلان فلاپ ہوجانے پر وہ کس قدر کوفت اور غصے کا شکار ہوگی مگر وہ اب تک نہیں جان پائی تھی کہ ایما اس کی دشمن بنی کیوں تھی۔

آفس کا دروازہ کھول کر وہ چہرے پر ہلکی مسکان لیے باہر آئی تھی۔چمکتے ٹائلز پر قدم رکھتے ہوئے اس نے ایک بات سیکھ لی تھی کہ بے لوث ہوکر ہر کسی کی مدد نہیں کی جاسکتی۔کبھی کبھی مدد کرتے ہوئے بھی سوچ لینا چاہیے کہ وہ بری طریقے سے گلے بھی پڑ سکتی ہے۔

--☆☆☆--

لاہور پر عجیب سا موسم اترا تھا۔دن کو شدید دھوپ اور رات کو ٹھنڈ ہو جاتی تھی۔

یہ شادیوں کا سیزن تھا اور آج لڑکی کی بارات تھی۔

سلیمان جان اور یاسمین ایک دوسرے کے برابر ہی خواتین کی سائیڈ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔یاسمین کے برابر میں بیٹھی انجان عورت سے ان کی اچھی سلام دعا ہو گئی تھی اور باتوں باتوں میں ہی یاسمین نے مہروز کا ذکر کر دیا تھا۔

کچھ دنوں میں ہی اس عورت کا فون اور پھر گھر پر آنا جانا ہو چکا تھا۔وہ مہروز سے غائبانہ طور پر متعارف ہو چکی تھی اور اس سے متاثر نظر آتی تھی اور پھر انہوں نے دل کی بات کر دی تھی۔وہ اپنے بیٹے کے لیے مہروز کا ہاتھ مانگ رہی تھی۔یاسمین کو تو اپنے کانوں پر بھروسہ نہیں ہو رہا تھا۔سلیمان جان نے اپنے حواسوں پر قابو پاتے ہوئے ان سے چند دن مانگے تھے۔کچھ دن دونوں سوچتی رہیں البتہ جرار اس تمام قصے سے بے خبر ہی رہا۔ان خاتون کو ہاں سننے کی کچھ زیادہ ہی جلدی تھی۔وہ کتنی ہی دفعہ فون کر چکی تھی اور آخری فون میں وہ اصل مدعا بھی زبان پر لے آئی تھی۔وہ چاہتی تھی کہ مہروز لڑکے کو ساتھ ہی جرمنی بلا لے۔

مہروز اپنے بستر پر بیٹھی 'سلطان' سے پیک کروائے کڑاہی گوشت کو نان کے ساتھ تناول کر رہی تھی کہ اسے حسیب کی ویڈیو کال موصول ہوئی تھی۔ کتنے دن بعد اس کی گھر بات ہو رہی تھی۔

"کیسی ہو؟" یاسمین فون چہرے کے آگے پکڑے خوش نظر آ رہی تھی۔

حسیب لاؤنج میں بیٹھا بیف کے تکے کھانے میں مصروف تھا جبکہ سامنے کمرے میں بیٹھی یاسمین اور دادی اسے صاف نظر آ رہے تھے۔

"میں بہت خوش۔ آپ لوگ دعائیں کر رہے ہیں نا؟" مہروز پر سکون لگ رہی تھی۔

"یہ بھی پوچھنے کی بات ہے۔" یاسمین نے سر جھٹکا تھا۔

"ماؤں سے دعاؤں کا نہیں پوچھتے۔ جب عورت ماں بنتی ہے تو اس کی ہر دوسری بات 'ہر پہلی دعا اولاد کے لیے ہوتی ہے۔" سلیمان جان نے مسکرا کر کہا تھا۔

"اسی لیے میری ہر مشکل حل ہو جاتی ہے۔" مہروز نے تکیہ دیوار سے لگا کر ٹیک لگائی تھی۔

"اچھا سنو ایک ضروری بات کرنی ہے۔" یاسمین نے تمہید باندھی تھی۔

وہ یک دم ہی سنجیدہ نظر آنے لگی تھی اور اگلے الفاظ سوچنے لگی تھی۔ وہ لب کھول کر پیوست کر دیتی تھی۔

"کہیے نا۔" مہروز کا دل گھبراہٹ کا شکار ہونے لگا تھا۔

"ایک بڑا اچھا رشتہ آیا ہے۔ لڑکا تو بہت ہی خوبصورت ہے۔ اکلوتا ہے اپنے ماں باپ کا۔ ماں تو ابھی سے فدا ہو رہی ہے تم پر۔ پر میں نے انہیں ذرا انتظار کا کہا ہے کہ پہلے پوچھ لوں تم سے۔"

فدا؟ ریڈ فلیگ۔۔۔ مہروز کا دل بجھ سا گیا تھا۔ نا اس لڑکے کی ماں مہروز سے ملی تھی نا بات چیت ہوئی تھی بس دور دور سے ہی فدا ہو رہی تھی۔ اسے لوگوں کے رویے سمجھ آنے لگے تھے، اسے کچھ کھٹک رہا تھا۔

وہ پھر ریجیکشن کی تکلیف سے نہیں گزرنا چاہتی تھی۔ وہ جیسے ماضی کو پھر سے جینے لگی تھی۔

سلیمان جان پوتی کا بجھتا چہرہ دیکھ کر خود بھی بجھ سی گئی تھی۔ وہ اس گھر کا طوطا تھی جس میں سب کی جان تھی۔

Clubb of Quality Content

"لڑکے نے ابھی الیکٹریکل انجینئرنگ کی ہے۔میں تو بس ہاں کہنے والی تھی پھر سوچا پوچھ لوں تم سے۔"

"کیا کہ مجھے منظور ہے یا نہیں؟"مہروز نے پست آواز میں کہا تھا۔

"ہاں۔مطلب بس ہاں کہہ دوں نا۔"

"تو انہیں مجھ سے۔۔۔یعنی"مہروز نے گلہ کھنکھارا تھا"میرے برص سے کوئی مسئلہ نہیں ہے؟"

یاسمین کا چہرہ بجھ سا گیا تھا۔ان سے اگلی بات نہیں بن رہی تھی۔یاسمین نے ساس کو اور ساس نے بہو کو دیکھا تھا۔ان دونوں نے یہی سوچا تھا کہ جب وہ شرط رکھ رہے ہیں کہ مہروز شادی کے بعد لڑکے کو باہر لے جائے گی تو پھر لڑکی والوں کو بھی شرط رکھنی چاہیے کہ لڑکی جیسی بھی ہے اس سے نکاح کرنا ہوگا۔

"ہاں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔"

"نہیں ہوگا؟"

"ہاں۔" یاسمین نے اگلی بات کہنے کے لیے لمبا وقفہ لیا تھا "جب ہم ان کی بات مانے گے تو وہ بھی تو ہماری بات مانے گے۔ یہاں کچھ رشتے ایسے ہی بنتے ہیں، کچھ مفاد پر۔ ہمیں زندگی بھی تو گزارنی ہے اور زندگی میں مختلف قسم کے لوگ ملتے ہیں۔ پھر اکیلے رہنے سے بہتر ہے لوگوں کی بھیڑ کے ساتھ ہی زندگی گزار لی جائے۔"

سلیمان جان ہاتھ میں پکڑی تسبیح کے دانے تیز تیز گرانے لگی تھی۔ بس ان کے ہونٹ ہل رہے تھے پر ان پر کوئی ورد، کوئی ذکر نہیں تھا۔

"کیسی بات؟ کیسا مفاد؟" مہروز کو ماں کے فلسفے سے کوئی غرض نہیں تھا وہ تو بس اس شرط کو جاننا چاہتی تھی جس کے عوض اسے اپنی آزادی بیچنی تھی، مفاد کا رشتہ بنانا تھا۔

"لڑکے کی ماں چاہتی ہے کہ تم اسے اپنے ساتھ جرمنی لے جاؤ۔ ہمیں کوئی مسئلہ نہیں ہے، اچھا ہے دونوں وہی زندگی گزارنا۔" انہوں نے تائید کے لیے ساس کو دیکھا جو اثبات میں سر بھی نہیں ہلا سکی تھی۔

"مورے یہ پاکستان میں رہنے والوں کو کیا لگتا ہے کہ جو لڑکی باہر چلی گئی ہے اس سے نکاح کر کے اس کے کندھے پر پیر رکھ کر ہم باہر سیٹل ہو جائے گے؟ کیا باہر سیٹل ہونا اتنا آسان

ہوتا ہے کہ آپ نکاح جیسے رشتے کو استعمال کر کے ایک سودا بنائے، ایک ڈیل۔ میں یہاں ایک کیفے میں بل بناتی ہوں، کوئی جرمنی کا چانسلر نہیں ہوں جو اسے یہاں سیٹل کرواد ونگی۔ اچھا سودا ہے۔ اور ابھی؟" مہروز کی آواز میں دکھ تھا" ابھی سے کیا مراد ہے آپ کی؟ ابھی الیکٹریکل انجینئرنگ کی ہے؟"

"وہ۔۔۔" یاسمین نے گلہ کھنکھارا تھا" اس کی ابھی تعلیم مکمل ہوئی ہے۔ لڑکا کوئی تئیں چوبیس۔۔۔ کا ہے۔" یاسمین کہتے ہوئے جیسے خود بھی تکلیف محسوس کر رہی تھی۔ ان کی زبان ان کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

" تئیں؟" مہروز پر تو پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ کیا لوگ باہر جانے کے لیے عمروں کا فرق بھی نہیں دیکھتے ہیں؟ کیا پیسہ کمانا ہر رشتے سے افضل ہے؟

"مورے میں ستائیس سال اور وہ تئیں۔ پورے چار سال چھوٹا ہے وہ مجھ سے۔ صرف اس لیے اس سے نکاح کروں کہ بس مجھے شادی کرنی ہے چاہے رشتہ بے جوڑ ہی کیوں نا ہو؟ وہ مجھ سے میرے لیے نہیں باہر سیٹل ہونے کے لیے شادی کریگا اور کیا پتا یہاں آکر وہ مجھے چھوڑ جائے۔ وہ کیوں اپنے سے چار سال بڑی اور ایک پرابلم کا شکار لڑکی سے شادی

کریگا؟ مفاد، اچھا لفظ استعمال کیا آپ نے۔" اس کے گلہ میں آنسوئں کا گولہ جمع ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اسے شدید ہتک کا احساس ہو رہا تھا۔

آنسو تو سلیمان جان کی آنکھوں سے بھی گرنے لگے تھے البتہ یاسمین دل مضبوط کیے بیٹھی رہی۔

اب تسبیح کے دانے ان سے مزید گرائے نہیں جا رہے تھے۔

"مجھے اس لیے شادی نہیں کرنی کہ وہ سودا ہو۔ میرا بھی حق ہے کہ میں خوش رہوں اور ایسا ساتھی ملے جیسے آپ کو ملا ہے۔ آپ کو سمجھ نہیں آ رہی کہ وہ صرف لالچ میں شادی کر رہے ہیں۔ آپ آج ان سے کہے نا کہ میری بیٹی جرمنی چھوڑ کر واپس آ رہی ہے تو وہ آپ کو پوچھے بھی نہیں۔ مجھے ایسے رشتہ نہیں جوڑنا مورے جس میں خوشی اور محبت نا ہو۔ جو صرف بوجھ ہو۔ جس نے بھی قبول کرنا ہے وہ دل سے کرے نا کہ اسلیے کہ میں باہر آ گئی ہوں۔ انہیں مجھ میں نہیں باہر جانے میں دلچسپی ہے۔" مہروز کی آنکھوں سے آنسو گال پر گرنا شروع ہو گئے تھے۔ پلیٹ میں رکھے نان پڑے پڑے اکڑ رہے تھے۔

"تو کیا کریں؟"یاسمین کا لہجہ یک دم ہی درشت ہو گیا تھا"یہ باہر جا کر زیادہ پر نہیں نکل آئے؟اگر یہی کرنا ہے تو واپس آجاؤ کیونکہ وہاں تم ساری زندگی نہیں گزار سکتی اور گزارنی ہے تو پھر صرف محرم رشتے کے ساتھ اور وہ بھی جو ہم طے کرینگے۔"

"مورے۔"مہروز کو جیسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کی ماں اس کے ارد گرد باڑ لگا رہی تھی اور اسی باڑ کے ارد گرد کہیں دو بڑی کالی آنکھیں ٹھہر ٹھہر جاتی تھی۔اس نے دل کے مقام پر ہاتھ رکھا تھا۔وہ رد کر دینا چاہتی تھی ان دو آنکھوں کو۔

"میں۔۔۔مجھے انکار کا حق ہے۔جس کے ساتھ دل خوش نا ہو میں اس کے ساتھ نہیں رہونگی۔"

"خاموش ہو جاؤ۔"

"یاسمینیں۔"بے بے سے مزید مہروز کے آنسو برداشت نا ہوئے تو یاسمین کا بازو تھام لیا تھا۔

"چھوڑے آپ۔"یاسمین نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے ان کا ہاتھ جھٹکا تھا"صرف تمہاری وجہ سے تمہارا باپ تکلیف کا شکار ہے۔تمہاری وجہ سے ہم سب تکلیف کا شکار ہے۔تمہیں

باہر جانے کا شوق تھا مگر یہ جانتی ہو کہ تمہیں انہوں نے باہر بھیجا کیسے ہے؟ تمہیں تو لگتا ہے کہ ان پر قرض صرف پچیس لاکھ کا ہے جبکہ اصل قرض چوالیس لاکھ ہے۔ بس کیا تم ان کو نقصان اور ہمیں تکلیف ہی دیتی رہو گی؟" یاسمین جان بوجھ کر فرح والی بات گول کر گئی تھی۔ اس وقت انہیں یہی بہتر لگا تھا کہ مہروز کو قرض کے نام پر بلیک میل کر کے رشتے کے لیے ہاں کروائی جائے اور یہی انہیں اپنی بیٹی کے لیے بہتر لگا تھا۔

مہروز پر تو سکتہ طاری ہو گیا تھا۔۔۔ ہر چیز جامد۔ اس کا دل پھٹ رہا تھا۔

خان بابا نے کیسے خوشی خوشی اسے رخصت کیا تھا مگر درپردہ وہ ان کو کتنا نقصان پہنچا چکی تھی۔ اس کے ارد گرد ایسا سکتہ چھا گیا تھا کہ اسے اپنے کانوں میں بس سائیں سائیں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

سلیمان جان ناسمجھی سے بہو کو دیکھ رہی تھی۔ مگر یاسمین ساس کو نظرانداز کیے چہرے کے تاثرات کو سخت بنائے مہروز کو گھیر رہی تھی اور کسی حد تک کامیاب بھی ہو گئی تھی۔

"لوگوں کے ہاں بیٹیاں پیدا ہوتی ہیں تو ان کے نصیب بدل جاتے ہی، تمہاری پیدائش سے تو ہمارے نصیبوں پر کوئی فرق نہیں پڑا۔ بس ہم روتے ہی رہے۔ تم جو وہاں سے کچھ مہینوں

بعد ایک لاکھ بھیج دیتی ہوا سے کوئی قرض نہیں اترے گا۔ نجانے کتنے سال لگ جائے قرض اترنے میں اور تم تو صرف دو سال کے لیے گئی ہو بھلا کیسے اترے گا قرض؟ ہم کب تک زندہ رہے گے پھر کیا کرو گی؟ لوگ گدھ ہوتے ہیں اکیلی لڑکی کو کھا جاتے ہیں، فضول باتیں بناتے ہیں۔ تو پھر گدھوں سے بہتر ایک لالچی مرد کا ساتھ نہیں ہے جو تمہیں کھائے گا تو نہیں۔"

"لالچی مرد بوٹی بوٹی کر کے، وقفے وقفے سے کھاتا ہے جبکہ گدھ مجھے ایک ہی دفعہ سے ہڑپ کر کے میری تکلیف ختم کر دیگا۔" مہروز دل گرفتہ لگ رہی تھی۔ آواز بھی گیلی سی تھی۔

"مہروز۔" سلیمان جان نے تڑپ کر اسے دیکھا تھا "کیا فضول باتیں کر رہی ہو؟ چپ کر جاؤ۔ اب تم نے کوئی زبردستی کی تو میں جرار کو بتا دونگی۔" سلیمان جان یاسمین کو جھڑکنے لگی تھی۔ انہیں یاسمین میں اپنا شوہر نظر آنے لگا تھا جو یونہی تکلیف دیا کرتے تھے اور احساس بھی نہیں کرتے تھے۔

"اگر آپ لوگوں نے انہیں کچھ بھی بتانے کی کوشش کی تو میں خودکشی کر لونگی۔" یاسمین کا لہجہ اتنا اٹل تھا کہ مہروز کا دل کانپ گیا تھا۔

سلیمان جان تو لاجواب ہو کر یاسمین کا نیا روپ دیکھ رہی تھی۔

"میں نے تمہیں آگاہ کر دیا ہے۔ مجھے بھی تمہاری شادی کی جلدی ہے اور انہیں بھی۔ میں انہیں ہاں کر دونگی، جیسے ہی شادی کی تاریخ طے ہو گی تم آجانا۔ نا آئی تو میرے جنازے پر بھی مت آنا۔" وہ لہجے کو حتیٰ الامکان سخت بنائے اپنا حکم سنا کر سرخ نشان پر انگلی رکھ چکی تھی۔

وہ فون بیڈ پر رکھتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ وہ کب تک دل کو پتھر رکھ کر مہروز کے آنسو دیکھ سکتی تھی۔

"یاسمین کیا قرض والی بات درست ہے؟" سلیمان جان کو ہول اٹھ رہے تھے۔

"آپ خاموش رہے گی۔"

"کیا کر رہی ہو تم؟ خود بھی رو رہی ہو اس کو بھی رلا رہی ہو۔" سلیمان جان نے یاسمین کے گود میں رکھے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھے تھے۔

"اسی لیے تو رو رہی ہوں کہ وہ بھی رو رہی ہو گی۔ اسے تکلیف ہو رہی ہو گی مگر مجھے بھی تو ہو رہی ہے۔ میں اسی لیے اس پر سختی کر رہی ہوں کہ اس کا اچھا سوچ رہی ہوں۔ وہ سوچ رہی ہوں جو اس وقت اسے سمجھ نہیں آرہا کیونکہ وہ جوان ہے، صحت مند ہے۔ کل کو یہ جوانی نہیں رہے گی تو کون ہو گا اس کے پاس؟ آپ بیمار پڑتی ہیں تو جرار آپ کو اسپتال لے جاتا

ہے، آپ اس عمر میں اکیلی نہیں ہیں مگر اس کو کون اسپتال لے کر جائے گا؟ اس کے پاس کون ہو گا؟ آج رو رہی ہے نا کل خود ہی میری بات اسے سمجھ آجائے گی۔" انہوں نے آنسو پونچھ کر خود کو زیادہ تسلی دی تھی "اسے میری بات سمجھ آجائے گی۔"

وہ دونوں ایک شخص کو یکسر بھولے رو رہے تھے، گلہ کر رہے تھے، چپ رہنے کا وعدہ لے رہے تھے مگر وہ شخص لاؤنج میں بیٹھا ماں بیٹی کی ساری گفتگو سن چکا تھا۔ حسیب سب سن چکا تھا۔

--☆☆☆--

فون بند تو ہو چکا تھا مگر اس کے آنسو نہیں تھم رہے تھے۔

ٹھنڈ آج پھر بہت زیادہ پڑ رہی تھی۔

وہ کمرے کی لائٹس آف کر کے کمبل اوڑھ کر، گھٹنے سینے سے لگا کر لیٹ چکی تھی پر نیند آنکھوں سے دور تھی۔

کڑاہی آدھی سے زیادہ بچ چکی تھی۔ نان پڑے پڑے ٹھنڈے ہو کر اکڑ چکے تھے۔

اس کا دماغ بس ماں کی باتوں میں ہی الجھ گیا تھا۔ اتنی تکلیف اسے اپنی ریجیکشن پر نہیں ہوئی تھی جتنا ماں کے الفاظ نے دی تھی۔

تو وہ ان کے نصیب نہیں بدل سکی تھی۔۔۔ وہ بدقسمت تھی اور ماں باپ کے لیے بھی تکلیف کا باعث بنی تھی۔ یاسمین کی اولاد یاسمین اور جرار کے لیے تکلیف کا باعث ہی بنتے اسی لیے ان کی سات اولادوں کو اللہ نے واپس لے لیا تھا پھر مہروز کو کیوں زندہ رہ جانے دیا؟ کیونکہ انسان کو اللہ کی مصلحت سمجھ نہیں آتی، وہ اپنی کمی پر روتا ہے اور جب کمی پوری ہو جاتی ہے تو پتا لگتا ہے کہ نا ہی پوری ہوئی ہوتی تو بہتر تھا۔ اسے اللہ سے گلہ آیا تھا۔ کیا تھا جو وہ بھی ان سات بچوں کی طرح مردہ پیدا ہو جاتی۔ پیدا ہوئی بھی تو ایک امتحان بن کر جس کو اس کے ماں باپ پاس نہیں کر پا رہے تھے۔ اس کا وجود کتنا بھاری تھا کہ اس کے ماں باپ کسی اور پر یہ بوجھ ڈالنا چاہتے تھے اور وہ یہ بوجھ لینا نہیں چاہتے تھے۔ اسے خود سے نفرت محسوس ہو رہی تھی جو اتنی ان چاہی تھی۔ کسی کو اس کا وجود نظر نہیں آ رہا تھا بلکہ اس کے ساتھ جڑا یورپ نظر آ رہا تھا۔۔ تو اس کے پاس کچھ نہیں ہو گا اور لوگ اسے پوچھے گے بھی نہیں؟ اس کی اپنی کیا اہمیت تھی؟ کچھ بھی نہیں۔

اس نے ساری رات روتے، سوتے، جاگتے گزار لی تھی۔

صبح سات بجے ہی وہ کمبل پھینکتے اٹھ گئی تھی۔منہ پر پانی کی چھینٹے مار کر معمول کے مطابق پودوں کو پانی اور چڑیا کو دانہ ڈال کر وہ آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔اس کا چہرہ از حد سنجیدہ تھا۔اس کی روئی روئی سوجھی ہوئی آنکھیں، سرخ ناک اور پھولے ہونٹ صاف بتا رہے تھے کہ وہ بس روتی ہی رہی ہے۔اسے واپس فرینکفرٹ جانا تھا۔وہ اب اس شخص کی آنکھوں میں تیس منٹ کیا تین گھنٹے بھی گھور سکتی تھی۔وہ یہ جاب حاصل کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتی تھی۔

بالوں کو جوڑے میں باندھ کر اس نے سفید ٹوپی پہن لی تھی۔وہ عموماً سادہ ہی رہتی تھی مگر آج آنکھوں کی سرخی چھپانے کے لیے اس نے آنکھوں کے نیچے کنسیلر لگا لیا تھا۔ہونٹوں پر پنک رنگ کا لپ گلاس لگانے پر بھی اسے اپنے اندر کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہوئی تھی۔اسے اپنے آپ سے مزید نفرت ہو رہی تھی۔نا اسے اچھی شکل ملی تھا نا اسکن۔اس نے نفرت سے اپنے چہرے کے کالے تلوں کو دیکھتے ہوئے آنکھیں پھیر لی تھی۔اسے ہر چیز سے نفرت ہو رہی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

کالے رنگ کی گھٹنوں تک آتی شرٹ پر گرم کوٹ پہنے وہ اپنا بیگ لیے بورڈنگ ہاؤس سے باہر نکل آئی تھی۔اسے بھوک کا بھی احساس نہیں تھا۔وہ اوٹو کو میسج کر کے فرینکفرٹ کی طرف جاتی پہلی ٹرین میں سوار ہو چکی تھی۔

فرینکفرٹ میں بادل بس برسنے کو تھے۔گورے لوگ ہنستے مسکراتے، منہ سے بھاپ نکالتے آپس میں محو گفتگو گاڑیوں میں بیٹھ رہے تھے، بس میں چڑھ رہے تھے، اسائیکلوں پر جارہے تھے۔وہ ان سب پر نفرت بھری نگاہ ڈال کر Skilities میں داخل ہو چکی تھی۔

"میں اس پوزیشن کے لیے دوبارہ انٹرویو دینے آئی ہوں۔"اس نے ریسیپشن ڈیسک پر جاتے ہی اتنے خشک لہجے میں سوال کیا تھا کہ ریسیپشن پر بیٹھی لڑکی اسے چند ثانیے دیکھتی رہی۔جیسے وہ اسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔

آج وہ اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔

"اسپیچ رائیٹنگ کے لیے۔"مہروز نے وضاحت دیتے ہوئے کہا تھا۔

لڑکی سر ہلا کر فون کان سے لگا چکی تھی اور چند لمحے بعد اسے ففتھ فلور پر جانے کو کہا تھا۔

مہروز ایک لمحے کی بھی تاخیر کیے دیوار کی طرف بڑھی تھی۔ دیوار سرک کر لفٹ بن گئی تھی۔ وہ ففتھ فلور پر پہنچتے ہی سامنے سفید دروازے پر پہنچ گئی تھی۔ اپنا نام لیتے ہی وہ اندر داخل ہو گئی تھی۔

میز کے دوسری طرف کرسی کھڑکی کی طرف ایسے مڑی ہوئی تھی کہ اس پر بیٹھے شخص کا نیم رخ واضع تھا۔ اس نے اولیو گرین رنگ کی اونی ٹوپی ماتھے تک کھینچ کر پہن رکھی تھی۔ وہ کیسا دکھ رہا تھا کیا پہنا تھا اس سے مہروز کا کوئی لینا دینا نہیں تھا۔

"میں تیس منٹ تک آپ کی آنکھوں میں گھورنے کو تیار ہوں۔"

کھڑکیوں پر بارش کی بوندیں پڑنا شروع ہو گئی تھی۔ بادلوں کی وجہ سے پھیلا اندھیرا کمرے میں بھی پھیل رہا تھا۔

"بیٹھ جائے۔"

مہروز گہرا سانس لے کر کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی تھی اور دونوں کہنیاں میز پر رکھتے ہوئے خود کو تیار کر رہی تھی۔ اس کی سوجھی ہوئی آنکھوں میں رونے کے باعث جلن ہو رہی تھی مگر اسے پرواہ نہیں تھی۔ اس وقت جیسے سارے احساسات جامد تھے۔

"یہ نوٹ پیڈ اور پین اٹھا لے۔"

مہروز نے نا سمجھی سے اسے دیکھا اور پھر میز پر دائیں طرف رکھے نوٹ پیڈ اور پین کو دیکھا تھا۔ مہروز نے ہاتھ بڑھا کر پین اور نوٹ پیڈ اٹھا لیا تھا۔

"ایک سو پچاس الفاظ کی inauguration speech اسپیچ لکھے۔ سمجھے آج اس کمپنی کا افتتاح ہے تو سی ای او کیا کہے گا۔ آپ چاہے تو لکھنے کے لیے تیس منٹ لے سکتی ہیں۔"

مہروز دم سادھے ساری بات سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پہلے آنکھوں میں دیکھنے کا کہا تھا اور آج اتنا سو بررو یہ کہ چہرہ موڑ کر اسے دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔ وہ اسپیچ لکھنے کے لیے تیار نہیں تھی مگر اسے لکھنی تو تھی۔

وہ انگلیوں کو چٹخا کر آنکھیں بند کر کے خود کو حواسوں میں لا رہی تھی۔ بارش کی برسنے کی آواز اسے کان میں پڑتی بھلی لگ رہی تھی۔ اس نے آہستہ سے آنکھیں کھولی تھی تو وہ پر سکون محسوس کر رہی تھی۔

پین اٹھا کر وہ کافی دیر سوچتی رہی۔ کبھی اپنے دائیں ہاتھ پشت پر نکلے کالے تلو کو دیکھتی۔ بلٹ پوائنٹس لکھتی رہی اور کبھی کبھار سر اٹھا کر اس شخص کو بھی دیکھ لیتی جس کا دایاں رخ مہروز کی طرف تھا جو خاموش بیٹھا تھا جیسے بس سانس لے رہا ہو۔

مہروز نے اگلہ صفحہ نکالتے ہوئے ذہن میں اکٹھے کیے تمام پوائنٹس یکجا کر کے ایک سو پچاس الفاظ لکھ ڈالے تھے اور نوٹ پیڈ اس شخص کی طرف بڑھایا تھا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر نوٹ پیڈ اٹھالیا تھا اور کچھ ہی دیر میں نوٹ پیڈ واپس میز پر رکھ دیا تھا۔

"فری برگ میں پڑھتی ہیں اور رہائش بھی وہی ہے۔"

"جی۔"

بارش تھم رہی تھی۔ کمرے کی خاموشی گہری ہو رہی تھی۔

"تو یہاں کیسے رہے گی؟ آپ کی پڑھائی کا حرج نہیں ہو گا ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف ٹریول کرتے ہوئے؟"

"میں رہائش ڈھونڈ لو نگی اور میں مینج بھی کر لو نگی۔" مہروز واہمات کا شکار ہو رہی تھی کہ کہیں جاب سے انکار نا ہو جائے۔ جلد قرض اتارنے کا یہی واحد حل تھا کہ وہ یہاں جاب کرے۔

"سب پہلے پہل یہی کہتے ہیں کہ مینج ہو جائے گا۔ بہر حال 'جاب' اسمپل ہے۔ آپ کو اپنے سی ای او کے لیے اسپیچز لکھنی ہو نگی۔ آپ کو اس کمپنی کے لیے کانٹینٹ رائٹنگ کرنی ہو نگی۔ آپ کو ٹرین کر دیا جائے گا۔ ہر ایونٹ کا اسپیچ آپ لکھے گی۔ کون سی تقریر پہلے ہو گی، کتنے وقت کی ہو گی، وہ آپ دیکھے گی۔"

مہروز کے دل پر پڑا بوجھ ہلکا سا سر کا تھا۔

"آپ کو بس تین دن جمعرات، جمعہ اور ہفتہ کام پر آنا ہو گا۔ رہائش بھی تین دن کی مل جائے گی۔ اوور ٹائم بھی مگر۔۔۔"

مگر پر مہروز کا سانس رک گیا تھا۔ وہ کھل کر خوش بھی نہیں ہو پا رہی تھی۔

"آپ اپنے کام کے ساتھ لائل رہے گی۔ مجھے دیر سے آنے والے اور کام کو سیریس نا لینے والے لوگ پسند نہیں ہیں۔ آپ کی الیگل ایکٹیویٹیز یا کسی بھی حرکت سے کمپنی کو پہنچنے والے نقصان پر نا صرف جاب سے نکالا جائے گا بلکہ آپ کو پچھلی تنخواہیں بھی واپس کرنی ہو نگی۔"

مہروز کو لگا تھا یہی جاب اس کے تمام مسائل کا حل ہے مگر یہ تو سب سے زیادہ مشکل اور تکلیف دہ جاب تھی۔ اسے سینت سینت کر قدم رکھنے تھے۔ اس کی ہلکی سی غلطی اس کے

لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی۔ قرض اتارنے کے بجائے ہلکی سی غلطی اس کا قرض ڈبل کر سکتی تھی۔ اس کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔

"منظور ہے؟" اس شخص نے گھمبیر آواز میں پوچھا تھا۔

"میری طرف سے کوئی شکایت نہیں ملے گی۔" مہروز نے بجھے دل کے ساتھ کہا تھا۔ اس کی آواز میں جاب ملنے کی کوئی خوشی نہیں تھی۔

"آپ ریسیپشن پر جائے۔"

اس نے کہتے ہی کرسی کھڑکی کی طرف موڑلی تھی جیسے کہا ہو کہ وہ جاسکتی ہے۔

مہروز مرے مرے قدم اٹھاتی بہت ساری سوچیں لیے کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ وہ اسی کشمکش میں ریسیپشن تک آگئی تھی کہ اسے یہ جاب کرنی بھی چاہیے جس کے شرائط اتنے کڑے تھے۔ اسے جاب سے نکالے جانے کا غم نہیں تھا، خوف تنخواہ واپس کرنے کا تھا۔ اپنی قسمت کا کچھ پتا نہیں ہوتا مگر ایسی کوئی غلطی ہو گئی جس کی کوئی معافی نا ہوئی تو وہ پیسے کیسے واپس کرے گی۔ وہ پیسے جوڑنے کے لیے یہ جاب کرنا چاہتی تھی نا کہ لوٹانے کے لیے۔ وہ ریسیپشن پر کتنے ہی دیر خاموش کھڑی رہی۔ ریسیشپن پر بیٹھی لڑکی بھی اسے گم سم کھڑا

دیکھتی رہی۔ بہت وقت بعد اس نے یہ رزک لے لیا تھا۔ اسے کام چاہیے تھا، اس نے خود کو چیلنج کیا تھا۔ اسے بابا کا قرض واپس کرنا تھا اور قرض واپس کرنے والے غیر سنجیدہ نہیں ہوتے۔ جنہیں احساس ہوتا ہے کہ پیسہ کمانا کتنا تکلیف دہ پراسیس ہوتا ہے وہ پیسے کو لوٹاتے ہوئے بہت سوچتے ہیں۔ اپنی جاب سے متعلق ضروری معلومات لے کر وہ بلڈنگ سے باہر آگئی تھی۔

ایک تیز ہوا کے ٹھنڈے جھونکے نے اسے ٹھٹھرنے پر مجبور کیا تھا۔ اسے پہلی دفعہ بھوک کا احساس ہوا تھا۔ وہ ہلکا سا مسکرائی بھی تھی۔ اس نے رونا اور ہنسنا ساتھ ہی سیکھا تھا۔

وہ فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے گوگل سے نزدیکی ریسٹورنٹس کے بارے میں جان رہی تھی اور ایک قریبی بیکری کا پتا لیتے ہی وہ پندرہ منٹ کی مسافت طے کر کے بیکری میں داخل ہو گئی تھی۔ موسم ایسا ٹھنڈا تھا کہ اس کا دل چاہا وہ چائے پی لے مگر اسے معلوم نہیں تھا کہ یہاں چائے دستیاب کہاں ہو گی اور وہ دودھ پتی ہو گی کہ نہیں۔ اسے حلال فوڈ کا مسئلہ رہتا تھا اسی لیے بیکری سے چھوٹا سا ٹی کیک لے کر وہ کھاتے ہوئے باہر نکل آئی تھی اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نے اس کا استقبال ایک بار پھر کیا تھا۔

وہ سردی سے بجتے دانت لیے ٹرین میں بیٹھ گئی تھی۔اسے اپنی نئی جاب پر اگلے ہفتے کی جمعرات سے آنا تھا۔وہ ٹرین کی آرام دہ سیٹ سے سر ٹکائے سو چکی تھی۔ساری رات کی جاگی آنکھیں اب جا کر بند ہوئی تھی اور غلط جگہ ہوئی تھی۔اس کی آنکھ تب کھلی تھی جب کوئی بچہ ماں کی شرٹ کا پلو پکڑے رو رہا تھا۔مہروز دونوں آنکھوں کو کسلمندی سے مسلتے ہوئے سیدھی بیٹھ گئی تھی۔اس نے ٹرین کی کھڑکی سے جھانکا تھا جہاں مغرب کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔اس کے حواس یک دم جاگ گئے تھے۔وہ کہاں تھی؟اسے باہر لہلہاتے کھیت نظر آرہے تھے۔

اس کا دل خوف سے ڈوبا تھا۔اسے ہمیشہ یہ خواب آیا کرتا تھا کہ اس کی یونی کی بس چھوٹ گئی ہے اور وہ اکیلے لاہور کی سڑکوں پر گھوم گھوم کر کھو چکی ہے یہ تو پھر جرمنی تھا اور حقیقت تھی۔

اس نے ارد گرد گردن گھمائی تھی۔پسینجر سیٹیں خالی تھی تقریباً۔وہ اٹھ کر سیٹوں کے بیچ فاصلہ طے کرتی دروازے تک پہنچ گئی تھی اور اگلے کمپارٹمنٹ کا دروازہ کھول کر اندر داخل

ہو گئی تھی۔اتنی خاموش اور خالی ٹرین کو دیکھ کر اسے چکر آ گیا تھا۔وہ ایک ہی لمحے میں کیا کچھ سوچ بیٹھی تھی۔اس ماں سے کہا گیا اپنا جملہ شدت سے یاد آیا تھا۔

(لالچی مرد بوٹی بوٹی کر کے، وقفے وقفے سے کھاتا ہے جبکہ گدھ مجھے ایک ہی دفعہ سے ہڑپ کر کے میری تکلیف ختم کر دیگا۔)

گدھ !

لالچی مرد !

اس کے گرد لالچی مرد اور گدھ کے الفاظ گونج رہے تھے۔اسے اپنے ہی کہے گئے جملے کا شدت سے احساس ہوا تھا۔کبھی کبھی اپنے کہے الفاظ سامنے آتے ہیں تو ان الفاظ کی گہرائی کا شدت سے احساس ہوتا ہے کہ ان جملوں کے معانی اصل میں کتنے خوفناک ہوتے ہیں۔

(اللہ مجھے معاف کر دیں۔میری مدد فرما۔)اس نے شدت سے اللہ کو یاد کیا تھا۔وہ آگے بڑھ رہی تھی کہ اپنی پشت پر کسی کی آواز نے اسے روک لیا تھا۔

"آر یو لاسٹ؟"

مہروز نے گردن گھما کر سیٹ سے سر ٹکائے شہد رنگ آنکھوں والے لڑکے کو دیکھا تھا۔وہی آئی برو پر کٹ، چھوٹی چھوٹی بالوں کی چٹیاں کندھوں پر ڈالے ہوئے وہ زرد رنگ کے سویٹر میں ملبوس تھا۔وہ جیسے فرصت سے بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔

مہروز کا کب کا رکا سانس بحال ہوا تھا۔تو وہ ٹرین میں اکیلی نہیں تھی۔

"وہ۔۔۔میری آنکھ لگ گئی تھی۔"

"بہت گہری نیند تھی آپ کی۔"

"آپ مجھے فالو کر رہے تھے؟"

فالو کے لفظ پر اس کی شہد رنگ آنکھوں میں تحیر ابھر آیا تھا۔پہلے سوال اور پھر حیرانی در آئی تھی۔

"مطلب اپنی کمپنی سے۔جب آپ نے میرا انٹرویو لیا۔"مہروز نے مزید وضاحت کر دی تھی۔

اس کی شہد رنگ آنکھوں کو جواب مل گیا تھا۔وہ ہلکا سا مسکرایا تھااور سیٹ سے اٹھ کر دوروز کے بیچ بنے فاصلے میں عین اس کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔وہ مہروز سے قد میں لمبا تھا،وجیہہ تھا۔

"میں نے انٹرویو لیا۔"اس نے جیسے خود کلامی کی۔

"تو پھر میں نے آنکھوں میں گھورنے والا چیلنج کیوں نہیں دیا؟"وہ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے بہت فرصت سے کھڑا ہو گیا تھا۔

"مجھے نہیں پتا۔پلیز آپ یہ بتا دے کہ اس وقت ٹرین کہاں ہیں؟"مہروز کوفت کا شکار ہونے لگی تھی۔

"فرینکفرٹ سے زرا دور۔"

مہروز کا دماغ بھک سے اڑا تھا۔اس نے فوراً سے کوٹ کی اندرونی جیب سے فون نکال کر ٹائم دیکھا تھا،رات کے ساڑھے سات بج رہے تھے۔مہروز کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی پھیل گئی تھی۔اس نے خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھا تھا جو مہروز کو ہی دیکھ رہا تھا۔

"یہ فری برگ کس وقت جائے گی؟"اس کے ہونٹ کپکپائے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"صبح سات بجے۔"

اس نے اس طرح سے مسکرا کر جواب دیا تھا کہ مہروز کے چہرے کی ہوائیاں اڑ گئی تھی۔اس کا خواب سچ ہوا تھا۔

وہ اکیلی تھی اور گم ہو چکی تھی۔

--☆☆☆--

عشاء کی نماز ادا کر کے یاسمین دعا کے لیے ہاتھ اٹھا چکی تھی۔ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ان کا دل بیٹھ رہا تھا۔بیٹی کو رلا کر وہ کونسا سو پائی تھی۔کتنی بار سوچا تھا کہ حسیب کو بلا کر اسے فون کر دے مگر پھر خود کو خود ہی روک لیتی مبادا بیٹی کی آنکھوں میں ویرانی دیکھ کر ارادہ ہی نا بدل ڈالے۔جو بھی کر رہی ہوں اپنی بیٹی کے لیے کر رہی ہوں۔وہ کتنی بار یہی سوچ کر خود کو تسلی دے چکی تھی۔

"بہت لمبی نماز ہو گئی ہے آپ کی۔"جرار صوفے پر بیٹھتے ہوئے بیوی کی پشت دیکھنے لگے تھے۔

یاسمین جائے نماز اٹھاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"میری مناجات بھی تو بہت ہیں۔دعائیں بہت ہیں۔"

"اور یقین ہے کہ جس کے سامنے ہاتھ پھیلا رہی ہو وہ دے گا؟" جرار بیوی کو دیکھ رہے تھے جو جائے نماز تہہ کر کے اب بیڈ کے سامنے والے میز پر رکھ رہی تھیں۔

"اس سے حوصلہ مانگ رہی تھی۔"

"تو پھر کیوں دل ہار بیٹھی؟ کیوں بے بے اور مہروز جان کو قرض کا بتایا؟"

"آپ سے کس نے کہا؟" وہ جھٹکے سے مڑی تھی۔

"جس نے بھی کہا ہو، یاسمین تم میرا چھوٹا سا راز نہ رکھ سکی۔"

"بے بے نے بتایا آپ کو؟"

"نہیں۔یہ ضروری نہیں ہے یاسمین کہ کس نے بتایا۔ضروری یہ ہے کہ تم نے اعتبار توڑا۔مہروز دور اکیلی بیٹھی ہے۔وہ کیسے پیسے جوڑ کر مجھے بھیجتی ہے یہ مجھے پتا ہے۔میں کماتا ہوں نا جانتا ہوں کہ پیسے کمانا کتنا مشکل کام ہے اور تم نے اس کو بتا کر اس کے بوجھ میں اضافہ کیا ہے۔وہ حساس بچی ہے۔" جرار جیسے ضبط سے کام لے رہے تھے۔

Clubb of Quality Content

"تو نا جاتی باہر۔اس کی اپنی ضد تھی نا۔" یاسمین جیسے اپنی وعدہ خلافی پر ہرگز شرمندہ نہیں تھی۔

"چلو یہ بھی معاف کیا۔تم اس کے ساتھ کرنے کیا جا رہی ہو؟اس کا رشتہ زبردستی طے کر رہی ہو۔"

یاسمین جو چہرے کے گرد ڈوپٹہ ڈھیلا کر رہی تھی یک دم ان کے ہاتھ ڈھیلے پڑے تھے۔

"کس سے پوچھ کر کر رہی تھی یہ سب؟"

یاسمین نے آہستہ سے ڈوپٹہ ڈھیلا کیا تھا اور چلتے ہوئے بیڈ پر عین ان کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔یہ کوئی اور ہی یاسمین تھی جو اپنا کہا ہر حال میں نبھانا جانتی تھی۔

"مجھے اس کی ماں کی حیثیت سے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔جہاں بہتر سمجھو گی اس کی بات طے کرو گی۔میں آپ کی طرح اس کی بیوقوفیوں کا ساتھ نہیں دونگی۔میں اسے فرح نہیں بننے دونگی۔"

"یاسمین۔" جرار نے سیدھے ہاتھ کی مٹھی بھینچ کر ضبط کیا تھا۔

"آپ اونچی آواز نکال لیں مگر اولاد کے معاملے میں ماں کسی سے نہیں ڈرتی۔"

"میں کسی نہیں اس کا باپ ہوں۔ اتنی ہی محبت کرتا ہوں اس سے جتنی تم کرتی ہو۔ میرا خون ہے وہ۔"

"تو کیوں خاموش، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے ہیں؟ وہ جو کہتی جاتی ہے آپ مانتے جاتے ہیں۔ وہ بیوقوف ہے جو بس ایک ہی بات لے کر بیٹھ گئی ہے۔ میں بیوقوف نہیں ہوں۔ اگر آپ لوگ فرح کی نا مانتے تو آج بے بے فرح کی جدائی میں دل کی مریضہ نا بنتی۔ آج بے بے اپنی بیٹی سے یوں الگ نا ہوتی۔ میں سلیمان جان نہیں بننا چاہتی۔ مہروز باہر گئی ہے اور باہر جانے والے کم ہی واپس آتے ہیں۔ اگر اسے باہر ہی رہنا تو پھر نکاح کر کے رہے۔" یاسمین کڑے تیوروں کے ساتھ جرار کو دیکھ رہی تھی۔

"میری بیٹی فرح نہیں ہے نا ہی اس کا باپ فرح کے باپ جیسا ہے۔ تمہاری عقل پر پردے پڑے ہیں میری عقل پر نہیں۔ تمہیں نظر نہیں آ رہا کہ جس عورت نے اب تک مہروز کی شکل نہیں دیکھی، اس سے ملی نہیں وہ یکایک ہماری بیٹی میں کیسے دلچسپی لینے لگی صرف اس لیے کہ وہ باہر پڑھ رہی ہے۔ صرف اس لیے کہ ان کے لڑکے کو باہر سیٹل ہونا ہے اور مہروز سے نکاح کر کے وہ بآسانی باہر جا سکے گا۔ تم اپنی بیٹی کے لیے مخلص رشتہ دیکھنے کے بجائے

لالچی لوگ دیکھ رہی ہو۔وہ لوگ تو عمر کا فرق بھی نہیں دیکھ رہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے کہ وہ لوگ مہروز کی چاہ میں یہ رشتہ کر رہے ہیں؟"

"جو بھی کر رہے ہو جیسے بھی ہو جب نکاح ہو گا تو خود بہ خود عزت کا رشتہ بھی بن جائے گا۔اتنا بے غیرت تو نہیں ہو گا نا کہ اپنی بیوی کو بیچ دے۔"

"بس خاموش ہو جاؤ۔" جرار حتی الامکان خود کو چیخنے سے روک رہے تھے "میری بیٹی اس رشتے سے خوش نہیں ہے تو میں یہ ہونے نہیں دونگا۔میں جانتا ہو وہ کتنا روئی ہو گی۔"

"میں اس کی دشمن نہیں ہوں۔اسی کے لیے کر رہی ہوں۔آج نہیں تو کل کسی سے تو اس نے شادی کرنی ہی ہے۔جب کل وہ تیس پینتیس کی ہو جائے گی تو کونسا اس کو کنوارہ رشتہ مل جائے گا۔ہمارے یہاں مردوں کی عمر نہیں عورت کی عمر گنی جاتی ہے۔مرد شادی شدہ ہوتے ہوئے بھی دوسری شادی کے لیے کنواری لڑکی ڈھونڈے گا مگر تیس، پینتیس سال کی کنواری لڑکی کو کنوارا مرد نہیں ملتا۔جب کل بھی اس نے کوئی بے جوڑ رشتہ ہی باندھنا ہے تو آج کیوں نا ہو۔کم از کم دونوں کنوارے اور جوان تو ہیں۔"

"کیا مہروز نے دل سے ہاں کی ہے؟"

یاسمین کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔

"جواب دو۔"

یاسمین انگلیاں باہم پیوست کرتے ہوئے نظریں چرا کر بولی تھی "ہاں مان گئی ہے وہ۔"

"مانی نہیں۔اس سے زبردستی ہاں کروائی گئی ہے۔"

"وہ اکیلی رہ جائے گی۔" یاسمین نے ہار مان لی تھی۔ان کا گلہ رندھ گیا تھا۔ان کی آنکھوں میں لجاجت تھی۔

جرار کا دل یک دم پسیج گیا تھا۔وہ مجبور ماں کو روتا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔

"یاسمین ہم دونوں اپنی بیٹی کی محبت میں مجبور ہیں۔تمہاری محبت شدت لیے ہوئے اور میں ساکن ہوں۔میں اس کی ہاں میں خوش ہوں اور تم اس پر اپنی مرضی مسلط کر کے خود کو خوش رہنے کی تسلی دے رہی ہو۔میں اس میں جیتا ہوں اور وہ تم میں جیتی ہے۔میں اس کے احساسات کو ایسے محسوس کرتا ہوں جیسے میں ہی مہروز ہوں۔تم اس کے احساسات کو سمجھتے ہوئے وہ کر رہی ہو جو تمہیں بہتر لگ رہا ہے۔میں جانتا ہوں کہ تمہیں اس کا مستقبل کھائے جا رہا ہے مگر جو مستقبل ہم نے دیکھا ہی نہیں اس کے لیے پریشان بھی کیوں ہو۔" وہ اب نرم لہجے

میں بات کر رہے تھے "یاسمین مجھے لگتا تھا میں کبھی خوش نہیں ہو پاؤ گا، مجھے لگتا تھا میرا باپ ہمیشہ بس ہمیں اذیت دیتا رہے گا، ہمیں خاندان والوں کے سامنے ذلیل کرتا رہے گا۔ مگر میرا کل میرے ماضی جیسا نہیں تھا۔ جب اللہ نے پتھر کے نیچے پڑی ایک چیونٹی کے رزق کا بھی وعدہ کیا ہے پھر ہم مستقبل کے لیے پریشان کیوں ہو؟ میں جانتا ہوں مہروز اس وقت کس تکلیف میں ہو گی۔ ہم دونوں باپ بیٹی پر رحم کرو۔"

وہ تھکے تھکے سے لگ رہے تھے۔

یاسمین بھی گہرا سانس لے کر جیسے تھک سی گئی تھی۔ دائیں گھٹنے پر دایاں ہاتھ رکھ کر وہ سر جھکا چکی تھی۔

ان کا دل بھی بوجھل تھا۔

پورے کمرے کی فضا ہی بوجھل اور بھاری تھی۔ اس کمرے نے بہت سے آنسو اپنے اندر جذب کیے تھے اور ابھی وہ خاموشی سے بہنے والے آنسو پی رہی تھی۔

--☆☆☆--

"صبح سات بجے۔" مہروز نے دہرایا تھا۔

وہ جامد کھڑی رہ گئی تھی۔ کہاں پھنس گئی تھی؟

"البتہ جہاں آپ جانا چاہتی ہیں وہاں تک پہنچا دونگا میں۔"

"فری برگ جانا ہے۔" مہروز نے جیسے اس کی آدھی بات پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ اسے پوچھنا چاہیے تھا کہ 'جہاں' سے اس کی کیا مراد ہے مگر وہ اس قدر حواس باختہ تھی کہ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی۔

"ایک بس ہے جو فری برگ جائے گی پر دس بجے چلے گی۔"

"کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ آپ اسٹاپ بتادے۔"

"تو چلیے پھر۔"

وہ مسکرا کر کہتے ہوئے اس کے کندھے کے برابر سے گزر گیا تھا اور مہروز ننھے بچے کی طرف اس کی تقلید میں بڑھ گئی تھی۔ وہ دونوں اسٹیشن پر اتر گئے تھے۔

اسٹیشن کے دروازے سے باہر نکل کر وہ دونوں آگے پیچھے فٹ پاتھ پر چل رہے تھے۔

"اب تک آپ نے میرا نام نہیں پوچھا۔"

ان کے ارد گرد اندھیرا پھیل رہا تھا۔ سڑک سے اکا دکا گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ سڑک کے دونوں طرف درختوں کی جھنڈ کی وجہ سے سردی کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھی۔ یہاں سردی کی وجہ سے پڑنے والی دھند تھی لاہور جیسی آلودہ دھند نہیں تھی۔

"ہاں نام تو پوچھا ہی نہیں۔" اس نے جیسے خود کلامی میں کہا تھا۔

"میرا نام۔۔۔"

"داراک۔" مہروز نے فوراً اس کا نام لیا تھا۔

داراک رک کر مڑا تھا۔ اسے رکتا دیکھ کر مہروز بھی رکی تھی۔ اسے دھند میں اس کا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"ارے واہ۔ امپریسیو۔ میں اتنا مقبول ہوں۔" اس نے سویٹر جھٹکا تھا۔

"تمہیں دا لاسٹ راپنزل کہتے ہیں؟"

مہروز سردی کی وجہ سے کپکپاہٹ کا شکار ہو رہی تھی۔ اسے داراک کا رویہ عجیب لگ رہا تھا۔ وہ صبح سویرا اور ابھی اتنا ان فارمل کیوں تھا؟ جو بھی تھا اسے داراک کو برداشت کرنا تھا۔ وہ کمپنی کا سی ای او تھا اور ابھی اس کا گائیڈنگ اینجل۔

"پھر سے کہو دارا ک۔"

"پلیز، مجھے جل۔۔۔دی بس اسٹاپ تک پہنچا دے، پلیز۔" مہروز کپکپانے کی وجہ سے بول بھی نہیں پا رہی تھی۔ وہ سردی سے عاجز آکر اس کے قدموں میں بھی بیٹھنے کو تیار تھی۔

"او کے۔"

وہ پھر سے چلنے لگا تھا اور مہروز اس کے پیچھے پیچھے۔

"اگر میں سوتی رہ گئی تھی اور آپ ٹرین میں تھے اور مجھے دیکھ بھی لیا تھا تو جگایا کیوں نہیں؟" اسے دھند میں سہی سے نظر نہیں آرہا تھا۔ اس کے دانت سردی کی وجہ سے بج رہے تھے۔

"یہ پوچھا ناکام کا سوال۔" اس نے انگلیوں سے چٹکی بجائی تھی۔

"میں بھی اتفاق سے بالکل اتفاق سے اس ٹرین میں چڑھا۔ تمہیں سوتا دیکھا اور وہی بیٹھ گیا۔ تم تو ایسا سوئی کہ کئی دفعہ ٹرین فری برگ سے فرینکفرٹ اور پھر فری برگ ہونے کے بعد اپنے اسٹیشن جا پہنچی۔"

"آپ جگا دیتے۔"

"کیا آپ نے یہ کام مجھے سونپا تھا؟"

مہروز لاجواب ہو گئی تھی۔اسے صبح خود ترسی کی وجہ سے ٹھنڈ کا احساس نہیں تھا ورنہ گلوز اور ایک اور گرم سویٹر تو ضرور ہی پہنتی۔وہ کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ہاتھ گرم کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔وہ حتیٰ الامکان دانتوں سے آواز نہ نکالنے کی کوشش بھی کر رہی تھی۔

"مجھے کچھ نظر نہیں آرہا۔"

"ہاتھ پکڑ لو میرا۔"

"نہیں۔" مہروز نے دوٹوک انکار کر دیا تھا۔

"تو پھر میرا نام لیتی رہو۔ کھو داراک اور میں کھونگا دالاسٹ راپنزل۔ہم ایک دوسرے کی آواز سنے گے اور یوں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہونگے۔"

مہروز کو یہ آئیڈیا بہتر لگا تھا۔دھند میں وہ کانوں کا ہی سہارا لے سکتے تھے۔

"داراک۔"

"دا لاسٹ راپنزل۔"

"داراک۔"

"دا لاسٹ راپنزل۔"اس نے مہروز کا نام اوپر اکی صورت گاتے ہوئے لیا تھا"اب تم بھی اوپر اگاتے ہوئے میرا نام لو۔"

"داراک۔"مہروز نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی تھی۔

مگر دوسری طرف خاموشی رہی۔

"داراک۔"مہروز نے پھر اس کا نام لیا تھا مگر دوسری طرف خاموشی رہی۔

مہروز ایک ہی جگہ رک گئی تھی۔اس کا دل گھبرانے لگا تھا۔کچھ دیر پہلے جاگنے والا بھوک کا احساس ختم ہو گیا تھا۔اس کے جسم پر چیونٹیاں دوڑنے لگی تھی۔کہیں وہ کھو تو نہیں گیا تھا؟کہیں اسے بیچ راستے میں لا کر چھوڑ دیا ہو؟جان بوجھ کر غائب ہو گیا ہو۔

اس کا گلہ بھاری ہونے لگا تھا۔خوف کا احساس پہلے سے زیادہ غالب آ گیا تھا۔

"کہاں ہو؟میری آواز آ رہی ہے؟"وہ دھند میں دائیں بائیں ہاتھ مارنے لگی۔

"داراک۔" اس نے بھرے ہوئے گلے کے ساتھ اس کا نام لیا تھا۔

"مائی لاسٹ راپنزل۔" اسے اپنے کان کے نزدیک سرگوشی سنائی دی تھی۔

مہروز نے فوراً ہاتھ دھند میں مارتے ہوئے کسی کا سویٹر پکڑ لیا تھا۔

"تم ہو۔ "

"میں ہو۔ "

"جواب کیوں نہیں دے رہے تھے؟"

"تم سن کیوں نہیں رہی تھی؟"

"خدا کے لیے سردی بہت ہے، ہم یوں جگہ جگہ رک کر ٹائم برباد کر رہے ہیں۔ میں سردی میں جم جاؤ گی۔" وہ اس کے سویٹر کا کونہ پکڑے چلنے لگی تھی۔

"واقعی؟" اس کے لہجے میں اشتیاق تھا" تو میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں کہ ایک زندہ انسان سردی میں جمتے ہوئے کیسا لگتا ہے۔" اسے جیسے شرارت سوجھ رہی تھی وہ پھر چلتے چلتے رکا تھا۔

"یہ کیا مذاق ہے؟" وہ پھٹ پڑی تھی "ایک تو تم اجنبی ہو اور میں نے بھروسہ کر لیا اوپر سے تم مذاق اڑا رہے ہو، ہنس رہے ہو۔ میں برداشت کر رہی ہوں کیونکہ تمہاری کمپنی میں کام کرنا ہے اور اسٹاپ تک بھی پہنچنا ہے ورنہ میں کسی کی اتنی فضول باتیں برداشت نہیں کرتی۔ اور میں وارن کر دوں۔ اگر کہیں اور مجھے لے کر گئے تھے تو میں پولیس کو بلانے سے بھی نہیں گھبراؤں گی، یہ جو کمپنی ہے نا تمہاری ڈوب جائے گی۔" وہ اونچی اونچی آواز میں چلا رہی تھی۔ بہت زیادہ سردی اور بولنے کی وجہ سے وہ ہانپنے لگی تھی۔

"میں کوئی فضول آدمی نہیں ہوں۔ چلو اب۔" اس کے لہجے سے لگ رہا تھا جیسے اسے کچھ برا لگا ہے۔

کچھ راستہ خاموشی میں ہی کٹ گیا تھا جب دوبارہ اس کی زبان میں خارش ہوئی تھی۔

"ویسے تمہارے پاکستان میں کتنے بہن بھائی اور مائیں ہیں؟ وہاں تو بہت سی شادیوں کا رواج ہے نا؟ ویسے وہاں کی مرد اتنی شادیاں کیوں کرتے ہیں؟ بلکہ سوال بدل دیتا ہوں یہ خواتین ایک ہی مرد کی تیسری چوتھی بیوی کیوں بنتی ہیں؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"مزہ آتا ہے، شوق ہے ہمیں تیسری چوتھی بیویاں بننے کا۔اور تم باہر کے لوگ بس پاکستان میں عورت اور شادی کو لے کر ہی بیٹھے ہوئے ہو؟ کچھ اور نظر نہیں آتا بہت ساری شادیوں کے علاوہ۔۔۔ نہیں تم لوگ کیوں جیلس ہوتے ہو، تم لوگ بھی کرلو تین تین شادیاں۔"دا راک کو نظر نہیں آرہا تھا ورنہ مہروز نے ہاتھ نچا نچا کر اسے جواب دیا تھا۔اس کا پارہ شدید ہائی تھا۔

داراک کا قہقہہ بلند ہوا تھا اور وہ ہنستا ہی جارہا تھا۔مہروز نے اس کے سویٹر کا کونہ چھوڑ دیا تھا۔وہ وقفے وقفے سے ہنس رہا تھا۔

مہروز منہ بنائے اس کے پیچھے چلنے پر مجبور تھی جب دھند میں انہیں پیلی روشنیاں نظر آئی تھی۔اس کی سانس میں سانس آئی تھی۔

وہ اسٹیشن کے اندر داخل ہو چکے تھے اور دروازہ عبور کرتے ہی گرمائش کے احساس نے مہروز کے اعصاب ڈھیلے کر دیے تھے۔اسے لگ رہا تھا اس کے ہاتھ اکڑ رہے ہو۔اسٹیشن کی دیوار پر لگی کلاک کو دیکھ کر اس کا سانس بحال ہوا تھا۔ابھی نو بجے تھے۔اسٹیشن پر بہت کم لوگ بینچز پر بس کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔

ناول کلب
Clubb of Quality Content

وہ فوراً کاؤنٹر پر گئی تھی اور دس بجے بس کا پاس لے کر پلٹی تھی۔ دارا ک ستون سے ٹیک لگائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ مہروزا سے نظرانداز کرتی ساتھ شاپ میں گھس گئی تھی۔ وہ پانی کی بوتل، چاکلیٹس، کیکس اور بسکٹس اٹھا کر کاؤنٹر تک گئی تھی۔ اس نے خود کو ایسا بنالیا تھا جیسے وہ یہاں تک کسی کے ساتھ آئی ہی نہیں تھی۔

پیپر بیگ لیے وہ شاپ سے باہر نکل آئی تھی اور شاپ سے بائیں طرف بنے بینچ پر بیٹھ گئی تھی۔ اسے نمکین کی کریونگ ہو رہی تھی مگر وہ خود کو روکے پانی کی بوتل منہ سے لگا چکی تھی۔ اسی دوران وہ لڑکا اس سے فاصلہ رکھتے ہوئے اس کے دائیں طرف بیٹھ چکا تھا۔ مہروز نے غلطی سے بھی نظریں اس کی طرف نہیں موڑی تھی اور غٹا غٹ سارا پانی پی گئی تھی۔ وہ صبح کی پیاسی تھی۔ ہونٹوں کو سیدھے ہاتھ کی پشت سے خشک کرتے ہوئے اس نے گود میں پڑا پیپر بیگ دیکھا تھا جس سے چیزیں نکل کر اس کی گود میں پھیلی ہوئی تھی۔ دو کیکس میں سے ایک کیک اور چاکلیٹس میں سے ایک ایک فلیور کی چاکلیٹ غائب تھی۔

"آہ۔۔۔مزا آگیا۔" وہ انگلیاں چاٹ رہا تھا۔

مہروز نے جھٹکے سے گردن دائیں طرف موڑی تھی اور غضبناک نظروں سے اسے گھورنے لگی۔

"اپنے پیسوں سے خریدو۔شرم نہیں آئی لڑکی کے پیسوں سے میٹھا کھاتے ہوئے؟"مہروز کے گال غصے سے تپ رہے تھے۔

"یہ لڑکی وڑکی کیا ہوتا ہے؟یہاں یورپ میں سب ایکول ہیں۔لوگ اپنی گرل فرینڈز کے پیسوں کا ڈنر بھی کھالیتے ہیں۔"اس نے ڈھیٹ پن کی حد کردی تھی اور انگلی دانتوں میں پھیرتے ہوئے پھنسی ہوئی چاکلیٹ ہٹانے لگا۔

"میں تمہاری گرل فرینڈ نہیں ہوں۔"

"سہی ہے پر وہاں سے یہاں تک لایا کون؟یہاں کوئی کسی کی مدد نہیں کرتا یہ تو میری اچھائی ہے کہ مدد کرلی تمہاری ورنہ یہاں کی خواتین کسی صورت مردوں سے کم نہیں ہیں۔کہیں گم بھی ہو جائے تب بھی اپنی مدد آپ کے تحت راستہ ڈھونڈتی ہیں۔تم چونکہ اس ماحول کی نہیں ہو تو مدد کر ڈالی۔ایک کیک کیا کھالیا اتنا غضبناک ہو رہی ہو۔"ابرو اچکاتے ہوئے وہ جیسے اسے شرم دلا رہا تھا۔

وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھتے ہوئے شان بے نیازی کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔

مہروز لاجواب ہوتی میٹھے کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ وہ صبر کے گھونٹ بھرتی چہرہ بائیں طرف موڑے خاموشی سے کیکس اور چاکلیٹس کھاتی رہی۔ جوں جوں وہ کھاتی رہی اس کی توانائی بحال ہونا شروع ہو گئی تھی۔ وہ اس کی موجودگی میں غیر آرام دہ محسوس کر رہی تھی۔ وہ اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ اب کیوں بیٹھا ہے چلا کیوں نہیں جاتا مگر پھر اپنی سوچ کو خود ہی جھٹک دیتی۔

وہ مسلسل دایاں ٹانگ ہلاتے ہوئے گنگنا رہا تھا۔ opera سے rap اور راک میوزک تک وہ تمام گانے اونچی اونچی آواز میں گا چکا تھا اور مہروز کی آنکھیں بس گھڑی کے ڈجٹس پر تھی۔ آس پاس بینچز پر بیٹھے کچھ لوگ اونگھ رہے تھے اور کچھ چہرہ موڑے اس کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ ٹھیک دس بجنے سے پندرہ منٹ پہلے چمکتی ہوئی سرخ بس ٹرمینل کی پاس کھڑی ہو چکی تھی۔ لوگوں کو اٹھتا دیکھ کر وہ بھی اٹھ گئی تھی۔

"شکریہ۔" اس نے مڑ کر داراک کی شہد رنگ آنکھوں کو دیکھا تھا۔

وہ بینچ پر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں رکھے اٹھنے والا تھا کہ اس کا شکریہ سن کر تھم گیا تھا۔وہ بس کی طرف مڑی تھی اور بس میں چڑھنے تک اس نے واپس گردن نہیں موڑی تھی۔وہ بس میں چڑھ کر مطلوبہ سیٹ پر بھی بیٹھ گئی تھی مگر مڑ کر وہی بینچ پر مجسمہ ہو جانے والے دار اک کو نہیں دیکھا تھا۔

❀❀❀

سردی اس کی ہڈیوں تک گھس گئی تھی۔وہ بھوک اور بوجھل ہوتے دماغ کے ساتھ نڈھال ہو رہی تھی۔اس کی ناک سرخ ہو چکی تھی اور اب بہنا بھی شروع ہو گئی تھی۔وہ بستر میں گھسی ساری رات کہیں کھو رہی تھی۔۔۔سردی سے ٹھٹھر رہی تھی۔وہ جیسے وہی کہیں بس اسٹاپ میں، دھند میں کھو گئی تھی۔صبح اس کی آنکھ کھلی تو اس کے جسم میں شدید درد تھا۔اسے یک دم ایک پھر دو تین چھینکیں ایک ساتھ آئی تھی۔تکیے کے پاس رکھے اسٹول کو اٹھا کر وہ اس سے ناک پونچھنے لگی تھی۔اسے بخار محسوس ہو رہا تھا۔اس کے جسم میں درد کی ٹیسیں اٹھی تھی اور وہ واپس سر تکیے پر رکھ چکی تھی۔اس نے سر موڑ کر ساتھ والے بیڈ پر آڑھی ترچھی لیٹی پولینا کو دیکھا تھا۔

اسے جرمنی میں ہونے والا یہ پہلا بخار اور زکام تھا۔ وہ ہمت جمع کرتی اٹھی تھی اور کمبل ہٹا کر پولینا کی طرف بڑھی تھی۔

"پونا۔۔۔ پولینا۔" اس نے جھک کر پولینا کا کندھا ہلانا شروع کیا تھا۔

پولینا نے کسمسا کر نیند سے بوجھل آنکھیں کھول دی تھی اور خود پر جھکی مہروز کو دیکھ کر اٹھ بیٹھی تھی۔

"کہاں تھی کل تم؟ تم نے تو کبھی یوں سارا دن اور رات ہاسٹل سے باہر نہیں گزاری۔" وہ نیند سے بوجھل آواز میں بھی تشویش میں مبتلا ہوتی مہروز کا زرد چہرہ دیکھ رہی تھی۔

مہروز نے چہرہ موڑ کر تین چھینکے پھر ماری تھی۔

"فلو ہو گیا ہے۔" پولینا نے اٹھتے ہوئے کہا تھا اور ایک انگڑائی بھی لے ڈالی تھی۔

"مجھے بخار کی کوئی ٹیبلیٹ دے دو۔" اس کی آواز بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں کے پپوٹے سرخ ہو رہے تھے۔

پولینا نے اس کا گال چھوا تھا اور فوراً اسے ہاتھ پیچھے کھینچا تھا۔

Clubb of Quality Content

"کچھ کھایا ہے؟"

مہروز نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

وہ اسے بیڈ پر بٹھا کر چند ہی منٹوں میں بریڈ سلائسز اور دودھ لے آئی تھی۔ دو بریڈ کی سلائز بمشکل کھا کر مہروز نے گولی کھالی تھی اور واپس کمبل کھینچتے ہوئے لیٹ گئی تھی۔

پولینا نے کھڑکی سے پردے سرکائے تھے تو صبح کا اجالا کمرے میں داخل ہوا تھا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نا ہوئی تو ہم اسپتال چلے جائے گے۔"

"بس زارا سا آرام کر لوں تو ٹھیک ہو جاؤں گی۔ پلیز اوٹو کو بتا دینا کہ میں آج بھی نہیں آسکتی۔" وہ زکام زدہ آواز میں کہہ رہی تھی۔

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔" وہ بلانڈ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنے بیڈ پر واپس بیٹھ گئی تھی "کہاں تھی کل تم؟ اتنی دیر سے واپس کیوں آئی؟"

مہروز کی آنکھیں پٹ سے کھلی تھی۔ وہ پھر سے دھند کا سفر کرنے لگی تھی۔ بہت عجیب سی رات تھی کل کی۔۔۔ اس نے کبھی یوں اجنبی مرد پر بھروسہ نہیں کیا تھا۔ وہ اب تک ششدر تھی کہ کیسے بغیر ڈرے اس نے اس اجنبی پر بھروسہ کیا تھا۔

"میں فرینکفرٹ گئی تھی۔"

"یہ مجھے بھی پتا ہے۔"

"میں واپسی پر ٹرین میں سو گئی تھی۔اس وقت صبح کے شاید دن کے بارہ تھے۔"اس نے ہاتھ میں پکڑے ٹیشوز سے ناک پونچھ ڈالی تھی"اور میری آنکھ مغرب کے ساتھ کھلی تھی۔"

"واٹ؟"پولینا کی نیلی آنکھیں باہر کو نکل آئی تھی۔

"میں ڈر گئی تھی پولینا کہ نجانے میں کہاں آگئی۔پھر وہاں ایک اجنبی شخص پر بھروسہ کیا میں نے اور اس نے مجھے بس اسٹاپ تک پہنچایا۔میں بارہ بجے پہنچی واپس۔"اس نے ایک اور چھینک ماری تھی۔

"تمہارے پاس ٹیپ الرٹ ایپ ہے نا؟"

"ہاں لیکن ضرورت نہیں پڑی۔"

"تم کیسے کسی پر بھی بھروسہ کر سکتی ہو؟فرینکفرٹ میں رات کو ہوم لیس لوگ بہت سے لوگوں کو نقصان پہنچا چکے ہیں۔میں حیران ہوں۔"پولینا کو اب تک مہروز پر یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ ایسی بیوقوفی کر سکتی ہے۔

"میں بھی حیران ہوں۔" مہروز نے آہستہ آواز میں کہا تھا۔

کھڑکی پر بجنے والی دستک پر پولینا نے نگاہ اٹھا کر کبوتروں کو دیکھا تھا جو اپنی آمد سے آگاہ کرتے پھر پرواز کرنے لگے تھے۔

"تمہارے دوست کبوتر آئے ہیں۔" پولینا نے کھڑکی پر نظر جماتے ہوئے کہا تھا۔

"آج مجھ میں اٹھنے کی ہمت نہیں ہے۔" وہ نحیف سی آواز میں بولی تھی۔

"میں آج دانہ ڈال دیتی ہوں۔"

پولینا کہتے ہی اٹھی تھی اور مہروز کے میز پر پڑے دانوں کے بیگ کو اٹھانے لگی۔ مہروز پر آہستہ آہستہ غنودگی چھانے لگی تھی۔

وہ پھر درختوں کے جھنڈ، دھند اور دو شہد رنگ آنکھوں کو دیکھنے لگی پر اب وہاں دو بڑی آنکھیں اور بھی تھی۔۔۔اور وہ کالے رنگ کی تھیں۔

Clubb of Quality Content

پولینا بلانڈ بالوں کا نفیس سا جوڑا بنائے، سفید شرٹ پر بلیو ڈینم پہنے ہلکا میک اپ کیے پینٹنگ کی اگزبیشن پر گئی تھی۔ وہ یہاں تک دو نمبری کر کے گئی تھی۔ دو نمبری کام کرتے ہوئے اس نے بہت سے کانٹیکٹس بنائے تھے اور یہاں کا پاس بھی اس نے ایسے ہی حاصل کیا تھا۔

اس کی نظریں عبداللہ پر تھی جو بلیو جینز پر بلیک کوٹ پہنے' گھنگریالے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پینٹنگ دیکھنے میں مشغول تھا۔ وہ اس سے دو قدم کا فاصلہ رکھ کر پینٹنگز دیکھ رہی تھی۔ اس کی ساری توجہ کا مرکز وہ بڑی بڑی آنکھوں والا تھا۔

وہ کیوں اور کب اس میں انوالو ہو گئی تھی اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا۔ کیفے اور یونی کے بعد اس کا یہی مشغلہ تھا کہ وہ اسپتال جاتی۔ کبھی وہ اسے مل جاتا کبھی وہ خود کو چالاکی سے گم کر دیتا۔ وہ اس روز اسپتال کی ملاقات کے بعد اس سے براہ راست نہیں ملی تھی پر اس کے پیچھے پیچھے رہنے لگی تھی۔ اس پر نظر رکھنا اسے چھپ چھپ کر دیکھنا اسے اچھا لگ رہا تھا۔ کبھی کبھی تو اسے ایسا لگتا تھا جیسے وہ جانتا ہو اور اسے نظر انداز کر رہا ہو پر کبھی کبھی وہ بالکل لا علم، اپنے کام میں مگن لگتا تھا۔

وہ اس کی خاطر اپنا مذہب بھی بدلنے کو تیار تھی۔ وہ اس کے لیے کچھ بھی کر سکتی تھی۔

وہ مسکراتے ہوئے کسی فاتح کی طرح اس سے دو قدم کا فاصلہ رکھے اسے دیکھ رہی تھی اور وہ پینٹنگز دیکھتا اپنے دوست سے باتوں میں مشغول لگتا۔ وہ آگے بڑھتا تو یہ بھی آگے بڑھتی تھی کہ ایک خاتون کی میکسی پر پاؤں رکھتے وہ خود بھی گرتے گرتے بچی تھی اور خاتون کو بھی بچا لیا تھا۔ خاتون نے بہت سخت نگاہوں سے اسے گھورا تھا۔

"پینٹنگز دیکھنے کے ساتھ انسان ساتھ کھڑے انسان کو بھی دیکھ لیتا ہے۔" وہ درشتی سے کہتی آگے بڑھ گئی تھی۔

پولینا خجل سا ان کی پشت دیکھتے ہوئے سوری کہہ کر واپس مڑی تھی تو عبداللہ غائب تھا۔ وہ ستونوں کے بیچ سے گزرتی !پینٹنگز پر تبصرہ کرنے والے لوگوں کے بیچ جگہ بناتی اسے ڈھونڈ رہی تھی۔ اس کا دل ڈوبا تھا، کہیں وہ کھو تو نہیں گیا تھا یا اسے دیکھ کر وہاں سے جلدی چلا تو نہیں گیا تھا۔ وہ ایک ابسٹریکٹ پینٹ کے پاس کھڑی ادھر ادھر گردن گھما رہی تھی جب اس پینٹنگ میں دو بڑی آنکھوں کا عکس نظر آیا تھا۔

"مجھے ڈھونڈ رہی ہیں!"

پولینا تقریباً اچھل کر دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔اس کی بڑی کالی آنکھوں نے پولینا کا دل دھڑکا دیا تھا۔اسے یک دم شرمندگی ہونے لگی تھی۔وہ پکڑی گئی تھی۔

"میں پینٹنگز دیکھنے آئی ہوں۔" وہ نہ انکار کر سکی نہ اقرار۔

"تو اس پینٹنگ کی کہانی بتاؤ پھر؟"

پولینا خجل سا مسکرا کر پلٹی تھی اور رنگ برنگی تصویر کی کہانی سمجھنے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔وہاں صرف بہت سے رنگ تھے اور بس۔

"اس کی کہانی تو بنانے والے کو پتا ہوگی۔" پولینا نے مڑ کر عبداللہ کو دیکھا تھا جس نے جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے تھے۔

اس کے چہرے پر تاثرات ایسے تھے جیسے کہہ رہا ہوں کہ وہ اس سے اسی جواب کی توقع رکھتا تھا۔

"لوگ صرف اس لیے پینٹنگ نہیں خریدتے کہ اسے کسی نامور پینٹر نے پینٹ کیا ہے بلکہ اس کی پیچھے کہانی سمجھتے ہوئے'اس سے کچھ سیکھتے ہوئے یا کبھی کبھی اس میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے خرید لیتے ہیں تو پھر آپ کس نیت سے خریدنے آئی ہیں؟"

"کیا یہاں سب صرف پینٹنگ خریدنے ہی آئے ہیں؟"

عبداللہ نے آہستہ قدم دوسری پینٹنگ کی طرف بڑھائے تھے اور مڑ کر مبہم نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ پولینا نے بھی اس کے ساتھ قدم اٹھا لیے تھے۔ چلو پینٹنگ پر ہی سہی وہ اس سے بات تو کر رہا تھا۔

"یہاں پینٹنگ کے دلدادہ لوگ آتے ہیں یا پھر وہ جنہوں نے کسی کو stalk کرنا ہو۔" اس نے جیسے پولینا پر چوٹ کی تھی۔

پولینا سنی ان سنی کرتے ہوئے اس کا بایاں رخ دیکھنے لگی۔ وہ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے صرف پینٹنگز دیکھ رہا تھا۔ اسے ان پینٹنگز پر رشک آیا تھا، کاش وہ بھی ان پینٹنگز میں سے ایک پینٹنگ ہوتی۔

"ہاں شاید۔ میرا یہ پہلا ایکسپرینس ہے۔"

"اسٹاک کرنے کا؟"

اس کا سوال اتنا غیر متوقع تھا کہ پولینا جی کہتے کہتے زبان دانتوں تلے دبا گئی تھی اور پھر ہنس دی تھی۔

"ہاں میں لوگوں کو اسٹاک کرنے آئی ہوں، اپنے ریسرچ کے لیے ڈیٹا حاصل کرنے آئی ہوں۔" اس نے گال پر آئی لٹ کو انگلی پر لپیٹا تھا۔

وہ دونوں اب ایک ایسی تصویر کے سامنے کھڑے تھے جس میں خوبصورت درخت کے پتوں کی چھاؤں میں سنہرے بالوں والی لڑکی براجمان تھی۔

"ریسرچ کا ٹاپک کیا ہے؟"

"ٹاپک مل گیا نا۔" پولینا نے گڑبڑا کر جواب دیا تھا۔

"ابھی تو آپ ڈیٹا کلیکٹ کر رہی تھی۔"

"ڈیٹا اور ٹاپک ساتھ ساتھ مل گئے۔" پولینا کھسیانی ہنسی ہنس دی تھی۔

عبداللہ نے کھڑے کھڑے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا "یہ کیسا ریسرچ ہے جس میں ڈیٹا پہلے اور آئیڈیا بعد میں ملتا ہے؟"

پولینا سے کوئی جواب نہیں بن رہا تھا۔ اس نے جھولتے ہوئے نظریں آس پاس کپلز پر ڈال دی تھی اور لب آپس میں مسلنے لگی تھی۔

"تومان لے یہاں آپ اسٹاک کرنے ہی آئی تھی۔"

"ہم دوست بن سکتے ہیں؟" پولینا نے کے لہجے میں التجا تھی۔

"میں مصروف انسان ہوں۔" عبداللہ دوٹوک جواب دیا کرتا تھا۔

اسے بھی دوٹوک جواب دے کر وہ تیزی سے آگے بڑھا تھا۔

پولینا کی نظر دھندلا رہی تھی۔ وہ مزید اس کا پیچھا نہیں کر پا رہی تھی۔ سب سے اس اپنی حسن کی تعریفیں سنی تھی۔ وہ بلاشبہ حسین تھی کہ اسے دیکھنے والا اسے بھولتا نہیں تھا پھر یہ کون تھا جو اسے دیکھ کر بھی دیکھ نہیں رہا تھا۔ اسے نظر انداز کر رہا تھا۔ ریجیکٹ کر رہا تھا۔ تو ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں حسن سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

شام میں رات کی سیاہی گھل گئی تھی۔

پودوں والی کھڑکی کے پیچھے اپنے بستر پر بیٹھی مہروز فرائز کھاتے ہوئے چند جوڑے پسند کر کے مائدہ کو تصاویر بھیج چکی تھی۔ پاکستان سے مائدہ اس کی مطلوبہ کپڑے خرید کر اسے بھیجا کرتی تھی۔ اسے نئے جاب کے لیے نئے کپڑوں کی ضرورت تھی۔ اس کا فلو اب قدرے بہتر

تھا پر کئی دنوں سے ناک رگڑ رگڑ کر پونچھنے کی وجہ سے سرخ ہوئی تھی۔وہ فرائز منہ میں ڈال رہی تھی جب حسیب کی طرف سے ویڈیو کال موصول ہوئی تھی۔

مہروز سر پر ڈوپٹہ درست کرتے ہوئے کال ریسیو کر چکی تھی اور اسکرین پر نظر آتے جرار کو دیکھ کر وہ یک دم ہنس دی تھی۔اسے توقع نہیں تھی کہ آج فون جرار خود کرینگے۔

"زماظوئے۔۔مہروز جان۔۔۔"ان کی آواز بھیگ گئی تھی۔

"خان بابا۔"مہروز کی آنکھیں بھی بھیگنا شروع ہو گئی تھی۔

"ناک سرخ ہے۔۔۔زکام ہو گیا تھا؟"انہوں نے فوراً بات شروع کر دی تھی۔وہ بیٹی کے سامنے رونا نہیں چاہتے تھے۔آج وہ اس کا دل ہلکا کرنا چاہتے تھے۔جانتے تھے اس پر پچھلے چار دن ماں کی باتوں کی وجہ سے عذاب گزریں ہونگے۔

یاسمین کمرے سے باہر دیوار کی اوٹ میں کھڑی ہو کر باپ بیٹی کی آوازیں سن رہی تھی۔

"جی۔اب بہتر ہوں بہت۔"

"اچھی بات ہے، گرم گرم چیزیں کھاؤ،دودھ گرم پیو۔اور کیا چل رہا ہے؟"

Clubb of Quality Content

"پڑھائی۔" مہروز ہنس دی" مجھے نئی جاب مل گئی ہے۔" اس نے مسکرا کر کہتے ہوئے فرائز اٹھا کر منہ میں ڈالا تھا۔

"اچھا۔ مبارک ہو۔"

"بہت اچھی تنخواہ ہو گی۔ بس تین دن ہی جانا ہو گا۔"

"اچھا ہے۔ تمہیں پڑھنے کا بھی تو وقت ملے نا۔ کھانا کھالیا؟ کیا وقت ہو رہا ہے وہاں؟"

"کھانا یہاں پاکستان جیسا نہیں ملتا۔ حلال فوڈ کا بڑا مسئلہ ہوتا ہے نا۔ بس مجھے اپنی پڑھائی کی وجہ سے زیادہ پکانے کا وقت نہیں ملتا اسلیے فرائز اور نگٹس بنائے ہیں۔"

"اسی لیے کمزور ہو گئی ہو۔ جب تم پاکستان آؤ گی تو میں خود تمہیں کھانا کھلا کھلا کر تمہاری صحت بناؤ گا۔" جرار ہنس دیے تھے۔

یاسمین نے بیٹی کا قہقہہ بھی سنا تھا اور پھر چند پل دونوں طرف خاموشی رہی۔ یاسمین نے جھانک کر کمرے میں دیکھا تھا۔ جرار بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے لب چبا رہے تھے جیسے وہ کوئی بات کرنا چاہ رہے ہو اور کر نا پا رہے ہو۔

"خان بابا تنخواہ اتنی اچھی ہے کہ میں بچت اور اوور ٹائم لگا کر جلد قرض اتار لونگی۔" مہروز نے اپنی طرف سے باپ کو تسلی دینا چاہی تھی۔

"تمہاری ماں سادہ ہے۔ میں نے اس سے جب قرض کا بتایا تھا تو وعدہ بھی لیا تھا کہ کسی کو مت بتانا پر تم تو اولاد ہو نا۔ دیکھا رہا نہیں گیا تو بتا دیا۔ پر میں نے سمجھایا ہے اسے تم زیادہ بوجھ دل پر نا لو۔"

مہروز نرمی سے مسکرا دی تھی۔ اسے اچھا لگا تھا اس کا باپ اپنی بیوی کو ڈیفینڈ کر رہا تھا۔ انہوں نے اپنی بیوی کا بھی پردہ رکھ لیا تھا اور بیٹی پر بھی بوجھ نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔ مہروز کی آنکھیں پھر سے بھرنے لگی تھی۔

"خان بابا قرض تو قرض ہوتا ہے اور پھر یہ میرے ہی خوابوں کی تکمیل کے لیے لیے تھے نا آپ نے۔ میں اپنا بوجھ آپ پر کیوں ڈالوں جب میں محنت سے وہ قرض اتار سکتی ہوں۔ اب تو جاب بھی مل گئی ہے، آپ فکر نا کریں۔"

جرار ہلکا سا مسکرا دیے تھے۔ وہ محبت پاش نظروں سے اپنی بیٹی کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی مہروز کتنی سمجھدار ہو گئی تھی۔ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کو فکر نا کرنے کی تلقین کر رہے تھے۔

"ایک اور بات بھی کرنی تھی تم سے۔"

یاسمین کے کان کھڑے ہو چکے تھے،ان کا دل دھڑک رہا تھا۔

"وہ تمہاری ماں نے ایک لڑکے کا بتایا تھا نا تمہیں۔ تم پریشان نہیں ہو، ہم انہیں انکار کر دینگے۔اپنی پڑھائی پر توجہ دو اور اس وقت کو انجوائے کرو یہ دوبارہ نہیں آتا۔"

"میں نے سوچا اس پر۔"مہروز نے گہرا سانس لیا تھا۔وہ فرائز کی پلیٹ پرے کھسکاتی دیوار سے ٹیک لگا چکی تھی۔اس کا دل بھاری تھا پر بہت سوچنے پر اپنے آپ کو اپنی ماں کی جگہ رکھنے پر اسے احساس ہوا تھا کہ وہ بھی غلط نہیں کہہ رہی تھی۔وہ اپنی طرف سے اس کے لیے بھلا چاہ رہی تھی۔

"مجھے اعتراض نہیں ہے۔"اس کا گلہ بھاری ہوا تھا۔

"ارے وہ تو سادی عورت ہے۔اسے لہجوں کی،لوگوں کی پہچان نہیں ہے۔اس کی فکر نہیں کرو۔"

"نہیں میں دل سے کہہ رہی ہوں۔"

"پھر چہرہ دل کا ساتھ کیوں نہیں دے رہا؟" جرار کے اندر کچھ ٹوٹا تھا۔ دل چاہا تھا کہ وہ پاس بیٹھی ہوتی اور وہ اسے سینے سے لگا کر تسلی دیتے کہ ابھی اس کا باپ زندہ ہے، ابھی وہ چھاؤں میں ہے اسے رونے کی ضرورت نہیں ہے۔

بیٹی کا روکھا لہجہ یاسمین کے کانوں میں بھی پڑا تھا تو ان کے اندر بھی بہت ٹوٹ پھوٹ ہوئی تھی۔

"مورے سہی کہہ رہی تھی خان بابا۔ میں نے ان سے اس دن بہت بڑی بات کہہ دی تھی لیکن جب وہ سب میرے سامنے آیا تو میں خوفزدہ ہو گئی تھی۔" اس نے ذرا سا توقف لیا تھا "میں نے کہا تھا گدھ مجھے ایک ہی دفعہ سے کھا کر میری مشکل آسان کر دیگا۔ خان بابا فرینکفرٹ سے واپسی پر میں ٹرین میں سو گئی تھی۔ جب سوئی تھی تو دن تھا اور جب جاگی تو رات تھی۔"

جرار کے چہرے سے پریشانی جھلکنے لگی تھی۔ مہروز بھی جیسے کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھتے کھو سی گئی تھی۔

"میں ٹرین میں اکیلی تھی، کوئی بھی نہیں تھا۔ وہاں کوئی بھی ہو سکتا تھا، کوئی بھی مجھے نقصان پہنچا سکتا تھا۔ مجھے لگا تھا میں کھو گئی ہوں۔ کسی چھوٹے بچے کی طرح میرا رونے کو دل کیا تھا۔ میں نے اس سے پہلے خود کو اتنا کمزور نہیں سمجھا تھا۔ میں ایک کمپارٹمنٹ سے دوسرے میں جاتے ہوئے بس یہی دیکھ رہی تھی کہ اگر یہاں کوئی مشکل آگئی تو کوئی بھاری، وزنی شے یہاں مل جائے گی مجھے جس سے میں اپنی حفاظت کر سکوں۔"

"تم خیریت سے رہی نا؟"

یہی ایک سوال یاسمین کے دماغ میں بھی آیا تھا۔ اس کا دل خوف سے کانپ رہا تھا۔ انہیں مہروز کا لہجہ بھیگا ہوا سا لگ رہا تھا۔

"پھر مجھے سمجھ آئی کہ جب مورے کہتی ہیں کہ میں اکیلی رہ جاؤں گی تو اکیلے رہ جانا کیا ہوتا ہے۔ جب گدھ ایک ہی جست میں مجھے کھا جانا چاہے وہ کیا ہوتا ہے۔"

"تم واپس آگئی تھی نا؟" جرار بس ایک ہی سوال کی تکرار کر رہے تھے۔ خوف کہیں نا کہیں ان کے دل میں بھی تھا کہ بس بیٹی حفاظت سے رہی ہو۔

"ایک اچھے شخص نے مدد کی تھی میری۔ میں بخیریت واپس آگئی تھی۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

جرار اور یاسمین نے ایک ساتھ شکر ادا کیا تھا۔

"پھر مجھے بھی اس رشتے کو ایک چانس دینا چاہیے۔اگر وہ مجھ سے نکاح کر کے اسپاؤز ویزا پر آنا چاہتا ہے تو ٹھیک ہے۔یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے بہت سے لوگ ایسی شرائط رکھتے ہیں ہم بھی مان لینگے۔"

"تمہارے پاس انکار کا اختیار ہے۔" جرار نے ایک بار پھر اسے یاد دلایا تھا کہ وہ ہمیشہ اس کے ساتھ کھڑے رہینگے۔

(میرے پاس انکار کا کوئی حق نہیں ہے۔) مہروز نے دکھ سے سوچا تھا۔

دو بڑی بڑی کالی آنکھیں اسے کئی دنوں سے تنگ کر رہیں تھی مگر وہ خود ترسی کا شکار ہوتی بار بار ماں کے بتائے رشتے کے بارے میں خود کو سوچنے پر مجبور کر دیتی تھی۔اسے ان دو بڑی آنکھوں سے شاید محبت نہیں ہوئی تھی مگر شاید وہ اپنا شریک سفر ایسا ہی چاہتی تھی۔پھر وہ اس کے بارے میں جانتی ہی کیا تھی جو اس کے بارے میں سوچ سوچ کر خود کو تکلیف دے رہی تھی۔وہ راستے میں ہی ملا تھا اور وہی کہیں کھو بھی گیا تھا۔

"آپ لوگ میرے لیے اچھا ہی فیصلہ کرینگے۔" مہروز نے بمشکل پلکیں جھپکا کر آنسو پیچھے دھکیلے تھے۔

جرار اسے دعائیں دیتے فوراً فون کاٹ چکے تھے وہ بھی مزید بھاری گلے کے ساتھ اس سے بات نہیں کر پا رہے تھے۔

مہروز فون بیڈ پر رکھتے، سر گھٹنوں پر رکھتے ہی ایسا روئی تھی جیسے کوئی کسی کی موت پر روتا ہو۔ اسے پتا تھا وہ لوگ لالچ کر رہے ہیں مگر وہ جس پرابلم کا شکار تھی کوئی اس سے محبت تو نہیں کر سکتا ہاں مفاد کا رشتہ ضرور قائم کر سکتا ہے اور یہی سوچ کئی دنوں سے اسے تکلیف میں مبتلا کیے ہوئی تھی کہ وہ imperfect ہے۔ اس کے پاس پسند ناپسند کا حق نہیں ہے تو پھر جو مل رہا ہے اسی کو ہاں کر دی جائے کیا پتا ساتھ رہ لینے سے، ایک دوسرے کو جان لینے سے دلوں میں جگہ پیدا ہو جائے۔

دروازہ کھول کر پولینا اندر داخل ہوئی تھی اور مہروز کی گیلی آنکھیں اور سرخ ناک دیکھ کر فوراً اس کی طرف بڑھی تھی۔

"کیا ہوا روزے؟" وہ تشویش سے کہتے ہوئے اس کے پاؤں کے پاس بیٹھ گئی تھی۔

"کچھ نہیں۔بس اپنے والد سے فون پر بات ہو گئی تھی اسی لیے آنسو آ گئے۔"اس نے ہاتھ کی پشت سے گال رگڑ ڈالے تھے۔

"آر یو شیور؟"

مہروز نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

پولینا گہرا سانس لیتی اٹھی تھی۔اس کے دل پر ایک بوجھ تھا ٹھکرائے جانے کا۔اس نے رشک سے مہروز کو دیکھا تھا جس کے پاس خون کے رشتے تھے جن کے ساتھ وہ باتیں کر سکتی تھی۔جو اسکا انتظار کرتے تھے،اس سے محبت کرتے تھے۔اس کے پاس کون تھا؟اس کا انتظار کرنے والا کون تھا؟

مہروز پولینا کی نیلی آنکھیں اور خوبصورتی دیکھ کر اللہ سے گلہ کر بیٹھتی تھی کہ کاش تھوڑی سی حسین وہ بھی ہوتی۔کاش اس کے جیسی شفاف جلد اس کی بھی ہوتی۔وہ بھی پر اعتماد انداز میں دنیا کو دیکھتی،اسے روزانہ گولیاں نا کھانی پڑتی،لوگوں کی نظروں سے خوف کھاتے ہوئے اپنی جلد نہ چھپانی پڑتی۔

اس دنیا میں ہر دوسرا انسان دوسرے کو دیکھ کر رشک کا شکار ہوتا ہے،ناشکرا بن جاتا ہے۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" پولینا اس کی محویت نوٹ کرتے ہوئے لوشن کا ڈھکن کھول چکی تھی۔

"تم کتنی خوبصورت ہو۔"

"خوبصورت۔" پولینا استہزایہ ہنس دی تھی۔ وہ اس خوبصورتی کا کیا کرتی جو اس کے من پسند مرد کی آنکھوں میں نہیں سما رہی تھی۔ اس نے تکلیف سے ہنستے ہوئے لوشن ہتھیلی پر ڈالا تھا۔

"خوبصورتی تو کچھ بھی نہیں ہوتی، روزے۔ یہ بس ہماری آنکھیں ہیں جس کو جو چیز بھلی لگ جائے بس وہ ہمارے لیے خوبصورت ہو جاتی ہے۔" وہ ہاتھوں پر لوشن ملنے لگی تھی۔

"کوئی بات ہے کیا؟ اداس لگ رہی ہو؟" مہروز ٹانگیں سمیٹتے ہوئے اسے اور غور سے دیکھنے لگی تھی۔ پولینا اب پہلی جیسی پولینا نہیں لگتی تھی جو اس سے چڑتی تھی، ہنستی رہتی تھی۔ اس کے لبوں کی ہنسی کہیں گم ہو گئی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔" پولینا نے زبردستی ہنستے ہوئے اسے دیکھا تھا اور لوشن کا کیپ چڑھا کر میز پر رکھ دیا تھا "تم البتہ بڑی مشہور ہو گئی ہو۔"

"کہاں؟"

"یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹ پیج پر۔"

"کہاں، کہاں ہے یہ؟" مہروز نے فوراً سے فون اٹھالیا تھا۔ اسے خوف محسوس ہوا تھا کہیں وہ آئیڈیا لیک والی بات پورے ڈیپارٹمنٹ میں تو نہیں پھیل گئی تھی۔ اس کی کیا عزت رہ جائے گی۔ اس کے استاد اسے کس نظر سے دیکھے گے۔

پولینا نے اسے ایسے دیکھا تھا جیسے کہہ رہی ہو سیر یسلی۔

"Universitat Freiburg کھولو اور پڑھو۔" وہ مسکرا کر کہتے ہوئے اپنی الماری کی طرف بڑھ گئی تھی۔

مہروز تیز ہوتی دھڑکن کے ساتھ اسٹوڈنٹ پیج کھول چکی تھی اور اسکرال کرتے آج سے چار دن پہلے کی فیڈ پڑھ رہی تھی۔ اس کا الزام مکی نے ہی دھو دیا تھا۔ مہروز کی شان میں قصیدے اور ایما کی شاطر پلان کا ذکر کرتے ہوئے اس نے دل کی بھڑاس نکالی تھی۔ وہ ایک ایک کر کے کمنٹس پڑھتی جارہی تھی اور اپنی نیت کی صفائی کا پھل لیتی جارہی تھی۔

❀❀❀

Skilities میں آج اس کا پہلا دن تھا۔

وہ سفید گھٹنوں تک آتی بٹن والی شرٹ پر نیلا فر والا سویٹر پہنے، اسٹول کو گلے گرد پھیلائے، کمر سے نیچے تک آتے بالوں کی فرنچ چوٹیاں بنائے سب سے مسکرا مسکرا کر مل رہی تھی۔اس نے آج بھی میک اپ کے نام پر کچھ نہیں لگایا تھا۔

وہ ایک چکور سے کمرے میں موجود تھی۔اس کا ہیڈ اسے فرسٹ فلور کا دورہ کرا رہا تھا جہاں وسیع و عریض میزوں کی دو قطاریں موجود تھی اور ان پر رکھے کمپیوٹرز پر جوان لڑکے لڑکیاں بیٹھے ٹوڈی کارٹونز، انیمیٹڈ کارٹونز اور ایڈز اور ویڈیوز بنا رہے تھے۔وہ تیز روشنیوں کے بیچ ان دو قطاروں کے بیچ اپنے ہیڈ کے پیچھے پیچھے جا رہی تھی۔اس کے ہیڈ کا سر بھی سرے سے گنجا ہی تھا، یہ بھی اچھا ہے کہ بال نا ہو تو پورا سر ہی گنجا کرا لیا جائے۔

"کیا یہ سب پہلے سیکھا یا جاتا ہے؟" وہ ایک کمپیوٹر کے آگے کھڑی تھی جس پر بیٹھے لڑکے نے انیمیٹڈ لڑکی کافی حد تک بنالی تھی۔

"بالکل۔"

"پھر پہلے سیکھنے کے پیسے لیے جاتے ہونگے نا؟" وہ سرگوشیانہ انداز میں سوال پوچھ رہی تھی۔کمرے میں اس قدر خاموشی تھی کہ اسے اونچی آواز میں بات نہیں کی جا رہی تھی۔

"ہر گز نہیں۔ یہاں اسکل سکھانے کے کوئی پیسے نہیں لیے جاتے بلکہ دیے جاتے ہیں۔" وہ اب آگے بڑھ گئے تھے۔

"تو اس کمپنی کو پھر کیا فائدہ ہوا بھلا؟" وہ بھی ان کے پیچھے چلنے لگی تھی اور متاثر کن نظروں سے اسکرین پر مہارت سے بنائے گئے ریسینگ گیم کے کرداروں کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ سب کلائینٹس کے لیے بنائی جاتی ہیں۔ جب مطلوبہ ریکوائر منٹس کے تحت پراجیکٹ مکمل ہو جاتا ہے تو کلائینٹ کو کام ڈیلیور کر کے پیسے کمپنی وصول کرتی ہے اور اس کے بعد یہاں کام کرنے والوں کو تنخواہ ملتی ہے۔"

وہ متاثر ہوتے ہوئے اپنے ہیڈ کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی شدید خواہش جاگی کہ ایسی کمپنی پاکستان میں بھی کھل جائے جہاں نا صرف اسکل سکھائے جائے بلکہ جاب بھی دی جائے جبکہ وہاں تو سب الٹ تھا۔ اسکل کے نام پر کورسز آفر تو کی جاتی ہیں مگر ان اسکلز کی جاب نہیں ملتی تھی۔

نالز کلب
Clubb of Quality Content

وہ ہیڈ کی معیت میں کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔اسے دور سے ہی لفٹ میں گھستا آدمی نظر آیا تھا جس نے آج بھی ٹوپی ماتھے تک پھیلا کر پہن رکھی تھی۔اسے اس پر داراک کا گمان ہوا تھا۔

(کیا اپنی کمپنی میں یہ اتنا فارمل رہتا ہے اور باہر نکلتے ہی آپے سے باہر ہو جاتا ہے؟)مہروز نے اچنبھے سے سوچا تھا۔

مغرب کا ملگجا اندھیرا پھیل رہا تھا جب وہ ایک اسٹور میں داخل ہوئی تھی اور ٹوکرا اٹھائے سبزی کے اسیکشن سے کدو، ٹماٹر پیاز اور آلو اٹھائے تھے۔وہ انہی دو لمبے کدوؤں کا انتخاب کرتی تھی جنہیں اس نے سلطان راہی کے گنڈاسے کے طور پر استعمال کیے تھے۔وہ کدو اب اس کے فیورٹ ہو چکے تھے۔چپس کے کارنر سے چپس کے پیکٹس اٹھا کر وہ کاؤنٹر پر گئی تھی پر وہاں قطار کھڑی دیکھ کر وہ ایگزٹ دروازے کے قریب فریج کی طرف بڑھ گئی تھی اور وقت گزارنے کے لیے فریج کے سامنے کھڑی اس میں بوتلیں دیکھنے لگی جب کسی نے جاتے جاتے اسے کندھے سے اتنے زور کا جھٹکا دیا تھا کہ وہ لڑکھڑا کر دروازے کا سہارا لے کر بمشکل گرنے سے بچی تھی اور اسی وقت بیپر ز بجنا شروع ہو گئے تھے۔

مہروز نے نا سمجھی سے قطار میں کھڑے لوگوں اور اپنی طرف یونیفارم میں ملبوس لوگوں کو بڑھتے دیکھا تھا۔وہ بیپر کی چھٹی آواز کی وجہ سے بوکھلا کر مڑ کر بھی نہیں دیکھ سکی تھی کہ اسے دھکا دینے والا کون تھا۔اس کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔اسٹور میں جیسے سب ساکت تھا۔سب اپنا کام چھوڑے مہروز کو دیکھ رہے تھے۔بس اسٹور میں بیپر بج رہا تھا اور وردی میں ملبوس لوگ اس سے ٹوکرا لے رہے تھے۔اس کے کندھے سے بیگ کھینچ کر کاؤنٹر پر بیگ الٹا کر اس سے گرنے والی چیزیں پھیلا رہے تھے۔وہ تھوک نگلتے ہوئے،دھڑکتے دل کے ساتھ بس اتنا دیکھ رہی تھی کہ کچھ دودھ کے ڈبے اس کے بیگ سے کاؤنٹر پر گرے تھے۔۔۔قطار میں کھڑے مرد و خواتین نے منہ پر ہاتھ رکھا تھا،اسے حیرت سے۔۔۔حقارت سے دیکھا تھا۔

وردی میں ملبوس شخص اسے چور کہہ رہا تھا۔

چور کے لفظ پر مہروز کا دل خوف سے بند ہوا تھا۔اس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے جیسے وہ کچھ نہیں سن رہی تھی۔اسے بس منہ ہلتے ہوئے نظر آ رہے تھے وہ کیا کہہ رہے تھے یہ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

Clubb of Quality Content

کسی نے اسے بازو سے جھٹکا دے کر آگے دھکیلا تھا تو جیسے اس کے کان کے پردے کھل گئے تھے۔اسے آس پاس باتوں کی آوازیں آنے لگی تھی۔ جرمن پولیس آفیسر اس کے دونوں بازو پکڑے اس سے استفسار کر رہے تھے کہ اس نے کس وجہ سے چوری کی۔

"میں نے۔۔۔چوری۔۔۔ میں تو یہاں۔" وہ سہی سے بول بھی نہیں پا رہی تھی۔وہ عجیب خجالت کا شکار تھی۔وہ سب کی نظروں کا محور تھی۔خود کو بے قصور ثابت کرنا اس کے لیے زیادہ دشوار تھا اس وقت۔

اس کے پاؤں میں اس قدر کپکپاہٹ تھی کہ اگر پولیس افسر نے اس کے بازو نا پکڑے ہوتے تو وہ گر جاتی۔

"یہ چور نہیں ہے۔" کسی خاتون کی شستہ جرمن میں کہے گئے جملے پر اس نے چہرہ دائیں طرف موڑا تھا۔

چالیس کے لگ بھگ خاتون براؤن بالوں کو جوڑے میں باندھے، کالا گھٹنوں تک پہنا لانگ کوٹ جس کی کمر پر بیلٹ بھی تھا، بائیں کندھے پر پہنا چھوٹا سا بیگ، براؤن آنکھوں والی سوبر سی خاتون اس کی گواہی دے رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"سی سی ٹی وی فوٹیج لگایے اور دیکھیے کہ اصل چور کون ہے۔"

ان کی بات پر پولیس افسران نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا اور چند اسکینڈز میں ہی سی سی ٹی وی فوٹیج ان کے سامنے چل رہی تھی۔ سر کو ہڈ سے چھپائے شخص نے اس سوبر خاتون کی آواز پر دوڑ لگا دی تھی۔ اس کے دائیں بائیں بغلوں اور سویٹر کے اندر بہت سے کھانے کے ڈبے چھپے ہوئے تھے۔ وہ پکڑے جانے کے خوف سے دوڑ پڑا تھا اور دروازے کے قریب پہنچتے ہی مہروز کے کھلے ہوئے بیگ میں دودودھ کے ڈبے ڈالتے ہوئے وہ بھاگ نکلا تھا۔ بیپر یک دم اور اس قدر تیز تھا کہ مہروز بیگ کے یک دم بھاری ہو جانے کا نوٹس بھی نہیں لے سکی تھی۔

وہ اسٹور کے نچلے فلور سے مرے مرے قدموں کے ساتھ باہر نکلی تھی۔ وہ ایک طوفان سر کر کے نکلی تھی۔ یہ پاکستانی پولیس نہیں تھی جس سے وہ پھر بھی جان خلاصی کر لیتی۔ وہ سن سے اعصاب لیے پارکنگ ایریا میں ان خاتون کے انتظار میں کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ پارکنگ میں گاڑی کے بونٹ سے ٹیک لگائے کھڑی تھی جب جوڑے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ خاتون باہر نکل آئی تھی۔ مہروز فوراً سے ان کی طرف بڑھی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"شکریہ۔"

اس خاتون نے رک کر مہروز کو دیکھا تھا اور مسکرا دی تھی۔

"نیور مائنڈ۔"

ان کی مسکراہٹ کسی سے مشابہہ تھی۔ مہروز ذہن پر زور ڈالنے لگی۔

"آپ کا نام؟" وہ خاتون آگے بڑھنے والی تھی کہ انہیں اپنی پشت پر مہروز کا سوال سنائی دیا تھا۔

"فرح خان۔" انہوں نے مڑ کر مہروز کو دیکھا۔

جاری ہے

خلا

باب 5

وقت کی دھند میں

مہروز منہ کھولے سکتے کی کیفیت میں چلی گئی تھی۔

فرح۔۔۔فرح۔۔۔اس نے کئی بار دل میں دہرایا تھا۔تو فرینکفرٹ میں یہ بھی ہونا تھا۔اس کا چور کہلانا اس کی کسی اپنے سے ملاقات کی وجہ بن گئی تھی۔اس کا چہرہ یک دم ہی خوشی اور آنسو کا غماز بن گیا تھا۔وہ انہیں لمحے میں پہچان گئی تھی۔دھندلی سی شکل اور حال کی شکل میں کوئی فرق نہیں تھا۔وہ جرار جیسی ہی تو لگ رہی تھیں۔

"تمہارا کیا نام ہے؟"

مہروز اپنا نام لینے کے لیے منہ کھولنے ہی والی تھی کہ لب آپس میں پیوست کر لیے۔کیا فرح ان سے ملنا چاہے گی؟ہاں ٹھیک ہے وہ خان بابا سے اتنی محبت کرتی تھی کہ ان کو دکھ نا دینے کی خاطر وہ فرح سے بات بھی نہیں کرتی تھی اور ان کی اور دادی کی سالانہ گفتگو بھی وہ باپ سے چھپاتی تھی۔وہ چھ سال کی تھی جب فرح گھر چھوڑ کر گئی تھی۔جب جب دادی اور پھو پھو بات کرتے تھے وہ وائس کال ہوتی تھی اور وہ اتنی مختصر ہوتی تھی کہ دونوں ماں بیٹیاں جیسے بس ایک دوسرے کی آواز ہی سن پاتی تھی۔ان دونوں کے بیچ بہت سارے سال آ گئے تھے۔

"روزے۔" مہروز نے ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں مسلتے ہوئے اپنا نام جان بوجھ کر درست نہیں بتایا تھا۔اس کے گال تپ رہے تھے۔

"خوبصورت نام ہے۔" وہ مسکرا کر واپس جانے کے لیے مڑی تھی۔

"کیا مجھے آپ کا ایڈریس مل سکتا ہے؟" اس نے کہتے ہی زبان دانتوں تلے دبادی تھی۔ یہاں کوئی بھی پہلی ملاقات میں پتہ نہیں دیا کرتا تھا مگر وہ فرح سے رابطے میں رہنا چاہتی تھی۔ وہ تھوڑا سا وقت لے کر ان سے ملنا چاہتی تھی۔

فرح نے ایک بار پھر مڑ کر مہروز کو دیکھا تھا جو انگلیاں چٹخاتے ہوئے نروس لگ رہی تھی۔ فرح نے شولڈر بیگ کو کھولتے ہوئے اپنا کارڈ نکالا اور فوراً مہروز کی طرف بڑھایا۔

"میں رات کو گھر پر ہوتی ہوں۔ کبھی ملنا ہوا تو شام کی جگہ رات کا انتخاب کرنا۔"

مہروز نے مسکراتے ہوئے کارڈ پکڑا تھا اور پھر تب تک جرار کی کاپی کو دیکھتی رہی جب تک وہ گاڑی میں بیٹھ کر چلی نہیں گئی تھی۔ وہ حسین خاتون تھیں جن کی پرسنالٹی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ ایسی ہی پرسنالٹی کی مالک بن گئی تھی جیسا کہ مہروز خود بننا چاہتی تھی۔

Clubb of Quality Content

مہروز خوشی سے یہ خبر بے بے کو سنانا چاہتی تھی کہ ان کی کھوئی ہوئی بیٹی مل گئی تھی مگر خود پر قابو رکھتے ہوئے وہ پارکنگ ایریا سے نکل گئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اسے اب کب اپنی پھو پھو سے ملنے جانا ہے۔

❀❀❀

فرینکفرٹ پر پڑنے والی رات آہستہ آہستہ سرک رہی تھی۔ سردی یہاں بھی بلا کی تھی۔

اس کا ہاسٹل اس کی کمپنی کے بالکل سامنے تھا بس بیچ میں ڈبل روڈ ہی آتا تھا۔ اچھی بات یہ تھی کہ یہاں اسے الگ کمرہ میسر تھا۔

اس نے پردے سرکائے تو سنہری دھوپ نے یک دم سے کمرے کا احاطہ کر لیا تھا۔ اس نے صبح کی روشنی میں اپنے وسیع کمرے کا ایک بار پھر جائزہ لیا تھا۔ اس کے کمرے میں دیواروں سے لے کر بیڈ شیٹ تک سب گرے تھا۔ وہ کئی زاویوں سے کمرے کی تصویریں کھینچ کر مائدہ اور حسیب کو بھیج چکی تھی تاکہ حسیب خان بابا اور مورے کو اس کا کمرہ دکھا سکے۔

وہ گھٹنوں تک آتے فیروزی سویٹر جو کچھ کورین اسٹائل کا تھا، سفید جینز اور کھلے ہوئے بالوں پر سفید اونی ٹوپی پہنے آفس جانے کے لیے تیار تھی۔ روڈ کراس کرتے ہی وہ بلڈنگ میں

داخل ہو چکی تھی اور چہرے پر مسکراہٹ سجائے ریسیپشن پر بیٹھے لڑکے اور لڑکی کو دیکھتے وہ اسکینڈ فلور پر پہنچ گئی تھی۔

اسکینڈ فلور پر لیپ ٹاپس ٹھیک کیے جا رہے تھے۔ پرانے فونز سے نئے فونز بنائے جا رہے تھے۔ حتیٰ کہ یہاں اسے گاڑیوں کے سپیئر پارٹس بھی نظر آئے تھے۔ وہ جیسے کسی ماڈرن مکینک کے شاپ پر آ گئی تھی۔

وہ ڈیوس کے پیچھے پیچھے وسیع و عریض ہال کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ کبھی گاڑیوں کے دروازوں کی تصویریں لیتی تھی تو کبھی ٹوٹے پچے لیپ ٹاپس کو غور سے اسٹڈی کرتے ہوئے لڑکے کی۔ وہ ڈیوس کے پیچھے ہی ہال سے باہر نکل آئی تھی اور اسے لمبی سی راہداری میں ہندو لڑکی مل گئی جو کچھ عرصہ تک اس کی روم میٹ رہی تھی۔ وہ بلیک جینز اور بلیک ٹاپ میں ملبوس لمبے کالے بالوں کی لمبی سی پونی بنائے ہوئے لفٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"پریتی۔" مہروز اس کو آواز دیتی اس کے پیچھے دوڑ پڑی تھی۔

پریتی نے مڑ کر مہروز کو اپنی طرف بھاگتے دیکھا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ مسکراتے ہوئے پریتی کے گلے ایسے لگی تھی جیسے اسے اپنی کھوئی ہوئی بہن مل گئی ہو۔ پریتی کچھ دیر حیران سی کھڑی رہی اور پھر اس کے کمر کے گرد بازو باندھ کر اسے خود میں بھینچ لیا تھا۔

"کیسی ہو تم؟"

"تم خوش ہو؟" خود سے الگ کرتے ہوئے پریتی نے اسے دیکھا تھا۔ پریتی کے بازو اب تک مہروز کے گرد حمائل تھے اور مہروز نے بھی اپنے ہاتھ پیچھے نہیں ہٹائے تھے۔

"تمہیں دیکھ کر؟ بہت۔" مہروز ہنس دی تھی "ایک منٹ۔" وہ کہہ کر مڑی تھی "یہ میری پرانی دوست ہے، میں کچھ دیر اس کے ساتھ بیٹھنا چاہتی ہوں، پھر آجاؤں گی۔"

ڈیوس سر ہلا کر دیوار کی جانب بڑھا تھا جو خود بہ خود لفٹ بن گئی تھی۔

"انگریزی بول بول کر منہ ٹیڑھا ہو رہا تھا۔ میں نے بہت مس کیا تمہیں۔" مہروز کے چہرے سے خوشی جھلک رہی تھی۔ مہروز نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔

"یہاں کام کرنے لگی ہوں؟"

"مہروز نے اثبات میں سر ہلایا تھا "کیا تم بھی یہاں کام کرتی ہو؟"

Clubb of Quality Content

پریتی نے کچھ لمحے کا توقف لینے کے بعد سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"یہ تو بہت اچھا ہو گیا۔ ہم ملا کرینگے اب۔"

"شیور۔" پریتی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے دبا لیا تھا۔

"رکو میں زرا باس کو انفارم کر دوں پھر پاس ہی کیفے چلتے ہیں۔" پریتی اس کا ہاتھ چھوڑ چکی تھی اور کونے میں جا کر فون کان سے لگا لیا تھا۔

وہ کچھ دیر بعد ہی مڑ گئی تھی اور دونوں لفٹ کے ذریعے پہلے فلور پر موجود تھے۔

"تم یہاں کس ڈیپارٹمنٹ میں ہو؟" وہ دونوں لمبی راہداری عبور کرتی مین دروازے کے قریب پہنچ چکی تھی۔

"آئی ٹی۔"

"ہاں تم آئی ٹی میں ہی اچھی تھی۔ کیا تم سے بھی پہلے دن ایک عجیب و غریب باس ٹکرایا تھا؟" پریتی اس کو نا سمجھی سے دیکھتے ہوئے دروازے تک پہنچی تھی اور خود کار دروازہ سلائیڈ ہوتا ہوا کھل گیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"وہی جس کے آئی بروپر کٹ ہے اور بال بہت گنجل سی چھوٹی چٹیوں میں باندھی ہوئی ہیں عجیب کھسکا۔۔۔"اس کے باقی کے الفاظ زبان پر دم توڑ گئے تھے اور وہ کھسکا ہوا لڑکا سرخ اسپورٹس کار سے ٹیک لگائے جیسے انہی کا منتظر تھا۔اس نے رنگ برنگی جیکٹ بلیو جینز کے ساتھ پہن رکھی تھی۔آج ان چھوٹی چھوٹی چٹیوں کو جوڑے میں باندھ رکھا تھا۔

مہروز جہاں کی تہاں رہ گئی تھی۔

"تم اس کھسکے ہوئے کی بات کر رہی ہو؟"پریتی کہتے ہوئے آگے نکل آئی تھی مگر وہ اپنی جگہ بت بنی کھڑی رہ گئی تھی۔

پریتی نے سیڑھیوں پر کھڑے کھڑے مڑ کر مہروز کو دیکھا تھا"آگے بڑھو۔دروازے نے بند بھی ہونا ہوتا ہے۔"وہ زیرلب مسکرا رہی تھی۔

مہروز سر جھٹکتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھی۔وہ اسے نظرانداز کرنا بھی چاہتی تھی اور کر بھی نہیں پا رہی تھی۔وہ سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے سیڑھیاں اترنے لگی۔

"تم کیوں یہاں کھڑے ہو؟"پریتی اس کے قریب کھڑی ہو گئی تھی۔

"مجھے بھی کچھ دیسی کھانا ہے۔"

"مرچیں کھالو گے؟ لاسٹ ٹائم بھی اسپتال لے جانا پڑا تھا۔"

"اس بار نہیں ہو گا۔" اس نے مہروز کو قریب آتے ہوئے دیکھ کر کہا تھا۔

"تم کیسی ہو؟ کیسا جا رہا ہے کام؟ سوچ رہا ہوں کچھ بوجھ بڑھا دوں تم پر۔" اس نے شہادت کی انگلی سے اپنے ہونٹوں کو چھیڑتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ واقعی کھسکا ہوا ہے۔" پریتی نے چہرہ موڑ کر مہروز کے کان قریب سرگوشی کی تھی اور دونوں مسکراہٹ دباتی اس کی سرخ اسپورٹ کار میں بیٹھ گئی تھی۔

"تمہیں تو گاڑی چلانا نہیں آتی ہو گی؟"

"نہیں۔" مہروز نے جل کر کہا تھا۔ وہ فرینکفرٹ کی سڑکوں پر جہاز کی طرح گاڑی چلا رہا تھا اور مہروز گاڑی کی اسپیڈ دیکھتے ہوئے دہل رہی تھی۔

"اب کمپنی یہ کام ہرگز نہیں کر سکتی کہ تمہیں گاڑی چلانا سکھائیں۔ سائیکل بھی نہیں چلانی آتی ہو گی، پاکستان میں کہاں رواج ہے لڑکیوں کو اسائیکلوں پر بٹھانے کا۔" وہ ڈرائیونگ کرتے ہوئے مسلسل مہروز سے مخاطب تھا۔ وہ گاہے بگاہے بیک ویو مرر میں مہروز کے تاثرات دیکھتا تھا۔

پریتی داراک کے برابر بیٹھی مسلسل ہنسیں جا رہی تھی۔

"نہیں ہمیں بگھی میں بٹھایا جاتا ہے ہم بس وہی چلاتے ہیں۔" مہروز نے چڑ کر فرنٹ مرر میں اس کی شہد رنگ آنکھیں دیکھی تھی۔

"وہ سنڈریلا والی بگھی؟ تم لوگ کدو سے بگھی بناتے ہو پھر یا بینگن سے؟"

پریتی کا قہقہہ پوری گاڑی میں گونجا تھا اور مہروز ابرو اچکائے ڈرائیونگ سیٹ سے نظر آتے اس کی بالوں کی چٹیاں کو دیکھے جا رہی تھی۔ اتنی بڑی کمپنی کا باس اتنا کھسکا ہوا کیسے ہو سکتا ہے؟

"تم دیکھنا اس گاڑی سے اسپیڈ بڑھاؤ گا تو اسے سمجھ آجائے گی اور ہماری ایک شاندار ریس لگ جائے گی۔" اس نے کہتے ساتھ ہی اسپیڈ بڑھادی تھی اور اس سے پیچھے رہ جانے والی کار بھی اس کے دیکھا دیکھی اسپیڈ بڑھا چکی تھی۔

اس کی ریڈ اسپورٹس کار کئی گاڑیوں کے بیچ سے زگ زیگ انداز میں گزرتی آگے بڑھ چکی تھی۔ مہروز کے چہرے کا رنگ سفید ہو رہا تھا جبکہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی پریتی بھی پیچھے مڑ مڑ کر پیچھے رہ جانے والی گاڑی کو دیکھتے ہوئے تبصرہ کر رہی تھی۔

"پریتی کیا کیفے اتنا ہی دور ہے؟"

"نہیں۔یہ تو جان بوجھ کر لمبی سڑک سے ہمیں وہاں لے کر جا رہا ہے۔"پریتی نے پیچھے مڑ کر مہروز کا خوف سے سفید پڑتا چہرہ دیکھ کر کہا تھا"ریلیکس۔"وہ مہروز کا چہرہ دیکھ کر مسکرا دی تھی۔

اگلے چند منٹ مہروز کو لگا تھا وہ نیڈ فار اسپیڈ میں ہے۔ کبھی ان کی گاڑی آگے بڑھ جاتی تو کبھی پیچھے والے کی۔ایک بار تو مہروز کو لگا کہ بس فرینکفرٹ کی سڑک کے ساتھ بہتے پانی میں ان کی گاڑی ابھی گری مگر وہ بچ جاتی تھی۔خاصی دیر کی ریس کے بعد وہ ہندوستانی کیفے پہنچ گئے تھے۔

"میں واپس اس کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔"مہروز نے گاڑی سے نکلتے ہوئے اردو میں پریتی کو مخاطب کیا تھا۔

"باس ہیں یہ ہمارے سوچ لو۔"پریتی شرارت سے کندھے اچکاتے ہوئے کیفے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھی۔

"ایسی ڈرائیونگ سیکھنی ہے؟" داراک دائیں طرف مڑا تھا اور گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے، مہروز کو ہی دیکھ رہا تھا۔

مہروز گاڑی کے دروازے کو زور سے بند کرتے ہوئے اسے مکمل نظرانداز کرتے ہوئے کیفے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھی۔

یہ چاروں طرف سے شیشے سے ڈھکا ہوا تھا۔ دن کے وقت کیفے میں رش کم ہی تھا۔ وہ لوگ کھڑکی کے پاس رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے جہاں سے اوپن کچن صاف دکھائی دیتا تھا۔ پریتی اپنے لیے پزا اور مہروز اپنے لیے بیف کڑاہی، نان اور لسی آرڈر کر چکی تھی۔ داراک نے بھی نان کی تعداد بڑھالی تھی۔

"تم نے اس جاب کے لیے پڑھائی چھوڑ دی تھی؟" مہروز دارک کو نظرانداز کیے، تھوڑی تلے ہاتھ رکھے پریتی کو دیکھے جا رہی تھی۔

"پڑھائی!" پریتی جیسے گڑبڑائی تھی اور پھر کچھ سوچنے پر مسکرا دی تھی "ہاں۔ ویسے بھی میں ماسٹرز نہیں کرنا چاہتی تھی بس ایسے ہی ایڈمیشن لے لیا تھا۔ میری جاب اچھی جا رہی ہے، بس مجھے اور کیا چاہیے۔"

داراک کانٹے کو انگلیوں میں پھنسائے بیزار سا بیٹھا انہیں دیکھ رہا تھا" انگلش میں بات کرو ورنہ میں سمجھوں گا میری برائیاں کر رہے ہو۔"

"یہ کیوں آیا ہمارے ساتھ؟" مہروز غیر آرام دہ محسوس کر رہی تھی۔

"پھر اردو۔" داراک نے اسے تنبیہی نظروں سے گھورا تھا۔

"کچھ دیر بات کرنے دو۔اب ہم ایک لینگوتج شیئر کرتے ہیں تو اپنی زبان میں بات کرنے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔"

"تو پھر میں بھی کسی ہم زبان کو پکڑ لیتا ہوں۔" وہ شہد رنگ آنکھیں چھوٹی کیے پورے کیفے میں طائرانہ نگاہ ڈالنے لگا۔

"اف۔" پریتی نے سیدھے ہاتھ کی مٹھی پر ماتھا رکھ لیا تھا۔

مہروز نے بھی اسے ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"آہا" وہ چٹکی بجاتے ہوئے اٹھا تھا اور پھرتی سے کیفے سے باہر نکل گیا تھا۔

"یہ واقعی کھسکا ہوا ہے۔" پریتی قہقہہ لگا کر اس کی پشت دیکھ رہی تھی۔

Clubb of Quality Content

"اس کا نام بھی بہت عجیب سا ہے۔داراک۔ایک باس کا رویہ اتنا ان فامل تو نہیں ہونا چاہیے۔"

"داراک۔"پریتی ہونٹوں پر ہاتھ رکھے قہقہہ لگا بیٹھی تھی۔

کیفے میں بیٹھے کچھ لوگوں نے پلٹ پلٹ کر پونی والی لڑکی کو گیلی آنکھوں کے ساتھ ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔

پریتی اتنا ہنس رہی تھی کہ اس کی آنکھوں سے آنسو آنا شروع ہو گئے تھے اور چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔اس کے دیکھا دیکھی مہروز بھی ہنسنے لگی تھی۔

"داراک۔"پریتی میز پر ہاتھ مارتے ہوئے ہنس رہی تھی۔

داراک اندر داخل ہوا تھا اور کوئی اسکے پیچھے تھا۔

"لو آگیا میں۔اب میں ایک منٹ کے لیے بھی چپ نہیں کرونگا۔"وہ کسی کا ہاتھ تھامے ان کی طرف آیا تھا۔خود وہ مہروز کے برابر بیٹھ گیا تھا اور اسے پریتی کے برابر بیٹھنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

مہروز ٹشو کے ڈبے سے چند ٹشو کھینچ کر آنکھیں خشک کرتے ہوئے سر اٹھا چکی تھی اور پھر اسکا ہاتھ گال پر ہی جمارہ گیا تھا۔ گھنگریالے بالوں والا لڑکا بھی پریتی اور مہروز کو دیکھتا رہ گیا تھا۔اس کی بڑی بڑی کالی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"ہائے۔" پریتی نے اسے دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا۔

"ہائے۔" وہ جیسے خود کو سنبھال چکا تھا اور پریتی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ اس کی پشت سے گھوم کر اس کے برابر بیٹھ گیا تھا اور آنکھیں پریتی کی ہی آنکھوں میں جمی ہوئی تھی۔

مہروز نے آنکھوں کا رخ پھیر لیا تھا اور ٹشو سے اپنی گیلی آنکھوں کو تھتپانے لگی۔

"اوہ تمہارے ساتھ گھورنے والا چیلنج ابھی باقی ہے۔" داراک نے مہروز کی طرف چہرہ ترچھا کر کے یاد دلایا تھا۔

مہروز نے چہرہ موڑ کر داراک کو دیکھا تھا جو اس کے جواب کا منتظر تھا۔ مہروز اسے کوئی جواب دیے بغیر ہاتھ گود میں رکھے خاموش بیٹھ گئی تھی۔

Clubb of Quality Content

"اب خاموشی کیوں چھا گئی۔۔!" وہ جیسے ان دونوں پر طنز کر رہا تھا" میں اور یہ بولے گے اور تم دونوں بولو گے اور دیکھتے ہیں کہ جیتتا کون ہے۔ ون ٹو تھری، شروع کرو۔" وہ جیسے خود سے باتیں کرتا پاگل لگ رہا تھا۔

پریتی، عبداللہ اور مہروزا سے ایسے دیکھ رہے تھے جیسے اسے بہت عرصے تک بات کرنے کے لیے کوئی ملا نا ہو اور آج خوب زیادہ بولنا چاہ رہا ہو۔ بلکہ پاگلوں کے اسپتال سے بھاگا ہوا ہو۔

عبداللہ سر افسوس میں ہلاتے ہوئے جیکٹ کے جیبوں سے فون نکال کر لاتعلق بیٹھ گیا تھا۔

داراک اپنا سا منہ لے کر مایوسی سے ان تینوں کو دیکھنے لگا" اس اجنبی کو لایا کہ شاید یہ باتیں کرنے میں میرا ساتھ دے مگر یہ تو بہت کم گو ہے۔" اس نے چھوٹے بچوں کی طرح منہ پھلا لیا تھا۔

"یہ واقعی کھسکا ہوا ہے۔" پریتی نے بہت دیر بعد اس کی بات کی تائید کی تھی۔

"تم اٹھ سکتے ہو۔" اس نے بے مروتی دکھاتے ہوئے خشک لہجے کے ساتھ کہتے ہوئے عبداللہ کو دیکھا تھا۔

Clubb of Quality Content

عبداللہ نے آہستہ سے سر اٹھا کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ مہروز نے ایک بار پھر ناپسندیدہ نظروں سے اپنے برابر بیٹھے داراک کو دیکھا تھا جو اپنے نام کی طرح پتھر دل ہو رہا تھا۔

"آدم۔" پریتی نے اسے تنبیہی لہجے میں کہتے ہوئے گھورا تھا۔

ویٹر کے قریب آ جانے پر یہ بحث کچھ دیر کے لیے رک گئی تھی اور اس کے جاتے ہی پھر سے شروع ہو گئی تھی۔

"آدم نام ہے اس کا؟" مہروز نے حیران ہوتے اردو میں پریتی سے سوال کیا تھا۔

پریتی نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"یہ کڑاہی صرف دو لوگ کھا سکتے ہیں۔ پریتی تم تو گوشت کھاتی نہیں ہو اور یہ اجنبی بھی مجھے لگتا ہے اسپائسی کڑاہی نہیں کھا سکے گا۔ تم جا سکتے ہو میں غلطی سے تمہیں اندر لے آیا۔ مجھے لگا تھا ہماری اچھی بن جائے گی پر میں غلط تھا۔ تم اب جا سکتے ہو۔" وہ بے مروتی کی حدوں کو پار کرتا اپنا نان اٹھا چکا تھا۔ وہ بولتا تھا تو بہت بے تکا بولتا تھا۔

"ہم آپ سے معذرت خواہ ہیں۔آپ پلیز یہ لیجیے۔" پریتی مہمان نوازی کے آداب دکھاتی پزا عبداللہ کے آگے کر چکی تھی۔

مہروز نے بھی اپنے آپ کو ایسے بنالیا تھا جیسے باقی سب کی طرح وہ بھی اس سے پہلی دفعہ دیکھ رہی ہے۔مہروز براؤن چھابی سے نان اٹھا کر کھانا شروع کر چکی تھی۔

"یہ جو پزے کا ٹکڑا تم اٹھا رہے ہو نا اس کی پے منٹ کرتے جانا۔" آدم ہونٹوں تک منہ بھرے ہوئے تھا کہ جب بول رہا تھا تو دانتوں کے بیچ چبا ہوا لقمہ نظر آتا تھا۔

پریتی نے اس پر افسوس کرتے ہوئے آنکھیں گول گھمائی تھی۔

"دیکھو مشکوک ہے۔کیسے خاموش بیٹھا ہوا ہے۔" آدم مہروز کے کان کے قریب جھکتے ہوئے، نظریں عبداللہ پر گاڑے ہوئے سرگوشی کر رہا تھا۔

"اللہ نے دنیا میں کچھ عقل مند لوگ بھی پیدا کیے ہیں۔" مہروز ان ڈارکیٹلی اس پر اٹیک کرتی لسی کا گھونٹ بھر چکی تھی۔

"ان عقل مندوں میں میں نہیں آتا یعنی؟" اسے افسوس ہوا تھا۔

Clubb of Quality Content

مہروزا سے جواب دیے بغیر کن انکھیوں سے عبداللہ کو دیکھنے لگی جو نہایت خاموشی نظریں جھکائے پزے کا ٹکڑا کھا رہا تھا۔

آدم نے ایک زور کی 'سی' کی تھی اور لسی منہ سے لگائے دھڑا دھڑ پی رہا تھا۔اس کی سفید رنگت میں گھلتے سرخ رنگت کو دیکھتے ہوئے مہروز اور پریتی کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔عبداللہ جیسے بیزار بیٹھا آدم کو دیکھ رہا تھا۔

وہ انہیں خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے لسی کا ایک اور گلاس بھی چڑھا چکا تھا۔

"میں نے کہا بھی تھا طبیعت خراب ہو گی اب میں اسپتال لے کر نہیں جاؤ گی۔" پریتی شان بے نیازی سے کندھے اچکاتی پزا کا اگلا ٹکڑا اٹھا رہی تھی۔

"میں مرچوں کی وجہ سے تو 'سی' نہیں کر رہا۔" اس نے ٹشو کے ڈبے سے چند ٹشو کھینچ کر آنکھیں رگڑتے ہوئے انکار کر دیا تھا" وہ تمہارے پیچھے جو لڑکی بیٹھی ہے اسے دیکھ کر سی نکل رہی ہے۔"

"اچھا۔" پریتی نے مڑ کر اپنے پیچھے ترکش اسٹائل میں اسکارف پہنے ترکش لڑکی کو دیکھا تھا" جاؤ پھر اس کے پاس اور یہ موقع ضائع مت کرو۔"

Clubb of Quality Content

"بالکل۔" وہ سی کرتے ہوئے ہوئے اٹھا تھا اور ترکش لڑکی کے پاس گیا تھا۔

مہروز اس ساری سچویشن سے محظوظ ہوتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی جو ترکش لڑکی کا ہاتھ تھامے اپنے ٹیبل تک لے آیا تھا اور اب اس کے لیے کرسی رکھ رہا تھا۔ وہ ترکش لڑکی لبوں پر مسکراہٹ سجائے سب کو دیکھتے ہوئے بیٹھ گئ تھی۔

عبداللہ والٹ سے چند یورو نکال کر میز پر رکھتے ہوئے اٹھنے لگا تھا کہ آدم کی آواز پر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تم اس لڑکی کے آنے کو مائنڈ کر رہے ہو؟ دیکھا کتنا بے مروت، بدلحاظ لڑکا ہے یہ۔"

ترکش لڑکی کے لبوں پر مسکراہٹ سمٹ گئ تھی۔ عبداللہ اسے دیکھ کر بھونچکارہ گیا تھا اور پھر ضبط کرتے ہوئے ہونٹ آپس میں پیوست کرتے ہوئے بیٹھ گیا تھا۔

"یہ بہت بولتا ہے اور بہت مہمان نواز ہے۔ آپ اکیلی بیٹھی تھی اس سے رہا نہیں گیا اور بلا لیا اور۔۔۔ یہ آپ کو پسند بھی کرتا ہے۔" پریتی نے آنکھ دبائی تھی۔

آدم زبان نکالے ہاتھوں سے اسے ہوا دیتے ہوئے بوکھلا گیا تھا اور پھر سنبھل کر ترکش لڑکی کو دیکھا تھا "آپ بہت پیاری ہیں۔ یہ حلال مسلم کڑاہی ہے۔ آہ کیا مزہ ہے۔" اس نے نان

توڑ کر بیف کا ٹکڑا اس میں پھنساتے ہوئے ہاتھ ترکش لڑکی کے منہ کے قریب لے گیا تھا۔

ترکش لڑکی نے مسکراتے ہوئے لقمہ منہ میں لیا تھا اور جیسے جیسے چبا رہی تھی ویسے ویسے اس کی آنکھیں بھی لبالب پانی سے بھرنے لگی تھی۔

"کیا واقعی مصالحہ بہت تیز ہے؟" پریتی نے مہروز کی طرف دیکھتے ہوئے تشویش سے پوچھا تھا جو دوسرے کے بعد تیسرا نان اٹھا رہی تھی۔

"یہ لوگ مصالحہ کھاتے کم ہیں اسی لیے انہیں تیز لگ رہی ہیں۔ ویسے کافی عرصے سے میں نے بھی مصالحہ نہیں کھایا تو لگ تو مجھے بھی زیادہ رہی ہے پر مزہ آ رہا ہے۔" وہ جگ اٹھا کر اپنے گلاس میں لسی ڈالنے لگی اور خالی جگ میز پر رکھ دیا تھا۔

"تھینک یو۔ میرے فرینڈز آ چکے ہیں۔" ترکش لڑکی کیفے میں اپنے دوستوں کو داخل ہوتا دیکھ کر معذرت کرتی اٹھ گئی تھی۔

"میں اب۔۔۔ میں اب کیا پیو؟ ساری لسی تو تم نے ڈال لی۔" آدم ٹشو سے آنکھوں سے رواں پانی خشک کرتا روہانسا ہو رہا تھا۔

Clubb of Quality Content

"تم اپنے لیے ایک اور جگ منگوا لو۔" کہتے ہی مہروز فوراً اردو میں پریتی سے مخاطب ہوئی تھی "یہ بہت شوخا ہو رہا ہے۔"

پریتی ایک بار پھر ہنس پڑی تھی، اسے یونہی بات بات پر ہنسی آتی تھی۔ عبداللہ بظاہر فون کی اسکرین پر اسکرالنگ کر رہا تھا مگر مہروز کی بات پر زیر لب مسکرا دیا تھا۔

"آہا۔" وہ چٹکی بجاتا ان کی میز کے دائیں طرف فاصلے پر بیٹھے کپل کو دیکھتا ہوا اٹھا تھا۔ ان کپل کے بیچ اورنج جوس کب سے پڑا ہوا تھا اور دونوں بحث کے دوران جوس پینا بھولے ہوئے تھے۔

آدم ان کی ٹیبل سے جوس اٹھا لایا تھا اور وہ اپنی بحث میں اس قدر مشغول تھے کہ آدم کی حرکت کو نظر انداز کیے ایک دوسرے سے بحث میں جیت جانا چاہتے تھے۔

"کھسکے ہوؤں کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔" پریتی نے مسکراہٹ دبا کر مہروز کو دیکھا تھا۔

اپنے اپنے حصے کا بل ادا کر کے وہ چاروں کیفے سے باہر نکل آئے تھے۔ مغرب کا جامنی کا اندھیرا ہر سو پھیل رہا تھا۔ عبداللہ، پریتی اور مہروز کو رسمی انداز میں خدا حافظ کہتا پارکنگ ایریا کے بائیں طرف روانہ ہو چکا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"بے مروت۔۔۔میں نے ہی اسے کھانے پر بلایا اور مجھ سے ہی مل کر نہیں گیا۔" آدم اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے بڑبڑاتے ہوئے گاڑی ان لاک کر رہا تھا۔

"میں ابھی واپس نہیں جانا چاہتی۔" آدم اور پریتی نے مڑ کر مہروز کو دیکھا تھا۔

"تو اور کہیں بھی جانا ہے؟"

"آپ لوگ جائیں۔میں خود آجاؤ گی واپس۔"

"کوئی مسئلہ نہیں ہم ویٹ کر لینگے۔" آدم گاڑی واپس لاک کر چکا تھا۔

"نہیں۔پلیز۔" وہ گردن موڑ کر بائیں طرف دیکھتی جیسے کسی کو ڈھونڈ رہی تھی "میں خود آجاؤ گی نا۔"

"وہ آجائے گی۔ہمیں جانا چاہیے۔" پریتی گاڑی کی طرف مڑی تھی اور گاڑی کا دروازہ کھولنے لگی مگر لاکڈ دروازہ دیکھ کر وہ بت بنے آدم کو دیکھنے لگی "ہمیں جانا چاہیے۔"

آدم سر جھٹکا کر گاڑی ان لاک کر چکا تھا۔مہروز گاڑیوں اور سائیکلوں کے بیچ آہستہ آہستہ ٹہل ٹہل کر بائیں طرف جانے لگی مگر سرخ اسپورٹس کار کو زن سے جاتا دیکھ کر وہ تیز قدموں سے تقریباً بھاگنے لگی۔

❀❀❀

اونچے اونچے مالز اور اسکائی اسکریپر عمارتوں سے سڑک پر پڑتی نیلی، جامنی روشنیوں کے بیچ وہ فٹ پاتھ پر آگے بڑھ رہا تھا۔ ہوا کے باعث اس کا کوٹ گھٹنوں کی طرف لہرا رہا تھا۔ وہ کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اپنے پیچھے آنے والی آہٹ نہیں سن سکا تھا۔ کوئی بہت قریب اس کے کندھے کے ساتھ چلنے لگا تو عبداللہ نے گردن بائیں طرف موڑلی تھی۔

مہروز اونی ٹوپی اب کچھ زیادہ ماتھے تک کھینچ چکی تھی اور خاموشی سے اسکے برابر چل رہی تھی۔ اسے اپنی طرف متوجہ پا کر مہروز مسکرا دی تھی۔

عبداللہ نے کان میں لگے بلیوٹوتھ کو دو انگلیوں سے دبا کر بند کر دیا تھا۔

"کیسے ہیں آپ؟"

"میں ٹھیک ہوں۔" عبداللہ نے اپنی رفتار آہستہ کر دی تھی "اس رات بڑی شکستہ دل تھی آپ۔ کچھ ریکور کیا آپ نے؟"

"شکستہ دل۔" مہروز نے حیرانی سے یہ الفاظ دہرائے تھے۔ دونوں ہی زیبرہ کراسنگ کے قریب کھڑے ہو گئے تھے تھے اور بتی گرین ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

Clubb of Quality Content

"اچھی اردو ہے آپ کی۔" مہروز اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے تبصرہ کرنے لگی۔

بتی گرین ہو چکی تھی اور پیدل چلنے والوں کا سائین دیکھتے ہی وہ دونوں ایک ساتھ قدم آگے بڑھا چکے تھے۔

"خیر میں ایک بات کلیئر کر دوں کہ اس رات میں خودکشی نہیں کر رہی تھی۔" روڈ کراس کرتے ہی وہ دونوں مصروف سے فٹ پاتھ پر چڑھ گئے تھے "مسئلے تو آتے ہی اس لیے ہیں کہ ان کا حل نکالا جائے۔"

عبداللہ نے گردن موڑ کر مہروز کو دیکھا تھا جس کی ناک سردی کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھی۔ وہ اس کی گہری بات پر چند پل خاموش رہا۔

"تو تھیوری کے سر کا معاملہ حل ہو گیا؟"

"بالکل۔ اب جو سر آئے ہیں وہ بہت زیرک ہیں، آتے ساتھ ہی پورے ڈیپارٹمنٹ میں چھا گئے ہیں۔"

"اچھا۔ بھلا کیسے؟" عبداللہ یکایک دلچسپی لینے لگا تھا۔

فٹ پاتھ کے ایک طرف جوان سالڑکا مائیک سیٹ کرتے ہوئے جیسے اسٹریٹ اسنگنگ کی تیاری کر رہا تھا۔

"ان کا فیشن سینس نا صرف لڑکیوں بلکہ لڑکوں میں بھی بہت مشہور ہے۔ وہ ٹرٹل نیک پر مفلر پہنتے ہیں اور آدھا ڈیپارٹمنٹ اب ان کے جیسا مفلر باندھتا ہے۔ ان کی کلاس میں کوئی چوں بھی نہیں کر سکتا جبکہ خود کبھی وہ پین انگلیوں میں گھماتے رہتے ہیں، کبھی کیپ چڑھاتے بند کرتے ہیں، کبھی بک کے کاغذ سے ہوا دیتے رہتے ہیں۔ یعنی خود ہر وقت مو کرتے ہیں پر دوسروں کو کہتے ہیں 'نو مومنٹس ان مائی کلاس۔'" مہروز سر کی آواز نکالتے ہوئے ہنس دی تھی۔

عبداللہ کے لب آہستہ سے مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔

مہروز کو سر اٹھاتا دیکھ کر عبداللہ فوراً سے سیریس ہو گیا جیسے وہ رہا کرتا تھا۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" وہ دونوں ایک اور موڑ کاٹ چکے تھے اور سڑک کے دوسری طرف پانی کا دریا بہتا ہوا نظر آنے لگا جہاں اکا دکا لوگ ہی کشتی پر کھڑے اسے چپوں کی مدد سے چلا رہے تھے۔

"آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟"عبداللہ نے الٹا اس سے سوال پوچھ لیا تھا۔

"چلیں پھر لیڈیز فرسٹ۔"مہروز نے گلہ کھنکھارا تھا"مجھے یہاں جاب مل گئی ہے سو میں تو اپنی جاب کی وجہ سے ہوں یہاں۔"

"تو پڑھائی کا کیا کرینگی؟"

"مزے کی بات ہی یہی ہے کہ صرف تین دن یہاں آنا ہے۔"ان دونوں کی رفتار آہستہ ہو گئی تھی۔وہ بہت پر جوش لگ رہی تھی۔

"اب آپ جواب دیں۔"

عبداللہ نے گردن پیچھے پھینک کر گہرا سانس خارج کیا تھا تو ہوا میں بھاپ سا اڑا تھا۔

"ورک شاپ تھی ڈاکٹرز کی۔"

مہروز کے لب 'اوہ' میں سمٹے تھے۔

وہ چلتے چلتے کب بس اسٹاپ تک پہنچ گئے تھے اور مہروز کو اندازہ بھی نہیں ہو سکا تھا۔وہ کیوں خوش تھی اسے خود بھی اندازہ نہیں ہوا تھا۔ہوا تب جب عبداللہ کو بس اسٹاپ پر کھڑے پایا۔

تو بس ان دونوں نے سفر یہیں تک طے کرنا تھا۔ عبداللہ نامحسوس انداز میں خاموش ہو گیا تھا۔

"مجھے اسکلٹیز جانا ہے۔ کیا یہی بس پہنچا دیگی؟"

"اسٹریٹ فارٹین پر اتر جانا۔"

ان کی پشت کی طرف بنی بلڈنگز سے پیلی روشنی عبداللہ کے دائیں رخ پر پڑ رہی تھی۔ مہروز نے خود کو کوسا تھا تو اس نے نظروں کا رخ پھیر لیا تھا۔

اسے بہت برے وقت پر احساس ہوا تھا کہ عبداللہ اسے ریسٹورنٹ میں نظرانداز کیے بیٹھا رہا اور اسے ساتھ چلنے کو بھی نہیں کہا پھر وہ کیوں اس کے پیچھے چل پڑی؟ وہ لیا دیا سا رویہ لیے ہوا تھا اور وہ کیا کر رہی تھی؟ اس سے بات کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور اس کے پیچھے بس اسٹاپ تک آ گئی تھی۔

خود کو لعنت ملامت کرتی وہ چپ کھڑی رہ گئی تھی۔ یک دم سارا جوش مفقود ہو گیا تھا۔ اسے شرمندگی ہونے لگی کہ وہ کیوں اس کو فالو کر کے یہاں تک آئی۔ (وہ اب کیا سوچ رہا ہو گا کہ میں اس میں دلچسپی لے رہی ہوں۔) مہروز نے آنکھیں میچ کر خود کو کوسا تھا۔

دونوں خاموش کھڑے بہتے پانی کا شور سنتے رہے، کتنے ہی لوگوں نے ان کے قریب گزرتے ہوئے بت بنے جو اس جوڑے کو دیکھا تھا۔ گرین چمکتی ہوئی بس ان کے قریب کھڑی ہوگئی تھی۔ عبداللہ مہروز کے پیچھے بس میں داخل ہوا تھا اور دونوں اسنگل سیٹر پر بیٹھے دو الگ ،انجان لوگ لگ رہے تھے۔

جو کبھی ایک دوسرے سے ملے ناہو۔

جیسے ایک دوسرے کو جانتے نا ہو۔

❁❁❁

ناول کلب
Clubb of Quality Content

لاہور کا موسم ہی الگ تھا۔ جرار کے گھر میں جوش تھا، خوشی تھی۔

جرار لڑکے سے مل کر تسلی کرنا چاہتے تھے، انہیں لڑکا خاموش اور سوبر لگا تھا۔اس دفعہ بات جرار نے خود کی تھی، انہیں یہ باور کرایا تھا کہ وہ بیٹی کی پرابلم کا اس لیے انہیں بتارہے ہیں تاکہ انہیں پتا ہو کہ وہ کوئی دھوکا نہیں دے رہے۔انہیں پتا ہو کہ ان پر مہروز بوجھ نہیں ہے، برص

اللہ کی مرضی ہے۔انہیں اپنی بیٹی قبول ہے اب جس نے مہروز کو اپنانا ہے اسے بھی قبول کرنا ہو گا۔

لڑکے کے گھر والوں کی طرف سے کچھ دن کی خاموشی کے بعد مثبت جواب موصول ہو گیا تھا۔یاسمین اور سلیمان جان تو شکر ادا کرتے نہیں تھکتی تھی۔

مہروز گم سم یہ خبر ماں سے سن رہی تھی۔بات بات پر ماں کی آنکھیں چھلک پڑنے پر وہ خود بھی رو لیتی تھی مگر اس کے آنسو خوشی کے نہیں تھے۔مسکراہٹ جیسے یاسمین کے چہرے سے چپک گئی تھی۔

اسے حبس کا احساس ہو رہا تھا۔اسے لگا تھا اس دفعہ بھی انکار ہو جائے گا مگر اس کے ساتھ جڑا یورپ کا کارڈ سب دیکھ رہے تھے۔اسے اس دفعہ مثبت جواب آنے پر دکھ ہوا تھا۔عین سمیسٹر ختم ہونے کے بعد جون میں دونوں کی شادی طے تھی اور پھر ڈائریکٹ جرمنی کا ٹکٹ۔

خان بابا نے ایک بار پھر اسے یاد دلایا تھا کہ وہ اب بھی انکار کا حق رکھتی ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

مہروز نے بے دلی سے لڑکے کی تصویر دیکھی تھی، اپنی ہونے والی ساس سے ویڈیو کال پر بات کی تھی۔اس کا گلہ آنسوئں سے بھر جاتا تھا مگر وہ ضبط کرتی رہی۔ لڑکے کی ماں اسے بار بار باور کراتی رہی کہ اسے اپنے ساتھ شوہر کو لے کر جانا ہے مگر ساس کو بھی نہیں بھولنا۔

یہ کچھ دن نہایت بھاری گزرے تھے۔ وہ اس رشتے کے لیے تیار نہیں تھی خود کو تیار کر رہی تھی۔خوش نہیں تھی مگر ماں کے سامنے مسکرانے کی اداکاری کرنی تھی۔ساس کے میسجز اسے ڈھونگ لگ رہے تھے اور پھر ایک دن اسے وجاہت علی کی کال موصول ہو گئی تھی۔

یونی کے سبزے میں بیٹھی وہ نروس ہو رہی تھی۔فروٹ چاٹ پیالے میں پڑا پڑا عجیب رنگ کا ہو رہا تھا۔دن شام میں بدل رہی تھی۔اس کے ارد گرد اسٹوڈنٹس دھیمی آوازوں میں آپس میں بات کرتے گزر رہے تھے۔

مہروز گلے میں پہنے مفلر سے لٹکی موتیوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔وہ ایک نظر وجاہت پر ڈال کر ادھر ادھر دیکھنے لگتی۔اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیا پوچھے، کیا بات کرے۔

Clubb of Quality Content

"آپ کو میرا نمبر کس نے دیا؟" مہروز تازہ کٹی گھاس پر انگلیاں پھیر رہی تھی۔اس کے دل کی دھڑکن تیز نہیں تھی۔وہ کچھ بھی محسوس نہیں کررہی تھی۔اس نے کبھی بھی یہ نہیں چاہا تھا کہ اس کا رشتہ سودے کی صورت طے ہو۔

"اپنی ماما سے لیا ہے۔کیوں آپ کو برا لگا؟آپ کے چہرے سے کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے۔" وہ سوٹڈ بوٹڈ سا آفس میں بیٹھا ہوا تھا۔اس کے چہرے سے بھی مسکراہٹ چپکی ہوئی تھی۔

"نہیں۔وہ۔۔۔" مہروز سچ بتادینا چاہتی تھی کہ ہاں اسے اچھا نہیں لگا مگر مصلحتاً بات بدل گئی" میں نے خان بابا سے اجازت نہیں لی نا۔"

"کس چیز کی؟"

"آپ سے بات کرنے کی؟"

"اوہ۔" وجاہت جیسے طنزیہ ہنسا تھا "تو کیا جرمنی میں تم نے کسی لڑکے سے بات نہیں کی ہوگی؟ کیا وہاں بھی بابا سے اجازت لے کر بات کرتی ہو؟"

مہروز کی شہادت کی انگلی گھاس پر ہی ٹھہر گئی تھی۔وجاہت کے لہجے میں طنز واضع تھا۔

"میں یہاں ضروری بات ضرور کرتی ہوں لڑکوں سے پرسنل بات نہیں کرتی۔" مہروز کا لہجہ خود بہ خود ہی سخت ہو گیا تھا۔

"اور حسیب؟ اس کے پاس نمبر نہیں ہے کیا؟ یا اس سے بابا نے خود اجازت دی ہے بات کرنے کی حالانکہ وہ تو فیملی بھی نہیں ہے اور میں تو ہونے والا شوہر ہوں۔"

"حسیب کو کیوں لائے ہیں بیچ میں؟" مہروز کے چہرے پر خود بہ خود ناپسندیدہ تاثرات آ گئے تھے "بالکل بابا نے دی ہے اجازت۔ میرے لیے خان بابا اہم ہیں اور ہمیشہ رہینگے۔"

"مجھ سے بھی زیادہ؟"

"نئے رشتے بنے پر پرانے رشتوں کی اہمیت ختم نہیں ہوتی۔ کیا آپ بھی مجھے اپنی ماں پر ترجیح دینگے؟"

مہروز کے سوال پر وجاہت سٹپٹا گیا تھا اور پھر یک دم ہی مصالحانہ مسکراہٹ چہرے پر سجالی۔

"ناراض کیوں ہوتی ہیں؟ ابھی تو ہم ایک دوسرے کو جان رہے ہیں 'گڑیا۔"

مہروز کا ماتھا لفظ 'گڑیا' پر ٹھنکا تھا۔ مہروز کو اس کا اتنا فرینک انداز پسند نہیں آیا تھا مگر وہ ضبط کر کے رہ گئی۔

مہروز نے گہرا ابھر کر آس پاس چلتے خوش باش طلبہ کو دیکھا تھا اور پھر مڑ کر موبائل کی اسکرین کی طرف دیکھا تھا۔اسے ایسا لگا تھا جیسے وجاہت نے اس کال کی اسکرین شاٹ لی ہے۔وہ دون انگلیاں اسکرین سے پیچھے لے کر گیا تھا۔

وہ پوچھنا چاہتی تھی مگر پھر خاموش رہی کہیں وہ غلطی پر نا ہو اور اسے شرمندہ ہونا پڑے۔

"آپ کورنگ۔۔۔"

"مجھے کام پر جانا ہے۔"مہروز نے فوراً اس کی بات کاٹی تھی"اللہ حافظ۔"

فوراً کال کاٹ کر اس نے فون بیگ میں رکھا تھا اور بجھے دل کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔اسے یہ شخص ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔

وہ پارکنگ ایریا میں کھڑی اسائیکل کی طرف جاتے ہوئے مسلسل یہیں سوچ رہی تھی کہ اگر خان بابا کو اس کال کے بارے میں بتا دیا جائے تو وہ کیا کہیں گے۔کیا وہ اتنے آزاد خیال ہیں کہ دونوں کو شادی سے پہلے ایک دوسرے سے کال پر بات کرنے کی اجازت دے؟

وہ سر جھٹکتی اپنی اسائیکل کو اسٹینڈ سے ہٹاتی یاسیت سے ٹوکرے میں رکھے پنک للیز کو دیکھنے لگی جس کا آج بھی پتا نہیں لگ سکا تھا کہ اسے رکھتا کون ہے۔

ماچو کیفے کے بالکل نزدیک، اسائیکل کھڑی کرتے وہ پیکلے سے بچتے ہوئے کیفے کے اندر داخل ہوئی تھی۔ شام کا ملگجا سا اندھیرا کیفے سے باہر چھا رہا تھا۔ اوٹو نے اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا تھا اور ہاتھ کے اشارے سے سمجھانے لگا کہ وہ بیٹھ جائے بس وہ کچھ دیر میں فارغ ہو جائے گا۔

کھڑکی کے قریب رکھے میز پر بیٹھی مہروز پنک لی لیز پر گرے پانی کے قطروں کو انگلیوں کے پوروں سے چنتی اس دنیا کا حصہ نہیں لگ رہی تھی۔ جیسے وہ کھو سی گئی تھی، بجھ سی گئی تھی۔ جب دل خوش نا ہو تو ارد گرد کا ماحول بھی انسان کی طبعیت پر کچھ خاص فرق نہیں ڈالتا ہے۔

"لونا۔" اوٹو نے اس کی آنکھوں کے آگے مگ گھومایا تو جیسے وہ ہوش میں آئی تھی۔ مسکرا کر مگ لیتے ہوئے وہ اوٹو کو دیکھنے لگی۔

"نئی جاب کو انجوائے کر رہی ہو؟ ویسے میں بہت یاد کرتا ہوں تمہیں۔ ایرک سے کہا تھا کچھ دنوں پہلے کہ پنک لی لیز لایا کرو مگر وہ کبھی بھول جاتا تھا، کبھی لاتا تھا۔ اب میں خود لانے لگا ہو۔ ویسے اس پھول فروش سے پتا لگا کہ تم اپنی اسائیکل کے لیے بھی اب اس سے پھول نہیں خریدتی۔"

"میں تو چاہتی تھی کہ یہاں کام کروں تم نے ہی روک دیا۔" مہروز کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے بولی تھی۔

"کیونکہ تم یہاں تعلیم حاصل کرنے آئی ہو۔ زندگی کو بالکل مشینی نہیں بنانا چاہیے، اسے بالکل ہی پیسے کمانے کے نام نہیں کرنا چاہیے۔ جب میں یو کے میں تھا تب میں تمہاری عمر کا تھا اور وہ میری زندگی کا سب سے مشکل فیز تھا۔ مجھے بس زندہ رہنے کے لیے پیسے کمانے تھے۔ میری نیند کم ہو گئی تھی اور پارٹ ٹائم جابز میں زیادہ پایا جانے لگا تھا۔ کبھی فلیٹ کے کرایے کی فکر، کبھی بلز اور کھانے کی۔۔۔ کوئی فکر نہیں۔ مجھے تعلیم مکمل کرنے کا وقت ہی نہیں مل سکا۔ میں بس وہاں مشین بن گیا تھا، ہر احساس سے عاری انسان جس نے بس پیسے کمانے تھے۔ یہاں کچھ سکون ہے اب۔" اوٹو ہلکا سا مسکرا دیا تھا۔

"آپ کی فیملی؟" مہروز نے اتنے مہینوں میں پہلی دفعہ اس سے پرسنل سوال کیا تھا۔

"مجھے اپنے باپ کا نہیں پتا البتہ میری ماں جرمن تھی۔ وہ اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ یو کے شفٹ ہوئی تھی اور میں ان کے ساتھ۔ پر اٹھارہ سال کے بعد میں نے انکا فلیٹ چھوڑ دیا

تھا۔ مجھے مزید ان کے گھر رہ کر ان دونوں پر بوجھ نہیں بننا تھا۔ ہم اب بھی کبھی کبھی بات کرتے ہیں۔" اوٹو گود میں دونوں ہاتھ رکھے کافی کے مگ کو گھور رہا تھا۔

"اور وائف یا گرل فرینڈ؟"

"ٹائم ہی نہیں مل سکا۔" اوٹو نے چہرہ اٹھا کر یاسیت سے اسے دیکھا تھا" مجھے بھی شوق تھا کہ کسی کو دوست بناؤ، اس سے محبت کرو مگر پیسے نے مجھے مشین بنا دیا تھا۔ البتہ کبھی مجھے کسی سے محبت ہوئی تو تمہیں ضرور بتاؤ گا۔ محبت کی تو کوئی عمر نہیں ہوتی۔"

"محبت کی تو کوئی عمر نہیں ہوتی۔" مہروز نے مسکرا کر اس کا جملہ دہرایا تھا۔

"البتہ تم ضرور محبت کرنا۔ یہ بہت خوبصورت احساس ہے اگر ہو جائے۔ خود بہ خود دل خوش رہنے لگتا ہے۔ ہر ٹینشن سے آزاد ہو جاتا ہے انسان، صرف ایک محبوب کی یاد کی وجہ سے۔"

"اور خود بہ خود اس سے فضول سی بات کرنے کو بھی جی چاہتا ہے صرف اس کی آواز سننے کی خاطر۔" مہروز نے اضافہ کیا تھا۔ وہ مگ کے کناروں پر انگلیاں پھیرنے لگی تھی۔ کچھ دنوں پہلے کی شام اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا تھا۔

"صرف اس کی ساتھ کی خاطر۔"

مہروز اور اوٹو چند ثانیے خاموش رہے۔ مہروز کچھ دنوں پہلے کی اپنی بے خودی پر جہاں شرمندہ تھی وہی اس کی لاجک بھی گھڑ لائی تھی۔ بس وہ اس کے چند منٹ ہی تو چاہ رہی تھی مگر پھر کتنے ہی دن وہ ملول رہی۔ اسے پاکستان سے یہ سب تو سیکھا کر نہیں بھیجا گیا تھا پھر وہ کیوں ایک انجان مرد کے پیچھے بھاگی تھی صرف اس کی آواز سننے کی خاطر، اسے دیکھنے کی خاطر۔

"بہر حال، بات فرینکفرٹ کی کرنا چاہ رہا تھا میں۔ رہن سہن کا مسئلہ تو حل ہو گیا نا؟"

"بالکل۔ کمپنی کی طرف سے ہی کمرہ ملا ہے۔ مجھے اچھا لگ رہا ہے اپنے بل بوتے پر دوسرے شہر جانا۔ اسے ایکسپلور کرنا۔"

وہ مسکرا کر جیسے کچھ دیر پہلے کے بوجھل احساس سے نکل چکی تھی۔ وہ اب ہر نیگیٹو سوچ کو ذہن سے جھٹک کر اوٹو کے ساتھ باتوں میں مشغول تھی۔

ڈپریسڈ خیالات کو جھٹکنے کے لیے کبھی کبھی کسی ایسے شخص کا انتخاب کرنا چاہیے جس سے پوزیٹیو وائبز آتی ہو۔ پوزیٹیویٹی ہمیشہ منفی سوچوں کو ہرا دیتی ہے۔

❀❀❀

لاہور میں شام کا موسم قدرے بہتر ہوتا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

جرار اور حامد قریبی پارک میں ایک بینچ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جرار سائیکل سے گرتی بچی اور باپ کو دیکھے جا رہے تھے۔ بچی ابھی اسائیکل چلانا سیکھ رہی تھی اور باپ ہر بار اس کے گر جانے پر اسے مسکرا کر اٹھا دیتے اور حوصلہ بڑھاتے تھے۔

جرار کے اندر بھی ایک خلا سا رہ گیا تھا۔ وہ یہی محبت اپنے سے باپ سے چاہتے تھے۔ وہ یہی چاہتے تھے کہ ان کے گر جانے پر ان کا باپ انہیں اسپورٹ کرتا۔ انہیں سراہتا۔ مگر وہ تو ساری زندگی محروم ہی رہے۔ ان کے والد کو اپنی اولاد میں کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی۔ وہ اپنی اولاد کو گرنے کے بعد اٹھنے کا حوصلہ نہیں دیتے تھے۔ ان کے پاس غلطی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی تھی۔ بس جیسے ساری زندگی وہ اور ان کے والد ایک ناپسندیدہ زندگی گزارنے پر ہی مجبور رہے۔

لیکن جب وہ خود باپ بنے تو لاکھ بیٹی سے محبت کے باوجود دونوں کے بیچ حائل دیوار کو توڑ نہیں سکے تھے۔ انہیں محبت کا اظہار نہیں آتا تھا مگر یہ اظہار وقت کے ساتھ انہیں مہروز سیکھا چکی تھی۔ وہ بچپن میں تو اپنی محبت کا اظہار نہیں کر سکے تھے مگر اب جو وقت ان کو میسر تھا وہ اسکو ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔

"آپ کو یوں ہاتھ میں پیسے نہیں تھمانے چاہیے تھے۔آپ کوئی رسید کوئی نشانی تو پاس رکھتے۔" حامد صاحب جرار کے لیے نہایت پریشان تھے جو کچھ مہینوں میں کمزور لگنے لگے تھے۔

"مجھے دھیان ہی نہیں رہا۔جب اس نے کانٹریکٹ بنوایا تھا تب میں نے اس پر سائن کردیے مگر قرض واپس لوٹانے پر میں نے کانٹریکٹ نہیں بنایا۔مجھ سے یہی غلطی ہوگئی۔" وہ مسلسل اسائیکل پر چڑھتی گرتی بچی کو دیکھ رہے تھے۔

"عدالت جانے کا بھی فائدہ نہیں ہے۔ہم کہاں سے پروکرائینگے کہ آپ نے قرض لوٹا دیا تھا۔"

"اور اب مہروز کی شادی بھی کرنی ہے۔"

"تاریخ بڑھادو۔ابھی کیا جلدی ہے۔"

"مجھے نہیں لڑکے کی ماں کو جلدی ہے۔"

"ویسے یہ کوئی اچھا رشتہ نہیں ہے۔" حامد صاحب اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیے بنا نہ رہ سکے تھے۔

Clubb of Quality Content

"میں نے بس بیوی اور ماں کے فیصلے کے آگے سر جھکایا ہے۔دیکھ لیتے ہیں پھر۔اس رشتے کو بھی چانس تو دینا ہوگا۔البتہ میں نے مہروز کو کسی بھی وقت انکار کا حق دیا ہوا ہے۔"وہ پست سی آواز میں مخاطب تھے۔ان کا دل بھی بوجھل تھا۔

"کیا وہ انکار کر سکے گی؟ جرار ہماری مشرقی بیٹیاں جب ماں باپ کے کہے پر سر جھکاتی ہیں تو اپنی 'نا' کہیں دفن کر آتی ہیں اور ماں باپ کے اقرار کو مرتے دم تک نبھاتی ہیں۔"

"اللہ نا کرے۔اللہ اسے بہت خوش رکھے۔"جرار دہل گئے تھے"میں پٹھان ضرور ہوں مگر بیٹی کے معاملے میں سخت نہیں ہوں۔ہمارے ہاں تو پٹھانوں سے باہر رشتہ نہیں کرتے مگر اپنی بیٹی کے مستقبل کی خاطر میں اسے اردو اسپیکنگ لوگوں میں دے رہا ہوں۔اس نے اپنے منہ سے ہاں کہا تھا حالانکہ میں نے انکار کی چوائس دی تھی۔میں پھر بھی پوچھوں گا۔"انہیں ایک نئی پریشانی لاحق ہو گئی تھی۔

"اللہ اس کے حق میں بہتر کرے۔بہر حال،قرض لوٹانے کا کوئی بندوبست کرتے ہیں اور اس دفعہ میں خود اسٹام پیپر بنواؤں گا۔"

جرار اثبات میں سر ہلاتے اس بچی کو ڈھونڈنے لگے جو بہت دور اب خود سے اسائیکل چلانا سیکھ چکی تھی اور اس کا باپ فخر سے مسکراتے ہوئے اپنی بیٹی کو دیکھ رہا تھا۔

❀❀❀

یونیورسٹی آف فری برگ میں مڈز کا موسم چل رہا تھا۔ ہر ڈیپارٹمنٹ مڈز لینے میں مشغول تھا۔ ان دنوں یونی ورسٹی تقریباً خالی رہتی تھی۔ مڈز دے کر طلبہ یا تو ہاسٹل کی طرف بھاگتے تھے یا لائبریری کی طرف۔ مہروز نے اس روز کے واقعے کے بعد کلاس میں کسی کی بھی مدد سے انکار کر دیا تھا۔ نا وہ گروپ اسٹڈی میں بیٹھتی تھی نا ہی کسی کو پڑھا رہی تھی۔ وہ کلاس فیلوز سے فاصلے پر ہو گئی تھی مگر ایما کی تیز، نفرت بھری نظروں کا محور وہی تھی۔ فرینکفرٹ میں تین دن جاب کا یہ فائدہ ضرور ہوا تھا کہ وہ مڈز کی تیاری سکون سے کر رہی تھی۔

ایک اور چیز جو سب طلبہ کو فیسی نیٹ کر رہی تھی وہ کلچر ویک تھا۔ انگلش ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے تمام ڈیپارٹمنٹس کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ بھی اس کلچر ویک کا حصہ بنے۔ مہروز پاکستان کو ریپریزینٹ کرنے کے لیے پرجوش تھی۔ بس مڈز ختم ہونے میں ایک ہی ہفتہ تھا اور کافی عرصے بعد یونی میں کوئی ایونٹ سجنے والا تھا۔

لائبریری کا دروازہ جیسے پھاٹک صورت بنا ہوا تھا جسے کھول کر اندر داخل ہوا جائے تو اونچی گول کشادہ سی لائبریری آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی۔لائبریری کا نچلا فلور بھی گولائی صورت بنا ہوا تھا اور اوپر کا فلور بھی۔مہروز اوپری فلور میں ایک شیلو کے پیچھے خاموش سے گوشے میں دیوار سے ٹیک لگائے زمین پر بیٹھی ہوئی تھی۔لائبریری میں بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی مگر خاموشی ایسی تھی جیسے یہاں کوئی نا ہو۔

بک شیلوز کے بیچ فاصلے سے پولینا راستہ بناتی مہروز کے پاس آئی تھی اور دبے پاؤں اس کے برابر بیٹھ گئی تھی۔پولینا بلانڈ بالوں کی پتلی سی چوٹیاں بنائے، سفید جینز شرٹ میں ملبوس تھی۔

فری برگ کا موسم بھی اب قدرے برداشت کے قابل ہوا تھا۔

"ہالو، روزے۔" پولینا نے آہستہ آواز میں اسکا نام گنگنایا تھا۔

روزے لیپ ٹاپ پر کچھ ٹائپ کر رہی تھی کہ اچھل پڑی تھی۔پولینا کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں حیرت در آئی تھی۔

"تم یہاں کیسے؟"

"یہ میرا ابھی فیورٹ اسپاٹ رہ چکا ہے۔" پولینا گھٹنوں کو جوڑے بیٹھی ہوئی تھی۔

"آج لاسٹ پیپر تھا میرا۔" پولینا کی آواز میں جوش تھا۔

"گڈ فار یو۔" مہروز کہتے ہی واپس لیپ ٹاپ پر متوجہ ہو گئی تھی۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟" پولینا جھک کر لیپ ٹاپ کی اسکرین دیکھنے لگی تھی۔

"تھیوری کے سر نے زندگی عذاب کر دی ہے۔ اب پرسوں پیپر ہے اور اسی دن اپنی ریسرچ کا پہلا ڈرافٹ لے کر جانا ہے۔ مجھے تو جاب کی وجہ سے لکھنے کی فرصت ہی نہیں مل سکی۔" مہروز گہرا سانس بھرتے ہوئے گردن کو دائیں بائیں جھٹکا دینے لگی۔

"مجھے آتا تو میں کر لیتی۔ کچھ ریسٹ لے لو۔" وہ مہروز کا تھکا ہوا چہرہ با آسانی دیکھ پا رہی تھی۔

"سوچ رہی ہوں عصر پڑھ کر دوبارہ کام شروع کر لو نگی۔" وہ جیسے خود کلامی کرتی لیپ ٹاپ بند کر کے ایک طرف رکھنے لگی۔

پولینا کے تو سر سے اس کی بات گزری تھی مگر اسے بیگ سے جائے نماز نکالتا دیکھ کر سمجھ گئی تھی کہ اس کی عبادت کا وقت ہوا ہے۔

مہروز چہرے کے گرد اسٹول باندھے بائیں طرف قبلہ رخ کھڑے نماز پڑھ رہی تھی۔

پولینا دیوار سے سر ٹکائے اسے خاموشی سے نماز اور پھر دعا کرتے ہوئے دیکھنے لگی۔ وہ اس کے چہرے پر ایک پل میں کئی جذبات آتے دیکھ رہی تھی۔ مہروز چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جائے نماز لپیٹ کر اپنے بیگ میں رکھتے ہوئے واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گئی تھی۔

"کیا مانگا تم نے؟"

مہروز نے لیپ ٹاپ اٹھاتے ہوئے صرف ایک لحظے کے لیے سر اٹھا کر پولینا کو دیکھا تھا۔ پولینا اسے اب بہت بدلی بدلی لگتی تھی۔

"انسان کو جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ اللہ سے وہی مانگتا ہے۔" مہروز لیپ ٹاپ گود میں رکھ چکی تھی مگر اب تک اسے کھولا نہیں تھا۔

"اور وہ دے دیتا ہے؟ ویسے ناراض مت ہونا مگر تم لوگ کہتے ہو کہ وہ ہر جگہ موجود ہے پھر اس سے مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ خود دیکھ رہا ہے نا کہ تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے۔"

"وہ سب جانتا ہے، پولینا۔اسے اچھا لگتا ہے جب اس کا بندہ اسے پکارے۔ مخلوق کو بے نیاز نہیں ہو جانا چاہیے کہ سب بنا مانگے ہی مل جائے گا۔ خالق کو اپنے مخلوق کی آواز سننا بہت پسند ہے۔ایسے ہی جیسے چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے جب ایک ننھا بچہ ماں کو پکارتا ہے اور ماں خوشی خوشی اس کی مدد کرنے دوڑتی ہے،اس کی بے تکی باتیں گھنٹوں سنتی ہے۔اللہ خالق ہے ہمارا پھر وہ کیسے نہیں دے گا ہمیں؟ اسے سننا پسند ہے جب ہم اسے اپنی تکلیف بتاتے ہیں تو وہ سنتا بھی ہے اور جواب بھی دیتا ہے مگر اس کا جواب دینے کا انداز نرالا ہے۔وہ سائنز میں جواب دیتا ہے، دل میں بات ڈال دیتا ہے۔"

پولینا دونوں پاؤں کے گھٹنے جوڑے مہروز کے لیپ ٹاپ پر رکھے دائیں ہاتھ کی پشت پر نکلے کالے تلوں کو دیکھتی ہوئی، خاموشی سے اسے سن رہی تھی۔

"ایک بات بتاؤں کیا تمہارے مذہب میں لڑکا غیر مذہب کی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے؟"

مہروز نے سر دائیں طرف گھما کر پولینا کو دیکھا تھا۔وہ نہایت سنجیدہ لگ رہی تھی۔

"ہاں۔اہل کتاب سے ہو سکتی ہے۔"

"اور لڑکی؟"

"نہیں۔لڑکی بس مسلمان سے کر سکتی ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟ یہ تو زیادتی ہوئی نا؟ کسی مسلمان لڑکی کو کوئی عیسائی پسند آگیا تو وہ کیا کرے پھر؟" پولینا نے ناک چڑھا کر پوچھا تھا۔

"ایک تو تم لوگوں کو اسلام میں ہر چیز ہی زیادتی لگتی ہے۔" مہروز نے بدمزہ ہوتے ہوئے لیپ ٹاپ واپس کھول لیا تھا "اللہ کے ہر معاملے میں مصلحت ہوتی ہے، پونا۔ یہ رشتہ ہی ناجائز ہوگا اور ناجائز شے کب انسان کے لیے فائدہ مند ثابت ہوا ہے۔"

پولینا سر ہلاتے ہوئے جیسے سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اب کوئی سوال نہ پوچھنا۔ مجھے ریسرچ مکمل کرنا ہے۔" مہروز فوراً لاتعلقی کا اعلان کرتی لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوگئی تھی جبکہ پولینا شہادت کی انگلی سے دایاں گھٹنا بجاتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ پہلی دفعہ مسکرا رہی تھی۔

❁❁❁

جمعرات کے دن کا پولینا کو بہت فائدہ ہوتا تھا، مہروز تین دن کے لیے اپنی اسائیکل یہی چھوڑ کر جاتی تھی اور پولینا اس کا بے دریغ استعمال کرتی تھی۔

پولینا اسپتال کے سامنے کھڑی کتنی ہی دیر اس کا انتظار کرتی رہی مگر وہ نا نکلا۔ وہ مایوس ہو کر اندر اس کا پتا کرانے گئی مگر وہ آج آیا ہی نہیں تھا اور یہی سب جمعہ کو بھی ہوا۔

وہ ہفتے کی شام مایوس سی پارکنگ ایریا میں بنچ پر بیٹھی ناخن پر لگی نیل پالش کو کھرچ رہی تھی جب اسے دور اندھیرے سے روشنی کی طرف بڑھتا ہیولہ نظر آیا تھا۔ اس کے بال گھنگریالے تھے۔ پولینا اپنے کرلڈ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے دھڑکتے دل کے ساتھ اٹھی تھی۔ وہ دور سے بھی ان گھنگریالے بالوں کو پہچان سکتی تھی۔

وہ کالے لانگ کوٹ کو دائیں ہاتھ پر ڈالے صرف سویٹر میں ملبوس تھا اور سیڑھیوں پر قدم رکھ چکا تھا۔

"عبداللہ۔"

اپنی نام کی پکار سن کر وہ سیڑھیوں پر ہی ٹھہرا تھا اور پھر آہستہ سے مڑا تھا۔ اس کی دو بڑی کالی آنکھوں نے پولینا کو سیڑھیوں سے نیچے کھڑے دیکھا تھا۔ پولینا جیسے سانس لینا بھول گئی تھی۔ وہ ایسا ہی تھا، ٹھہرے ہوئے پانی جیسا۔ ٹھنڈا۔۔۔ مضبوط۔

"کیسے ہو؟ کئی دنوں سے نہیں آرہے تم؟" پولینا گردن سے لپیٹے مفلر کو درست کرتے ہوئے پہلی سیڑھی پر چڑھ گئی تھی اور اب بالکل اس کے عین سامنے کھڑی تھی۔

"تم نے مجھ پر نظر رکھی ہوئی ہے کیا؟"

اس کے برفیلے لہجے میں پوچھے ہوئے سوال پر پولینا کا دل کانپا تھا۔ وہ اتنا سخت کیوں تھا؟

پولینا نے مسکراتے ہوئے جیسے پھر سے ہمت مجتمع کی تھی "ہاں میں یہاں پورے دو دن سے آرہی ہوں۔" اس نے انگلیوں کو وی صورت کھڑا کیا تھا۔

وہ دونوں اسپتال کی بالکونی پر لگی پیلی روشنیوں کے پس منظر میں کھڑے تھے۔ اسے عبداللہ کا بایاں رخ اندھیرے میں نظر آرہا تھا۔

"نہیں آنا چاہیے۔ پولینا میرا پیچھا مت کرو۔" وہ اتنے سخت لہجے میں مخاطب ہوا تھا کہ پولینا کا دل دھڑکا تھا۔

اس کے ہونٹ کپکپائے تھے۔ اس نے ایک بار پھر انگوٹھے سے شہادت کی انگلی کا ناخن کھرچ ڈالا تھا۔ وہ کیوں خول میں بند تھا؟ وہ اس خول کو توڑنا چاہتی تھی مگر وہ ہر بار اسے دھتکار دیتا تھا۔

Clubb of Quality Content

"مجھ میں دلچسپی تمہارے لیے نقصان دہ ہے۔ جانتی کیا ہو میرے بارے میں؟"

پولینا کچھ کہنے کے لیے لب کھونے والی تھی کہ وہ پھر بول اٹھا "یہ مت کہنا کہ ہاں تم موقع تو دو میں تمہارے بارے میں سب جاننا چاہتی ہو یا مجھے تمہارے بارے میں جاننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

پولینا کے سارے الفاظ ہونٹوں پر دم توڑ گئے تھے۔ اس کی ٹانگوں میں ہلکی سی لغزش تھی۔ اس نے عبداللہ کے ماتھے پر آج سے پہلے کبھی بل نہیں دیکھے تھے۔

"مجھے تم میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اپنے آپ کو میری نظروں میں مت گراؤ۔" وہ انگلی اٹھائے جیسے اسے اپنی حد میں رہنے کو کہہ رہا تھا مگر نظریں نیچے تھی۔

وہ اسے دیکھے بغیر ہی مڑ گیا تھا۔

"وہ مجھے پتا لگا ہے کہ مجھے اپنا دین بدلنے کی ضرورت نہیں ہے مگر تم سے نکاح کے لیے میں بدل لونگی۔" وہ کانپتی آواز کے ساتھ بولتے ہوئے ایک انچ بھی اپنے ارادے سے پیچھے نہیں ہٹی تھی۔

"تو تم نے خود کو میرے پیچھے خوار کرنے کا سوچ لیا ہے؟" اس نے بغیر مڑے سوال پوچھا تھا۔

نیلی روشنیاں اسپتال کی بیرونی دروازے پر صاف پڑ رہی تھی۔ اب اس میں عبداللہ کا اسپاٹ چہرہ بھی واضع ہو گیا تھا مگر پولینا کو صرف اس کی چوڑی پشت نظر آ رہی تھی۔

"اب جب یہ جذبہ میرے دل میں جاگا ہے تو میں پیچھے نہیں ہٹو گی۔ میں ویسے بھی بہت ضدی ہوں۔ مجھے برباد ہونے سے بھی ڈر نہیں لگتا۔" پولینا کے گال پر آنسو پھسلا تھا۔

عبداللہ سر جھٹکتا، بغیر مڑے سیڑھیاں طے کر کے اسپتال کے سلائیڈنگ دروازے کی طرف بڑھا تھا۔

پولینا ٹھنڈ سے کپکپاتے ہوئے وہی کھڑی رہی تھی۔ اس کے گلابی گال گرم گرم سیال سے گیلے ہوتے رہے اور وہ ٹوٹا ہوا دل لیے وہی کھڑی رہ گئی تھی۔

Clubb of Quality Content

فرینکفرٹ پر رات کی سیاہی راج کر رہی تھی۔ ویک اینڈز پر زیادہ تر لوگ اوورٹائم لگایا کرتے تھے۔ البتہ مین ریور پر کشتیوں کے مقابلے کی تیاری چل رہی تھی۔ اگلے کچھ ہفتوں بعد اسی مین ریور پر کشتیوں کا مقابلہ ہونا تھا اور وہاں کے مقامی لوگ پر جوش دکھ رہے تھے۔

مہروز پین ہونٹوں میں دبائے چھوٹے سے آفس میں بیٹھی ہوئی تھی۔ میز کے بائیں طرف جرمن لڑکا بیٹھا ہوا تھا جو اس کے لکھے آرٹیکل کو جرمن میں ٹرانسلیٹ کر کے ویب سائیٹ پر لکھتا تھا۔ مہروز نوٹ پیڈ پر اہم پوائنٹس لکھے بیٹھی ہوئی تھی۔ انگلیوں کو چٹخاتے ہوئے وہ چند منٹ کی بریک کا کہہ کر کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ راہداری میں رات کی خاموشی زیادہ محسوس ہوتی تھی۔ وہ سفید مفلر گردن میں باندھے، بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا بنائے ہوئے نہایت رف حالت میں تھی۔

اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ ایک ویک اینڈ بھی اوورٹائم کے بغیر نہیں گزارے گی۔

جمائی کو روکتے ہوئے وہ دیوار کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی جسے لفٹ بننے میں ایک سیکنڈ بھی نہیں لگا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

تھرڈ فلور پر کیفے بنا ہوا تھا جہاں چاہے تو خود اپنے لیے کچھ بنا لے ورنہ پکا پکایا بھی کھایا جا سکتا تھا اور اسے سب سی اچھی بات ہی یہی لگی تھی کہ یہاں حلال کھانے کا انتظام بھی تھا۔

مہروز کافی میکر سے کافی کا کپ اٹھاتے ہوئے پلٹی تھی۔ کیفے میں ایک دو لوگ ہی بیٹھے ہوئے تھے جو نیند سے تنگ آ کر کافی پینے آئے تھے۔

وہ کھڑکیوں کے پاس رکھے سنگل سیٹر کرسی پر بیٹھ گئی تھی اور اونچی عمارت سے نیچے جھانکنے لگی۔ روڈ پر اکا دکا گاڑیاں ہی چلتی نظر آ رہی تھی۔ وہ کافی آدھا پی چکی تھی جب اس کے گول گلے کے سویٹر کے جیب میں پڑا فون تھرتھرایا تھا۔ مہروز نے گہرا سانس بھر کر جیب سے فون نکالا تھا اور اسکرین پر 'وجاہت کالنگ' دیکھ کر اس کے چہرے کے زاویے بدلے تھے۔ اس نے جرمن ٹائم دیکھ کر پاکستان کے وقت کا حساب لگایا تھا۔ وہاں رات کے بارہ بج رہے تھے۔ مہروز کوفت کا شکار ہوتی ویڈیو کال اٹھا چکی تھی۔

"کیسی ہو؟" وہ بیڈ پر اوندھا لیٹا نظر آ رہا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" مہروز نے نہایت بے دلی سے کہا تھا۔ اسے وجاہت کا پہلی ملاقات سے ہی یو فرینک ہو جانا، اس پر اپنا حق جمانا ٹھٹک رہا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"آنکھیں نیند کا شکار لگ رہی ہیں۔ابھی کہاں ہو؟"

"آفس۔"

"اتنی رات گئے۔کیوں؟"

"اوور ٹائم لگا رہی ہوں۔"

"اوور ٹائم رات کو کیوں لگا رہی ہو؟"اس کا انداز یک دم شکی ہوا تھا۔

"کیا مطلب ہے؟اوور ٹائم پھر کس وقت لگایا جائے؟"مہروز کے ماتھے پر بل پڑے تھے"ایک منٹ۔یہ آپ لوگوں کو کیوں لگتا ہے کہ باہر جانا آسان ہے اور وہاں تو پیسہ جیسے درختوں پر لگتے ہیں۔ہاں کسی کے کندھے پیر رکھ کر باہر جانا واقعی آسان ہوتا ہے۔"

"کیا تم مجھ پر طنز کر رہی ہو؟"وہ بیڈ پر یک دم سیدھا بیٹھ گیا تھا۔

مہروز نے سختی سے ہونٹوں کو آپس میں پیوست کر لیا تھا مبادا منہ سے کچھ سخت نا نکل جائے۔اس نے نظر اٹھا کر ان اکا دکا لوگوں کو دیکھا تھا جو ڈسٹ بن میں کافی کے کپ گراتے اب دروازے کی جانب بڑھ رہے تھے۔

وجاہت سے بات کرتے ہوئے اس کے لہجے میں خود بہ خود تلخی آجاتی تھی۔

"تو اس میں کیا ہوا؟ ویسے تو پاکستانی بڑے لبرلز بننے کی کوشش کرتے ہیں، چاہتے ہیں کہ انگریزوں کو فالو کرے اور پھر جب ایسی کوئی بات آئے جہاں بیوی شوہر کو اسپورٹ کرتی ہے اس پر بے غیرتی کا ٹیگ لگا دیتے ہیں۔" اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے "صرف باہر جانے کے لیے تمہاری ہیلپ ہی لے رہا ہوں نا جب باہر چلا جاؤ گا تو تمہیں کام بھی نہیں کرنے دونگا۔ خود کماؤ گا اور تم بس گھر بیٹھنا۔" وہ یک دم ہی مسکرانے لگا تھا۔

اس کا یک دم شکی ہو جانا اور پھر مصالحتی انداز اپنا لینا مہروز کو مشکوک لگ رہا تھا۔ کتنی فصاحت سے اس نے اپنی سوچ کی لاجک دی تھی۔

مہروز جمائی روکنے کے لیے زرا سا آگے جھکی تھی تا کہ کافی کا کپ اٹھا سکے تو اس کے کانوں کو بہت مدھم سی 'کرک' کی آواز سنائی دی تھی۔ مہروز پیچھے ہٹتے ہوئے غور سے اسکرین پر نظر آتے وجاہت کو دیکھنے لگی تھی جو شاید موبائل پر ابھرنے والے میسج کی طرف متوجہ تھا۔ کچھ اسکینڈز کے لیے تصویر رک گئی تھی جیسے ویڈیو کو پاز کیا گیا ہو اور پھر وہ جیسے واپس آگیا تھا۔

"ویڈیو کال کیوں پاز کی تھی؟"

"اوہ۔ پاز۔۔۔ نہیں شاید سگنلز کا ایشو ہو۔" وہ جیسے گڑبڑا گیا تھا۔

"اچھا بتاؤ تمہیں پسند۔۔۔"

"آپ میری تصویریں لیتے ہیں؟" مہروز نے فوراً سختی سے کہتے ہوئے اس کی بات کاٹی تھی۔

"نہیں تو۔"

"جھوٹ مت بولے۔" مہروز کی گرفت کافی کے کپ پر اس قدر بڑھ گئی تھی کہ کپ پچک کر رہ گیا تھا۔

"بی ہیو۔ تم کیسے مجھ پر جھوٹے کا الزام لگا سکتی ہو؟ ایسی بات کرتے ہیں اپنے فیانسی سے؟" وجاہت یک دم ہی ہتھے سے اکھڑ گیا تھا۔

"فیانسی ہیں باپ نہیں۔ آپ نے لاسٹ کال میں بھی میری تصویریں لینے کو کوشش کی تھی میں خاموش رہی کہ شاید میں غلط ہونگی مگر میں دو بار غلط نہیں ہو سکتی۔ مسٹر وجاہت، یہ جو رینڈم اسکرین شارٹس لے رہے ہیں نا آپ یہ میں نے بھی اپنی دوستوں کے ساتھ بہت دفعہ کیا ہے مگر دوست اور اجنبی میں فرق ہوتا ہے۔ آپ نے خود ہی پچھلی کال میں کہا تھا کہ ہمیں

ایک دوسرے کو جاننا چاہیے تو پھر ایک دوسرے کو جانے بغیر، ایک دوسرے کا ٹرسٹ، اعتبار جیتے بغیر آپ کیسے میری تصویریں لے سکتے ہیں؟ انہیں ڈیلیٹ کر دیجیے۔"

"میرے پاس اپنی فیانسی کی تصویر ہونی چاہیے اس میں کیا برائی ہے؟ شادی کے بعد خود ہی مرے جا رہی ہو گی کہ میری تصوریں فون میں رکھے۔ میری تصویریں اب کیوں نہیں لیتے۔" وہ مسخرے انداز میں لڑکیوں کی نقل اتار تا زہر لگ رہا تھا۔

"شادی کے بعد آپ اپنی بیوی کی تصویریں اپنی فون میں رکھیں گے لیکن ابھی آپ جرار خان کی بیٹی کی تصویر اس کی اجازت کے بغیر رکھ رہے ہیں۔" مہروز کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ سامنے ہو اور وہ اس کا گلہ دبا دے۔

"اب تم ایسے بن رہی ہو جیسے وہاں کسی مرد کے ساتھ تصویر ہی نا لی ہو۔"

"کیا آپ ایسی بنتی ہو ویسے بنتی ہو کہتے رہتے ہیں۔ اگر آپ کو مجھ پر کوئی شک ہے تو یہ رشتہ توڑ سکتے ہیں آپ۔ میں ایک بات کلیئر کر دوں، مسٹر وجاہت۔" مہروز نے انگلی اٹھائی تھی "میں کردار پر بات برداشت نہیں کروں گی۔ اب اگر آپ نے ایسی کوئی لینگویج استعمال کی تو میں اس

رشتے کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ لوں گی۔" مہروز نے فوراً اسے کال کاٹ دی تھی اور فون آف کر کے سویٹر کی جیب میں رکھتے ہوئے اٹھی تھی۔

وہ پچکے ہوئے کپ کو ڈسٹ بن میں پھینکتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔ اس کا خون کھول رہا تھا۔ وہ شدید کنفیوز تھی۔ کیا وہ ایک ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہے جو بات بات پر اسے جج کر رہا تھا؟ جو پل میں تولہ پل میں ماشہ تھا۔ جو اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا، جو صرف اسے یوز کر رہا تھا۔

وہ مرے ہوئے قدموں کے ساتھ سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھی جو نیچے جاتے ہی بالکونی کی طرف کھلتی تھی۔

وہ ریلنگ کا سہارا لیے سیڑھیوں سے اتر رہی تھی کہ ایک اسٹیپ پر اس کا جوگر پھنس گیا تھا، جیسے کسی چیز سے چپک گیا ہو۔ وہ جوگر کو جھٹکا دیتے چپ چپے چیونگم سے جوگر آزاد کر رہی تھی کہ توازن برقرار نا رکھتے ہوئے منہ کے بل آگے کی طرف لڑھکی تھی۔

ایک

دو

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

تین

اور چوتھے اسٹیپ پر اسے کسی نے کندھوں سے تھام لیا تھا۔وہ دھڑکتے دل کے ساتھ ہانپ رہی تھی۔اس کی کہنیاں اور بازو شدید سرخ ہو رہے تھے۔سب سے زیادہ درد کمر میں ہوا تھا۔کمر کی ہڈی تینوں اسٹیپس سے پٹخی تھی۔

"یہ بھی اچھا انداز ہے سیڑھیاں جلد طے کرنے کا۔" آدم اسے بازوؤں سے تھام کر سیڑھی پر بٹھا چکا تھا۔

مہروز کا دل کانپ رہا تھا۔وہ پندرہویں سیڑھی تک بھی گر جاتی تو مرتی نہیں مگر ہڈیوں میں درد مزید بڑھ جاتا۔

وہ کپکپاتی سرخ کلائیاں کو دیکھ رہی تھی۔اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔جسم میں درد کی لہریں کچھ تیزی سے گھوم رہیں تھیں۔

"ٹھیک ہیں۔بالکل ٹھیک ہیں۔" آدم جیسے اس پر افسوس کر رہا تھا"ذرا سا تو گری ہو۔"

"ذرا سا؟"مہروز چیخ اٹھی تھی۔

"ہاں۔چوتھے اسٹیپ پر پکڑ لیا میں نے۔دکھاؤ کوئی دانت ٹوٹا؟"وہ جیسے ہونٹوں کو کھول کر دانت گننا چاہتا تھا مگر بس جھانک کر ہی رہ گیا"نہیں ٹوٹا۔کلائیاں بھی سلامت ہیں اور پاؤں بھی،تو زرا سا گری نا۔"

"اللہ اسے بھی ایسا ہی گرائے جس نے چیونگم سیڑھیوں پر گرادی تھی۔"مہروز بدعادیتے ہوئے دائیں پیر کے جو گر سے چپکے چیونگم کو اتار رہی تھی۔

آدم نے خجل ہوتے ہوئے اپنی چٹیاں جھٹک ڈالی تھی"اب ایسے مت کہو۔کیا پتا بیچارے سے غلطی بیلے(ببل گم) سے گر گئی ہو۔"آدم نے فوراًاپنے آپ کو ڈیفینڈ کیا تھا۔

وہ اکثر الفاظ کو مزاحیہ ہیت دے کر بول دے دیتا تھا۔

کچھ دیر پہلے ہی اس کے منہ سے چیونگم گر گئی تھی۔سفید ٹائلز پر سفید چیونگم اسے نظر نہیں آئی تھی اور وہ کندھے اچکاتا واپس بالکونی کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"ببل گم بلکہ یہ بیلے کیسے غلطی سے گرتی ہے؟گر بھی گئی تو اٹھالیتا۔"مہروز سر جھٹکتے ہوئے ریلنگ کا سہارا لیتے ہوئی اٹھی تھی۔

"نہیں ملی ہو گی۔"

"تم کیوں ڈیفینڈ کر رہے ہو اسے؟"

آدم منہ بنائے بڑبڑاتے ہوئے اٹھا تھا۔

"اب اگر جلد ہی نیچے اترنے کا پلان ہو تو یوں اترو۔" وہ فوراً ہی ریلنگ پر بیٹھا تھا اور پشت کی طرف ریلنگ پر سلپ ہوتا ہوا ایک جھٹکے سے جمپ لگاتا فرش پر کھڑا ہو گیا تھا اور فخریہ کمر پر ہاتھ رکھتے ہوئے سر اٹھا کر سیڑھیوں پر کھڑی مہروز کو دیکھنے لگا۔

"کھسکا ہوا۔" مہروز سر جھٹک کر باقی کی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے نیچے اتری تھی اور اس کے برابر سے ہوتے ہوئے بالکونی کی طرف بڑھی تھی۔

بالکونی کا خودکار دروازہ خود بہ خود کھلا تھا۔

بالکونی کے فرش پر آرٹیفیشل گھاس کا قالین بچھا ہوا تھا۔ وسیع و عریض بالکونی کی چھت سے چھوٹے چھوٹے پودے مٹکوں میں رکھے لٹک رہے تھے۔ فیری لائٹس سے دیوار سجے ہوئے تھے۔

مہروز آرام دہ کرسی کو کھینچتے ہوئے اس پر بیٹھی ہی تھی کہ اس کے ساتھ آرام دہ صوفہ کھینچتے ہوئے آدم بیٹھا تھا۔

Clubb of Quality Content

"اوورٹائم؟" آدم ہاتھوں کو مسلتے ہوئے، گلہ کھنکھار کر اس سے مخاطب ہوا تھا۔

"ہنہ۔" مہروز نے چہرہ موڑے بغیر ہنکارا ابھرا تھا۔ وہ اب قدرے ریلیکس محسوس کر رہی تھی۔

"تم چھٹی لینا چاہو تو جا سکتی ہو۔"

"نہیں۔ میں اپنا ٹائم پورا کر کے جاؤں گی۔" مہروز نے بمشکل اپنی جمائی روکی تھی۔

"دیکھا تم نے جمائی لی۔ تمہیں نیند آ رہی ہے۔" وہ صوفے پر آگے کی طرف جھکا ہوا بیٹھا ہوا تھا۔ دائیں ہاتھ کی انگلیوں میں پہنی سلور کی انگوٹھیوں کو بائیں ہاتھ سے گھماتے ہوئے وہ مہروز کا بایاں رخ دیکھ رہا تھا۔

"آئی ایم فائن۔ ویسے۔" مہروز نے چہرہ بائیں طرف موڑا تھا "کیا اپنے ایمپلائز کے ساتھ اچھا ماحول رکھنے کے لیے آپ ایسے ہیں، مطلب فرینک ہوتے ہیں۔ ان فارمل ہوتے ہیں؟"

"کیا برائی ہے اس میں؟" اس نے ابرو اٹھایا تھا۔

"نہیں۔ مگر میں حیران ہوتی ہوں۔ جب پہلی دفعہ میں انٹرویو دینے آئی تھی تب آپ نے ڈرا دیا اور جب دوسری دفعہ آئی تو ایک اور روپ تھا۔ مڑ کر دیکھا بھی نہیں۔ بس فوراً سے ٹیسٹ لیا اور پاس کر دیا۔"

"آہا۔" آدم نے منہ میں زبان گول گھمائی تھی "میں نے ایسا کیا تھا؟" اس نے آہستہ آواز میں خود کلامی کی تھی۔

"بہر حال، یہ اچھی بات ہے ایسے ایمپلائز بھی بآسانی اپنے مسائل آپ کو بتا سکتے ہونگے۔" مہروز نے مسکراتے ہوئے چہرہ موڑا تھا۔

"تم تو خوش ہو نا اپنی جاب سے؟"

"بالکل۔" مہروز نے مطمئن سانس خارج کی تھی "اب میں چلتی ہوں۔ بہت بریک لے لی۔" مہروز کہتے ہی اٹھی تھی اور مڑ کر بالکونی کے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

بالکونی کا خودکار دروازہ خود بہ خود کھلا تھا اور سامنے ہی ماتھے تک کھینچ کر پہنی اونی ٹوپی والا لمبا چوڑا مرد سیڑھیاں تیزی سے چڑھتا جھپاک سے غائب ہوا تھا۔

مہروز دم سادھے اپنی جگہ کھڑی رہ گئی تھی۔اسے انٹرویو والے شخص کے خدوخال صاف یاد تھے۔وہ آنکھ بند کر کے بھی دونوں میں پائی جانے والی مماثلت بتاسکتی تھی۔تو پھر جو یہاں بیٹھا تھا وہ کون ہے اور جو سیڑھیوں پر تھا وہ کون ہے؟

اتوار کے روز فرینکفرٹ میں سائیکلوں پر بیٹھے جوان لڑکے لڑکیاں میراتھان ریس کا اہتمام کر رہے تھے۔

یوروٹاور پر سبز جھنڈا لہرا دیا گیا تھا اور سائیکلوں کا سیلاب سڑک پر رواں دواں تھا۔

مہروز ٹیکسی میں بیٹھی لمبے روٹ سے مطلوبہ پتے تک پہنچی تھی۔

اونچی رہائشی عمارت کے اندر داخل ہوتے ہی وہ چودھویں فلور پر موجود تھی اور مطلوبہ اپارٹمنٹ کے سامنے کھڑی وہ گلے کے گرد لپیٹے پنک اسٹال کو ٹھیک کر رہی تھی۔وہ چیک والی لمبی شرٹ پر لانگ کوٹ پہنے دروازہ کھلنے کی منتظر تھی۔دروازہ کچھ ہی دیر بعد کھلا تھا اور براؤن بالوں والی سو برسی خاتون مہروز کو دیکھ کر چند اسکینڈز تک کھڑی اسے پہچاننے کی

Clubb of Quality Content

کوشش کر رہی تھی۔وہ اسٹور والی حالت کے بہ نسبت رف شرٹ ٹراؤزرز میں ملبوس تھیں۔

"میں۔روزے۔وہ اسٹور میں جو ملے تھے۔"مہروز نے مسکرا کر اپنا تعراف کروایا تھا۔

"اوہ۔سہی۔پر میں نے کہا تھا رات کو آنا۔"

"اتوار کو بھی؟"مہروز نے مایوسی سے کہا تھا۔

"ہاں اتوار کو بھی۔"

"مگر مجھے تو آج فری برگ واپس جانا ہے۔"مہروز نے مایوسی سے لب چباڈالے تھے۔

"آجاؤ۔"

مہروز اپارٹمنٹ کے اندر لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھی۔قد آدم کھڑکیوں سے بلائنڈز ہٹائے گئے تھے۔لاؤنج میں چار سینگل سیٹر صوفے پڑے ہوئے تھے۔وہ ارد گرد نظر دوڑاتی اپارٹمنٹ کا جائزہ لے رہی تھی۔اوپن کچن، دو کمرے اور ایک نفیس سا لاؤنج۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

لاؤنج کے سامنے والی دیوار میں ایک ریک نصب تھا جس میں بہت سی شیلڈز موجود تھی۔

مہروز نے یاسیت سے ان شیلڈز کو دیکھا تھا۔وہ شیلڈز لیتے وقت فرح نے اپنی ماں کو کتنا یاد کیا ہوگا؟وہ اپنی کامیابی کس کے ساتھ سیلیبریٹ کرتی ہونگی؟

وہ سر دائیں بائیں گھماتے ہوئے جیسے باقی افراد کو بھی ڈھونڈنا چاہتی تھی مگر اس وقت تو اپارٹمنٹ خالی لگ رہا تھا۔شاید ان کا شوہر باہر گیا ہوگا۔مہروز بیٹھے بیٹھے ان کے گھر والوں کا سوچنے لگی تھی۔

فرح بھاپ اڑاتے کافی کے دو مگ لیے لاؤنج میں آئی تھی۔ایک اس کے سامنے رکھا اور ایک تھامے وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے مہروز کے بائیں طرف رکھے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

"میں مصروف رہتی ہوں سارا دن۔اسی لیے جس نے مجھ سے ملنا ہو اس سے کہتی ہوں کہ وہ رات کو آئے۔رات کو میں کوئی کام نہیں کرتی بس آرام کرتی ہوں۔" انہوں نے براؤن بال دائیں کندھے پر ڈال رکھے تھے۔

"اس دن کے لیے شکریہ۔"مہروز کافی کا کپ گود میں رکھے بات کا آغاز کرنا چاہتی تھی"میں تو گھبرا گئی تھی اور گھبراہٹ میں مجھے ان کی زبان بھی سمجھ نہیں آرہی تھی۔"وہ ہلکا سا مسکرا دی تھی۔

"ہنہ۔تمہاری اردو میں کی گئی وضاحت سے پتا لگ رہا تھا کہ تم بوکھلا گئی ہو مگر یہ پاکستان نہیں ہے،روزے۔یہاں خود پر خود ہی کنٹرول بھی کرنا ہوگا اور ایسی سچویشنز کو ہینڈل بھی۔یہاں عقل بند نہیں کرتے کیونکہ ہم باہر ملک میں اپنے اون پر سروائیو کرتے ہیں۔"وہ دایاں ہاتھ صوفے کی پشت پر رکھے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔

"کیا کرتی ہیں آپ؟"مہروز کا دل خوشی سے کانپ رہا تھا۔

"میں نے انگلش لٹریچر میں Post-Doctoral ڈگری حاصل کی ہے۔پہلے لانکیسٹر یونیورسٹی میں پڑھاتی تھی پھر یہاں موو کر گئی۔اب میں بس ریسرچ ورک میں سپروائز کرتی ہوں۔"انہوں نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے جرار کی طرح اپنے ہونٹ دائیں ہاتھ کی پشت سے صاف کیے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

مہروز انہیں محویت سے دیکھتے ہوئے مسکرا دی تھی۔اس کا دل چاہا تھا وہ اٹھ کر انہیں گلے لگا لے۔انہیں بتائیں کہ سلیمان جان کتنا تڑپتی ہے ان کے لیے۔بس ناراضی چھوڑے اور گھر آجائیں مگر بس وہ یہ سوچ کر ہی رہ گئی۔

"تم کیا کرتی ہو؟"

"میں فری برگ سے انگلش لٹریچر میں ماسٹرز کر رہی ہوں۔اور یہاں جاب کرتی ہوں۔"

"گریٹ۔"فرح نے مسکرا کر اسے سراہا تھا۔ان کے ہونٹ کا کٹاؤ بھی جرار جیسا تھا۔

"یہ میرا دوسرا سمیسٹر ہے۔"مہروز نے خود ہی بتا دیا پتا نہیں وہ اگلا سوال پوچھتی بھی ہے کہ نہیں۔

فرح نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا اور اگلے چند پل دونوں خاموش رہی۔مہروز کن انکھیوں سے انہیں دیکھتے ہوئے کافی پیتی رہی اور وہ صرف اپنی کافی دیکھ رہی تھی۔

مہروز نوٹ کر رہی تھی کہ وہ غیر ضروری سوالات نہیں پوچھ رہی تھی۔بس فارمل سی بیٹھی ہوئی تھی۔

Clubb of Quality Content!

"آپ کی فیملی؟سوری میں پرسنل سوال کررہی ہوں۔"مہروز کافی کا مگ میز پر رکھتے ہوئے صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی۔

"میری فیملی۔۔۔"فرح نے شہادت کی انگلی ٹھوڑی پر رکھی تھی"پاکستان میں ہے۔"

"آپ یہاں اکیلے رہتی ہیں؟"

"بالکل۔"

"اور۔۔۔آپ کے ہز۔۔۔بینڈ؟"مہروز نے جھجکتے ہوئے توڑ توڑ کر ہزبینڈ کا ذکر کیا تھا مبادا وہ مائینڈ نا کر جائے۔

"میں اسنگل ہوں۔"فرح نے نرم مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

("کاش وہ اپنی پسند سے کر لیتی شادی۔")بے بے کا جملہ مہروز کے ارد گرد گونجا تھا۔

(تو کیا جس سے فرح شادی کرنا چاہتی تھی انہوں نے انکار کر دیا تھا یا وہ مایوس ہو کر فرح کو چھوڑ گئے تھے؟اور اس کے بعد انہوں نے شادی نا کرنے کا فیصلہ کیا ہو!)مہروز فرح کو دیکھتے ہوئے شادی نا کرنے کی مختلف وجوہات پر سوچ رہی تھی۔

"پاکستان میں کون کون ہے آپ کا؟ سوری ایک اور پرسنل سوال کر دیا۔" مہروز نے کندھے سمیٹتے ہوئے شرمندگی کا اظہار کیا تھا۔

"میری ماں۔"

مہروز کے اندر کچھ ٹوٹا تھا۔ بس ماں؟ سہی تو کہا۔۔۔ جرار تو فرح کا نام بھی سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ قطع تعلق تھے تو صرف ماں ہی بچی نا۔ مہروز اور یاسمین جرار کی خفگی کی وجہ سے فرح سے رابطہ نہیں کرتے تھے مگر اولاد کے لیے تڑپتی ہوئی ماں کو تو بات کرنے سے نہیں روکا جا سکتا تھا نا۔

"تو آپ کب کب پاکستان جاتی ہیں؟ ایک اور پرسنل سوال۔"

ان کے بالوں کو چھیڑتا ہوا ہاتھ رکا تھا۔ چہرے پر ایک تاریک سایہ لہرا گیا تھا۔

"بہت عرصہ ہوا نہیں گئی۔" ان کی آواز میں دکھ تھا۔ کہیں آنسو چھپے ہوئے تھے۔

مہروز اگلے سوال کے لیے لب کھولنے والی تھی کہ فرح فوراً بول اٹھی "لڑکی پرسنل پرسنل سوال اور کیوٹ کیوٹ مسکراہٹ کے ساتھ تم نے کافی سارے سوالات پوچھ لیے۔ اب کافی بھی ختم ہے تمہاری اور مجھے کچھ ضروری کام بھی کرنا ہے۔ سو نیکسٹ ٹائم آؤ تو رات کو

آنا۔" وہ جیسے اسے جانے کا عندیہ دیتے ہوئے اٹھی تھی اور اسکا کافی کا مگ اٹھا کر کچن کی طرف بڑھی تھی۔

"میں اگلی دفعہ آؤں گی ملنے۔ تھینک یو۔ مجھے بہت اچھا لگا آپ سے مل کر۔" مہروز نے کھڑے ہوتے ہوئے ان کی پشت دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

فرح جو سنک میں کافی کے مگ رکھ رہی تھی، ان کے ہاتھ تھمے تھے اور پھر وہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔

"اللہ حافظ۔"

مہروز ان کے گلے لگنا چاہتی تھی مگر اپنے دل پر قابو رکھتے ہوئے وہ دروازے کی طرف پلٹی تھی اور ایک آخری نگاہ فرح کی پشت پر ڈالتے ہوئے وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تھی۔

وہ مطمئن تھی۔۔۔ سکون میں تھی۔۔۔ اور اب مسکرا رہی تھی۔

فری برگ یونی ورسٹی میں کلچرل ویک کا اہتمام کیا جا رہا تھا اور اس ہفتے کلاسز آف تھیں۔ مختلف ملکوں سے پڑھنے کی غرض سے آئے اسٹوڈنٹس نا صرف اپنے کلچر کے فوڈ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اسٹالز، کپڑے اور جیولری کا سٹال لگائے ہوئے تھے بلکہ علاقائی گانے اور فوک ٹیلز بھی وہاں کے تھیٹر میں ایکٹ کر رہے تھے۔

مہروز پاکستانی اسٹوڈنٹس کے ساتھ مل کر بدھ کو لگنے والے اپنے اسٹال کی تیاریوں میں مگن تھی۔

"کیا میں بھی تمہارے کلچر کا حصہ بن سکتی ہوں؟ مطلب پریزینٹ کر سکتی ہوں؟"مہروز پاکستانی طلبہ کے ساتھ یونی کے سبزے میں بیٹھی ہوئی تھی جب پولینا اس کے سامنے گھٹنا موڑے بیٹھی غیر متوقع بات کر رہی تھی۔

"تم رشین کلچر۔۔۔"مہروز کو حیرت ہو رہی تھی۔

"نہیں۔مجھے تمہارے کلچر کا حصہ بننا ہے۔نہیں بن سکتی کیا؟"

"بالکل بن سکتی ہو۔"مہروز کے بائیں طرف بیٹھے احد نے کھلے دل کے ساتھ مسکرا کر اسے ویلکم کیا تھا۔

فری برگ یونی کا کھلا سا سبزہ اس قدر خوبصورتی سے سجایا گیا تھا جیسے وہ کسی روشنیوں کے شہر میں داخل ہو گئے ہو۔دائیں بائیں اسٹالز لگی ہوئی تھی۔ان اسٹالز میں کھانے کی اشتہا انگیز

خوشبو سب سے زیادہ طلبہ کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ لڑکیاں اپنے ملکوں کی علاقائی لباسوں میں کھڑی انہیں اپنے کپڑے والے اسٹالز کی طرف کھینچتی ہوئی نظر آتی تھی۔

مہروز پولینا اور پاکستانی طلبہ کے ساتھ ہوٹ ڈاگ کا مزہ لے رہی تھی۔ اس نے ویڈیو کال پر مائدہ کو بھی لے رکھا تھا۔ وہ اسے اسٹالز کا دورہ کرا کے تھیٹر لے گئی تھی جہاں تھائی لینڈ کی خوبصورت لڑکیاں بالوں کے جوڑے میں اسٹک پھنسائے، لمبا چغہ پہنے، ہاتھوں میں ریشم کا کپڑا پکڑے لہرا لہرا کر مقامی رقص پیش کر رہی تھی۔

"یار مختلف ملکوں کا کلچر دیکھنا کتنا مزے کا لگ رہا ہے نا۔" مائدہ متاثر ہوئے بغیر نا رہ سکی تھی۔

"بہت اچھا لگ رہا ہے۔ ارے تمہیں پتا ہے تھائی لینڈ والے 'یس' کہنے کے لیے 'خا' کہتے ہیں۔ 'خا' تو ہم پشتو میں بھی کہتے ہیں۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی سن کر۔" مہروز درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھی گئی تھی۔ سارا دن یونی میں پھر پھر کر اب اس کی کمر دکھ رہی تھی۔

وہ یونی کے خالی لان میں بیٹھی شام کی ہلکی دھوپ کو دیکھنے لگی تھی۔

"ارے واہ۔" مائدہ ہنس دی تھی "اچھا بتاؤ، شجاعت سے بات چیت ہوتی ہے؟"

"وجاہت۔" مہروز نے اس کی تصحیح کی تھی۔

"او ہو۔۔۔ابھی سے ان کا نام بگاڑے جانے پر برا لگنے لگا۔" مائدہ اسے چھیڑتے ہوئے ہنس دی تھی۔

"نام درست کر رہی تھی بس۔ برا کچھ نہیں لگا۔ برا تب لگے جب اس سے کوئی دلی لگاؤ ہو۔" مہروز گھاس پر پڑی مرجھانے کے قریب گھاس کو اٹھانے لگی۔

"کیا ہوا؟ اتنا منہ پھلا لیا؟ کچھ ہوا ہے؟" مائدہ چولہے کے نیچے آگ بند کر کے کچن میں ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی تھی۔

"یار وہ بہت عجیب آدمی ہے۔ مجھے اس کی سمجھ نہیں آتی۔ یو نو میں نے خان بابا یا مورے کو نہیں بتایا کہ میں اس سے دو دفعہ فون پر بات کر چکی ہوں۔ مجھے نہیں پتا ان کا کیا ری ایکشن ہو گا اگر انہیں پتا لگے کہ ہم فون پر بات شروع کر چکے ہیں۔" وہ مرجھائی گھاس کو اکٹھا کرنے لگی تھی۔

"کیا ری ایکشن ہو گا؟ کچھ نہیں کہیں گے وہ اور اب بڑی ہو جاؤ۔ اب اس سے بات کرنے کے لیے بھی تم اجازت لو گی؟"

"بالکل۔ میرے والدین میری زندگی کا اہم حصہ ہیں۔ انہیں پتا ہونا چاہیے کہ میں نے بلکہ وجاہت نے مجھے اپروچ کیا تھا۔ کچھ دنوں تک بتا دوں گی انہیں۔"

"اچھا پھر بتاؤ اس کی کونسی بات سمجھ نہیں آتی؟ ویسے شکل سے برا نہیں ہے۔"

"ہاں بس ہم تو شکل ہی دیکھے گے ایک انسان کی۔ وہ ہے کیسا یہ نہیں دیکھے گے۔" مہروز چڑ گئی تھی۔

"ہاں تو یہ فون پر باتیں اسی لیے تو کی جاتی ہے کہ ایک دوسرے کے مزاج کا پتا لگ سکے۔"

"یار بس۔" مہروز نے سر اٹھا کر گہرا سانس لیا تھا" وہ خود ہی ایسی بات کر دیتا ہے کہ میرا دل جل جاتا ہے اور پھر خود ہی ہنس کر اسے اڑانے کی کوشش کرتا ہے جیسے اس نے بہت فنی بات کر دی ہو اور اپنی باری میں اسے تپ چڑھ جاتی ہے۔ اسے پتا نہیں کیوں لگتا ہے کہ یہاں آتے ہی میں آپے سے باہر ہو گئی ہو نگی۔ میں نے پتا نہیں کتنے بوائے فرینڈز رکھے ہو نگے۔"

"یہ صرف اس کا مسئلہ نہیں ہے پاکستان میں رہنے والے ہر دوسرے انسان کی سوچ ہے۔ یاد ہے ہم یونی میں تھے تو ہمارے محلے میں ایک آنٹی رہتی تھی۔ ان کی بیٹی یو کے میں جاب کرتی تھی اور وہ پینتیس کی ہو گئی تھی۔ وہ ان کے رشتے کے لیے پریشان تھیں اور یہاں بیٹھے لوگ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

یہی چہ مگوئیاں کرتے تھے کہ اس نے یقیناً باہر شادی کر رکھی ہو گی یا باہر کونسا مشکل ہوتا ہے رشتے ڈھونڈنا۔ یہاں کے لوگ ایسے ہی ہیں۔ پاکستانی مرد باہر چلا جائے تو کوئی ایسی بات نہیں کرتا مگر بن بیاہی بیٹی باہر چلی جائے تو سب کے دماغوں میں خرافات چلنا شروع ہو جاتے ہیں۔" مائدہ نے سر جھٹکا تھا۔

"ہاں نا جیسے یہاں بہت فارغ لوگ بیٹھے ہیں جنہیں عشقی ماشقیوں سے کوئی فرصت ہی نہیں ہے۔ پاکستان میں تو پھر بھی لوگ ایک دوسرے کے کام آجاتے ہیں کہ چلو لڑکے ایک لڑکی کی مدد کر لیتے ہیں کہ اس بہانے اس سے دوستی کر لینگے۔ ادھر ایسا کوئی سین نہیں ہے۔ اپنا کام خود کرو۔ ایویں بس۔" مہروز نے دکھ سے سر جھٹکا تھا اور مرجھائی گھاس کو توڑا تھا۔

"خیر، سب بہتر ہو جائے گا۔ ابھی تو شروعات ہیں نا۔ ذرا بات چیت آگے بڑھے گی تو مزید ایک دوسرے پر کھلو گے تم دونوں۔"

"یار۔۔۔ مجھے لگتا ہے وہ میری تصویریں لیتا ہے۔ مجھے کئی دفعہ محسوس ہوا ہے کہ اس نے ویڈیو کال کے دوران اسکرین شارٹس لی ہیں میری۔"

"وہ کیوں ایسا کریگا؟ مطلب تم نے اس سے پوچھا؟"

"ہاں پوچھا تھا۔اس نے انکار کر دیا، مکر گیا۔"

"تم اب اس کے ساتھ ویڈیو کال مت کرنا اور اگر وہ بہت انسسٹ کرے تو اپنا کیمرہ آف رکھنا لیٹ سی کیا ہوتا ہے۔"

"ہاں اب ایسا ہی کروں گی۔" مہروز نے سر اٹھا کر آسمان پر ابھرتی نارنجی روشنیوں کو دیکھا تھا۔

"خیر، ایک اور بات بتانی تھی مگر ابھی کسی کو بتانا مت۔ اسپیشلی میرے گھر والوں کو۔" چہرے پر کچھ دیر پہلے کی چھائی مردنی یک دم غائب ہو گئی تھی۔ مہروز بشاشت لیے لہجے میں سسپنس کری ایٹ کر رہی تھی۔

مائدہ مہروز کے رازدارانہ انداز کو دیکھتے ہوئے اسکرین کے قریب اپنا چہرہ ایسا لے گئی تھی جیسے وہ سامنے بیٹھی ہو اور وہ اس کے کان میں سرگوشی کرنے والی ہو۔

"مجھے فرح پھوپھو مل گئی۔"

"واٹ؟" مائدہ اپنی کرسی پر اچھلی تھی "پھر اپنا تعارف کروایا؟ بتایا کہ کتنا ویٹ کیا تم لوگوں نے ان کا؟ گھر چھوڑنے کی وجہ بتائی؟"

"میں نے کچھ بھی نہیں بتایا ابھی اور نا ان سے پوچھا۔"

"بھئی کیوں؟" مائدہ کو الجھن ہونے لگی۔

"یار میں جھجک محسوس کر رہی تھی۔ میں چھ سال کی تھی جب وہ گھر سے چلی گئی تھی اب اتنے سالوں کی دوری ایک منٹ میں تو نہیں سمٹے گی نا۔ پتا نہیں ان کا کیسا ری ایکشن ہو مجھے دیکھ کر؟ جب خان بابا ان کا نام سننا پسند نہیں کرتے تو کیا وہ خان بابا کی بیٹی سے ملنا پسند کریں گی؟ البتہ میں اب بے بے کو مزید ان کے لیے تڑپتا نہیں دیکھ سکتی۔ جب کوئی بچھڑا مل جائے تو اسے واپس گھر لانے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ میں خان بابا سے محبت کرتی ہوں اور شاید ان کی خفگی کے ڈر سے میں نے کبھی ان سے فون پر بات نہیں کی۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر وہ پوچھ لے گے تو میں جھوٹ نہیں بول پاؤ گی اور وہ ناراض ہو جائے گے، دکھی ہونگے۔ مگر اب میں فرح پھوپھو کو اور خان بابا کو منالو گی اور اس کے لیے ضروری ہے کہ میں فرح پھوپھو سے دوستی کرلوں۔"

"اللہ تمہیں اس نیک کام کو انجام دینے کی توفیق فرمائے۔ آمین۔"

"اچھا چلتی ہوں۔ اپنا خیال رکھنا۔" مہروزا سے فلائنگ کس دیتے ہوئے فون کاٹ چکی تھی۔

مغرب کا اندھیرا چھائے بہت وقت بیت چکا تھا۔ گلیوں میں لگے اسٹریٹ پولز روشن ہو چکے تھے۔ ہوا میں خنکی بڑھ چکی تھی۔

ہاسٹل کے کمرے کی تمام بتیاں روشن تھیں۔ مہروز چہرے کے گرد ڈوپٹہ باندھے رحل میں قرآن شریف رکھے آہستہ آواز میں تلاوت کر رہی تھی۔

پولینا نے اونگھتے ہوئے آنکھیں کھول لی تھی اور پھر لیٹے لیٹے بائیں طرف گردن موڑے مہروز کو دیکھتی رہی۔ مہروز قرآن مجید کو چومتے ہوئے لحاف میں لپیٹ رہی تھی جب اس کی کان میں پولینا کی آواز پڑی تھی۔

"اس کتاب کی کونسی سطر پسند ہے تمہیں؟"

"آیت۔۔۔ سطر نہیں۔" مہروز نے چہرہ اٹھا کر اسکی تصحیح کی تھی۔

"آیت۔" پولینا نے دہراتے ہوئے بائیں رخ تلے بایاں ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"مجھے۔۔۔" مہروز نے لحاف پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کچھ وقت کا توقف لیا تھا" مجھے سورۃ بقرہ کی وہ آیت پسند ہے جس میں اللہ فرماتا ہے کہ وہ کسی بھی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ نہیں آزماتا۔ جتنا آپ میں برداشت کی حد ہے بس آپ کی آزمائش جیسے کوئی بھی تکلیف یا رکاوٹ

اسی حد تک رہے گی۔ جہاں آپ میں مزید برداشت کرنے کی سکت نا رہے وہاں آزمائش ختم یا کم ہو جاتی ہے۔"

پولینا دم سادھے چند پل تک ان الفاظ کا مفہوم سمجھ رہی تھی۔ وہ جیسے ان الفاظ میں کہیں کھو گئی تھی، خود کو ڈھونڈ رہی تھی۔ اپنی آزمائشوں، اپنی تکالیف کی جمع تفریق کر رہی تھی۔ کیا عبداللہ کی محبت بھی اس کے لیے آزمائش تھی؟ کیا اس کا صلہ بھی اسے ملے گا؟

"میں جب کسی تکلیف میں گھری ہوتی ہوں تو اس آیت کے بارے میں سوچتی ہوں اور تکلیف کم ہونے لگتی ہے یقیناً میرے صبر میں اللہ میرے ساتھ ہے اور جہاں میں ٹوٹنے لگو گی وہاں میری ہار ماننے سے پہلے ہی وہ آسانی پیدا کر دیگا۔ مجھے اس سے اعتراف کرنے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی کہ میں ہار مان چکی ہوں مجھ سے اب اور یہ آزمائش سہی نہیں جائے گی۔ وہ اپنے بندے کو ٹوٹنے نہیں دیتا لیکن اگر کہیں ہمیں لگے کہ ہم تو بہت ٹوٹ گئے ہیں اور اس نے ہونے دیا۔ وہ تو جانتا تھا کہ یہ چیز کتنی عزیز تھی مجھے پھر بھی چھین لی، وہاں ہمیں سوچنا چاہیے کہ وہ شاید ہمارے لیے ہی بہتر نہیں تھی یا اس کے نعم البدل میں کسی اچھے اجر سے ہمیں نوازا جائے گا۔ آپ کی آزمائش بھی آپ کی یقین کی معراج، سطح کی مطابق ہوتی

ہے۔ جتنا توکل اور یقین مضبوط ہو گا اتنی آزمائش بھی سخت ہو گی۔" ٹھہر ٹھہر کر بولتے ہوئے اس کی نگاہ پولینا پر پڑی تھی جو کسی گہری سوچ کا شکار لگتی تھی۔ جس کی نیلی آنکھوں میں حزن تھا۔

یہ وہ پولینا نہیں لگتی تھی جو اسے ہاسٹل کے شروع کے دنوں میں ملی تھی، جس کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ رہتی تھی، دوسروں کا دل جلانا اس کا شیوہ لگتا تھا۔ یہ تو کوئی اور ہی تھی جو بس کھوئی کھوئی سی تھی، دنیا کو دکھانے کے لیے ہنستی تھی۔

"اوہ تمہیں میری باتیں سمجھ نہیں آ رہی ہو نگی۔" مہروز قرآن کو سینے سے لگائے اٹھی تھی۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس میں سوچ رہی تھی کہ میری آزمائشیں کیا میری طاقت کے مطابق ہیں۔" پولینا بلانڈ بالوں کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

مہروز نے الماری کے اوپری خانے میں قرآن رکھا تھا اور پلٹ کر مضمحل سی پولینا کو دیکھا تھا "تو پھر کیا پایا تم نے؟"

"مجھے لگا کہ۔۔۔" وہ کلائی میں پہنی پونی اتارتے ہوئے یاسیت سے بول رہی تھی "میں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر خود پر پڑنے والی آزمائشوں کا مقابلہ کیا ہے۔"

"پتا ہے یہاں آکر خود سے، لوگوں سے مل کر، اپنے لیے رہائش اور پھر جاب کی کڑی اسٹرگل سے گزر کر میں نے محسوس کیا ہے کہ زندگی کا مطلب ہی کچھ چیلنجڈ ہونا ہے۔ چیلنج نا ہو تو ہماری زندگی کا کوئی مقصد ہی نا ہو اور پھر ہم میں اور جانور میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ یا پھر جب انسان مزید چیلنجز کا سامنا نا کر پائے تو وہ خودکشی کا راستہ اپنا لیتا ہے۔ جو چیلنج اکسیپٹ کرتا ہے وہ خود بھی ان مشکلات سے لڑتا ہے اور دوسروں کی مدد بھی کرتا ہے ان چیلنجز سے نمٹنے کے لیے۔" مہروز چہرے کے گرد سے ڈوپٹہ ڈھیلا کر کے کندھوں پر ڈالنے لگی۔

"میں نے رات کے لیے اسٹالز سے کچھ کھانے کی چیزیں لی تھی۔ میں اوون میں گرم کے لاتی ہوں ساتھ کھاتے ہیں۔" پولینا فراخ دلی سے کھانے کی آفر کرتے ہوئے بیڈ سے اتر رہی تھی۔ وہ جیسے اس ٹاپک کو بدلنا چاہتی تھی۔

"میں حلال۔۔۔"

"مس حلال، میں نے خاص خیال رکھا ہے، حلال فوڈ کا۔" پولینا اس کا جملہ اچکتے ہوئے دروازے تک بڑھی تھی کہ پھر ایک دم سے پلٹی "ڈاکٹر عبداللہ سے کوئی رابطہ ہوا ہے تمہارا وہ گرین ارتھ کے ایونٹ کے بعد؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

مہروز کے کھڑکی کھولتے ہاتھ رکے تھے۔ فرینکفرٹ کا مین دریا اور اپنی بے خودی اس کی آنکھوں کے سامنے لہرائی تھی۔

"نہیں۔" مہروز نے پلٹے بغیر جھوٹ بولا تھا اور کھڑکی کھول کر چڑیوں کے لیے رکھنے والا کپ اٹھایا تھا۔

"انہیں میسج کر کے کلچر ویک میں انوائیٹ کرونا۔ انہیں کہو کہ وہ بدھ کو آئے۔"

"کیوں؟ میں کیوں میسج کروں انہیں؟" مہروز ماتھے پر بل لاتے ہوئے مڑی تھی۔

"کیونکہ انہوں نے اپنے ایک ایونٹ پر تمہیں بلایا تھا۔"

"لیکن میں نہیں بلانا چاہتی۔ میں کسی کے ساتھ فضول میں دوستی نہیں بڑھانا چاہتی۔ وہ ایک ایونٹ تھا گزر گیا۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے کبھی اپروچ نہیں کیا اور میں نے بھی' پھر out of nowhere میں کیوں انہیں میسج کروں۔ تم کرلوں انہیں۔" مہروز کھڑکی بند کر کے پردے واپس پھیلاتے ہوئے جیسے اسے صاف جواب دے چکی تھی۔

اس کا دل ابھی بھی دھڑک رہا تھا اور وہ پولینا کی طرف سے جواب کی منتظر تھی مگر دوسری طرف سے خاموشی رہی۔

پولینا دل مسوس کر کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔وہ چاہتی تھی کہ عبداللہ اسے مشرقی رنگ میں دیکھے مگر اس کے میسج کرنے پر وہ کبھی نہیں آئے گا شاید مہروز کے کہنے پر آجائے۔مگر مہروز کی طرف سے بھی اسے کورا جواب ہی ملا تھا۔

پولینا عجیب کیفیات کا شکار ہوتی سیڑھیاں طے کرنے لگی۔

❁❁❁

بدھ کے روز نرم سی دھوپ پاکستانی بلاک کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔پاکستانی بلاک کے پیچھے ہندوستانی بلاک تھا۔

پاکستانی بلاک نے اچھا خاصے ایریا کا احاطہ کیا ہوا تھا۔پاکستانی بلاک ہندوستانیوں سے بازی اس لیے بھی لے گئی تھی کہ یہاں اسٹال کی دیواروں سے پتنگ لٹک رہے تھے جنہیں بہت سے طلبہ خرید کر ہوا میں اڑا رہے تھے۔ان تمام پتنگوں کو پاکستانی طلبہ نے بہت محنت سے بنایا تھا۔

ہوا میں مختلف رنگوں اور شیپس کی پتنگیں لہرا کر آسمان کو ڈھکے ہوئے تھی۔ایک شور تھا جو برپا تھا۔ہندوستانی اور پاکستانی طلبہ ایک دوسرے کے پتنگ کاٹنے کے چکروں میں تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

پاکستانی کھانوں میں بیف اور چکن کی ڈشز کی وجہ سے کھانوں میں بھی پاکستانی طلبہ ہندوستانیوں سے بازی لے گئے تھے۔

مہروز سفید گھیر دار فراک اور چوڑی پاجامہ پہنے، آگنزا کے ڈوپٹے کو پنوں سے کندھے کے ایک طرف ڈالے، لمبے بالوں کی فرنچ چوٹیا بنائے، دونوں ہاتھوں میں گجرے اور کانوں میں جھمکے پہنے پورے دیسی بھیس میں موجود تھی۔اسے کتنے ہی لوگوں نے سراہا تھا، کلاس کے اسٹوڈنٹس سوائے ایما کے گروپ کے۔اس کا سجا سجا سا روپ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئی تھی۔وہ گلابی گال لیے سب سے ستائشی جملے وصول کر رہی تھی۔اسے پاکستان میں کبھی کسی نے یوں کھلے دل سے کمپلیمینٹ نہیں کیا گیا تھا۔اسے اب بھی لگ رہا تھا جیسے سب اس کا دل رکھ رہے ہونگے۔

"مجھ سے یہ ڈوپٹہ نہیں سنبھل رہا۔" پولینا کب سے آرگنزا کے ڈوپٹے کے ساتھ دینگا مشتی کر رہی تھی اور اب ہار مانتے ہوئے اس کے پاس آگئی تھی۔اس نے فرمائش کر کے کھلے بلانڈ بالوں میں گلاب کے پھول بائیں کان کے پیچھے لگایا تھا۔وہ پنک شارٹ فراک اور غرارے میں ملبوس تھی۔دونوں ہاتھوں میں بھر بھر کے چوڑیاں، کانوں میں ہم رنگ آویزے پہنے،

Clubb of Quality Content

ہلکے میک اپ میں مغرب میں گھلتا مشرقی حسن لگ رہی تھی۔ وہ اتنی حسین لگ رہی تھی کہ اس پر پہلی نظر ڈالنے والا جی بھر کر دیکھے بغیر مڑ نہیں سکتا تھا۔

مہروز ہمیشہ کی طرح یاسیت سے اس کا حسن دیکھ کر رہ جاتی تھی۔ وہ مقابلہ نا بھی کرنا چاہتی ہو مگر کہیں اندر چھپی مقابلے کی عادت اسے مقابلہ کرنے پر اکساتی تھی۔

"تو اتار دو۔ نو بگ ڈیل۔" صائمہ نے اس سے ڈوپٹہ لے کر میز پر رکھ دیا تھا۔

پولینا نے اطمینان بھرا سانس خارج کیا تھا۔

"نمستے۔" پریتی ہاتھ جوڑے، چہرے پر مسکان سجائے اس بلاک کے اندر داخل ہوئی تھی۔

"پریتی۔" مہروز خوشی سے چہکتے ہوئے اسکی طرف بڑھی تھی اور اسے بھینچ کر گلے لگایا تھا۔

"یہ ہماری پاکستانی دوست مہروز جیسی لگتی ہیں۔ کیا یہ سجی سنوری سی لڑکی وہی ہے؟" وہ شرارت سے کہتے ہوئے مہروز کو خود سے الگ کرنے لگی۔

"بالکل۔ بہت اچھا لگا تمہیں یہاں دیکھ کر، تھینک یو میرے لیے آنے کے لیے۔" مہروز اس کے کندھوں کو دونوں ہاتھوں سے دبا کر مڑی تھی۔

Clubb of Quality Content

"گائز یہ میری ہاسٹل میٹ رہ چکی ہیں، میری پیاری ہندوستانی دوست جو میرے ایک ٹیکسٹ پر فرینکفرٹ سے یہاں آئی ہے۔Presenting you Preeti"

پریتی نے سر جھٹک کر مسکرا کر مہروز کو دیکھا تھا جس کے چہرے سے خوشی جھلک رہی تھی۔

"اچھا لگا مل کر۔" پولینا نے اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا تھا "آئے پھر آپ کو حیر آبادی چوڑیاں دکھائے۔"

"حیدر آبادی۔" احد نے مسکرا کر اسکی تصحیح کی تھی۔

پولینا زبان دانتوں تلے دبائے اسے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے ساتھ اسٹال پر لے گئی تھی۔

پریتی اس کی تقلید میں ساتھ والے اسٹال میں گئی تھی اور سب سے پہلے پراندوں پر نظر ڈالتے ہوئے وہ پراندوں کی تعریف کرنے لگی۔ پاکستانی بلاک میں ہلکی سی ہل چل مچ گئی تھی۔

"تمہارے انگلش ڈیپارٹمنٹ کے سر آئے ہیں۔" صائمہ نے پردے کی جھری سے سر نکال کر سرگوشی سے بھی تیز آواز میں مہروز کو مخاطب کیا تھا۔

"چلو ان سر سے بھی مل لیتے ہیں۔" پولینا غرارے کو دونوں ہاتھوں سے اٹھائے دو اسٹالز کے بیچ میں بنے فاصلے کو عبور کر چکی تھی۔

اس کی تقلید میں مہروز اور پریتی بھی دوسرے اسٹال جا چکے تھے اور مہروز انہیں دیکھ کر جیسے اپنی جگہ منجمد سی کھڑی ہو گئی تھی۔ طلبہ کی ایک عوام تھی جو ان کے پیچھے کھڑی تھی۔ حیران تو احد اور پولینا بھی لگ رہے تھے۔ کیا وہ کوئی اسٹار تھے جن کو ان کا ڈیپارٹمنٹ فالو کر رہا تھا؟

اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر احد ان کو پشاوری چپل دکھانے لگا تھا جسے بہت سے طلبہ دلچسپی سے سن رہے تھے۔

وہ ٹرٹل نیک پر کالے اور سفید رنگ کے امتزاج کا مفلر پہنے، آنکھوں پر زرد عینک لگائے، پینٹس کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اسٹال پر طائرانہ نگاہ ڈال رہے تھے۔ احد ان کے برابر میں کھڑا اسٹال میں رکھی ایک ایک چیز پر روشنی ڈال رہا تھا۔

پولینا ان کا attitude دیکھ کر سر جھٹک کر رہ گئی تھی۔

آدھی سے زیادہ عوام صرف سر کو دیکھنے کی خاطر اس اسٹال تک آئے تھے اور اسی بات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے احد، پولینا اور صائمہ زور و شور سے اسٹال میں رکھی پاکستانی اشیاء کی تعریف اور استعمال کے طریقے بتاتے رہے۔

جوش کی نظر ویسٹ کوٹ کو چھوتے چھوتے مہروز کے برابر کھڑی پریتی پر پڑی۔ پریتی آنکھیں چھوٹی کیے اسی کو گھور رہی تھی۔

مہروز میز سے عطر اٹھا کر چہرے پر مسکراہٹ سجا کر سر کی طرف بڑھی تھی۔

"یہ اسپیشلی چنبیلی کے پھولوں سے بنا عطر ہے۔ یہ پاکستان میں بہت یوز کیا جاتا ہے۔ ہے تو یہ بھی انگریزی میں سینٹ ہی مگر یہ پاکستان میں عطر کہلائی جاتی ہے اور اس کی خوشبو بھی۔۔۔" باقی کے الفاظ اس کی زبان پر دم توڑ گئے تھے۔

وہ جیسے سنی ان سنی کرتے پلٹے تھے۔ طلبہ ایک دوسرے سے ٹکراتے انہیں باہر نکلنے کا راستہ دے رہے تھے، وہ بھی طلبہ سے کندھا ٹکراتے ہوئے اپنا راستہ بناتے باہر نکل چکے تھے۔ کچھ ہی لمحوں میں ان کے پیچھے آیا جھمگٹہ بھی چھٹ گیا تھا۔

سب نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو دیکھا تھا کہ یہ کیا چیز تھا؟ مہروز بھی خجل سا کانوں کے پیچھے گال پر آئی لٹ کو اڑستے ہوئے عطر واپس میز پر رکھ چکی تھی۔

"یہ اتنے ہی بد تمیز ہیں؟" اسٹال کی خاموشی کو پولینا کی حیرت زدہ آواز میں پوچھے گئے سوال نے توڑا تھا۔

"unpredictable ہیں۔"مہروز نے مرجھائی آواز میں کہا تھا۔اسے شدید اہانت کا احساس ہو رہا تھا کہ اتنے طلبہ کے سامنے سر اس کی آدھی بات بیچ میں ہی چھوڑ کر پلٹ گئے تھے۔

پریتی البتہ دانتوں میں ہونٹ کا کونہ چبائے سوچ میں مبتلا تھی۔کچھ تھا جو اسے کھٹکا تھا۔

دن سے شام اور شام سے رات میں بدلتے وقت کو دیر نہیں لگی تھی۔فری برگ یونی کے کیفے کے پیچھے لان میں لٹکی فیری لائٹس جل اٹھی تھی۔گھاس پر بہت سے طلبہ بیٹھے ہوئے تھے اور اسٹیج پر مائیک پکڑے لڑکا آج کے ایونٹ پر تبصرہ کر رہا تھا۔یہاں آفٹر پارٹی جیسا ماحول تھا۔

پولینا اور احد کے اسرار پر وہ آج جمنے والی محفل کے لیے رک گئی تھی۔بھاری فراک کر گھاس پر پھیلائے وہ اسٹیج کے بائیں طرف بیٹھی ہوئی تھی۔

اسٹیج پر ایک پاکستانی اور ایک ہندوستانی لڑکا دائیں بائیں کھڑا جگت بازی کر رہے تھے جو کہ گوروں کے پلے تو نہیں پڑ رہی تھی مگر ہندوستانی اور پاکستانی طلبہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔مہروز اتنے وقت بعد پہلی دفعہ دل کھول کر قہقہے لگا رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

آدھے گھنٹے کی جگت بازی کے بعد دونوں نے کمر جھکا کر داد وصول کی تھی اور اسٹیج سے اتر آئے تھے۔

"پوئٹری۔۔۔شاعری کس کو آتی ہے؟اردو شاعری۔" جارج کی پر جوش آواز پر گھاس پر بیٹھے طلبہ نے شور مچانا شروع کر دیا تھا۔کوئی اپنے دوست کا نام لے رہا تھا تو کوئی چیخ چیخ کر اپنا نام لیتے ہوئے اسٹیج پر آنے کے لیے پاگل ہوئے جا رہا تھا۔

"مہروز۔۔۔روزے۔"مہروز کے برابر بیٹھی پولینا گھٹنوں کے بل اونچا ہوتے ہوئے چیخ چیخ کر بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے لگی۔

"چپ۔۔۔چپ۔"مہروز جھٹکے سے اس کی کلائی تھام کر اسے بٹھانے لگی"پونا۔"مہروز نے اسکی کمر پر زور سے دھپ ماری تھی۔

"روزے۔روزے۔"کچھ فاصلے پر بیٹھے احد نے بھی ہاتھ پیٹ پیٹ کر پولینا کا ساتھ دینا شروع کر دیا۔

"مجھے نا پھنساؤ۔"مہروز زچ آکر ان دونوں کے سامنے ہاتھ جوڑ چکی تھی جو طلبہ کے مچاتے شور میں اپنا حصہ ڈال رہے تھے۔

"واٹ؟روز۔۔۔روزے؟" جارج کان کے قریب دائیں ہاتھ کا پیالہ بنائے، گردن آگے جھکائے جیسے غور سے نام سننے کی کوشش کر رہا تھا۔

"روزے۔۔۔" پولینا نے ہاتھ ہلا ہلا کر جارج کو اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔اس کی دائیں کلائی میں پہنی چوڑیاں چھن چھن شور پیدا کر رہی تھی۔

"کم آن روزے۔" جارج نے پر جوش انداز میں مہروز کا نام مائیک پر پکارا تھا۔

احد، صائمہ، پولینا اور مہروز کے کچھ کلاس فیلوز نے تالیاں بجاتے ہوئے ہوٹ کیا تھا۔مہروز پولینا کو کچا چبا جانے والی نظروں سے دیکھتی اٹھی تھی اور فراک کا گھیر سنبھال کر بائیں طرف سے ہوتے ہوئے اسٹیج کی طرف بڑھی تھی۔اسے اپنی پشت پر شور کی آوازیں سنائی دے رہی تھی مگر اسٹیج پر پہنچتے ہی گھاس پر بیٹھے طلبہ کو اپنی طرف متوجہ پا کر اس کے دل کی دھڑکن رک رک کر چلی تھی۔اسے یک دم اسٹیج anxiety شروع ہوئی تھی۔اس نے تو کبھی کالج اور یونی کی فیر ویلز میں حصہ نہیں لیا تھا۔بلکہ کبھی مائیک ہی نہیں پکڑا تھا کجا یہاں اتنے طلبہ کو شاعری سنانا۔

"بیوٹی فل روزے، آپ کیسی شاعری سنانا پسند کریں گی؟" جارج نے مسکرا کر سوال پوچھ کر مائیک اس کی طرف بڑھایا تھا۔

مہروز نے کانپتے ہاتھوں سے مائیک پکڑا تھا اور چند ثانیے خالی دماغ لیے کھڑی رہی۔ فیری لائٹس کی زرد روشنیاں اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔

"You got this." پولینا نے ہوا میں مکا لہراتے ہوئے اونچی آواز میں کہتے ہوئے اس کا حوصلہ بڑھایا تھا۔

مہروز نے تھوک نگل کر پولینا کو دیکھا تھا جو موبائل فون سے اس کی ویڈیو بنا رہی تھی۔ طلبہ کے بیچ میں بھی کچھ لوگوں نے فون ہاتھوں میں پکڑے ہوئے تھے جو اس ایونٹ کی ویڈیوز بنا بنا کر آفیشل فیس بک پیج پر ڈال رہے تھے۔

"اردو ہی سنا دے۔" جارج نے اس کے ہاتھ سے مائیک لیتے ہوئے اس کی مشکل آسان کی تھی اور مائیک واپس پکڑا دیا تھا۔

"مجھے کچھ خاص شاعری نہیں آتی اور اتنے طلبہ کو دیکھ کر تو بالکل ماؤف ہو گئی ہوں۔" مہروز نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی مشکل بتائی تھی۔

گھاس پر بیٹھے بہت سے طلبہ نے تالیاں بجا کر اس کا حوصلہ بڑھایا تھا۔

"مجھے نامور شاعروں کی شاعری نہیں آتی۔میں ایسے کچھ اشعار سنا سکتی ہوں جو پاکستان میں عید کے موقعوں پر یا سالگرہ کے موقعوں پر دوست ایک دوسرے کو لکھا کرتے ہیں مگر وہ اردو میں ہیں۔" مہروز کی بات پر پاکستانی اور ہندوستانی طلبہ نے اکٹھا شور مچا کر اپنی ایکسائٹمنٹ ظاہر کی تھی۔

"تم میرے دل میں ایسے ہو۔" مہروز نے پہلی سطر سنائی ہی تھی کہ پاکستانی اور ہندوستانی طلبہ نے اس کے چپ ہو جانے پر ایک کورس میں یہ سطر دہرائی تھی۔

مہروز ہلکا سا مسکرائی تھی "تم میرے دل میں ایسے ہو، جیسے گردے میں پتھری۔"

اسے ایک ساتھ آہا، واہ کی آواز سنائی دی تھی۔ مہروز اب کھل کے مسکرائی تھی۔اس کی گھبراہٹ میں کچھ کمی آئی تھی۔ پاکستانی طلبہ سر دھنتے ہوئے ان اشعار کا ایسا مزہ لینے لگے جیسے سامنے احمد فراز کھڑا ہو۔

"عید آئی زمانے میں، پولینا گری غسل خانے میں۔"

پولینا کے پلے تو کچھ ناپڑا مگر اپنا نام اور لڑکوں کی ایک ساتھ ہوٹ سن کر اس نے ہلکا سا جھکتے ہوئے داد وصول کی تھی۔

"آخری شعر۔ ہم اس کو وہ ہمیں دیکھتے ہیں۔"

"واہ۔۔واہ۔" لڑکوں نے ایک ساتھ سر ہلا کر اسے داد دی تھی۔

"ہم اس کو وہ ہمیں دیکھتے ہیں، دراصل ہم شیشے میں خود کو دیکھتے ہیں۔"

طلبہ نے تالیاں پیٹ پیٹ کر، سیٹیاں بجا بجا کر مہروز کو داد دینی شروع کر دی۔

مہروز سینے پر ہاتھ رکھ کر مسکرا کر داد وصول کرتی مائیک جارج کو تھما کر، آرگنزا کا ڈوپٹہ سنبھال کر مڑنے والی تھی کہ یک دم فرنٹ رو میں بیٹھی ایمانے اٹھ کر ٹب پوری قوت سے اچھال کر اس میں پڑی سرخ مائع مہروز پر پھینک دی تھی۔

مہروز اس پانی کے لیے تیار نہیں تھی اور یک دم آنکھوں میں پڑنے والے سرخ مائع پر گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔ سبزے میں بیٹھے طلبہ پر یک دم سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ کچھ دیر پہلے کا شور شرابہ تھم گیا تھا۔ سب آنکھیں پھاڑے سرخ سی مہروز کو دیکھ رہے تھے جس کا سفید لباس سرخ ہو چکا تھا اور دایاں رخ بھی۔

مہروز بت بنی دھندلی بصارت کے ساتھ اپنے سرخ ہاتھوں کو دیکھتی رہی جو پانی ہر گز نہیں تھا۔وہ کوئی چپ چپا سا مائع تھا جس سے خون کی بو آ رہی تھی۔

"This one is for that day ,bitch."وہ ٹب ہاتھ میں اٹھائے،شہادت کی انگلی اٹھائے اسے یاد کروا رہی تھی کہ پورے ڈیپارٹمنٹ میں ہونے والی سبکی وہ بھولی نہیں تھی۔

"یہ کیا کیا؟"احد غصے میں کہتا ہوا کھڑا ہوا تھا"تم دماغ سے فارغ ہو؟"

"حد میں۔"جیک انگلی اٹھائے کھڑا ہوا تھا ایسے کہ اس کی پشت ایما کی طرف تھی جیسے کہہ رہا ہو مجھ سے بات کرو۔

"کیا حد میں ہاں؟یہ کوئی فن نہیں تھا۔"احد کی رگیں تن گئی تھی۔

"مجھے تو بڑا مزہ آیا۔"جیک استہزائیہ ہنس دیا تھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے ہم بھی تمہارے ساتھ وہی کریں گے۔"پولینا سینے پر ہاتھ باندھے احد کے برابر کھڑی ہو گئی تھی۔

گھاس پر بیٹھے طلبہ سر دائیں بائیں موڑتے اس لفظی جنگ کو دیکھ رہے تھے۔

"یہ فن نہیں تھا۔ معافی مانگو۔" ایک ہندوستانی لڑکے نے بھی مہروز کا دفاع کیا تھا۔

مہروز خود سے اٹھنے والی بو سے کراہیت محسوس کرتی بمشکل سانس لے رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ یک دم ہی ماحول جنگ کا بن گیا تھا۔ وہ خود میں چور محسوس کرتی کانپتے ہوئے دل کے ساتھ ایما اور احد کو لڑتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اہانت کا احساس الگ ہو رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں کو خود سے ایسے دور پکڑا ہوا تھے جیسے ہاتھ میں کوئی غلاظت پکڑ لی ہو۔ موبائل فونز کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تھا۔ مہروز بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے اپنا چہرہ چھپانے لگی۔

"اوہ ایک اور بات۔" ایما مہروز کی طرف مڑی تھی "یہ میں نے بہت محنت سے خواتین سے اکٹھا کیا ہے، سمجھ رہی ہو نا! یہ خون ہے۔" ایما نے کہتے ہوئے ابکائی آنے کی اداکاری کی تھی جب کہ مہروز کو واقعی ابکائی آئی تھی۔

"تمہارے لیے تو میں واش روم کا گند اکٹھا کروں گی، چڑیل۔" پولینا دانت پیستے ہوئے اس دھمکا رہی تھی۔

"ایسا ہے تو ایسا ہی سہی۔جب میرے لیے بھی یہی سب اکٹھا کرنا ہی ہے تو میں کیوں نا تم سب کو ایک ایک گفٹ دوں۔" ایما جیسے زہر اگلتے ہوئے ہنس دی تھی اور جھک کر گھاس پر پڑے بیگ سے تین چار تھیلے اٹھا کر پولینا، احد اور ہندو لڑکے پر پھینکنے لگی۔

کچھ دیر پہلے کی ہنسی، خوشی کا ماحول گرم ہو چکا تھا۔جرمن اسٹوڈنٹس بھی خون کے چھینٹے خود پر محسوس کرتے ہوئے کوفت اور گھن کا شکار ہوتے اٹھ گئے تھے۔لڑکیاں چیختے ہوئے دور بھاگ رہی تھی اور کچھ ایما کی طرف بڑھ رہی تھی جو جھک جھک کر پھرتی سے تھیلے اٹھا کر سب پر پھینک رہی تھی۔جیک اس کے آگے سیسہ پلائی دیوار سا کھڑا تھا۔کچھ لڑکیوں کے نزدیک آنے پر جیک نے بدتمیزی سے انہیں پرے دھکیلا تھا۔

احد اور کچھ ہندوستانی طلبہ مشتعل ہو کر جیک کی طرف بڑھے تھے۔یہاں جیسے تیسری جنگ عظیم شروع ہو گئی تھی۔جیک کی مڈ بھیڑ لڑکوں سے ہو گئی تھی اور ایما کی لڑکیوں سے۔ایما لڑکیوں کے اور لڑکیاں اس کے بال پکڑے چیخ رہی تھی۔کچھ طلبہ اس جنگ کے ماحول کی ویڈیو بنانے کے لیے اسٹیج پر چڑھ گئے تھے۔کچھ طلبہ مشتعل ہو کر اپنے بیگ سے بیئر، جوسز کے کینز نکال نکال کر اپنی دفاع کے لیے دوسرے طلبہ کے سروں پر پھاڑ رہے تھے۔اس مڈ

بھیڑ میں جگہ بناتے ہوئے پولینا نے سر اونچا کر کے مہروز کو ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی پر وہ اسٹیج پر کہیں نہیں تھی۔ وہ اسے طلبہ کے مد بھیڑ کے بیچ بھی نظر نہیں آئی تھی۔ ایک چھوٹی سی شرارت تمام طلبہ کے بیچ جھگڑے کی وجہ بن گئی تھی۔

مہروز اس چیخ و پکار سے دور بھیگے گال لیے دور نکل آئی تھی۔ یونی کے اندرونی دروازے بند تھے اور اسے ناچار واپس فٹ پاتھ کی طرف مڑنا پڑا تھا۔ خون کی گندی بو سے اسے اپنے اعصاب شل محسوس ہو رہے تھے۔ گیلا ہو جانے کی وجہ سے مہروز ٹھنڈ کی شدت کی وجہ سے کپکپا رہی تھی۔ اسے کل کی فکر تھی۔ اب وہ ایک بار پھر آفیشل فیس بک پیج پر گوسپس کا موضوع ہو گی اور لکھا جائے گا کہ جھگڑے کی جڑ وہ تھی۔ وہ سب کے سامنے گندے خون میں رنگی گئی تھی۔ اسے اس ناپاک خون سے اس قدر کراہیت آ رہی تھی کہ تیز چلنا چاہتی تھی مگر اس کے قدم اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

چھوٹے سے سرنگ سے گزرتے ہوئے دیوار کا سہارا لیتے ہوئے اس نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تھا اور دوسری سیڑھی پر قدم رکھتے ہی وہ ڈگمگا کر گری تھی اور باقی کی چار سیڑھیاں وہ پھسلتی ہوئی زمین پر گری تھی۔ اس کا سر اتنے زور سے زمین کی سطح سے لگا تھا کہ اس کا سر

گھوم گیا تھا۔ وہ بائیں رخ پر اوندھے منہ لیٹی خون کی بو کو کچھ زیادہ ہی قریب محسوس کرنے لگی تھی۔ بند ہوتی سانسوں کے ساتھ وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو چکی تھی۔

جاری ہے

خلا

باب 6

مرتیں کرکے روز تھکتا ہوں

ماہ نور زہرا

ناپاک خون میں وہ ڈبکیاں مار رہی تھی۔۔۔ رو رہی تھی۔۔۔ نکلنے کی کوشش کرتی تھی مگر ایما پھر اسے بالوں سے پکڑ کر خون کے تیلاب میں اس کا سر ڈبو دیتی تھی اور تب تک ڈبوئے رکھتی تھی جب تک وہ سانس بند ہونے کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر بے حال نہیں ہو جاتی تھی۔

وہ نیم بیہوشی کی حالت میں تیلاب میں تیرتی رہی اور جب آنکھ کھلی تو تیز سی روشنی سے اس کی آنکھ کا ڈھیلا پھیل گیا تھا۔

اسے اپنے ارد گرد سفیدی ہی سفیدی نظر آرہی تھی۔اس کے پاؤں ہلنے سے انکاری تھے۔وہ منہ کھولنا چاہتی تھی،پانی مانگنا چاہتی تھی مگر زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ناپاک خون کی بو اس کی نتھنوں سے ٹکراتی اسے بے چین کر گئی تھی۔وہ کتنی ہی دیر بے سدھ پڑی رہی۔بلیو یونیفارم یک دم اس کی آنکھوں کے سامنے آیا تھا اور تیز روشنی کا راستہ بند کر دیا تھا۔ اس کے کانوں میں نسوانی آواز پڑی تھی۔

وہ بمشکل پلکیں جھپکاتی خود کو حواسوں میں لانے لگی۔منجمند اعصاب کو جگانے میں اسے بہت دقت ہوئی تھی مگر اس کے اعصاب جاگ گئے تھے۔

"مہروز۔"نسوانی آواز میں اس نے اپنا نام سنا تھا اور نظریں اٹھا کر نیلے یونیفارم میں ملبوس نرس کو نرم مسکراہٹ کے ساتھ خود کو دیکھتے پایا تھا۔

"مہروز مجھے سن رہی ہو؟"

مہروز نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اچھی بات ہے۔کچھ چاہیے؟ پانی؟"

مہروز نے اثبات میں سر ہلا کر نحیف سی آواز میں 'پانی' کہا تھا۔

نرس سر ہلا کر میز کی طرف مڑی تھی اور گلاس سے کیپ ہٹا کر، مہروز کو سہارا دیتے ہوئے بٹھایا تھا۔مہروز کو بائیں رخ پر درد کا احساس ہوا تھا۔اس نے ماتھے کو چھوا تھا جو بائیں رخ سے پھول گئی تھی۔نرس سے پانی کا گلاس لے کر وہ غٹا غٹا پانی پینے لگی۔پانی کا خالی گلاس نرس کو تھما کر وہ خاموشی سے سامنے دیکھنے لگی۔سفید پردے کھڑکیوں پر برابر پڑے ہوئے تھے۔کھڑکیوں سے آگے میز جس پر نوٹ پیڈ اور پین پڑا ہوا تھا۔میز کے دائیں طرف اسٹینڈ تھا جس پر مفلر لٹکا ہوا تھا۔سفید اور کالے امتزاج کا مفلر۔

"تم بالکل ٹھیک ہو۔بس شاک اور ماتھے پر چوٹ لگنے کی وجہ سے بیہوش ہوگئی تھی۔"

"مجھے کون یہاں لایا؟"مہروز نے مفلر سے نظر ہٹا کر نرس کو دیکھا تھا۔پہلی دفعہ غور سے دیکھا تھا۔یہ وہی تھی جس نے مہروز کے زخمی ٹخنے کی پٹی کی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

نرس جواب دینے والی تھی کہ دروازہ کھلا تھا اور گھنگریالے بالوں والا لڑکا اندر داخل ہوا تھا۔اس نے بلیو جینز پر مہرون کلر کا گول گلے والا سویٹر پہنا ہوا تھا۔مہروز کو جاگا ہوا دیکھ کر اس کی کالی بڑی آنکھوں میں اطمینان نظر آیا تھا۔

"کیسی طبیعت ہے؟"عبداللہ نے اس کے بیڈ کے قریب کھڑے ہوتے ہوئے نرمی سے پوچھا تھا۔

"بہتر۔۔۔ہوں۔"اس کے منہ سے الفاظ ٹوٹ کر ادا ہوئے تھے۔

اس نے واپس گردن موڑ لی تھی۔اسٹینڈ سے لٹکا دیکھا دیکھا سا مفلر دوبارہ دیکھا تھا اور پھر نظر پھسلتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں تک گئی تھی جو صاف تھے۔پھر نظر پھسلتے ہوئے اپنے وجود پر پھیلی ہوئی چادر پر گئی تھی اور وہاں سے اوپر اٹھتے ہوئے اپنے لباس پر جو اب سرخ ہو چکی تھی۔اس نے یک دم محسوس کیا تھا کہ اس کے گلے میں ڈوپٹہ نہیں ہے۔اپنے اوپر پھیلی ہوئی چادر کو گردن تک لیتے ہوئے مہروز نے نرس کو دیکھا تھا۔

"میرا ڈوپٹہ؟وہ کہاں گیا؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"بہت خراب ہو چکا تھا، میں نے ایک شاپر میں ڈال دیا ہے۔ میں اپنا اونی اسٹال تمہیں دے دیتی ہوں۔" نرس نرم مسکراہٹ کے ساتھ کہتے ہوئے دروازے کی طرف مڑی تھی۔

اس کے جاتے ہی کمرے میں عجیب سی خاموشی پھیل گئی تھی۔ مہروز غیر آرام دہ سی، گھٹنے موڑ کر سینے سے لگا کر بائیں رخ کی طرف بیٹھ گئی تھی جیسے وہ عبداللہ کو نہیں دیکھ رہی تو اسے بھی نظر نہیں آ رہی۔

عبداللہ گہری سانس بھرتا ہوا میز تک گیا تھا اور اپنی کرسی پر بیٹھ کر کرسی کا رخ دائیں طرف موڑ دیا تھا ایسے کہ اب دونوں ایک دوسرے سے منہ پھیرے بیٹھے ہو۔

"کیسے ہوا یہ سب؟"

مہروز نے رخ موڑے بغیر اس کا سوال سنا تھا اور چند ثانیے خاموش رہی۔

"آپ یہاں لائے ہیں مجھے؟" ذہن میں کب سے اٹکا سوال پوچھ لیا تھا اس نے۔

"نہیں۔"

"کسی کو تو لاتے دیکھا ہوگا نا؟"

Clubb of Quality Content

"نرس۔۔۔"عبداللہ نے دونوں ہاتھ باہم پھنسا کر اپنے پیٹ پر رکھ لیے تھے"وہی لائیں آپ کو اور اسی نے ڈرپ لگائی۔"

مہروز نے بے اختیار اپنے دائیں ہاتھ کی پشت کو دیکھا تھا جس پر سفید پٹی چپکی ہوئی تھی۔تو وہ کیا اتنی دیر بیہوش رہی کہ ڈرپ ختم ہو گئی اور وہ تب جاگی؟اس کا بیگ؟

وہ بے اختیار گھومی تھی اور کمرے میں ادھر ادھر نظر دوڑانے لگی۔اسے اپنا کالا بیگ کہیں بھی نظر نہیں آیا تھا۔

"میرا بیگ؟"اس نے بوکھلا کر عبداللہ کا دایاں رخ دیکھا تھا۔

"آپ کے ساتھ کوئی بیگ نہیں تھا۔"

"کوئی بیگ نہیں تھا؟"اس نے سوالیہ انداز میں اپنا سوال دہرایا تھا۔

اس کا دل ڈوب گیا تھا۔اس کے بیگ میں فون اور کچھ کارڈز تھے۔فون اور وہ کارڈز اس کی زندگی تھی۔ایک رابطے کا ذریعہ تھا تو دوسرا زندگی گزارنے کا۔

مہروز فوراً سے بیڈ سے پاؤں اتار چکی تھی۔

Clubb of Quality Content

عبداللہ نے رخ موڑ کر اسے دیکھا تھا جس کے انداز میں عجلت تھی۔اس کے ہاتھوں میں پہنی چوڑیاں ہل ہل کر کمرے کی خاموشی توڑ رہی تھیں۔اسی وقت نرس دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔

"کہاں جا رہی ہیں آپ؟"

"یونیورسٹی۔"اس نے نرس نے اسٹال چھین کر سر پر پہنا تھا۔

"کیوں؟ہاسٹل نہیں جائے گی؟"عبداللہ جیسے الرٹ ہو گیا تھا۔

"نہیں مجھے اپنا بیگ ڈھونڈنا ہے۔"وہ ڈوپٹے کو سینے کے گرد بھی پھیلا چکی تھی۔

اسے اپنے خون آلود کپڑوں کی اب کوئی پرواہ نہیں تھی۔اس کی جان اس کے فون اور کارڈز میں پھنسی ہوئی تھی۔

"پولینا سے پوچھ لے۔میرے پاس اس کا نمبر ہے۔"عبداللہ نے میز پر پڑا فون اٹھایا تھا اور اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر اسے فون کر ڈالا تھا۔

"پولینا۔"مہروز کو جیسے یاد آیا تھا کہ وہ پولینا کے ساتھ تھی۔

"کیا مہروز کا بیگ آپ کے پاس ہے؟"

مہروز نے گردن موڑ کر عبداللہ کو دیکھا تھا جو فون کان سے لگائے پولینا سے بات کر رہا تھا۔

"میرے سوال کا جواب دیں۔" اس نے درشتی سے اپنا سوال دہرایا تھا۔

"اس وقت کہاں ہیں آپ؟"

اور جواب پاتے ہی عبداللہ نے فون کاٹ دیا تھا۔

"ہاسٹل چلیے وہی وہ آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔" عبداللہ نے اٹھتے ہوئے میز کی دراز کھولی تھی۔

"آپ کو کیسے پتا پولینا میرے ساتھ تھی؟"

عبداللہ کی انگلیاں چابی پر تھم گئی تھی۔اس کا جھکا سر بھی جھکا رہ گیا تھا۔

مہروز مشکوک نگاہیں عبداللہ کے گھنگریالے بالوں پر ڈالے مشکوک نظروں سے دیکھ رہی تھی۔وہ ایک ہی دن میں دو دفعہ ٹھٹکی تھی۔

عبداللہ نے آہستہ سے تھوک نگل کر چابی اٹھائی تھی اور آہستہ سے دراز بند کر کے مہروز اور پھر نرس کو دیکھا تھا۔

نرس انگلیاں آپس میں بند کرتی کھولتی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"پولینا کا ٹیکسٹ آیا تھا۔آپ کی یونیورسٹی میں کوئی کلچرل ویک تھا اور اس نے مجھے مدعو کیا تھا۔"

مہروز کے تنے ابرو ڈھیلے پڑے تھے۔کچھ دنوں پہلے پولینا نے اس سے کہا تھا کہ وہ عبداللہ کو ٹیکسٹ کرے اور مہروز نے انکار کر دیا تھا۔

"سو مجھے یقین تھا کہ آپ دونوں ساتھ ہی ہو نگی۔"

مہروز نے سمجھتے ہوئے قدم دروازے کی طرف بڑھائے تھے۔

"میں ڈراپ کر دیتا ہوں آپ کو۔"

"میں بس میں چلی جاؤ گی۔"

"آپ کے پاس بیگ تو ہے نہیں تو بس پاس کہاں سے آئے گا؟"

Clubb of Quality Content

مہروز نے آہستہ سے ہینڈل سے ہاتھ ہٹایا تھا اور ایک طرف ہٹتے ہوئے عبداللہ کو باہر جانے کا راستہ دیا تھا۔

مہروز عجیب بوجھل سی کیفیات میں گھری اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ہاسٹل تک راستہ خاموشی میں گزرا تھا۔اسے اپنے وجود سے کراہیت محسوس ہو رہی تھی۔وہ کب تک ناک بند کر کے بیٹھ سکتی تھی سو بمشکل جسم سے اٹھنے والی خون کی بساند کو برداشت کرتے ہوئے وہ رخ موڑے بیٹھے ہوئی تھی۔گاڑی کی کھڑکیاں زرا سی نیچے کی گئی تھی تاکہ خون کی بدبو گاڑی میں ہی نا پھنس جائے،اس کے باوجود مہروز خجالت کا شکار تھی کہ عبداللہ اس خون کی بدبو کو کیسے برداشت کر رہا تھا۔

ناعبداللہ نے مہروز کی چوڑیوں کی چھنکار پر رخ بدل کر اسے دیکھا تھا نا مہروز نے کھڑکی سے گردن موڑ کر عبداللہ کو دیکھا تھا۔

❁❁❁

ہاسٹل کا دروازہ آہستہ سے کھلا تھا۔

پولینا ناخن چباتے ہوئے کھڑی ہو گئی تھی۔اس نے اب تک غرارہ پہن رکھا تھا جس کی شرٹ پر بابجا خون کے دھبے تھے۔

مہروز کو اندر داخل ہوتا دیکھ کر پولینا نے اطمینان بھرا سانس لیا تھا۔

"میں گھبرا گئی تھی۔ تمہیں یوں اکیلے یونی سے نہیں نکلنا چاہیے تھا۔بیٹھو۔"مہروز کو بازو سے تھامے پولینا اسے بیڈ پر بٹھا چکی تھی اور خود پنجوں کے بل اس کے گھٹنوں کے پاس بیٹھ گئی تھی۔

"اوہ یہ کیا ہوا؟"پولینا نے آہستہ سے مہروز کے پھولے ہوئے ماتھے پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"سیڑھیوں سے گر گئی تھی بڑی زور سے اور یہ ماتھا زمین سے ایسی زور سے ٹکرایا کہ میں بیہوش ہو گئی۔اب اس میں درد الگ ہے۔"مہروز نے ماتھے پر بنے گومڑ کو ہلکا سا چھوا تھا۔

"کوئی پین کلر دوں؟"

"نہیں۔میں نے لے لی تھی۔"

"ڈاکٹر عبداللہ۔۔۔"اس نے ذرا توقف لیا"کیا وہ تمہیں ہاسپٹل لے کر گئے تھے؟"

"نہیں۔"مہروز نے فوراً سے انکار کیا تھا"وہ نرس جس نے میرے زخمی ٹخنے کی پٹی کی تھی۔میرا بیگ یونی میں ہی رہ گیا تھا میں گھبراہٹ میں وہی بھول گئی ورنہ میں خود کال کرتی تمہیں۔"

پولینا نے جیسے کسی انجانے خوف سے نجات حاصل کی تھی۔وہ پہلے مہروز کی گمشدگی پر گھلے جا رہی تھی اور جب سے عبداللہ کی کال آئی تھی تب سے اس بات پر کڑھے جا رہی تھی کہ عبداللہ کے ساتھ مہروز تھی اور وہ اس کے بیگ کے گم ہو جانے پر کتنا فکر مند لگ رہا تھا۔

"میں لے آئی تھی بیگ۔"پولینا نے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

"شکریہ۔وہاں بہت گھمسان کی لڑائی ہوئی ہو گی نا؟"مہروز نے سر اٹھا کر مرے ہوئے لہجے میں سوال پوچھا تھا۔

"ہنہ۔"پولینا اپنے بیڈ کی پائنتی کے پاس بنی الماری طرف بڑھی تھی"عبداللہ مطلب ڈاکٹر نے خود ڈراپ کیا؟"اس نے لہجے کو سرسری بنا کر الماری میں اپنے کپڑے ڈھونڈنے شروع کیے۔

"میں تو بس سے آنا چاہ رہی تھی پر۔۔۔"اس نے بات ادھورہ چھوڑ دی"لڑائی کس نے ختم کروائی؟یونی انتظامیہ تک بات پہنچ چکی ہو گی نا؟"

پولینا کے دل میں ہوک اٹھی تھی۔اس کے ہاتھ تھم گئے تھے۔وہ تو وہی رک گئی تھی،الجھ گئی تھی۔عبداللہ نے اسے کبھی ہیلپ کی آفر نہیں کی تھی۔اس کا دل مزید بجھ گیا تھا اور الماری سے شرٹ ٹراؤزرز نکال کر الماری بند کر کے مڑی تھی۔اس نے یاسیت سے مہروز کو دیکھا تھا۔کاش وہی مہروز ہوتی۔

"بتاؤنا؟"اس نے پولینا کی نیلی آنکھوں کی محویت توڑتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ہاں رپورٹ ہو گیا ہے معاملہ۔صبح ہم سب کو جانا ہو گا۔"

"مگر مجھے تو جاب پر جانا ہے فرینکفرٹ۔"مہروز کو نئی گھبراہٹ لاحق ہو گئی تھی۔

"تو بتا دو انہیں کہ یونی میں ایک سین بن گیا تھا وہاں پیشی ہے۔پورا دن بھی لگ سکتا ہے اور آدھا بھی۔ویسے بھی جتنی ویڈیوز بنی ہیں پورا جرمنی ہی جان گیا ہو گا اس لڑائی کے بارے میں۔"اس کا موڈ یک لخت خراب ہو گیا تھا۔

Clubb of Quality Content

"نہیں میں چھٹی تو نہیں لے سکتی۔ آل ریڈی تین دن جاتی ہوں اس میں بھی ایک دن آف کر لوں۔" مہروز نے پریشانی سے نچلا لب کچل لیا تھا۔

"تو نہیں کرنی تھی نا لڑائی۔" پولینا نے اتنے درشت لہجے میں اس پر لڑائی کا لزام ڈالا تھا کہ مہروز چند ثانیے اسے حیرانی اور بے یقینی سے دیکھتی رہی۔

"میں نے؟" مہروز نے سینے پر شہادت کی انگلی رکھی تھی "میں نے کب لڑائی کروائی؟"

"آئی ایم سوری۔" پولینا نے جیسے ہار مانتے ہوئے ہاتھ اٹھا لیے تھے "میں تھک گئی ہوں اور تھکاوٹ میں منہ سے نکل گیا۔ میں شاور لے لوں I stink like a sewer۔ تم البتہ احد لوگوں کو میسج کر کے اپنی خیریت کا بتا دو۔" پولینا ناک چڑھاتی ہوئی دروازہ کھول کر باہر نکل گئی تھی۔

مہروز کو پولینا کے الفاظ نے دکھ دیا تھا۔ ہو سکتا ہے جیسے وہ سوچ رہی ہے ایسا ہی یونیورسٹی کا ہر بندہ سوچ رہا ہو کہ لڑائی کی اصل وجہ وہی ہے۔ سب کل کمیٹی کے سامنے پیش تو ہونگے مگر سب کو دکھ ہوگا انہوں نے مہروز کی لڑائی میں ساتھ دے کر اپنا نقصان کروایا۔ سب شرمندہ ہونگے۔

مہروز یاسیت سے کل کے بارے میں سوچتے ہوئے اپنی الماری کی طرف بڑھی تھی۔

فری برگ پر اپریل کا نرم گرم سا سورج نکلا ہوا تھا۔ طلبہ سائیکل دوڑا دوڑا کر اسکول اور یونیورسٹی پہنچنے کی جلدی کر رہے تھے۔ ٹرین خوبصورت سی پٹڑی پر بازاروں کے بیچ چلتی ہوئی اپنے اندر بیٹھی مسافروں کو منزل تک پہنچا رہی تھی۔

ایسے میں چاندی کے ورق جیسی یونیورسٹی آف فری برگ کی عمارت کے اندر سیمینار روم میں لمبی سی میز کو اسٹیج کی طرف رکھا گیا تھا جس میں انتظامیہ کے مرد و خواتین، یونی سیفٹی کے سر اور کچھ ڈیپارٹمنٹس کے استاد بھی موجود تھے جن میں سر جوش کی موجودگی مہروز کے لیے سب سے زیادہ اچنبھے کا باعث تھی۔ وہ معمول کے مطابق سفید ٹرٹل نیک پر زرد رنگ کا مفلر پہنے، آنکھوں پر زرد رنگ کے چوکور فریم والی عینک لگائے، ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھے تھے۔

"کل رات کی ویڈیوز قابل شرم اور قابل مذمت ہیں۔ یہ طلبہ کا شہر ہے اور ہماری یونیورسٹی اس شہر کی واحد پاپولر یونی ہے جس کی ساکھ کو آپ سب نے مل کر کل تباہ کیا۔ بجائے اس

کے کہ آپ کو ڈیٹینشن دی جائے آپ کو یونی سے ہی نکال دینا چاہیے جو یونی کو بدنام کرنے کا ذریعہ بنے ہیں۔" یونی کو منظم رکھنے کی ٹیم کے سربراہ ماتھے پر بل ڈالے میز کے دوسری طرف کھڑے طلبہ پر گرج رہے تھے جنہوں نے کل کی لڑائی میں کلیدی رول ادا کیا تھا اور جن کی ویڈیوز یونی انتظامیہ کو موصول ہوئی تھی۔

کچھ طلبہ کو یونی نے خود پولیس سے چھڑوایا تھا جو مرنے مارنے پر تلے ہوئے تھے۔

ان کی بات سے طلبہ میں خوف وہراس پھیل گیا تھا۔

مہروز پھولے ہوئے ماتھے کو اونی ٹوپی سے ڈھانپے کھڑی تھی۔اس نے ڈیوس کو صبح ہی تاخیر سے آنے کا میسج کر دیا تھا مگر اب دن کے دو بج چکے تھے اور اسے یہاں سے نکلنے کی جلدی تھی۔وہ، احد، پولینا، جیک اور ایما پہلی قطار میں کھڑے تھے۔اسے انتظامیہ کی نظروں کے سامنے کھڑے رہنا حبس میں مبتلا کر رہا تھا۔اس کے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔اسے ڈھیر ساری شرمندگی نے آلیا تھا۔اس نے احد یا پولینا کو اس کی سائیڈ لینے کے لیے نہیں کہا تھا مگر ایما کی اس سے نفرت اور بدلے کی آگ ہی ان سب کو انتظامیہ کی نظروں میں لے آئی تھی۔

اس کے جینز کی جیب میں پڑے موبائل میں تھرتھراہٹ ہوئی تھی۔

"نو سر۔ پلیز ایسے نا کرے۔ یہ بالکل لاسٹ سمیسٹر ہے میرا۔" دوسری قطار سے ایک طالب علم کی مسکین سی آواز ابھری تھی۔

"پلیز سر۔ میں نے بہت محنت سے پیسے جوڑ کر یہاں داخلہ لیا ہے۔" احد نے ہاتھ جوڑے تھے۔

"یہ کل سوچنا تھا جب سب دو خواتین کی لڑائی میں شامل ہو گئے تھے۔" بوڑھے سے سر نے سر جھٹکا تھا۔

"سر ان سب کی کوئی غلطی نہیں ہے۔ بس غصے میں سب ہو گیا۔ یہ میری اور ایما کی لڑائی تھی اور اسے مجھ سے بدلہ یوں سب کے سامنے نہیں لینا چاہیے تھے۔ سب غصے میں ہوا۔" مہروز نے بیچارہ سا منہ بنا کر احد کو ڈیفینڈ کیا تھا۔

اس کی جینز کی جیب تھرتھرا کر خاموش ہو گئی تھی۔

"تو آپ سارا الزام اپنے سر لے رہی ہیں؟" بوڑھے سے سر نے ابرو اچکایا تھا۔

سر جوش نے پہلو بدلا تھا اور ناپسندیدہ نظروں سے گردن موڑ کر انہیں دیکھا تھا۔

"میں نے ان سب کو نہیں اکسایا نہ ہی ایما کو اکسایا۔ مجھے نہیں پتا تھا ایما مجھ سے پرانا بدلہ ایک ایونٹ میں لے گی۔ میں بس یہ کہہ رہی ہوں کہ کل کی لڑائی غصے میں ہوئی۔" مہروز نے دوسرے الفاظ میں اپنے سر الزام لینے سے انکار کر دیا تھا۔

"تو اصل معنوں میں تو جھگڑے کی جڑ آپ اور ایما ہوئی نا۔۔۔ تو ٹھیک ہے ہم آپ دونوں کو یونی کا امن اور نام خراب کرنے پر expel کر دیتے ہیں اور اس طرح سے باقی طلبہ بچ جائے گے جو زیادہ ڈیزرونگ ہیں۔ آخر کو آنے والے طلبہ کے لیے ایک ایگزامپل بھی تو سیٹ کرنا ہے۔" ان کے الفاظ نے مہروز اور ایما کے ہوش اڑا دیے تھے۔

حیران تو سرجوش بھی ہوئے تھے۔ سارے طلبہ بھونچکارہ گئے تھے پر کچھ طلبہ نے جان چھوٹنے پر سکھ کا سانس لیا تھا۔

اس کی جینز کی جیب پھر تھر تھرائی تھی جس پر مہروز لعنت بھیجتے موجودہ صورتحال پر توجہ مرکوز رکھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"You must’nt be serious, right?" سرجوش نے زرا سا گردن نکال کر بوڑھے سے سر کو دیکھا تھا۔

"ایکچوئیلی، آئی ایم۔" انہوں نے بھی سر ترچھا کر کے درشت لہجے میں جواب دیا تھا۔

دو استادوں کے بیچ ہونے والی گرما گرمی پر آس پاس بیٹھے انتظامیہ کے لوگوں نے سرگوشی میں انہیں سمجھانا شروع کیا تھا۔

مہروز دم سادھے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اگر ایسا ہو گیا تو کتنی سبکی کی بات ہو گی۔ وہ کس منہ سے پاکستان جائے گی، وہاں کیا بتائیں گی کہ وہ کیوں بے دخل ہوئی؟ اور پچھلے دس مہینوں کا کیا جو یہاں گزارے اس نے؟ سب ضائع۔۔۔

مہروز نے گردن بائیں طرف موڑ کر نفرت سے ایما کو دیکھا تھا جس نے مہروز کی نظروں کی تپش خود پر محسوس کر کے گردن موڑی تھی اور آنکھوں میں غصہ، نفرت، حقارت لیے اسے دیکھا تھا۔

"کل کی ویڈیوز میں صاف ظاہر ہے کہ مس مہروز اسٹیج سے اتر رہی تھیں جب ان پر خون پھینکا گیا۔ لڑائی میں ان کا کوئی کردار نہیں تھا۔ آپ کو کیا لگتا ہے اسٹیج سے نیچے کھڑے سارے طلبہ ایما اور مہروز کی لڑائی لڑ رہے تھے؟" سرجوش نے مضبوط لہجے میں مہروز کا دفاع کرتے ہوئے اسے حیران کر دیا تھا۔

"ایک ویڈیو میں تین لڑکے ایک لڑکی کو تھامے سنسان جگہ کی طرف گھسیٹ رہے تھے کیا وہ مہروز کو ڈیفینڈ کیا جا رہا تھا؟ کیا آپ کو ہراسمنٹس کیسز نہیں رپورٹ ہوئے؟ یقیناً وہ معاملہ آپ نے بعد میں ڈسکس کرنے لیے اٹھا رکھا ہوگا۔" جوش نے ان کی طرف استہزایہ مسکراہٹ اچھالی تھی۔

"ہم ہر کیس کو دیکھ رہے ہیں۔" سیفٹی کمیٹی کے ممبر نے فوراً سے مداخلت کی تھی۔

"یہاں پر موجود تمام اسٹوڈنٹس جو مہروز اور ایما کی لڑائی کا حصہ بنے تھے وہ ایک ہفتے تک ایک بھی کلاس اٹینڈ نہیں کرینگے۔ آپ سب کا ڈیٹینشن پیریڈ ایک ہفتہ رہے گا۔ البتہ۔" سب کے چہروں پر اطمینان دیکھ کر انہوں نے اگلے الفاظ ادا کر کے سب کا اطمینان چھین لیا تھا "کلاس آور میں آپ یونی کی صفائی کرینگے جس میں واش روم، کلاسز، سٹاف رومز، کیفے اور لانز شامل ہیں۔ کچھ دنوں تک آفیشل پیج پر بھی آپ کا ڈیٹینشن نوٹس آجائے گا۔" سیفٹی کمیٹی کے ممبر نے جیسے فیصلہ سنا کر تخلیہ مانگا تھا۔

(بس اتنی سی سزا!) مہروز نے سکھ کا سانس لیا تھا۔

وہ مشکور نظروں سے سرجوش کو دیکھتے ہوئے باقی طلبہ کی تقلید میں سیمینار روم سے باہر نکلی تھی اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے کاریڈور کراس کر کے داخلی سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھی۔

"میں بھی آج جاؤں فرینکفرٹ؟ تمہارے ساتھ؟" پولینا پھولے ہوئے تنفس کے ساتھ اس کی قدموں کا مقابلہ کر رہی تھی۔

"اپنے رہنے کا خود انتظام کر لینا کیونکہ میرے کمرے میں ایک ہی انسان رک سکتا ہے۔" وہ سیڑھیاں طے کر کے پارکنگ ایریا کی طرف بڑھی تھی۔ "البتہ تم سائیکل چلا کر مجھے ٹرین اسٹاپ تک چھوڑ آؤ۔"

"چلو میں نیکسٹ منتھ آجاؤں گی۔ میں زمین پر بھی سو جاؤں گی۔"

پولینا دانتوں کی نمائش کرتے اس سے آگے نکل کر سائیکل اسٹینڈ سے اتارنے لگی۔

❀❀❀

شام ڈھلنے سے پہلے وہ فرینکفرٹ پہنچ گئی تھی اور تب سے وہ رائٹنگ ٹیم کے ساتھ بیٹھی اتوار کے ایونٹ کی اسپیچز پر کام کر رہی تھی۔

Clubb of Quality Content

اس کا فون صبح سے کتنی دفعہ تھر تھرایا تھا۔وجاہت کا نام دیکھ کر مہروز نے زچ ہو کر فون ہی آف کر دیا تھا۔

رات کے ایک بجے واپس اپنے اپارٹمنٹ پہنچتے ہی اس نے فون آن کر دیا تھا۔وجاہت کے بیس مس کالز اور ڈھیروں میسجز دیکھ کر مہروز پریشان ہو گئی تھی۔اسے اپنی مصروفیت کا چھوٹا سا میسج کر کے مہروز بیڈ پر دھپ سے لیٹ گئی تھی کہ اس کا فون پھر سے تھر تھرانے لگا تھا۔اس نے فون کی اسکرین پر حیرانی سے وجاہت کا نمبر دیکھا تھا۔

(اگر یہاں رات کا ایک بجا ہے تو وہاں چار بجے ہونگے۔اس وقت کال؟)مہروز نے حیرانی سے سوچتے ہوئے کال اٹینڈ کر کے ویڈیو آف کر دی تھی۔

"سارا دن کالز کی تمہیں، کال کیوں نہیں اٹھائی؟"دوسری طرف سے شکایتی آواز ابھری تھی"اور یہ ویڈیو کیوں آف کی ہے؟"

"آپ اب تک جاگ رہے ہیں؟ وہاں تو چار بج چکے ہونگے۔"مہروز نے فون سینے پر رکھ دیا تھا اور اسپیکر آن کر دیا تھا۔

"پہلے میں نے سوال کیا ہے۔"

"یونی میں بزی تھی اور اس کے بعد جاب پر۔فری برگ اور فرینکفرٹ دو الگ شہر ہیں ۔ٹریولنگ میں وقت لگتا ہے مجھے کال کرنے کا وقت نہیں ملا تھا۔"

کل رات سے آج دن تک وہ جیسے کانٹوں پر چلی تھی، جھنجھنائے اعصاب لیے یونی کا وقت گزارا تھا اور جب سکون میسر آیا تھا تو اسے وہ وجاہت سے سے بات کر کے تباہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔وہ وجاہت سے بات کرنے کے بجائے ٹرین کے سفر کے دوران آنکھیں موندے آرام کرتی رہی۔

"میرا دوسرا سوال؟"

"میں ویڈیو کال پر اب بات نہیں کرونگی۔" چھت کو گھورتے ہوئے اس نے مضبوط آواز میں جواب دیا تھا۔

"کیوں؟"

"ہمارا مقصد ایک دوسرے کا مزاج جاننا ہے تو وہ ہم کانوں سے سن سکتے ہیں۔ایک دوسرے کی تصویر دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ہے۔ بالکل ہے۔ مجھ سے خالی خولی وائس کالز پر بات نہیں ہوتی۔ ویڈیو آن کرو، یار۔" اس کی آواز جھنجھلائی ہوئی تھی۔

"یار۔۔!" مہروز نے حیرانی سے دہرایا تھا "پہلی بات ابھی آپ یار نہ کہے۔ دوسرا میں صاف اور سچی بات کرونگی۔ مجھے یہی محسوس ہوا کہ آپ میری تصاویر لیتے ہیں اور آپ نے اعتراف بھی کیا۔ آپ نے میرا اعتبار توڑا جب کہ ابھی ہم ایک دوسرے کو جانتے بھی نہیں تھے۔ سو اس کا حل یہی نکالا میں نے کہ میں آپ کے ساتھ ویڈیو کال نہیں کرو گی۔"

"اوہ۔" دوسری طرف سے طنزیہ اوہ نکلا تھا "بس کردو، بس۔ اتنی پارسا ہوتی تو اپنے گھر میں بیٹھی ہوتی یوں باہر نا جاتی۔ زیادہ میرے ساتھ شریف بننے کی کوشش نا کرو، مجھے سب پتا ہے۔"

"کیا پتا ہے آپ کو؟" مہروز کے لہجے میں سختی در آئی تھی۔ وہ یک دم بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔ بیڈ پر بیٹھ جانے سے فون سینے سے پھسل کر گود میں گر گیا تھا جسے اس نے فوراً سیدھے ہاتھ میں تھام لیا تھا۔

"میرا منہ مت کھلواؤ۔"

Clubb of Quality Content!

"نہیں۔۔۔کھولے آپ۔مجھے بھی تو پتا لگے کہ میں یہاں ایسا کیا کر رہی ہوں جس سے میری شرافت متاثر ہوئی ہے۔"

"چھوڑو بس۔"وہ دھیما ہوا تھا۔

"کتنا آسان ہے نا آپ کے لیے کریکٹر جج کرنا اور پھر چھوڑ دو کہہ دینا۔"مہروز کے لہجے میں دکھ تھا"آپ کو ایک بات بتاتی چلوں کہ آپ مرد شرافت کا سرٹیفیکیٹ بانٹنا بند کرے۔جس عورت کو چاہے آپ غلیظ قرار دیتے ہیں۔کیا شرافت صرف گھر بیٹھنے میں ہے؟اور شرافت صرف عورت دکھائے؟آپ نے اب تک کونسی شرافت دکھائی ہے؟پہلی کال سے آج تک آپ مجھ سے یہی کہتے رہے 'تمہاری جیسی،ایسی بنتی ہو،ویسی بنتی ہو،سب پتا ہے وغیرہ وغیرہ۔آپ اپنی گندی ذہنیت مجھ پر واضع کر چکے ہیں مجھے ایسا لالچی اور پیچ ذہنیت کا مرد نہیں چاہیے۔"مہروز جیسے اپنی بھڑاس نکال کر ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی۔

"لالچی؟پیچ ذہنیت؟مہروز بی بی تم تو پہلے دن سے ہی اس رشتے سے راضی نہیں تھی نا مجھ میں کوئی دلچسپی لیتی تھی۔تم تو وہی کسی کے ساتھ انوالو ہو گی نا۔ظاہر ہے وہاں کون دیکھ رہا ہے تمہیں بھلے کچھ بھی کرو۔وہاں کا تو معاشرہ ہی آزاد ہے۔اور تمہیں مجھ میں دلچسپی نہیں

ہے!"فون پر اس کی طنزیہ مسکراہٹ ابھری تھی"تم میں ہے کیا بی بی؟تمہاری ماں میری ماں کے پیچھے پڑی تھی،میری ماں کی ہر شرط مانتی رہی کیونکہ اسے اپنی بیٹی کے نقص کا'برص کا پتا تھا۔وہ تو مجھ سے رشتہ جوڑنے کے لیے کچھ بھی کر سکتی تھی۔تم کوئی حور پری نہیں ہو۔عام سی شکل ہے تمہاری۔مجھے ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی مل جائے گی تمہارا کیا ہو گا'ہاں؟"

اس کا چبھتا ہوا لہجہ مہروز کا دل چیر رہا تھا۔اس کی ماں وجاہت کے پیچھے پڑی تھی؟گڑگڑائی ہو گی؟اس کا دل ڈوبا تھا۔ڈھیر سارے آنسو گلے میں جمع ہوئے تھے۔اسے اپنا آپ یک دم دو کوڑی کا لگا تھا۔

"جھوٹ۔"اس کے لہجے میں کپکپاہٹ تھی"تمہاری ماں نے لالچ دکھائی تھی۔"اس کی آنکھ سے آنسو ٹپکا تھا۔

"جھوٹ بول رہا ہوں؟اپنی ماں سے پوچھ لینا۔اور لالچی۔۔۔تو ٹھیک ہے ہاں ہوں میں لالچی جیسے تمہارے ماں باپ نے لالچ دکھائی ورنہ تم لوگوں کے پاس کیا ہے؟بوسیدہ سے کرایے

کے مکان میں رہتے ہو اور جہیز کے نام پر مجھے بس جرمنی ہی بلا سکتی ہو۔ اور کیا دے سکتی ہو تم؟"

مہروز نے گم سم انداز میں ہنکارا بھرا تھا۔ دل تھا کہ کٹ رہا تھا۔ وہ ایک بار پھر بے وقعت ہوئی تھی۔ اسے پچھلا رشتہ ٹوٹ جانے کا غم اتنا نہیں تھا جتنا وجاہت کے منہ سے نکلے الفاظ نے اس کا دل چیرا تھا۔ لوگ خود کو پرفیکٹ کیوں سمجھتے ہیں؟ کیونکہ وہ ظاہری بیماری سے نبرد آزما نہیں ہوتے؟ ہاں مگر باطن کی بیماری کون دیکھتا ہے، وہ دکھتا بھی کہاں ہیں؟ یہ ارد گرد کے لوگ اس سچائی کو اتنا بھیانک بنا کر اس کے سامنے کیوں پیش کرتے تھے؟ کیا وہ بے خبر تھی کہ اس کے ساتھ کیا مسئلہ ہے یا اس کا دل دکھانا مقصود تھا؟ وہ پہلے ہی احساس کمتری کا شکار رہی تھی اور لوگوں کے الفاظ اسے اور بھی احساس کمتر میں مبتلا کرتے تھے۔

"بالکل مسٹر وجاہت۔" مہروز کی آنکھوں سے لبالب آنسو گر رہے تھے مگر وہ لہجے کی لغزش کو چھپانے میں ناکام ہو رہی تھی "میں عام سی شکل کی ہوں۔ مجھے اللہ نے برص جیسی آزمائش بھی دی ہے مگر میں جیتی جاگتی انسان بھی ہوں جو عقل و خرد میں کسی سے کم نہیں ہے۔ میں نا اپاہج ہوں نا کسی کی محتاج۔ اپنی محنت پر یہاں آئی ہوں تم بھی محنت کر کے اپنا راستہ بناؤ۔ ایک

اور بات۔" اپنے لہجے کو مضبوط بناتے ہوئے اس کی آنکھیں ایسی نڈر لگ رہی تھی جیسے وہ سامنے ہی کھڑا ہو " یہ رشتہ میری ماں کی خواہش پر ہوا تھا اور ختم میری خواہش پر ہو گا۔ میں نے تمہیں ایک چانس دیا جو تم گنوا چکے ہو۔ اگلی دفعہ کسی پارسا لڑکی کو ڈھونڈنا جو گھر بیٹھی ہو کسی باہر ملک میں پڑھنے والی یا جاب کرنے والی لڑکی کو نہیں۔ تم بہت نیک ہونا کہیں وہ تمہاری شرافت بھی خراب نا کر دے۔ میری طرف سے یہ رشتہ ختم ہے۔"

"ہاہ۔۔۔واقعی تم ختم کر پاؤ گی؟" اس نے طنزیہ لہجے میں سوال پوچھا تھا۔

"Just wait and watch." دوسری طرف کی سنے بغیر اس نے فون کاٹ دیا تھا اور تیزی سے حسیب کو صبح اٹھتے ہی جرار سے کال ملانے کا پیغام بھیج کر فون سوئچ آف کر دیا تھا۔

فون بیڈ پر پھینک کر وہ باآواز رونا شروع ہوئی تھی۔ اس کا دل زخم زخم تھا۔ وہ اسے زیادہ سے زیادہ لالچی ہی کہہ کر دل کی بھڑاس نکال سکتی تھی جسے اس نے خود بھی تسلیم کیا تھا مگر کوئی ایسا لفظ وہ ڈھونڈ نہیں پائی تھی جو وجاہت کو بھی اسی تکلیف سے دوچار کرے جس سے وہ اس

وقت گزر رہی تھی۔ جب پہلے رشتے سے انکار ہوا تھا تب وہ باپ کے کندھے سے لگ کر روئی تھی، آج کس کے کندھے پر سر رکھے؟ دل تھا کہ پھٹے جا رہا تھا۔

اس نے دکھ سے سر اوپر اٹھایا تھا اور ایک بار پھر اللہ سے گلہ کیا تھا جس نے اسے یہ آزمائش تو دی پر مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں دی۔ اسے شدید اہانت کا احساس ہو رہا تھا کہ وہ ایک پرفیکٹ دنیا میں ام پرفیکٹ لڑکی ہے جسے کوئی بھی کسی بھی وقت اس کے نقص کا احساس دلا دیتا ہے اور جواب میں اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔

وہ ساری رات روتی، سوتی، جاگتی بس اللہ سے گلہ کرتی رہی تھی کہ وہ کیوں؟ وہی کیوں ایسی پیدا ہوئی تھی؟

وہ پژمردہ سی آئینے کے سامنے کھڑی کالی اونی ٹوپی سے پھولے ہوئے ماتھے کو ڈھانپ رہی تھی۔ ہونٹوں پر ہلکا سا گلاس لگا کر اس نے چہرے پر چھائی مردنی کو حتیٰ الامکان چھپانے کی کوشش کی تھی۔ سفید گھٹنوں تک آتی شرٹ پر گول گلے والا لانگ سویٹر پہن کر وہ ہاسٹل سے باہر نکلی تھی۔

وہ رائٹنگ ٹیم کے ساتھ سارا دن اپنے آفس میں بزی رہی اور وقتاً فوقتاً موبائل بھی دیکھتی جاتی جس پر اب تک حسیب کی کال موصول نہیں ہوئی تھی۔ وہ انتظار کی سخت گھڑیوں سے زچ ہوتے ہوئے، بڑابڑا کر فون جینز کی جیب میں ڈال کر اپنا لیپ ٹاپ لے کر آفس کے ایک کونے میں بیٹھ گئی تھی۔ اس سے کوئی بھی کام سہی سے نہیں ہو پا رہا تھا۔ وہ بس جلد از جلد جرار کو سب بتا دینا چاہتی تھی۔

فرینکفرٹ سے دور لاہور میں صبح ہی صبح وجاہت کی ماں مٹھائی کا ٹوکرا اور انگوٹھی لیے جرار کے گھر میں موجود تھیں۔

لاہور میں تیز ہوائیں چل رہی تھی، کالی گھٹاؤں کی وجہ سے صبح شام میں تبدیل ہو گئی تھی۔

"آج تو پکوڑوں کا موسم ہے بھابھی، ہے نا؟" مسز شمیم کچھ زیادہ ہی دانتوں کی نمائش کر رہی تھی۔

"میں بنا دیتی ہوں۔" یاسمین بھی مسکرا اٹھی تھی۔

"میں بھی ساتھ چلتی ہوں نا کچن میں۔ ٹھیک ہے نا اماں جی؟" انہوں نے مسکرا کر سلیمان جان کو جیسے عندیہ دیا تھا کہ آپ یہیں بیٹھی رہے۔

سلیمان جان سر ہلا کر وہیں بیٹھی رہی۔

یاسمین کچن میں کھڑی پیاز چھیل رہی تھیں جبکہ مسز شمیم آلو۔

"آپ بیٹھ جائے نا۔اچھا نہیں لگ رہا آپ کام کر رہی ہیں یہاں۔" یاسمین نے ایک بار پھر انہیں منع کیا تھا۔

"لو اس میں اچھا نا لگنے والی کیا بات ہے۔دیکھے آپ کی ایک ہی لاڈو بیٹی ہے اور میرا بھی اکلوتا بیٹا ہے۔دونوں نے جرمنی چلے جانا ہے پیچھے ہم بوڑھے رہ جائے گے تو بس یونہی آنا جانا رہے گا۔کوئی تعلق تو نہیں ختم ہو جائے گا،نا۔" انہوں نے آلو چھیلتے ہوئے کن انکھیوں سے یاسمین کو دیکھا تھا پر ان کے چہرے پر وجاہت اور مہروز کے بیچ ہونے والی لڑائی کا شائبہ تک نہیں تھا۔یقیناً وہ بے خبر تھی۔

وہ بیٹے کے منہ سے جذبات میں نکلے الفاظ پر سر پیٹتے ہی مٹھائی کا ٹوکرا اور کپڑے لیے صبح ہی صبح یہاں آگئی تھی۔

"نہیں، نہیں کیسی بات کرتی ہیں۔" یاسمین نے ان کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا۔

Clubb of Quality Content

بارش یک دم ہی برسنے لگی تھی اور کچن کی کھلی کھڑکیوں سے ہوا اندر آنے لگی تھی۔ مسز شمیم آلو سنک میں دھوتے ہوئے جیسے مناسب الفاظ کا چناؤ کر رہی تھی۔

"وہ آپ سے بات کرنی ہے۔" انہوں نے کھلی کھڑکیوں سے برستی بارش کو دیکھتے ہوئے لہجے کو سنجیدہ بنالیا تھا۔

یاسمین ٹھٹک کر مڑی تھی۔

"آپ سمجھدار ہیں اسی لیے اکیلے میں آپ سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔" آلو پلیٹ میں رکھتے ہوئے وہ پلٹی تھی۔

یاسمین کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپنا شروع ہوا تھا۔ پیاز کاٹنے کی وجہ سے ان کی آنکھوں میں پانی جمع ہونا شروع ہوا تھا۔

"خیریت ہے؟" یاسمین آگے بڑھی تھی۔

"نہیں۔" مسز شمیم آنکھوں میں آنسو لے آئی تھی۔

"یا اللہ۔" یاسمین نے سینے پر ہاتھ رکھا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میرے شوہر کو دل کا عارضہ ہے۔آپ شاید نہیں جانتی۔انہیں دو ہارٹ اٹیکس آ چکے ہیں۔"مسز شمیم نے چادر کے پلو سے آنکھوں کے کونوں کو صاف کیا تھا"خدانخواستہ اگر تیسرا۔۔۔"انہوں نے یک دم ہچکی لے کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

"اللہ سب خیر کریں گے۔"یاسمین نے انہیں اپنے کندھے سے لگایا تھا۔

"ان کی خواہش ہے کہ وجاہت کا نکاح ان کے سامنے ہو جائے۔وہ تو رخصتی ہی چاہ رہے تھے پر مہروز بیٹی کی مجبوری ہے، ہم سمجھتے ہیں۔"مسز شمیم نے خود کو ان سے الگ کیا تھا۔

"وہ چاہتے ہیں کہ اگر ابھی صرف ان دونوں کا نکاح ہو جائے۔"

"ابھی؟"یاسمین نے انہیں ناسمجھی سے دیکھا تھا"ابھی کیسے ہو گا؟"

"فون پر۔میری بہن نے بھی اپنی بیٹی کا نکاح فون پر کیا تھا۔مہروز جیسے ہی فائنل ایگزام کے بعد آتی ہے ہم نے شادی کی تیاری کر رکھی ہو گی بس ڈائریکٹ رخصتی کر لیں گے۔"مسز شمیم بھیگی آنکھوں کے ساتھ مسکرادی تھی۔

یاسمین آہستہ سے پیچھے ہٹ گئی تھی۔وہ چھیلے ہوئے پیاز کی طرف خاموشی سے پلٹی تھی۔

"کیا ہوا بات بری لگ گئی؟"

"نہیں۔بس۔۔۔"انہوں نے کچھ لمحوں کا توقف لیا تھا" جرار اپنی بیٹی کو بہت عزیز رکھتے ہیں اور میں جرار کی مرضی کے خلاف آپ کو زبان نہیں دے سکتی۔"انہوں نے اب پیاز کاٹنا شروع کر دیے تھے۔

"بات تو کر ستی ہیں نا؟ ہماری وکیل ہی بن جایے۔مجھے اپنے شوہر کی گرتی صحت سے ڈر لگ رہا ہے۔خدا کے لیے اس بیمار آدمی کی یہ آخری خواہش ہی پوری کر دے۔"

"اللہ انہیں صحت دے۔آپ فکر نا کرے میں بات کرتی ہوں۔"

"اللہ تیرا شکر۔"انہوں نے چھت کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا۔

"میں تو ابھی سے ولیمے کا گلابی جوڑا پسند کر کے بیٹھی ہوئی ہوں۔پورے بیس تولہ سونا چڑھاؤں گی مہروز کو۔"

مسز شمیم ایک بار پھر چہکنے لگی تھی۔بارش کی رفتار جیسے جیسے تیز ہوتی رہی ویسے ویسے ان کی فیوچر پلاننگ بھی۔

مسز شمیم کو رخصت ہوئے بہت وقت بیت چکا تھا۔

بارش بھی تھم چکی تھی۔یاسمین سنک کے سامنے کھڑی برتن دھورہی تھی جب جرار قمیض کے بازو چڑھاتے ہوئے کچن میں داخل ہوئے تھے۔

"کیا کہنے آئی تھی وہ اتنی صبح صبح اور مٹھائی کا ٹوکرا بھی لائی تھی؟" جرار نے فریج کھولتے ہوئے بیوی کی پشت دیکھی تھی۔

"وہ بس ایسے ہی ملنے آئی تھی اور بتارہی تھی کہ شوہر کی صحت گر رہی ہے۔"

"اچھا۔کیوں؟ کوئی بیماری ہے؟" وہ بوتل نکال کر کاؤنٹر کی طرف بڑھے تھے۔

"دو ہارٹ اٹیکس آئے ہیں انہیں۔"

"اوہ۔لگتا نہیں ہے۔کافی فٹ قسم کے آدمی ہیں۔" جرار گلاس میں ٹھنڈا پانی ڈالنے لگے تھے۔

"وہ ایک خواہش بھی لائی تھی۔شوہر کی آخری خواہش۔" یاسمین پانی کی ٹونٹی بند کر کے پلٹی تھی۔

"آخری خواہش؟" جرار نے اچنبھے سے انہیں دیکھا تھا۔

"ہاں۔ان کے شوہر کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی اس لیے وہ چاہتے ہیں کہ ان کے سامنے ان کے بیٹے کا نکاح ہو جائے۔"

"تو انتظار کر لیں دو مہینے ہی تو ہیں۔" جرار گلاس تھام کر پنجوں کے بل فرش پر بیٹھ کر پانی پینے لگے تھے۔

"فون پر۔وہ فون پر دونوں کا نکاح کرنا چاہتے ہیں۔"

جرار سے باقی پانی نہیں پیا گیا۔انہوں نے آہستہ سے سر اٹھا کر اپنی بیوی کو دیکھا تھا اور اٹھ گئے تھے۔

"فون کے نکاح کو میں نہیں مانتا۔" گلاس کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے ان کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔

"میں نے بھی انہیں کوئی جواب نہیں دیا۔"

"اچھا کیا ہے۔میں خود۔۔۔"

ان کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔حسیب کی دور سے ہی وضاحت پیش کرتی آواز آ رہی تھی۔جرار گردن موڑ کر کچن کی طرف تیزی سے بڑھتے حسیب کو دیکھا تھا۔

"مہروز آپی میں آیا تھا صبح، آپ کے سسرال والے آئے تھے نا اس وقت۔"

"سسرال والے؟" مہروز کی حیرانی بھری آواز ابھری تھی۔

"جرار انکل یہ لے آپ کی ویڈیو کال اور انہیں بتائے کہ آیا تھا میں صبح۔ یقین دلائے۔ آنٹی کیا پکوڑے بنے تھے یہاں؟" حسیب جرار کو فون پکڑا کر فوراً یاسمین کی طرف مڑا تھا۔

"ہاں بنائے تھے۔ میں پہلے مہروز کو دیکھ لوں۔" یاسمین کا چہرہ جیسے کھل اٹھا تھا۔ وہ فوراً کچن سے نکلتے جرار کے پیچھے لپکی تھی۔

"کیسی ہو ظوئے؟" جرار کے چہرے پر روشنی سی پھیل گئی تھی۔

مہروز جرار کا محبت بھرا لہجہ سن کر پھر سے آبدیدہ ہو گئی تھی۔

"ادھر کرے نا فون۔" یاسمین بھی جرار کے برابر میں کھڑی ہو کر بیٹی کو دیکھنا چاہتی تھی۔

"صرف آپ سے بات کرنی ہے۔" مہروز نے گیلے لہجے میں کہا تھا۔

جرار کا دل کٹا تھا اور چہرے پر یک دم سنجیدگی آ گئی تھی۔ جرار اس کی سرخ آنکھیں دیکھ کر سمجھ گئے تھے کہ کوئی سیریس بات ہے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تم بعد میں بات کرنا۔" جرار نے چہرے کا رخ موڑ کر یاسمین کو وہی ٹھہرے رہنے کا کہا تھا اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھے تھے۔

"وہاں خیریت ہے؟" جرار کمرے کا دروازہ لاک کر کے دائیں طرف رکھے صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔ مہروز کا زرد چہرہ کوئی اچھی علامت کا نشان نہیں تھا۔

"یہاں سب خیریت ہے پر وہاں نہیں ہے۔" مہروز کے گال پر آنسو بہہ نکلے تھے "آپ معاف کر دینگے نا مجھے۔"

جرار نے پہلو بدلا تھا۔ مہروز جیسے پہیلیوں میں بات کرتی ان کا بلڈ پریشر بڑھا رہی تھی۔

"یہ بات بھلا پوچھنے والی ہے۔ بات کیا ہے مہروز جان؟ بوڑھے لوگوں کو پہیلیاں نہیں بجھواتے۔" انہوں نے زچ ہوتے ہوئے کہا تھا۔

"خان بابا کچھ ہفتوں پہلے وجاہت کی کال آئی تھی۔ میں نے اس سے کہا بھی کہ پہلے آپ سے اجازت لے لوں کہ میں اس سے بات کر سکتی بھی ہوں کہ نہیں پر اس نے کہا کہ آج کل کے زمانے میں عام بات ہے شادی سے پہلے بات چیت کرنا۔ میں شرمندہ ہوں میں نے اس سے باتیں کی اور آپ کو اب بتا رہی ہوں۔" مہروز نے ہاتھ کی پشت سے گیلے گال رگڑے

تھے "خان بابا میں جب اس سے باتیں کرتی تھی تو وہ مجھے بہت شکی لگتا ہے۔اس کی ہر بات یہاں سے شروع ہوتی تھی کہ تمہاری جیسی لڑکی، زیادہ پارسانہ بنو، سب پتا ہے تم جیسی لڑکیاں وہاں کیا کرتی ہیں۔اللہ کی قسم میں نے۔۔۔"

"بس بس قسمیں مت دو۔" جرار نے فوراًاسے روک دیا تھا۔

"مجھے ایسا بھی لگتا تھا کہ وہ ویڈیو کال کے دوران میری تصویریں لیتا ہے۔میں نے جب اس سے پوچھا تو اس نے پہلے تو انکار کر دیا پھر میری ہی بات کو مذاق میں اڑا یا۔کل رات جب اس نے مجھے کال کی تو میں نے ویڈیو آف کر رکھی تھی اور اس نے اس بات کا اتنا ایشو بنا دیا کہ میرے کردار کو بیچ میں لے آیا۔اس نے مجھ سے کہا کہ میں آزاد معاشرے میں ہوں اور یقیناً میرے یہاں مرد دوست ہونگے۔اور۔۔۔"مہروز سانس لینے کے لیے رکی تھی۔

"اور؟"

"اور اس مجھے طعنہ دیا کہ میری ماں اس کی ماں کے سامنے گڑگڑائی تھی؟ کیا ایسا ہوا تھا؟ مورے نے ایسا نہیں کیا نا؟ اس نے طعنہ دیا کہ میں عام سی شکل کی ہوں اور میری ماں

رشتہ جوڑنے کے لیے اپنی نقص والی بیٹی کی خاطر کچھ بھی کر سکتی ہے۔" مہروز کی آواز کپکپائی تھی اور آنسو ایک بار پھر تواتر سے چہرہ گیلا کرنے لگے تھے۔

جرار کتنی ہی دیر سرخ آنکھیں لیے خاموش رہے۔ گھٹنے پر رکھی بائیں ہاتھ کی مٹھی وہ بند کرتے تھے کبھی کھولتے تھے۔

"خان بابا لوگ ہمیں ہماری کمی کا احساس کیوں دلاتے ہیں؟ میں نے اسے لالچی کہہ دیا تو اس نے خود اعتراف کر لیا کہ ہاں وہ جرمنی کی لالچ میں مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے ورنہ مجھ سے کون شادی کریگا۔ میں شادی کے لیے نہیں مرے جا رہی۔ مجھے تو اس سے رشتہ بھی نہیں جوڑنا تھا تو اسے کیوں لگا کہ میں بھی لالچ دکھا رہی ہوں۔ میں۔۔۔"

"تمہیں اس رشتے کو قائم نہیں رکھنا؟" جرار نے فوراً اس کی بات کاٹی تھی۔

"مورے؟ انہیں برا لگے گا۔ وہ۔۔۔" مہروز خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ گئی تھی۔

"یاسمین کے لیے بھی تمہاری خوشی سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔ تم اپنی رضامندی بتاؤ۔"

"نہیں خان بابا۔ مجھے اپنی زندگی میں وجاہت جیسی ذینت کا مرد نہیں چاہیے۔"

"بس پھر تم فکر نہیں کرو۔ انہیں میں خود منع کرونگا۔ تم صرف اپنی پڑھائی پر توجہ دو اور یوں رومت۔ یوں۔۔۔" انہوں نے جھجکتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ انہیں اپنی بیٹی سے اپنی فیلنگز شیئر کرتے ہوئے جھجک محسوس ہونے لگی۔

"یاسمین کو پتا لگا کہ تم روئی ہو تو اسے تکلیف ہوگی۔ تم نے رونا نہیں ہے۔" انہوں نے لہجے کو نرم بنا لیا تھا۔ دراصل وہ اسے روتے ہوئے دیکھ کر خود تکلیف کا شکار ہو رہے تھے پر زبان سے اعتراف نہیں کر پا رہے تھے۔

"آپ نے بھی کوئی فکر نہیں کرنی ہے۔" مہروز سرخ آنکھوں کے ساتھ مسکرا دی تھی۔

دونوں باپ بیٹی مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کو فکر نا کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فون کاٹ چکے تھے۔ جرار کتنے ہی پل بھاری دل کے ساتھ بیٹھے رہے۔ صرف بیٹی کی خاطر مضبوط رہنے کی اداکاری فون بند کرتے ہی ختم ہو گئی تھی۔

یاسمین جھنجلاتے ہوئے حسیب کے لیے پکوڑے بنا رہی تھی جب کہ وہ انہیں دوستوں کے قصے سناتے ہوئے ہنسانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"پکوڑے تل گئے؟" جرار نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے فون حسیب کو پکڑایا تھا۔

"پھر کاٹ دی ناکال۔" یاسمین شکایت کرتی، ابرو اچکا کر پلٹی تھی۔

"ابھی پکوڑے تل لو، فارغ ہو جاؤ تو کچھ بات کرنی ہے۔" جرار سنجیدہ چہرہ لیے مڑے تھے۔

چھت پر ٹھنڈی سی شام میں کرسی پر بیٹھے جرار ریلنگ سے نیچے جھانکتے گلی میں کھیلتے بچوں کو دیکھ رہے تھے۔

"بہت سنجیدہ لگ رہے ہیں آپ خان۔" یاسمین گھٹنوں پر دباؤ ڈالتے ہوئے ان کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی تھی "میں بھی مہروز سے بات کروں گی۔ جب بھی کال کرتی ہے آپ ساری باتیں کر لیتے ہیں اور اس کے بعد وہ مجھ سے بات ہی نہیں کرتی۔" یاسمین نے انہیں مصنوعی ناراضی دکھائی تھی۔

"تمہیں پتا ہے جو گھر کا پہلا اور بڑا بچہ ہوتا ہے وہ اپنے اوپر بڑی ذمہ داری محسوس کرتا ہے۔ جیسے جیسے وہ بڑا ہوتا ہے وہ اپنے ماں باپ کے رشتے کو محسوس کرتا ہے، اسے جذب کرتا ہے، ان احساسات کو محسوس کرتا ہے اور وہ بچہ میں ہوں۔ میں نے اور فرح نے بہت برا بچپن گزارا۔ جب فرح کو کوئی گڑیا پسند آتی تھی تو وہ چھپکے سے مجھے کہتی تھی کیونکہ اسے پتا تھا بابا اسے کبھی کچھ نہیں دلائے گے۔ میں اسے دلاسہ دیتا تھا کہ جب میں کماؤ گا تو میں دلادونگا

اور وہ خوش ہو جاتی تھی۔ پتا ہے یہ جو عمر ہے نا اس کی یہی بات انوکھی ہے کہ ہر خواہش بس اسی ایک عمر میں ہوتی ہے۔ اس ایک عمر تک ہوتی ہے۔ وہ عمر گزر گئی، میری جاب بھی لگ گئی اور اس کی گڑیا کی خواہش بھی ختم ہو گئی۔" جرار ہنوز ریلنگ سے نیچے جھانک رہے تھے۔

یاسمین تھوڑی تلے انگلی رکھے انہیں سن رہی تھی۔

"میرے باپ کو ہمیشہ لگتا تھا کہ بس سارے حقوق ان کے ہیں جو میری ماں نے اور ہم نے ادا کرنے ہیں مگر وہ اپنا کوئی حق نہیں ادا کرینگے۔ پتا ہے ہمیں زیادہ تکلیف ان کی ہماری ماں سے نفرت دیتی تھی۔ تکلیف تو اس بات کی بھی تھی کہ انہیں ہم سے کوئی محبت کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ بھلا اپنے خون سے نفرت ہو سکتی ہے؟ ان فیلنگز کو میں تب جان پایا جب مہروز ہماری زندگی میں آئی۔ اسے پل پل دیکھتے ہوئے مجھے بس ایک احساس ہوتا تھا کہ میں اپنی اولاد سے اتنی محبت کرتا ہوں تو میرا باپ کیوں نہیں کر سکا؟ یہ ایک معمہ تھا جواب حل ہو چکا ہے۔"

"کیا باتیں کر رہے ہیں؟ کیوں ماضی کو لے آئے ہیں؟" یاسمین جیسے جلد از جلد اصل مدعے تک پہنچنا چاہتی تھی۔

"اور وہ معمہ یہ تھا کہ جب عورت اور مرد میں ایک دوسرے کے لیے عزت، احترام اور محبت کا رشتہ قائم نا رہے تو زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ خون ایک کشش ہے اور کشش میرے باپ نے ہمارے لیے محسوس نہیں کی۔ میرے باپ کو میری ماں سے کوئی لگاؤ نہیں تھا تو اس کی کوکھ میں پلنے والی اولاد سے کیسے ہو گا۔ میری بیٹی بھی تو بس عزت ہی چاہتی ہے اس معاشرے سے۔ پھر کیسے میں اسے ایسے لوگوں میں دے دوں جو اس کی قدر نا کر سکے، اس کو عزت نا دے۔ تمہیں یاد ہے جب میری پھوپھیاں آئی تھی مہروز کی پیدائش پر۔ بے بے کو نیا نیا شوگر ڈائگنوز ہوا تھا۔ میری پھوپھیاں تھیں، ان کے بچے ان کی بہوئیں اور اتنے لوگوں کے سامنے میرے باپ نے میری کو بے عزت کرنے کے لیے کہا تھا کہ اپنا گلاس الگ سے رکھو۔ کہیں تمہارے شوگر کے جراثیم ہم سب کو نا لگ جائے اور سب ایسے ہنسے تھے جیسے بابا نے بہت مزاحیہ بات کی ہو۔ وہ ہتک میں نہیں بھولا اور تم بھی نہیں بھولی ہو گی۔" انہوں نے چہرہ موڑ کر یاسمین کو دیکھا تھا۔

"مجھے سب یاد ہے۔ اب اسکا مہروز سے کیا تعلق ہے؟" وہ زچ ہو گئی تھی۔

"بہت گہرا تعلق ہے۔" جرار نے اپنی آواز کی لغزش پر قابو پانے کے لیے گہرا سانس لیا تھا"میں نہیں چاہتا کہ اسے اس کا شوہر یوں چار لوگوں میں ذلیل کرے جیسے اس نے کل رات کیا۔ وجاہت نے طعنہ دیا ہے مہروز کو کہ اس کے نقص کی وجہ سے کون اس سے شادی کریگا اور یہ بھی کہ تم اس کی ماں کے سامنے گڑگڑائی تھی کہ مہروز کو قبول کرلو۔ جس انسان کا رویہ ابھی سے ایسا ہے وہ کل کیا ہماری بیٹی کو عزت دیگا؟ میں ایک اور سلیمان جان کو بنتے نہیں دیکھ سکتا۔ مہروز روئی ہے ابھی، یاسمین۔ میں مہروز کی آنکھوں میں آنسو برداشت نہیں کرسکتا۔" جرار کی آنکھیں آنسو ضبط کرنے کی وجہ سے سرخ ہورہی تھیں۔

"میں کرسکتی ہوں برداشت؟" یاسمین کا گلہ رندھ گیا تھا"میں اس کی ماں کے سامنے نہیں گڑگڑائی۔ جھوٹ بولتا ہے۔"

"جانتا ہوں۔" جرار نے گہرا سانس خارج کیا تھا"بس اب ہم ہماری بیٹی کی شادی کے لیے پریشان نہیں ہونگے۔ جو کل ہم نے دیکھا ہی نہیں ہم اس کے بارے میں خوفزدہ بھی کیوں ہو؟ کتنے لوگ ہیں جن کی شادیاں نہیں ہوتی، فرح کیا بغیر شادی کے مرگئی؟ ناقدرے لوگوں میں دینے سے بہتر ہے وہ زندگی باپ کے گھر ہی گزار لے۔"

"اللہ نا کرے ہماری بیٹی فرح کی طرح جلاوطنی کی زندگی گزارے۔" یاسمین کے دل پر تو ہاتھ پڑا تھا۔

"بس ٹھیک ہے پھر۔ ہم ایسے ناقدرے لوگوں میں اپنی بیٹی نہیں بیاہے گے۔ کل تیار رہنا۔ وجاہت نے میری بیٹی کے آنسو بہائے ہیں اب ان کو جواب دینے میں خود ان کے گھر جاؤں گا اور بتاؤں گا کہ مہروز لاوارث نہیں ہے۔"

جرار ریلنگ پر سیدھے ہاتھ کی کہنی رکھے مٹھی بنائے کل کی پلاننگ کر رہے تھے۔

مہروز بالکونی میں بیٹھی کال بند کر چکی تھی اور گلے میں پہنے مفلر سے ناک پونچھنے لگی۔اس کی آنکھیں، ناک اور ہونٹ رونے کی وجہ سے سرخ ہو گئے تھے۔اس کی تسلی ناہوئی تو ایک دفعہ پھر ناک شڑ کی آواز نکالتے ہوئے مفلر سے پونچھنے لگی کہ اسے پٹاخیں پھاڑنے کی آواز آئی جیسے ببل گم کے پٹاخے پھاڑے جاتے ہیں۔

مہروز نے آہستہ سے گردن دائیں طرف موڑی تھی اور جیسے اپنی جگہ منجمند رہ گئی تھی۔اس کا مفلر اس کی ناک پر دھرا ہوا تھا۔

آدم بالکونی میں لگے ستون سے کمر ٹکائے ببل گم چپ چپ کی آواز سے چباتے ہوئے غبارہ بناتا اور پھر پھاڑ دیتا تھا۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھے مہروز کو ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے بالوں کی چھوٹی چھوٹی چٹیاں جوڑے میں باندھ رکھی تھی اور سرخ کھلی سی شرٹ کے ساتھ خاکی پینٹس میں ملبوس تھا۔

"یہ بری بات ہے۔" مہروز نے خجل ہو کر کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔ اسے شدید شرمندگی نے آگھیرا تھا (اس نے مجھے مفلر سے ناک صاف کرتے دیکھ لیا؟) مفلر اس نے آہستہ سے نیچے کیا تھا۔

"کیا رو رو کر ہونٹ پھلا لینا یا مفلر کو ٹشو بنانا؟" آدم نے اس کی بات کا مزہ لیا تھا۔

"باتیں سننا۔" مہروز نے مفلر کی دوسری طرف کا پلو ہونٹ تک کھینچ لیا تھا اور ماتھے پر بل لے آئی تھی۔

"میں تو کب سے یہاں تھا تم ہی یہاں میرے بعد آئی تھی۔ ویسے۔۔۔" آدم نے ستون سے ٹیک ہٹا لی تھی اور پورا کا پورا مہروز کی طرف گھوما تھا" مجھے یہ لینگوج نہیں آتی جس میں تم بات کر رہی تھی۔"

مہروز نے آنکھیں بند کر کے سکھ کا سانس خارج کیا تھا کہ چلو اچھا ہے اسے پشتو سمجھ نہیں آئی

۔

"یہ لو۔" اس نے جیکٹ کی جیب سے سفید مفلر نکال کر اس کی طرف بڑھایا تھا۔

"نہیں چاہیے۔" مہروز نے سخت لہجے میں اسے انکار کیا تھا۔ اب شرمندگی الگ ہو رہی تھی مگر کیا کیا جا سکتا تھا۔

"مفلر سے تو بہتر کام کریگا۔"

"میں کیوں لوں آپ سے مفلر؟ کیا پتا اس میں بیہوشی کی دوا ڈالی ہو۔"

آدم اس کی بات پر عش عش کر اٹھا۔ وہ پہلے حیران ہوا اور پھر اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے تھے "ہاں مجھے پتا تھا آج مہروز روئے گی اور مجھے اسے ڈرگ کرنا ہے۔ آہا۔" اس نے سر دھنتے ہوئے رومال واپس اپنی جیکٹ کی جیب میں ڈالا تھا۔

"یہ ماتھے پر کیا ہوا ہے؟" آدم نے آہستہ آہستہ قدم اسکی طرف بڑھائے تھے۔

مہروز نے جلدی سے پیچھے ڈھلکی اونی ٹوپی کو کھینچتے ہوئے ماتھے کے پھولے ہوئے بائیں سائیڈ کو چھپایا تھا۔

"None of your business."مہروز لہجے کو سخت بناتے ہوئے مڑی تھی۔

"اچھا۔"آدم نے اچھا کو کھینچ کر کہا تھا۔

"کبھی شادی کریش کی ہے ؟"مہروز کو اپنی پشت پر اس کی آواز سنائی دی تھی۔

"نہیں مجھے دلچسپی نہیں رہی۔"

"نہیں رہی تو کیا ہوا۔آج سے پیدا ہو جائے گی۔"

"اتوار کے ایونٹ کے اسپیچز ریڈی کرنے ہیں مجھے۔"مہروز نے مڑے بغیر اسے جواب دیا تھا۔

"میں ہی باس ہوں نا تو میں حکم دیتا ہوں بریک لے لو۔پریتی تمہیں پک کرلے گی۔آج ہم انڈین شادی کریش کرینگے۔"آدم پر جوش آواز میں کہتا ہوا اس کے قریب سے گزرا تھا۔

مہروز منہ کھولے اس کی چوڑی پشت دیکھ رہی تھی جو کہیں سے بھی اس کمپنی کا اونر نہیں لگتا تھا۔

وہی بالکونی کے سلائیڈنگ دروازے کی اوٹ میں کھڑا سایہ آدم کو باہر نکلتا دیکھ کر ہٹ گیا تھا۔

❀❀❀

شام کے گہرے سایے چہار سو پھیل گئے تھے۔ فرینکفرٹ کی اونچی عمارتیں روشنیوں سے جگمگاتی سڑک پر بھی اپنا عکس چھوڑ رہی تھی۔

پول کے قریب ہی زرد پھولوں کو جابجا بکھیر دیا گیا تھا۔ پول سے اندر بڑے سے گھر کے لاؤنج کا منظر ہی الگ تھا جہاں تھالی میں سندور ڈالتی لڑکیاں آپس میں باتیں کرتی ہنس رہی تھی۔

لان میں لگے اسٹیج سے سرخ اور سفید پھولوں کی لڑیاں لٹک رہی تھی۔ خوبصورت سی روشنیوں سے پورا اسٹیج جگمگا رہا تھا۔ اسٹیج سے نیچے کرسیاں لگا دی گئی تھی۔

مہروز کے لاکھ انکار کے باوجود پریتی اسے گھسیٹ لائی تھی۔ مہروز نے زندگی میں پہلی دفعہ ساڑھی پہنی تھی۔ پنک رنگ کی بھاری سی میسور کی ساڑھی باندھے وہ غیر آرام دہ چال چل رہی تھی۔ لمبے سے بالوں کو فرنچ چوٹیاں میں باندھے وہ کانوں میں ننھے سے ٹاپس اور ہلکے رنگ کا لپ گلاس لگائے شرماشرما کر لان میں داخل ہو رہی تھی۔ البتہ ماتھے کے گومڑ کو

چھپانے کے لیے پریتی نے زبردستی چھوٹا سا جھومر گومڑ والے رخ پر سیٹ کر دیا تھا جس سے ماتھے کی پھولی جگہ کافی حد تک چھپ گئی تھی۔ پریتی جامنی رنگ کی سلک کی ساڑھی پہنے زیور سے لدی بھدی مسکراتے ہوئے ہوئے اس کے ہمراہ تھی۔

"مجھ سے نہیں چلا جا رہا، پریتی۔" مہروز کوفت کا شکار لگ رہی تھی۔

"تمہارا تو اتنا خوبصورت قد ہے، تمہارے قد کے حساب سے بیسٹ ہے اور یہ ساڑھی جتنا تم پر جچ رہی ہے اتنا مجھ پر نہیں جچی تھی۔ میں تو کسی کو دینے والی تھی اچھا کیا کہ دیا نہیں۔ یہ تم لے لو۔" پریتی نے مسکرا کر اس کا بازو دبایا تھا۔

"بالکل نہیں۔ یہ میرا پہلا اور آخری تجربہ ہے ساڑھی کا۔" مہروز کانوں کو ہاتھ لگاتی کرسیوں کی طرف بڑھی تھی۔

"یہاں کیا کر رہی ہو، آؤ اندر چلے۔" پریتی نے اس کا بازو اپنی طرف کھینچا تھا۔

"اندر کیا کریں گے؟ میں تو یہاں کسی کو جانتی بھی نہیں ہوں۔" مہروز گھبراہٹ کا شکار ہوتی پریتی کے ساتھ ساتھ روانہ ہو گئی تھی۔ کئی بار اس کا پاؤں ساڑھی کے فال میں اڑا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اسی کا تو مزہ ہے۔ اسے ہی تو شادی کریش کرنا کہتے ہیں۔ مجھے تو تھرل، ایکسائٹمنٹ سب محسوس ہو رہا ہے۔" پریتی کے لبوں سے مسکراہٹ جیسے چپک ہی گئی تھی۔

دونوں سبزہ عبور کرتی گھر کے داخلی دروازے کی طرف بڑھی تھی جہاں لڑکے لڑکیاں کھڑے خوش گپیوں اور کام میں مصروف نظر آتے تھے۔ انہی کے بیچ مہروز کو آدم کھڑا نظر آیا تھا جوان لڑکوں میں گھلا ملا انہی کا حصہ لگ رہا تھا۔ سر پر باقی لڑکوں کی طرح پنک پگڑی اور سفید شیر وانی میں ملبوس عام دنوں سے بالکل مختلف اور وجیہہ لگ رہا تھا۔

"پہچانا نہیں جا رہا، نا۔" پریتی نے مہروز کو ٹہوکا دیتے ہوئے جیسے اس کی محویت توڑی تھی۔

"میں تو بس حیران ہوں کہ اللہ کی شان کیسے کیسوں کو نوازتا ہے۔" مہروز نے پلکیں جھپکائی تھی۔

وہ دونوں ہی مہمانوں میں جگہ بناتے ہوئے اندر داخل ہوئی تھی اور سامنے ہی بھاری بھر کم کام والی ساڑھی پہنے، زیور سے لدی ہوئی خاتون، چہرے پر مسکراہٹ سجائے جوان لڑکیوں کو ہدایات دے رہی تھی۔

"She must be bride's mother."

"تمہیں کیسے پتا؟"

"زیور اور دانتوں کی اتنی نمائش صرف دلہا یا دلہن کی ماں ہی کر سکتی ہے اور یہ ہنڈرڈ پرسنٹ کنفرم ہے کہ لڑکے کی بارات یہاں آئے گی۔ بس اب تم میرے انداز دیکھتی جاؤ۔" پریتی آنکھ دباتی ساڑھی کا پلو ہاتھ میں پکڑے آگے نکل گئی تھی۔

"آنٹی۔" پریتی نے پرجوش انداز میں کہتے ہوئے زیور سے لدی ہوئی عورت کی طرف بانہیں پھیلائی تھی۔

"کیسی ہیں آپ؟ یاد آیا؟" پریتی ان کے قریب کھڑے ہوتے ہوئے انہیں دونوں بازوؤں سے تھام چکی تھی۔

مہروزان سے فاصلے پر کھڑی ان دونوں کو سن رہی تھی۔

"نہیں۔" آنٹی نے حیرانی سے اسے سر تا پیر دیکھا تھا۔

"ہم پچھلے محلے میں رہتے تھے، یاد کرے۔"

"پچھلے محلے؟ فرینکفرٹ یا دہلی کے؟"

"دہلی کے۔بھول گئی نا آپ؟"پریتی نے مصنوعی ناراضی دکھائی تھی۔

"اتنے برس ہو گئے دہلی گئے کہاں یاد ہو گا۔رکشی کی بیٹی تو نہیں ہو جو ہر وقت چاٹ کھاتی رہتی تھی۔"

"ابھی آپ نے کہا کہ کہاں یاد ہو گا اور فوراً یاد آ گیا۔"پریتی نے ہنستے ہوئے ہاتھ باندھے تھے "نمستے آنٹی۔"

"نمستے۔"انہوں نے بھی مسکرا کر ہاتھ جوڑے تھے "رکشی کیسی ہے؟"

"بس وہ تو۔۔۔"پریتی نے چہرے کے تاثرات میں حتیٰ الامکان اداسی گھول لی تھی "ہمیں چھوڑ کر چلی گئی۔"

"ایک مہینہ پہلے تک تو زندہ تھی۔سادھنا نے خیریت بتائی تھی۔"آنٹی نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔

مہروز کے کان فوراً کھڑے ہو گئے تھے۔

"تو آنٹی وہ ایک مہینہ پہلے کی بات تھی نا۔"پریتی نے فوراً بات بنائی تھی۔

"آہ۔" آنٹی نے افسوس سے سر ہلایا تھا۔

مہروز ساتھ چلتی لڑکی کی تھالی سے گیندے کا پھول اچک کر مڑی تھی اور لبوں میں مسکراہٹ چھپاتی پریتی کے جھوٹ پر مسکرادی تھی۔

"پھر کیسی لگی میری ایکٹنگ؟" پریتی نے اپنے کندھے سے اس کا کندھا ٹکرایا تھا۔

"بوگھس، فیل۔" مہروز چڑانے والے انداز میں کہتی آگے بڑھ گئی تھی۔

شادی کی رسم شروع ہو چکی تھی۔ مہروز ہاتھ میں فون پکڑے دلہا اور دلہن کی چکر لگاتے ہوئے ساتھ قبول کرنے کی ویڈیو بنا رہی تھی۔ شادی کی مبارک بادی وصول کرتے ہی کھانا کھول دیا گیا تھا۔ آدم بریانی کا پہاڑ بنائے اس پر قورمہ ڈالے پریتی کی طرف آیا تھا جو ناچوز چیچ میں بھر کر کھا رہی تھی۔

"یہ تم نے آج بھی اسنیکس کھانے ہیں؟" آدم تاسف سے سر ہلاتا اس کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

"یہ مہروز کی کرسی ہے۔" پریتی نے اسے آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا "بائی داوے حیدر آبادی بریانی بہت مصالحے دار ہوتی ہے تم کھا نہیں پاؤ گے۔"

"چیلنج کر رہی ہو؟" آدم نے ابرو اچکایا تھا۔

"یہ بھلا کوئی چیلنج ہے تمہارے لیے۔" پریتی نے پیاز منہ میں ڈالتے ہوئے جیسے اس کا خون بڑھایا تھا۔

"تو کرو پھر؟" آدم نے فوراً سینہ چوڑا کیا تھا۔

"شادی ابھی تک بورنگ چل رہی ہے کچھ رنگ بھرو۔"

"راجر باس۔ ویسے ہے کدھر یہ مس ریڈ؟" اس نے گردن دائیں بائیں گھما کر اسے ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی۔

"مس ریڈ؟"

"الگ کہانی ہے، ابھی چھوڑو۔" مہروز کو دور سے ہی ہاتھ میں پلیٹس پکڑے سہج سہج کر اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر آدم نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

وہ ساڑھی سے الجھ الجھ کر چلتی ہوئی اسے کوئی معصوم سا بچہ لگی تھی جو اپنے کپڑوں سے خوش نہیں ہوتا اور یوں ہی ماتھے پر گیارہ بجا لیتا ہے۔ وہ اسے یوں فکر سے آزاد پریتی کے ساتھ باتوں پر مسکراتا دیکھ کر دور سے خود بھی مسکرا لیتا تھا۔ وہ شام کی مہروز سے بالکل مختلف مہروز لگ

رہی تھی جو ہنسنا جانتی تھی اور ہنستے ہوئے اس کے سفید دانت اچھے لگتے تھے۔ ہر تھوڑی دیر بعد ماتھے پر بل ڈالے شکایت کرتی وہ اسے جاذب نظر لگ رہی تھی۔

"یار کھانا کھاتے ہی ہم چلے گے۔ میں ساڑھی سے بہت تنگ ہوں، چلا ہی نہیں جا رہا۔" وہ منہ پھلائے پریتی کے پاس کھڑی ہو گئی تھی۔

آدم فوراً اس کے لیے نشست چھوڑ چکا تھا۔

"واہ یہ لائی ہے نا مزے کے کھانے۔" آدم چہکتے ہوئے گھاس پر بیٹھ گیا تھا۔

مہروز اسے گھور کر پلیٹس ٹیبل پر رکھنے لگی۔

"اس کھسکے ہوئے کو ایک چیلنج دیا ہے۔ اسے یہ مکمل کر لے تو ہم چلتے ہیں فوراً۔" پریتی نے ہندی میں اسے رکنے کی ایک اور وجہ بتائی تھی۔

مہروز اف کر کے پریتی کو دیکھ کر رہ گئی۔

اسٹیج جوان لڑکے اور لڑکیوں سے بھر گیا تھا جو گانے پر گانا لگاتے ڈانس مقابلہ کر رہے تھے۔ آدم لڑکوں کے بیچ کھڑا لڑکیوں کو زچ کرنے میں پیش پیش تھا۔ پریتی پیٹ پکڑے ہنس ہنس کر دہری ہو رہی تھی۔

"یہ کہاں گیا؟" پریتی آنکھوں میں آنے والے گیلے پانی کو انگلی کی نوک سے آدم کو ڈھونڈنے لگی جو یک دم غائب ہو چکا تھا۔

"چیلنج پورا کرنے گیا ہو گا۔" مہروز بے دلی سے کہتے ہوئے لڑکیوں کو پیر تھر کاتے دیکھ رہی تھی۔

لڑکیاں ٹھمکے لگاتے لگاتے ڈگمگانے لگی اور ایک کے بعد ایک پھسل کر گرنے لگی۔ دائیں طرف کھڑی لڑکیاں جو انہیں جوائن کرنے والی تھی فوراً رک کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔ لڑکے پیٹ پر ہاتھ رکھ رکھ کر ہنسنے لگے تھے۔

لڑکیوں کے لہنگے گیلے ہو گئے تھے۔ وہ گیلے ہاتھوں پر لگی فوم دیکھ کر غصے سے لال بھبوکا ہو رہی تھی۔

"ارے یہ کیا ہو گیا؟" آنٹی پریشان ہوتی آگے بڑھ گئی تھی۔

"لڑکوں نے شرارت کی ہے۔ یہ جھاگ دیکھیے، بھلا بتائے یہ جھاگ والا پانی کہاں سے آیا؟"

Clubb of Quality Content!

"ہم تو تم لوگوں کے سامنے کھڑے ہیں۔اب ہار رہی ہو تو ہم پر الزام ناڈالو۔" ایک لڑکے نے تنک کر اسے جواب دیا تھا اور جواب دینے کے دوران اسے چڑانے کی نیت سے آگے بڑھا تھا کہ خود بھی پھسل گیا تھا۔

دائیں طرف کھڑی لڑکیاں آپس میں ہاتھ مارتے ہوئے اس لڑکے پر ہنسنے لگی جس نے اپنے پیچھے کھڑے لڑکوں کی قمیضیں کھینچ کھینچ کر انہیں پھسلنے پر مجبور کیا تھا۔

"یہ جھاگ والا پانی آیا کہاں سے؟ جھمپا ذرا دیکھو۔" آنٹی ساڑھی کا پلو سنبھالتی پریشان ہوتی پلٹی تھی۔

اسٹیج پر لڑکا اور لڑکی کی نا ختم ہونے والی جنگ شروع ہو گئی تھی۔

"جھاگ والا پانی۔" پریتی ہنستے ہنستے دہری ہو کر مہرو کے کندھے پر سر رکھ کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ مہروز اس پر پڑنے والے ہنسی کے دورے دیکھتے ہوئے خود بھی ہنسنے لگی تھی۔

لاہور پر پڑنے والی اگلی شام گرم سی تھی جیسے پچھلے دن بارش ہی نا ہوئی ہو۔

یاسمین مسز شمیم کی طرف سے لائے تحائف اکٹھے کر کے ایک شوپر میں پیک کر چکی تھی۔ سلیمان جان نے جرار کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے جانے کی اجازت دی تھی۔

یاسمین جرار کے پیچھے موٹر بائیک پر بیٹھی ہوئی تھی۔ سارا رستہ خاموشی سے کٹا تھا۔

جرار اور یاسمین کو دروازے پر دیکھ کر مسز شمیم کھل اٹھی تھی۔

لیونگ روم میں جرار اور یاسمین ایک دوسرے کے برابر بیٹھے ہوئے تھے۔ مسز شمیم اور شمیم صاحب ان کے سامنے صوفوں پر براجمان تھے۔

"بس وجاہت بھی فریش ہو کر آنے والا ہے۔ آفس سے ابھی آیا ہے۔" مسز شمیم کے لبوں سے مسکراہٹ ہٹ ہی نہیں رہی تھی۔

یاسمین سر پر پہنے ڈوپٹے کا پہلو درست کرتی کن انکھیوں سے جرار کو دیکھ رہی تھی جو کل کی بہ نسبت کیموزڈ اور سنجیدہ لگ رہے تھے۔

"بس چائے بھی سیمہ لانے والی ہے۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ لوگ خود سے آ گئے ورنہ کہاں آتے ہیں بس میں ہی آتی ہوں۔ میں بس ابھی ایک سونے کا سیٹ نکالے بیٹھی تھی۔ اچھا ہوا آپ آ گئی بھابھی۔ چلیے میرے ساتھ میں وہ سیٹ دکھادوں یہاں مردانے میں

بیٹھ کر کیا کریں گی۔" مسز شمیم کہتے ہی اٹھ گئی تھی اور شوہر کے پاؤں اور میز کے بیچ راستہ بناتے ہوئے دروازے تک گئی تھی مگر یاسمین نہیں اٹھی تھی۔

مسز شمیم ٹھٹک کر پلٹی تھی اور انہیں دیکھا تھا۔

اسی وقت سیمہ کو ٹرالی گھسیٹ کر لاتے دیکھ کر وہ پھر سے مسکرا دی۔

"لو چائے آگئی۔ چلے چائے کے بعد بات کرلیں گے۔" سیمہ سے ٹرالی تھام کر وہ میز تک گھسیٹ کر لے آئی تھی۔

"آپ کا کام کیسا چل رہا ہے جرار صاحب؟" جرار کی از حد سنجیدگی دیکھ کر شمیم صاحب نے خود ہی بات کا آغاز کر دیا تھا۔

مسز شمیم چائے کی پیالیاں ان کے سامنے رکھ کر اب سموسے کی پلیٹ ان کی طرف بڑھا چکی تھی۔

"شکریہ بھابھی ہم یہاں چائے پینے نہیں آئے۔ بیٹھ جایے آپ۔" جرار نے آواز کو حتیٰ الامکان پست رکھنے کی کوشش کی تھی۔

Clubb of Quality Content

"ارے ایسے کیسے۔ پشاوری چائے بنائی ہے۔" مسز شمیم نے ان کے سنجیدہ تاثرات سے گھبرا کر مسکراہٹ کچھ اور گہری کر لی تھی۔

"جہاں عزت نا ہو پٹھان وہاں بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتے۔" جرار نظریں شمیم صاحب پر مرکوز کیے انہیں جوابات دے رہے تھے۔

"خیریت ہے بھائی صاحب؟ ارے وجاہت آ گیا۔" بیٹے کو لیونگ روم میں داخل ہوتا دیکھ کر مسز شمیم نے لیونگ روم کے حبس کو مٹتا ہوا محسوس کیا تھا۔

انہیں جرار کے تیور ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔

وجاہت کے قریب آ کر گلے ملنے کی کوشش پر بھی جرار کھڑے نہیں ہوئے تھے۔

وجاہت شرمندہ سا پلٹ کر ابرو اچکا کر ماں سے ماجرہ پوچھنے لگا۔ مسز شمیم کندھے اچکا کر شوہر کے قریب بیٹھ گئی تھی۔

"ہم یہاں دو ٹوک بات کرنے اور بات ختم کرنے آئے ہیں۔" جرار نے گردن موڑ کر بائیں طرف رکھے صوفے پر بیٹھے وجاہت کو دیکھا تھا۔

ان تینوں کے چہروں پر تاریک سایہ دوڑ گیا تھا۔

"کیا ہو گیا بھائی صاحب؟" مسز شمیم کھسیانی ہنسی ہنس دی تھی۔

"پہلے رشتے خلوص کے بنتے تھے اب مفاد کے ہوتے ہیں۔ رشتے کم سودہ زیادہ طے ہوتا ہے اور یہ رشتہ بھی ایک سودہ ہی تھا جس میں ہم زیادہ گھاٹے میں تھے۔"

"ارے کیا باتیں۔۔"

"میری بات مکمل نہیں ہوئی ابھی۔" جرار نے فوراً مسز شمیم کو روکا تھا اور اب رخ وجاہت کی طرف کر دیا تھا۔

"وجاہت تم بھی کل کو باپ بنو گے اور جب تم باپ بنو گے تو تمہیں اپنی اولاد سے محبت ہو گی مگر کسی نے اگر تم سے یہ کہہ دیا کہ تمہارا بچہ تو بہت بد صورت ہے تو تمہارا دل چاہے گا اس کا منہ نوچ لو۔ اولاد خوبصورت ہو یا بد صورت اپنے ماں باپ کے لیے وہ پیاری ہوتی ہے کہ کیونکہ ماں باپ وہ واحد رشتہ ہے جو اپنی اولاد کو تمام نقائص کے ساتھ قبول کرتی ہے اور اسے شکل کی بنیاد پر محبت کا پیمانہ سیٹ کر کے محبت نہیں کرتی۔"

مسز شمیم نے پہلو بدل کر شوہر کو دیکھا تھا جو کب سے چپ بیٹھے تھے۔

وجاہت بازو کے کف کے بٹن سے کھیلتا مضطرب لگ رہا تھا۔

"دوسری بات۔جب کل تمہاری شادی ہو تو بیوی کو عورت سمجھنے سے پہلے انسان سمجھنا۔خود کو مجازی خدا کے زوم میں غرق کر کے جگہ جگہ اس انسان کی تذلیل مت کرنا کیونکہ انسان سارے برابر ہیں۔مرد اور عورت میں ایک درجے کا فرق ضرور ہے وہ فرق اسے نہ جنتی بناتی ہے نہ عظیم۔عظیم صرف اور صرف انسان کا رویہ بناتا ہے۔"

"آپ ناراض لگ رہے ہیں ہم سے؟اتنے سنجیدہ لگ رہے ہیں۔اور وجاہت کیوں اپنی بیوی کی عزت نہیں کرے گا۔یہ تو ابھی سے ہی مہروز کے لیے اتنی پلاننگز کر رہا ہے۔"مسز شمیم نے ہونٹوں کو جبری مسکراہٹ کے ساتھ پھیلا لیا تھا"بتاؤ نا کل کیا کہہ رہے تھے مجھے۔"انہوں نے بیٹے کو بات کرنے پر اکسانے کی کوشش کی تھی۔

"نہیں یہ صرف باہر جانے کے لیے پلاننگز کر رہا تھا۔آپ کا دیا سامان واپس کر رہے ہیں اور ہم نے آپ کے دیے سامان کی ایک چیز نہیں کھولی۔اب تک پیک ہے۔ہم اب آپ لوگوں سے رابطہ نہیں رکھنا چاہتے۔اور ایک اور بات۔۔۔جو تصاویر ویڈیو کال کے دوران آپ نے کھینچی تھیں وہ بھی ڈیلیٹ کر دیجیے گا۔"جرار نے کہتے ہی یاسمین کو اٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

مسز شمیم زیر لب تصاویر دھرا کر آنکھیں نکالتے ہوئے وجاہت کو دیکھنے لگی۔

"کہاں؟ کہاں؟" مسز شمیم بھی گھبرا کر اٹھ گئی تھی "آپ بھی کچھ بولے نا؟" مسز شمیم نے چڑ کر شوہر کے پاؤں کو اپنے پاؤں سے مارا تھا جو بت بنے بیٹھے تھے۔

وجاہت دایاں ٹانگ ہلاتے ہوئے بدستور بیٹھا رہا۔

"ایسے کیسے رابطہ نہیں رکھے گے؟ بیٹھے پلیز، بات کرتے ہیں۔" مسز شمیم میز سے گھوم کر عین ان کے سامنے اور وجاہت کے برابر میں کھڑی ہو گئی تھی۔

"کوئی بات اب نہیں ہو گی۔" جرار نے ہنوز اپنے لہجے کو ہموار رکھا ہوا تھا، نا زیادہ اونچی نا زیادہ پست۔

"کیوں بھائی جان؟ بھابھی آپ کیوں خاموش کھڑی ہیں؟" مسز شمیم جیسے انہیں روکنے کے لیے مچل رہی تھی۔

"آپ ہمیں جگہ دے۔" یاسمین چہرے کو اچھے سے چادر سے ڈھانپ چکی تھی۔

"کیا آپ ناراض ہیں کہ وجاہت اس سے فون پر بات کیوں کرتا ہے؟ تو یہ نہیں کرے گا۔" جرار کے قدم آگے بڑھانے پر وہ بھی ان کی طرف ایک قدم آگے بڑھی تھی۔

"میں کوئی پرانی بات نہیں دہرانا چاہتا ناہی میں یہ رشتہ ختم کرنے کی کوئی تاویل پیش کرونگا۔ مجھے اپنی بیٹی کے لیے آپ کا سپوت بہتر نہیں لگ رہا تو یہ میرا حق ہے کہ میں بات وہی ختم کردوں۔"

"پہلے ہی رشتہ ڈھونڈنا اور کرنا اتنا مشکل ہے اور آپ لوگ بغیر کوئی سولڈ وجہ بتائے جا رہے ہیں۔ کوئی بچوں کا کھیل تو نہیں ہے کہ کل آپ لوگ نارمل تھے آج ایک دم سے میرا سپوت آپ کو بہتر نہیں لگ رہا۔ اتنا آسان ہوتا ہے رشتہ جوڑنا اور توڑنا؟" مسز شمیم اپنا اصل زیادہ دیر تک چھپا نہیں سکی تھی۔ ان کا لہجہ کاٹ دار تھا۔

"کیسا مفاد؟ کیا برائی ہے کہ جہاں بیوی رہے وہیں شوہر بھی؟ اگر وہ زرا سا اپنے شوہر کی مدد کر دے گی تو اسی کی فائدہ ہے نا اس میں کونسا مفاد آ گیا ہمارا؟ خوبصورت، نوجوان، پڑھا لکھا، کنوارہ لڑکا دے رہیں آپ کو۔" ان کا زیادہ زور لفظ 'کنوارے' پر تھا۔

"یہ تو آپ اپنے سپوت سے ہی پوچھیے جس کے لیے ایک معصوم لڑکی کا دل دکھانا بہت آسان ہے۔ اور میں پرانے خیالات کا باپ بالکل نہیں ہوں جو نکاح سے پہلے ہی مشکلات کے شکار جوڑے کو زبردستی نکاح کے بندھن میں باندھ دوں۔ نا آپ کا بیٹا خوش رہے گا نا میری

بیٹی۔" جرار انہیں سخت لہجے میں سناتے ہوئے پلٹے تھے اور یاسمین کا ہاتھ تھام کر میز کے گرد گول گھوم کر شمیم صاحب کی طرف سے لیونگ روم کے دروازے کی طرف بڑھے تھے۔

"روکے نا؟ کیا بت بنے بیٹھے ہیں؟ اٹھیے۔" جرار کو اپنی پشت پر شمیم صاحب سے الجھتی مسز شمیم کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"تم بیٹھے رہنا۔ اٹھو معافی مانگو۔" وہ اب بیٹے کی طرف مڑی تھی۔

یاسمین جرار کی قمیض پکڑے موٹر بائیک پر خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ ہوا ان کی چادر کا کونہ لہرا لہرا رہا تھا۔

دونوں گھر جانے کے بجائے گوال منڈی فوڈ اسٹریٹ آ گئے تھے۔ جرار موٹر بائیک پارک کر رہے تھے اور یاسمین انہیں متشکر نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ جرار ہر لمحہ شکر ادا کرنے والے انسان تھے، انہیں بس اب کوئی فکر تھی تو اولاد کی۔ یاسمین نے کبھی ان میں لالچ نہیں دیکھی تھی۔ وہ جتنا اللہ کا شکر ادا کرتی کم تھا۔

"ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟"

"فالودہ کھانے۔ جوانی میں پسند تھا نا تمہیں۔ مورے کے لیے بھی لے جائے گے۔" جرار انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے آگے بڑھ گئے تھے۔

شام کے وقت دکانوں پر رش تھا۔ یاسمین گلی سے گزرتے مردوں سے خود کو بچاتے ہوئے جرار کا ہاتھ پکڑ چکی تھی۔

"آپ نے بہت اچھا جواب دیا نہیں۔ مجھے تو لگا آپ بہت غصہ کریں گے بلکہ میں آپ کی جگہ ہوتی تو بول بھی نا پاتی۔ مجھے تو انکار کرتے ہوئے ہی اتنی شرم آتی۔" یاسمین ارد گرد کے شور کی وجہ سے اونچی آواز میں بول رہی تھی۔

"مجھے وہاں غصہ نہیں اپنا دکھ بیان کرنا تھا۔" انہوں نے دور سے ہی فالودے کی دکان دیکھ لی تھی "مہروز جان نے ایک بار سکھایا تھا مجھے کہ ہمیں انکار کرنا آنا چاہیے۔ پہلے زمانوں میں اگر لڑکا اور لڑکی شادی کے بعد خوش نہیں رہ پاتے تھے تو اس کی بڑی وجہ یہی شرم ہوتی تھی۔ شرم کی وجہ سے یا تو لڑکا یا لڑکی شادی سے انکار نہیں کر پاتے تھے اور بے جوڑ رشتے میں بندھ جاتے تھے یا جو رشتے بڑوں نے طے کیے ہوتے تھے وہاں بڑوں کو بچوں کے رشتے کے لیے انکار کرنا مشکل ہو جاتا تھا، مگر اس شرم کا کیا فائدہ جب وہی ناکام شادی کل کو

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

معاشرے میں ڈسکس کیا جائے، تو بہتر ہے لڑکا اور لڑکی کو آزمائش میں ہی نا ڈالا جائے اور۔" وہ یاسمین کا ہاتھ تھامے فالودے کی دکان میں داخل ہو چکے تھے۔

"میں نے کسی سے سنا تھا کہ کسی کی غلط بات نا سننی چاہیے نا سہنی چاہیے۔اپنی ایک باؤنڈری یعنی۔" وہ دونوں فالودے کی چھوٹی سی دکان میں کونے میں رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔

"حدود قائم رکھنا چاہیے کہ اس سے زیادہ بات کرنے کا تم حق نہیں رکھتے۔حدود جیسے اس میز کی ہیں۔" انہوں نے یاسمین اور اپنے بیچ رکھے میز کے کونوں کو ہاتھ سے چھوا تھا "ان حدود سے باہر فالودے کا گلاس رکھا جائے گا تو وہ نیچے گر کر ٹوٹ جائے گا۔حدود سے باہر بڑھنے والی ہر چیز تباہ کن ہوتی ہے۔" مسکرا کر یاسمین کو دیکھ کر انہوں نے دور سے ہی بیرے کو آواز دی تھی "دو فالودہ اور ایک پیک کرنا۔"

"اور یہ 'کسی'، جس سے آپ نے یہ بات سیکھی وہ مہروز ہو گی!" یاسمین نے جرار کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"بالکل۔اولاد بھی کبھی کبھار اچھا سبق پڑھاتی ہے۔"

مہروز کی بات پر جرار کی آنکھیں چمک اٹھی تھی۔انہیں دیکھ کر یاسمین نے ایک بار پھر اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔

❁❁❁

فرینکفرٹ پر رات ٹھنڈی سی اتر رہی تھی۔

اسٹریٹ فارٹین میں بنی اپارٹمنٹس کی راہداریاں روشن تھیں۔

مہروز کے ماتھے کی بائیں سائیڈ اب قدرے بیٹھ چکی تھی۔وہ پنک قمیض پر لانگ کوٹ اور سر پر اسٹول لیے کب سے بیل بجا کر اب انتظار کر رہی تھی۔بہت دیر بعد اس نے ایک دفعہ اور بیل بجائی تھی مگر جواب ندارد۔مہروز مایوس ہو کر پلٹی تھی جب سات سالہ بچہ اسکیٹنگ بورڈ اٹھائے اسی طرف آ رہا تھا۔

"Hey!" بچے نے بہت پر جوش انداز میں مہروز کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا تھا۔

"ہیلو۔"مہروز نے بھی مسکرا کر اسے جواب دیا تھا۔

"آپ فرح کا انتظار کر رہی ہیں؟"لڑکے نے جرمن ایکسنٹ میں انگلش بولی تھی۔

مہروز نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"وہ تو کچھ دنوں سے یہاں نہیں ہیں۔ وہ میری بہت اچھی دوست ہیں۔"

"کہاں؟ کہاں گئی ہیں وہ؟" مہروز پریشان ہوتے ہوئے پنجوں کے بل بیٹھ گئی تھی۔

اس کا دل ڈوب ڈوب رہا تھا اگر فرح نے گھر بدل لیا ہو؟

"وہ اکثر جاتی رہتی ہے لٹریری اسکالر جو ہیں۔ آجاتی ہیں پھر کچھ دنوں بعد۔"

مہروز نے سینے پر ہاتھ رکھ کر سکھ کا سانس لیا تھا۔

"نیکول۔" بچے نے اپنا نام بتاتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔

"مہروز جرار۔" مہروز نے بھی اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"اچھا لگا آپ سے مل کر۔"

"مجھے بھی۔ میں اب چلتی ہوں، ہاں۔" مہروز نرم مسکراہٹ کے ساتھ اٹھی تھی۔

اتوار کا دن مصروف سا گزرا تھا۔ ایونٹ کی مناسبت سے مہروز نے ٹخنوں تک آتی سفید اور سرخ پھولوں کے امتزاج کی فراک پہن رکھی تھی۔ لمبے سے بالوں کو جوڑے میں باندھ رکھے تھے۔ Skilities کی پوری عمارت روشنیوں سے جگمگا رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

سب سے اوپری فلور پر اونچا سا اسٹیج بنا گیا تھا اور اس سے نیچے جا بجا گول میز رکھے گئے تھے جن کے گرد بزنس سے تعلق رکھنے والے افراد کھڑے مشروب پی رہے تھے۔ آج اسکلیٹیز کی پانچویں سالگرہ تھی۔

مہروز بور ہوتی ایک گول میز کے گرد کھڑی اورنج جوس پی رہی تھی جب اسے کالے اور سفید رنگ کے امتزاج کا مفلر نظر آیا تھا۔ اس نے ٹوپی ماتھے تک کھینچ کر رکھی تھی اور مفلر ہونٹوں تک۔ مہروز یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی جس کے خدوخال انٹرویو والے آدمی سے مشابہہ تھے۔ یہ آدم سے زیادہ چوڑا لگتا تھا، سرجوش کی طرح اور قد بھی آدم سے زرا اونچا تھا۔

وہ کچھ دیر کھڑا اسٹیج کو دیکھتا رہا جس کے پیچھے لگی ایل ای ڈی میں کمپنی کا نام جگمگا رہا تھا اور جیسے ہی پلٹا صرف ایک سیکنڈ کی نظر مہروز پر ڈالتا دروازے کی طرف بڑھا تھا۔

اسی وقت دروازہ کھلا تھا اور آدم اندر داخل ہوا تھا۔ وہ براؤن پینٹس اور براؤن ویسٹ میں ملبوس تھا۔ ہمیشہ کی طرح چٹیاں میں بندھے بال آج اسٹریٹ تھے۔ اس نے نیا ہئیر کٹ لیا

تھا۔ گردن سے اوپر کے بال بالکل ہٹائے تھے اور ماتھے سے نیچے گرتے بال کان جتنے کاٹے ہوئے تھے۔ آئی برو کا کٹ بھی جیسے تازہ تازہ لگایا ہوا تھا۔

ہال یک دم تالیوں سے گونج اٹھا تھا وہ وجیہہ مسکراہٹ کے ساتھ سرخ قالین پر چلتا ہوا ہاتھ اٹھا کر سب کی تالیوں کا جواب دینے لگا۔

مفلر والا مرد آدم کے کندھے کے برابر سے گزرا تھا۔ آدم نے لحظے بھر کے لیے آنکھیں ترچھی کر کے اسے دیکھا تھا مگر وہ زن سے دروازے کی طرف بڑھا تھا۔

مہروز مشروب میز پر رکھ کر فوراً اس کے پیچھے لپکی تھی اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہال سے باہر نکل گئی تھی۔

ہال سے باہر کی لابی خالی تھی، کوئی بھی نہیں تھا وہاں۔

مہروز تیز تیز قدم اٹھا کر دیوار کی طرف بڑھی تھی جو خود بہ خود سرک کر لفٹ بن گئی تھی۔

اسپیکر سے ابھرنے والی خاتون اس سے فلور کا پوچھ رہی تھی اور وہ یک دم خالی دماغ لیے کھڑی رہ گئی تھی۔ اسے کیا پتا وہ شخص کونسے فلور پر گیا تھا۔ وہ کچھ پل کھڑی ہونٹوں کو انگلی سے بجاتے سوچتی رہی اور یک دم اسے گراؤنڈ فلور کا خیال آیا تھا۔

Clubb of Quality Content

"گراؤنڈ فلوار۔"مہروز نے فوراً سے کہا تھا۔

لفٹ کے دروازے بند ہوئے تھے اور کچھ ہی دیر میں وہ گراؤنڈ فلور پر موجود تھی۔

مہروز گہرے گہرے سانس بھر کر لفٹ سے باہر نکلی تھی۔دل تھا کہ تیزی سے دھڑک رہا تھا مگر خود کو مضبوط بنائے وہ کنڑول روم کی طرف بڑھی تھی۔

کنڑول روم کے دائیں طرف لگے کی بورڈ کو دیکھ کر اسے کوفت ہوئی تھی۔

"مہروز جرار۔"اس نے اونچی آواز میں اپنا نام لیا تھا۔یہاں کا ہر دروازہ نام لینے پر کھلتا تھا مگر دروازہ نہیں کھلا تھا۔

"دروازہ کھول لو۔مجھے کچھ بتانا ہے۔"مہروز نے کوفت سے دروازہ پیٹ لیا تھا۔

اسے لگا تھا کہ وہ سی سی ٹی وی فوٹیج کے ذریعے اس مفلر والے کو پکڑ لے گی مگر اسے اب سب مشکل لگ رہا تھا۔

"دروازہ کھولو میں۔۔۔"

"کیا ہوا؟"اسے اپنی پشت پر پریتی کی آواز سنائی دی تھی تو وہ یک دم پلٹی تھی۔

"خیریت؟ گراؤنڈ فلو پر کیا کر رہی ہو؟" پریتی چہرے پر مسکراہٹ سجا کر مہروز کو بازو سے تھام چکی تھی۔

دونوں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی۔

"وہ۔۔۔ام" مہروز نے لب کچلا تھا "تم نے کبھی کنڑول روم اندر سے دیکھا ہے؟ مطلب کبھی کوئی فوٹیج بھی تو حاصل کرنی ہوتی ہے۔"

"تمہیں فوٹیج کیوں چاہیے؟" پریتی نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔

لفٹ خود بہ خود ان کے نزدیک آنے پر کھل گئی تھی۔

"میں نے ایک شخص دیکھا وہ مجھے مشکوک لگا جیسے میں نے اسے کہیں دیکھا ہو۔ ویسے آر یو شیور آدم یہاں کا سی ای او ہے؟"

مہروز کے شرلاک انداز میں پوچھے گئے سوال پر پریتی قہقہہ لگا بیٹھی تھی۔

"یقین نا آئے تو اس کی اسپیچ سن لو۔ ابھی تک اس نے اسپیچ شروع کر دی ہو گی۔ مزید یقین نا آئے تو اس سے اس کمپنی کی فائل مانگ لینا۔" پریتی مذاق اڑانے والے انداز میں کہتی اس کا بازو تھام کر لفٹ میں داخل ہو چکی تھی۔

مہروز خاموش کھڑی ماضی اور حال کا مقابلہ کر رہی تھی۔

ٹوپی اور چٹیاں والے لڑکے کا تقابل کر رہی تھی۔

سر جوش اور ایونٹ میں داخل ہونے والی کی جسامت پر غور کر رہی تھی۔

❀❀❀

فرینکفرٹ سے واپس فری برگ کی طرف جاتی ٹرین میں بیٹھی مہروز نے لیپ ٹاپ میں فرح خان کے آرٹیکلز کھول رکھے تھے۔

دوپہر کی نرم سی دھوپ اس کے ہاتھوں پر پڑ رہی تھی۔

وہ آنکھوں میں آنسو اور فخر لیے فرح کے آرٹیکلز پڑھ رہی تھی۔ اسے ہر لٹریچر فیسٹیول، بک لانچ اور لٹریری سیمینارز میں بلایا جاتا تھا۔ انہوں نے کئی لٹریری ایوارڈز بھی جیت رکھے تھے۔

وہ اتنی محویت سے فرح کے آرٹیکلز پڑھ رہی تھی کہ اسے اندازہ ہی نہیں ہو سکا کوئی اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔

"لالی پاپ۔" لیپ ٹاپ کی اسکرین کے آگے مردانہ ہاتھ میں پکڑی لالی پاپ آئی تھی۔

مہروز اپنی سیٹ پر ہلکا سا اچھلی تھی۔

اس کے برابر سیٹ پر آدم ہلکی سی مسکراہٹ لیے بیٹھا تھا۔ دھوپ عین اس کی شہد رنگ آنکھوں میں چمک رہی تھی۔ وائٹ شرٹ اور بلیو جینز پہنے، انسانوں جیسے بالوں میں وہ وجیہہ دکھ رہا تھا۔

مہروز نے لالی پاپ کا سرخ ریپر دیکھا تھا" میں اسٹرابری فلیور نہیں کھاتی۔"

"کیوں؟" آدم نے دکھ سے ہاتھ پیچھے کھینچا تھا۔ ایک لالی پاپ اس کے بھی منہ میں دائیں طرف پھنسی ہوئی تھی۔

وہ کہیں سے بھی سی ای او نہیں لگتا تھا۔ مہروز نے ایک بار پھر سوچا تھا۔

"مجھے پسند نہیں ہے۔"

"مجھے تو ہے۔" آدم نے کندھے اچکائے تھے۔

مہروز آرٹیکل نیچے کرتے ہوئے فوکس کرنے کی ناکام کوشش کرنے لگی مگر آدم کی موجودگی اسے غیر آرام دہ کر رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کل ایونٹ سے جلدی نکل آئی؟ ویسے میں نے تمہاری لکھی اسپیچ میں کچھ ردوبدل کیا تھا ۔ظاہر ہے کمپنی میں نے کس محنت سے کھڑی کی ان لمحات اور احساسات کو الفاظ تو پھر میں ہی دے سکتا ہوں۔"اس کی ڈینیم جیکٹ سے چپکی افشاں دھوپ پڑنے کے باعث چمک رہی تھی۔

"آپ فری برگ جانے والی ٹرین میں کیوں بیٹھے ہیں؟"مہروز نے تجسس کے مارے سوال پوچھ ڈالا۔

"میرا جرمنی ہے جہاں جانا چاہوں جا سکتا ہوں۔کیوں نہیں جا سکتا؟"لالی پاپ منہ سے نکال کر اس نے حیرانی سے ابرو اٹھایا تھا۔

"ویل سیڈ۔"مہروز واپس لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔

"جواب نہیں دیا۔کل کا ایونٹ کیوں چھوڑا؟"

"میری مرضی ہے جہاں جانا چاہوں جا سکتی ہوں۔کیوں نہیں جا سکتی؟"مہروز نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اسی کے انداز میں جواب لوٹایا تھا۔

آدم اس کی کالی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے لاجواب ہو کر ہلکا سا مسکرایا تھا"ویل سیڈ۔"

مہروز لیپ ٹاپ کی طرف گردن موڑ چکی تھی۔

"گانا سناؤ اس دن کی طرح؟ اس دن بس اسٹیشن پر سب نے بہت انجوائے کیا تھا۔" اپنی محویت کو آدم نے خود ہی توڑا تھا۔

وہ جب اس لڑکی کے قریب ہوتا تھا تو دل چاہتا تھا بس وہ کبھی چپ نا ہو۔ وہ الٹی پلٹی حرکتیں کرتا رہے، گاتا رہے اور وہ اسے سنتی رہے چاہے بے تاثر چہرے کے ساتھ ہی دیکھے پر اسے دیکھے۔

"بالکل نہیں۔" مہروز نے گھبرا کر اطراف میں بیٹھے لوگوں کو دیکھا تھا "ٹرین میں لوگ بیٹھے ہیں۔"

"لوگ گانا سننے پر ٹرین سے اتر جائے گے؟"

"اب یہ تو آپ کی آواز پر منحصر ہے کہ بھگانا چاہتے ہیں کہ نہیں۔ لیکن یہ سارے لوگ مجھے سمجھدار اور سلجھے ہوئے لگتے ہیں۔ خود تمہیں ہی نا اتار دیں۔"

"شرط؟" آدم نے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی اس کی طرف بڑھائی تھی۔

"بالکل نہیں۔" مہروز نے زور و شور سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"چیلنج۔ قبول کیا۔ سزا بعد میں بتاؤ گا۔" آدم چٹکی بجاتا ہوا کھڑا ہوا تھا۔

"ہالو گائز۔" آدم تالی بجا کر سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کروا چکا تھا۔

اس بوگی میں بیٹھے مسافروں نے گردن موڑ موڑ کر آدم کو دیکھا تھا جس کی پشت کی طرف مہروز بھونچکا بیٹھی ہوئی تھی۔

"میں اس بور سفر میں کچھ رنگ بھرنا چاہتا ہوں۔ کسی کو اعتراض ہے؟" آدم نے ایڑھی کے بل گھوم کر سب کو دیکھا تھا اور اس سے پہلے کہ کوئی کچھ کہتا وہ بول اٹھا "ہے بھی تو مجھے پرواہ نہیں۔ سو میں گانا سنانے لگا ہوں جی ہاں۔ اور وہ گانا ہے پہلی نظر۔ تالیاں۔۔۔ تالیاں۔" آدم ہاتھ لہرا لہرا کر سب کو تالیاں بجانے پر مجبور کر رہا تھا۔

"پہلی نظر میں کیسا جادو کر دیا۔ تیرا بن بیٹھا ہے میرا جیا۔"

مہروز حیرت سے منہ کھولے اسے اتنی صاف اردو میں گاتا ہوا سن رہی تھی جس کا رخ مہروز کی طرف تھا۔ وہ مسکرا مسکرا کر سب سے داد وصول کرتا، ایک ہی ردھم میں تالیاں بجواتا گاتا جا رہا تھا۔

"کھسکا ہوا۔" مہروز نے مسکرا کر سر ہلایا تھا جیسے کہہ رہی ہو اس کا کچھ نہیں بن سکتا۔

❁❁❁

فری برگ کی یونیورسٹی میں صبح سے ہی سزا پانے والے طلبہ جھاڑو پکڑے سبزے میں گرے سوکھے پتوں کو ایک جگہ اکٹھا کر رہے تھے۔

مہروز، پولینا اور باقی طلبہ کیفے میں میزوں کو کپڑوں سے صاف کر رہے تھے۔

مہروز مسلسل سر جوش اور اسکلیٹیز میں نظر آنے والے کا تقابل کر رہی تھی۔

کسی مشین کی طرح مہروز روزانہ یونیورسٹی جاتی تھی صفائیوں میں جت جاتی تھی اور ہوسٹل آتے ہی وہ ریسرچ پر کام کرنے بیٹھ جاتی تھی۔

اس کے بیگونیا کے پھول عدم توجہی کی وجہ سے مرجھا گئے تھے۔ مہروز نے دکھی دل کے ساتھ خشک پھولوں کو ڈسٹ بن میں پھینک دیے تھے۔

مہروز لمبے بالوں کو ڈھیلے سے جوڑے میں باندھے ہوسٹل کے کمرے میں ٹیبل لیمپ لگائے میز پر لیپ ٹاپ رکھے ریسرچ ختم کرنے کی کوشش کر رہی تھی جب مائدہ کی ویڈیو کال موصول ہوئی تھی۔ مہروز نے گردن سے پٹا خا نکال کر کال اٹینڈ کر لی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"شکریہ کال کرنے لیے۔میں بہت تھکی ہوئی تھی۔"مہروز نے بکس کی مدد سے فون ٹیبل پر سیٹ کر کے رکھ دیا تھا۔

"تو آرام کر لو۔میں کال بند کر دیتی ہوں۔"مائدہ خجل ہو گئی تھی۔

"نہیں نہیں۔میں خود فریش ہونا چاہتی تھی تم سے بات کر کے اب ریلیکس ہو جاؤں گی۔ ریسرچ کی وجہ سے تھک رہی ہوں۔اگلے ہفتے تک تین ریسرچز جمع کرنے ہیں اور میرے پاس ٹائم کم ہے۔"

"کاش میں مدد کر سکتی۔"

مہروز اس کی بات پر بس مسکرا سکی۔

دونوں کچھ دیر خاموش رہی۔مائدہ مہروز کے رشتہ ٹوٹنے کی خبر سن چکی تھی پر اس نے دانستہ اس سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔دونوں کی دوستی کی یہی خوبی تھی کہ دونوں ایک دوسرے کو اسپیس دیتی تھی۔خود سے کوئی موضوع نہیں چھیڑتی تھی۔مگر دونوں میں سے کوئی ایک جب مناسب سمجھتی تھی تو خود بتا دیتی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"انڈین شادی کریش کر کے مزہ آیا ہو گا؟ تم نے کافی کالز کی تھی پر اس وقت میں کچن میں تھی۔"

"ہاں بہت مزہ آیا۔ قسم سے ادھر تو میں اچھے کھانے کے لیے ترس گئی ہوں۔ کھانے کی قدر ہو گئی ہے ادھر جب کسی دن پھلوں سے گزارہ کر لیتی ہوں، کسی دن آلو ابال کر میدے کا پراٹھا بناتی ہوں کبھی نوڈلز۔ مجھے تو دنبہ بڑا یاد آ رہا ہے۔ میں اور خان بابا دنبہ بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔"

"آنٹی کے ہاتھ کا پکا دنبہ تو حسیب کو بھی بہت پسند ہے۔"

مہروز ہلکا سا مسکرا دی تھی اور دونوں ٹانگیں چڑھا کر کرسی پر رکھتے ہوئے گھٹنوں پر تھوڑی ٹکا لی تھی۔

"منگنی توڑ دی میں نے۔"

"جانتی ہوں۔ میں بس انتظار کر رہی تھی کہ تم خود بتاؤ۔ یہ بڑا احساس معاملہ ہوتا ہے۔ لڑکی بہت ہرٹ ہوتی ہے اس لیے فوراً نہیں پوچھنا چاہیے۔ میں نے تمہیں ہیل ہونے کا کچھ ٹائم دیا تھا۔" مائدہ نرم مسکراہٹ سجائے اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہ سب خان بابا کی اسپورٹ کی وجہ سے ہوا ہے۔ میں شکر گزار ہوں ان کی کہ انہوں نے مجھے سمجھا اور مجھے پریشرائز نہیں کیا۔" مہروز نے گہرا سانس بھرا تھا "مجھے اب لگ رہا ہے کہ میں سکون کا سانس لے رہی ہوں۔ میں خود کو قیدی محسوس کرتی تھی جب اس سے بات کرتی تھی۔ مجھے اس سے اپنائیت کا احساس ہی نہیں ہوا۔ ایسا لگتا تھا جیسے چلتے چلتے کوئی مل گیا ہے جس سے چند باتیں کرنی ہیں اور گزر جانا ہے۔"

"حسیب بتا رہا تھا کہ جب یاسمین آنٹی تمہیں فون پر پریشرائز کر رہی تھیں تو وہ سارا واقعہ اس نے جرار انکل کو بتایا تھا اور جتنا چہرہ ان

کا سرخ تھا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کتنی محبت کرتے ہیں تم سے۔"

"تمہیں یاد ہے جب میں چھوٹی ہوتی تھی تو مجھے لگتا تھا میں خان بابا کی سوتیلی اولاد ہوں۔ ہم ضروری باتوں کے علاوہ کوئی بات ہی نہیں کرتے تھے نا وہ مجھے تب پیار سے مہروز جان کہتے تھے اور دل کی بات کرنے کا تو تصور بھی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن تمہیں پتا ہے ان کی اچھی بات ہی یہی ہے کہ He found his way towards me۔ انہوں نے مجھ سے بات کرنا سیکھی، مجھ سے دوستی کی، میرا مزاج سمجھنے کی کوشش کی۔ میرا دل کرتا ہے میں

بہت سا پیسہ جمع کر کے ان کے لیے گھر خریدوں اور ایک چھوٹی سی گاڑی بھی جو میری، خان بابا، مورے اور ربے بے کی ہو۔" مہروز جیسے مستقبل کا سوچتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔

"میں کہاں گئی؟" مائدہ نے مصنوعی خفگی دکھائی تھی۔

"تمہارا شوہر ہے نا۔ اس کی گاڑی استعمال کرو۔"

"ہاں ان کی گاڑی۔" مائدہ نے استہزایہ سر جھٹکا تھا "کتنا شوق تھا مجھے گاڑی سیکھنے کا، چلانے کا۔ پر وہ نہیں سکھاتا ہے اسے لگتا ہے میں سیکھ جاؤں گی تو گاڑی سڑکوں پر لیے لیے گھوموں گی۔"

"تو پھر اپنے بیٹے کا انتظار کرو۔ اس کی گاڑی کو لیے لیے گھومنا۔" مہروز نے شرارتاً کہا تھا۔

"ویسے ہم لڑکیوں کی بھی کیا زندگی ہے۔ ہماری آدھی زندگی بس خواہشات کرتے ہی گزر جاتی ہے کہ چلو یہ خواہش باپ کے گھر پوری نا ہوئی تو شوہر کے گھر کر لونگی، شوہر کے ساتھ پوری نا ہوئی تو بیٹا میری خواہش کو تکمیل تک پہنچانے میں مدد کریگا اور کتنی ہی لڑکیاں ہیں جو بس ان خواہشات کے پورا ہو جانے کے خواب ہی دیکھتی رہ جاتی ہیں۔"

"اچھا بھئی تم بھی بیٹھ جانا ٹھیک ہے۔" مہروز اسے اداس دیکھ کر مسکرا دی تھی۔

رات آہستہ آہستہ سرک رہی تھی اور دو دوستیں ادھوری رہ جانے والی خواہشیں یاد کر رہی تھیں۔

❀❀❀

مغرب کا نیلگوں سا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ یہاں قریب ہی چھوٹی سی مسجد تھی جس میں پانچ وقت ہونے والی اذان مہروز کو سنائی دیتی تھی تو جیسے اس کے کانوں کو سکون ملتا تھا۔ ہوم سکنس میں اذان کی آواز بھی شامل تھی جو اس نے کب سے نہیں سنی تھی۔ فرینکفرٹ میں بونس کے ساتھ اچھی کارکردگی پر سرٹیفیکیٹس بانٹے گئے تھے۔ سرٹیفیکیٹ کی تصویر حسیب کو بھیجی ہی تھی کہ ویڈیو کال موصول ہو گئی تھی۔

مہروز سی گرین شرٹ پر سفید اونی سویٹر پہنے، بالوں کو کیچر سے باندھے، گلے میں سفید مفلر پہنے باہر جانے کے لیے تیار بیٹھی تھی کہ حسیب کی کال دیکھ کر فوراً کال ریسیو کر لی تھی۔

"اس بار میں بات کروں گی۔" یاسمین شوہر سے فون چھیننے پر تلی ہوئی تھی۔

"اوہو بچے کا فون ٹوٹ جائے گا۔" جرار نے ہاتھ اوپر اٹھا لیا تھا۔

"ٹوٹ جائے۔"

"پھر مہروز آپی سے بات کیسے ہو گی؟" بیچ میں حسیب کی بیچاری آواز بھی گونجی تھی۔

"تم پاس بیٹھ جاؤنا بس میں نے پانچ منٹ بات کرنی ہے، پیسے بھیجے ہیں نا اس نے اس سلسلے میں بات کرنی ہے۔"

"پکا؟" یاسمین نے بچوں کی طرح ہاتھ بڑھایا تھا۔

"پکا۔"

دونوں میاں بیوی مہروز سے بات کرنے کے لیے بچوں کی طرح لڑ رہے تھے اور مہروز فرینکفرٹ والے ہوسٹل میں آرام دہ صوفے پر بیٹھی مسکرا رہی تھی۔

"کیسی ہو زماظوئے؟" جرار مسکرا کر بیٹی کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ لوگ ٹھیک ہیں؟" اسے اسکرین پر ماں اور باپ کا مسکراتا چہرہ نظر آ رہا تھا۔

"بالکل ٹھیک ہیں۔"

"بے بے کہاں ہیں؟"

"وہ واش روم میں ہیں۔بیٹا چار لاکھ بھیج دیے؟ اپنے خرچ کے لیے بھی کچھ چھوڑا ہے؟"

"چار لاکھ؟"اس سے پہلے کہ مہروز جواب دیتی یاسمین نے حیرت سے شوہر کو دیکھا تھا"یہ تو بہت بڑی رقم ہے۔"

"محنت کرتی ہے ناہماری بیٹی۔"جرار کے چہرے پر فخریہ مسکراہٹ آگئی تھی۔

"خان بابا میں نے اپنے خرچ کے لیے پیسے چھوڑے ہیں۔یہاں اوور ٹائم کے بہت پیسے ملتے ہیں بابا۔آج ایونٹ کے لیے اچھی اسپیچ لکھنے کی وجہ سے سرٹیفیکیٹ بھی ملا ہے اور بونس بھی۔وہ اگلے مہینے کے پیسوں کے ساتھ بھیجو گی۔"

"اتنی محنت بھی اب نا کرو۔اپنا چہرہ دیکھو کیسا مرجھا سا گیا ہے۔"یاسمین نے یاسیت سے بیٹی کو دیکھا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں مورے۔"مہروز ہلکا سا مسکرائی تھی"بس اس وقت میرا ہدف قرض اتارنا ہے پھر اس کے بعد میں زیادہ محنت نہیں کرو گی۔بس اتنی کرو گی کہ ضرورت پوری ہو سکے۔"

"اللہ تمہاری مدد کرے،آمین۔"جرار ہلکا سا مسکرائے تھے۔

"تھینک یو خان بابا۔" مہروز کی آنکھوں کی سطح گیلی ہوئی تھی۔

"کیوں؟"

"مجھے اسپورٹ کرنے لیے۔ میرے لیے بہترین فیصلہ لینے کے لیے۔"

جرار ہونٹ بھینچ کر اپنے آنسو ضبط کرنے لگے جبکہ یاسمین کی آنکھ سے آنسو گال پر گرا تھا۔

"میں نے برا کیا نا؟ میں نے اپنی طرف سے اچھا فیصلہ لینے کی کوشش کی تھی مگر میں انسان ہوں اور ان لوگوں کو سہی سے پرکھ نہیں سکی۔ تم ناراض نا ہونا مجھ سے۔" یاسمین کی آواز میں اداسیاں گھل گئی تھی۔

"اس میں ناراضی کی کیا بات ہے۔ میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔" مہروز کا گلہ رندھ گیا تھا پر اس نے بمشکل مسکرا کر دکھایا تھا۔

"اچھا میں فون رکھتی ہوں۔"

"فی امان اللہ۔" جرار ہاتھ ہلا کر کال بند کر چکے تھے۔

مہروز فون بیڈ پر رکھتی دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے سے دونوں آنکھوں کو صاف کر کے اٹھی تھی۔ وہ آج پھر فرح سے ملاقات کے لیے تیار تھی۔

❀❀❀

فرح کی اپارٹمنٹ کی بیل بجا کر مہروز نے ایک بار پھر گلے میں پہنے مفلر کو ٹھیک کیا تھا۔

دو بیلز کے بعد مہروز پریشان ہو گئی تھی اگر اس ویک اینڈ بھی ان سے ملاقات نا ہو سکی تو؟

اپارٹمنٹ کا دروازہ کھلا تھا اور فرح رف سے ٹراؤزر زشرٹ میں ملبوس، براؤن بالوں کو ایک طرف کندھے پر ڈالے کھڑی تھی۔

مہروز کھل کر مسکرائی تھی "آج تو میں رات کو آ گئی۔" مہروز نے فوراً انہیں وقت بتایا تھا اس سے پہلے کہ وہ اسے لوٹا دیتی۔

فرح نے دائیں طرف ہوتے اسے اندر آنے کا راستہ دیا تھا۔

مہروز نے اندر داخل ہوتے ہی اپارٹمنٹ پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی تھی۔

"یہ آپ کے لیے۔" فرح کے مڑتے ہی اس نے پیپر بیگ فرح کی طرف بڑھایا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"کیا ضرورت تھی اس کی؟" فرح کا چہرہ زرد لگ رہا تھا۔ وہ مرے مرے سے قدم اٹھاتی لاؤنج کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"پاکستان میں تو بغیر کوئی سوغات لیے کسی کے گھر نہیں جاتا۔ تھوڑے سے پھل ہیں، میں کچن میں رکھ آتی ہوں۔" مہروز فوراً سے کچن کی طرف بڑھی تھی اور پیپر بیگ کاؤنٹر پر رکھ کر لاؤنج کی طرف بڑھی تھی جہاں فرح صوفے کی پشت پر کہنی رکھے، سر ہتھیلی میں رکھے بیٹھی تھی۔

"میں لاسٹ ویک اینڈ بھی آئی تھی پر آپ یہاں نہیں تھی۔" مہروز ان کے دائیں طرف رکھے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

"اوٹاوا گئی تھی میں۔" انہوں نے زکام زدہ سی آواز میں کہا تھا۔

مہروز نے متاثر ہوتے ہوئے 'اوہ' کیا تھا۔

"خیریت ہے مجھ سے ملنے آئی ہو؟" فرح نے براہ راست مہروز کو دیکھا تھا۔

مہروز کے مسکراتے ہونٹ سمٹے تھے۔ ہاں وہ کیوں آئی تھی؟ کیا توجیح پیش کرے؟

Clubb of Quality Content

"وہ۔"مہروز نے ماتھا کھجاتے ہوئے کچھ توقف لیا تھا" پاکستانی مصالحے کہاں سے ملے گے؟"

فرح نے ابرو اچکا کر حیرانی سے مہروز کو دیکھا تھا جیسے کہہ رہی ہو بس؟اس لیے آئی ہو؟بس اتنی سی بات؟

مہروز دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں ٹکراتی اپنے ہی پوچھے گئے بونگے سے سوال پر بہت سارا ہنسنا چاہتی تھی پر فرح کے چہرے پر ابھرنے والے نافہم تاثرات دیکھ کر وہ چہرہ اسپاٹ بنا چکی تھی۔

"تم یہ پوچھنے یہاں آئی ہو؟"فرح کو جیسے یقین نہیں آرہا تھا۔

مہروز نے انکار میں اور پھر اثبات میں سر ہلایا۔

"وہ۔۔۔یہیں تو جاب کرتی ہوں اور جب فری ہو جاتی ہوں تو سوچتی ہوں کہاں جاؤں۔ یہاں آنا اچھا لگتا ہے مجھے۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

فرح چند پل اسے دیکھتی رہی اور پھر بالوں کو جھٹکا دیتے ہوئے اٹھی تھی "کچن میں مصالحے بھی موجود ہیں اور چائے کافی بھی۔جو بھی بنانا ہو اپنے لیے بنا لینا۔میں اپنے کمرے میں ہوں۔"

مہروز انہیں کمرے میں جاتا دیکھ کر کچن کی طرف آ گئی تھی۔کچن کیبینٹس کھولے تو تمام خشک مصالحے اسے پڑے نظر آئے۔

وہ فریج کی طرف بڑھی تو نیوٹیلا، پینٹ بٹر اور بہت سی کھانے کی چیزیں دیکھ کر مہروز کے منہ میں پانی آیا تھا۔دل چاہا تھا بریڈ اٹھا کر مایو سینڈوچ ہی بنا لے آخر کو پھوپھو کا گھر ہے مگر اسے اتنی جلدی اپنا ندیدہ پن نہیں دکھانا تھا۔فریج سے دودھ نکال کر دو کپ چائے بنا کر وہ کمرے کی طرف بڑھی تھی۔کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔فرح آنکھیں موندے کمبل سینے تک تانے لیٹی ہوئی تھی۔ان میں جرار کی بہت زیادہ مشابہت تھی۔مہروز بائیں ہتھیلی کی پشت سے دروازہ بجا کر اندر بڑھی تھی۔

فرح نے آنکھیں نیم وا کی تھی "تم اب تک گئی نہیں؟"

"آپ نے ہی کہا تھا چائے بنالو میں کمرے میں ہوں۔"مہروز نے معصوم سا چہرہ بنا کر چائے کے دو کپ دکھائے تھے۔

"میں نے کہا تھا اپنے لیے بناؤ۔"وہ دوبارہ آنکھیں بند کر چکی تھی۔وہ کمزور سی آواز میں بولی تھی۔

مہروز نے چائے کا کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھا تھا۔

"آپ نے یہ بھی تو نہیں کہا تھا کہ چلی جانا۔"وہ جیسے گلہ کر رہی تھی۔

فرح کی طرف سے خاموشی ہی رہی۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟"مہروز نے کہتے ہی ان کا ماتھا چھوا تھا جو حد درجہ گرم تھا۔

"آپ کو تو بخار ہے۔"مہروز نے پریشان ہوتے ہوئے اپنا کپ بھی میز پر رکھ دیا تھا"آپ نے دوائی لی؟کچھ کھایا ہے؟"اس نے ایک ساتھ ہی بہت سے سوال پوچھ لیے تھے۔

فرح نے آہستہ سے آنکھیں کھولی تھی"چائے پیو اور پھر تم جاؤ۔"انہوں نے نحیف سی آواز میں حکم صادر کیا تھا۔

"کیسے جاؤں میں ؟آپ بیمار ہیں آپ کو اکیلا کیسے چھوڑ دوں ؟آپ کے پاس کسی ڈاکٹر کا نمبر ہے ؟میں اس کو کال کر لو نگی یا آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے جاتی ہوں۔"وہ ہاتھوں کو آپس میں مسلتے ہوئے ہلکا سا جھکے پریشان لگ رہی تھی۔

"روزے بچے، جب آپ مجھ سے نہیں ملی تھی تب بھی ایسا بہت بار ہوا ہے کہ میں بیمار ہوئی ہوں اور میرے پاس کوئی نہیں تھا۔میں نے اپنی دیکھ بھال خود کی ہے۔مجھے اب دوسروں پر انحصار کی عادت نہیں رہی اس لیے تم فکر نا کرو اور چلی جاؤ۔"

"میں نہیں جا رہی۔"مہروز نے مضبوط لہجے میں کہا تھا۔

"میں نے فرج کھول کر دیکھا تھا اس میں چکن پڑا ہوا ہے۔میری مو۔۔۔"مہروز نے بروقت خود کو مورے کہنے سے روکا تھا"مطلب اماں بہت اچھی یخنی بناتی ہیں لیکن وہ دیسی ککڑ کا بناتی تھی۔چلیں جو پڑا ہے میں اس کی یخنی بناتی ہوں۔"

فرح حیرت سے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی جو اس کی کسی بھی بات کو خاطر میں لائے بغیر مڑی تھی۔

مہروز قمیض کے بازو اوپر چڑھائے ہڈی والے گوشت کو پانی میں ابال رہی تھی۔وہ اپنی اور فرح کی چائے بھی پی چکی تھی۔یخنی میں کارنز اور گاجر شامل کر کے کچھ مصالحے اور کارن فلور شامل کر کے وہ آگ بند کر چکی تھی۔

بھاپ اڑاتا سوپ کا پیالہ لیے وہ کمرے میں داخل ہوئی تو فرح گہری نیند کا شکار لگ رہی تھی۔ مہروز ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر فرح کا کندھا ہلانے لگی۔

فرح نے بمشکل آنکھیں کھول کر مہروز کو دیکھا تھا۔ان آنکھوں میں تھکاوٹ تھی۔

"یہ سوپ پی لے پھر تنگ نہیں کرونگی۔"مہروز ان پر جھکے جھکے بولی تھی۔

فرح خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہنی پر زور ڈالتے ہوئے بیٹھ گئی تھی۔مہروز کمبل ایک طرف کرتی گھٹنا موڑ کر ان کے دائیں طرف بیٹھ گئی تھی اور ٹرے گود میں رکھ کر چمچے میں سوپ بھرنے لگی۔

فرح سرخ آنکھوں کے ساتھ مہروز کو دیکھ رہی تھی جو چمچ ان کے منہ کے آگے لے جا چکی تھی۔انہوں نے آہستہ سے ہونٹ کھول کر سوپ پیا تھا۔

مہروز ایک کے بعد ایک چمچ ان کے آگے کرتی تھی۔ اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ جرار کی خدمت کر رہی ہو۔ کتنے ہی سوال ایک ساتھ اس کے ارد گرد منڈلا رہے تھے۔ وہ کتنی کمزور اور لاغر لگ رہی تھی جو خود سے اٹھ کر پانی بھی نہیں پی پا رہی تھی پھر جب وہ ماضی میں بیمار رہی ہو نگی تب کس نے انہیں کھانا دیا ہو گا؟ تیمار داری کی ہو گی؟

"بس۔" فرح نے آخری چمچ پر منہ پھیر لیا تھا۔

مہروز سر ہلا کر اٹھ گئی تھی۔

رات کے دو بج رہے تھے۔ اپارٹمنٹ میں موت سی خاموشی تھی۔ فرح کی بھاری سانسوں کی آوازیں مہروز کو لاؤنج تک سنائی دے رہیں تھی جو بہت عرصے بعد صوفے پر پاؤں پھیلائے ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ اسے یک دم اپنا لاہور والا گھر، کمرہ اور ٹی وی یاد آیا تھا جہاں رات کے آٹھ بجے کا ڈرامہ مہروز کبھی مس نہیں کرتی تھی۔ پتا نہیں وہ آرام کہاں کھو گیا تھا؟ اسے یاد بھی نہیں تھا کہ آخری ڈرامہ کب دیکھا تھا اور اس کا نام کیا تھا۔

ٹی وی آف کر کے وہ کمرے کی طرف آئی تھی اور فرح کے ماتھے کو ہلکا سا چھوا تھا۔ فرح کا ماتھا جیسے آگ اگل رہا تھا۔

مہروز پھرتی سے کمرے میں بنی الماری کھول چکی تھی اور مطلوبہ چیز ڈھونڈنے لگی۔ اسے کوئی مفلر تو نظر نہ آیا پر جرابیں پڑی نظر آ گئی۔ مہروز نے تین چار جرابیں اٹھالی تھی۔

کچن میں ایک باؤل میں ٹونٹی سے ٹھنڈا پانی بھر کر وہ کمرے میں واپس آئی تھی اور گہرے سے باؤل میں جرابیں بھگو بھگو کر انہیں نچوڑ کر فرح کے ماتھے پر رکھنے لگی۔

فرح نے جھر جھری لے کر آنکھ کھولی تھی مگر بغیر کچھ کہے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

مہروز کبھی ٹھنڈی جرابیں ان کے ہاتھوں پر رکھتی کبھی پاؤں کے تلوں پر۔ آدھے گھنٹے بعد ان کا باڈی ٹیمپریچر نارمل ہوتا دیکھ کر مہروز کمرے سے نکل آئی تھی۔

صبح کی سنہری روشنی جالی دار پردوں سے لڑتی اپنا راستہ بناتی فرح کی آنکھوں پر گرنے لگی۔ فرح نے کسمسا کر آنکھیں کھول دی تھی اور چند ثانیے یونہی لیٹی رہی۔ تھکاوٹ اب بھی تھی مگر بخار اتر چکا تھا۔

وہ فریش ہوتے ہی کمرے سے باہر نکلی تھی کہ لاؤنج کے صوفے پر بغیر کمبل اوڑھے مہروز سوتی ہوئی پائی گئی۔

فرح چلتے ہوئے عین اس کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ سوتے ہوئے معصوم لگ رہی تھی۔ گھٹنوں کو موڑے جیسے وہ غیر آرام لگ رہی تھی۔ فرح نے آہستہ سے اس کا کندھا ہلایا تھا۔

"اٹھو۔ روزے۔" انہوں نے نرم آواز میں کہتے ہوئے مہروز کے کانوں پر پڑنے والے بال پیچھے ہٹائے تھے "اٹھو۔"

مہروز نے آنکھیں دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے سے مسلتے ہوئے نیم وا کی تھیں "طبیعت کیسی ہے؟"

"بہت بہتر ہوں۔ کمبل ہی لے لیتی، اتنی ٹھنڈ میں بغیر کمفرٹر کے سو گئی۔"

"نہیں وہ بغیر اجازت کیسے لیتی اور پتا بھی نہیں تھا کہ ہے کہاں۔" مہروز نے اٹھتے ہوئے اپنے لمبے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹا تھا۔

"اچھا بغیر اجازت کے فریج تو کھول لیا تھا۔" فرح نے اسے چھیڑا تھا۔

"سوری۔" وہ خجل سا ہنستی اٹھ گئی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"نو، اٹس او کے۔ تھینک یو۔" فرح نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا" میں نے اس دن تمہاری ہیلپ کی اور تم نے کل رات اسی مدد کا بدلہ چکایا اسی لیے میرے بار بار کہنے پر بھی تم نہیں گئی، نا؟"

"نہیں میں نے کوئی احسان نہیں اتار اوہ تو آپ پھ۔۔۔" مہروز نے فوراً زبان دانتوں تلے دبا لی تھی ورنہ پھوپھو کا دھماکہ ہو ہی جاتا" مطلب میں نے بغیر کسی غرض کے مدد کی۔" مہروز نے فوراً خود کو سنبھالا تھا۔

"ایک دفعہ پھر شکریہ۔" انہوں نے پیار سے مہروز کا گال چھوا تھا" اچھا میں ٹریش باہر رکھ دو۔ صفائی والے صبح صبح ہی آجاتے ہیں پھر میں ناشتہ تیار کرتی ہوں۔"

"ارے نہیں۔" مہروز نے فوراً ان کا بازو تھاما تھا" میں رکھ دیتی ہوں نا کوڑا اور ناشتہ بھی میں بناؤں گی آپ مکمل بیڈ ریسٹ کرے۔ بس یہ بتائے کہ کوڑا کدھر ہے؟"

فرح نے اسے اور پھر اس کے ہاتھ میں پھنسے اپنے بازو کو دیکھا تھا اور پھر جیسے ہار مانتے ہوئے کچن کی طرف بڑھی۔

Clubb of Quality Content!

مہروز کالے شاپر اٹھائے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھول کر راہداری میں کھڑی ہو گئی تھی کہ اسی وقت سامنے والے فلیٹ سے وہی سات سالہ بچہ نکلا تھا۔

"ہالو۔" مہروز نے مسکرا کر ہاتھ ہلایا تھا۔

"مہروز جرار۔" اس نے بھی مسکرا کر ہاتھ ہلایا تھا "دیکھا مجھے آپ کا نام یاد ہے۔" اس نے چہکتے ہوئے کہا تھا۔

"اور مجھے بھی۔۔۔آپ" مہروز نے سوچنے کی اداکاری کی "نیکول ہو۔"

"گڈ۔" وہ خوشی سے اچھلا تھا۔

"اچھا میں بعد میں ملتی ہوں۔ میں شاپر یہیں رکھ دوں نا؟"

"یس۔"

مہروز کالا شوپر دیوار کے سہارے کھڑا کر کے پلٹی تھی کہ فرح دروازے میں ایستادہ سینے پر ہاتھ باندھے اسے مشکوک نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ان آنکھوں میں دکھ تھا بے یقینی تھی۔

مہروز کا گلہ یک دم ہی خشک ہونے لگا نجانے وہ کب سے یہاں کھڑی ہو؟ نیکول اور اس کے بیچ ہونے والی گفتگو کتنی سنی ہو؟

"تم روزے ہو یا مہروز جرار؟"

❁❁❁

جاری ہے

باب 7

پرانے ورق

ماہ نور زہرا

مہروز کو کالے شاپر تھما کر فرح اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔ کمرے میں پڑے بن کو دیکھ کر انہیں خیال آیا تھا کہ انہوں نے ڈسٹ بن بھی خالی کرنا تھا۔ وہ بن اٹھا کر فوراً اپارٹمنٹ کے مین دروازے کی طرف بڑھی تھی کہ اسے نیکول کی آواز سنائی دی۔

"مہروز جرار۔"

فرح اپنی جگہ جم سی گئی تھی۔مہروز جرار؟

انہوں نے کئی دفعہ اس نام کو دھرایا۔

خان لالہ کی بیٹی؟

انہوں نے بمشکل کھڑے رہتے ہوئے دیوار کا سہارا لیا تھا اور ڈسٹ بن آہستہ سے فرش پر رکھا تھا۔ان کا چہرہ یک دم سرخ ہونے لگا تھا۔

دل دکھ سے بھر بھی رہا تھا مگر خود پر قابو رکھتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھی تھی اور اسی وقت مہروز مڑی تھی۔اس کی آنکھوں میں حیرت اور خوف سے یک دم اچھل جانا اس بات کی گواہی تھا کہ وہ فرح سے اپنا اصل نام چھپا رہی تھی۔اپنی شناخت چھپا رہی تھی مگر کیوں؟

"تم روزے ہو یا مہروز جرار؟"

مہروز کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہو گئی تھی۔

"اندر آجاؤ۔" کچھ دیر پہلے کی نرمی مفقود تھی۔

اسے سرد نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ کچن کی طرف پلٹی تھی۔

دونوں کچن کاؤنٹر کے آمنے سامنے رکھے اونچے سے اسٹول پر بیٹھے ہوئے تھے۔مہروز سر جھکائے خاموش سی بیٹھی ہوئی تھی اور فرح دائیں ہتھیلی میں تھوڑی رکھے اسے بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔

مہروز نے اپنے بارے ایسے تو ہر گز بتانے کا نہیں سوچا تھا۔اپنا پلان فلاپ ہو جانے پر اسے زیادہ دکھ تھا۔

"کیوں روزے بن کر ملتی رہی؟"

"میں۔"مہروز نے گلہ کھنکھارا تھا"آپ سے خوفزدہ تھی۔"

"خوفزدہ؟"فرح پہلے حیران ہوئی تھی اور پھر یک دم ہنس دی تھی جیسے کہہ رہی ہو مجھ سے کون خوفزدہ ہو سکتا ہے۔

"آپ خان بابا سے ناراض ہیں نا تو مجھے ڈر تھا مجھ سے بھی۔۔۔ہو نگی۔"اس نے توڑ توڑ کر الفاظ ادا کیے تھے۔

"میں ناراض ہو نگی؟اوہ کم آن۔"فرح پر تو آج جیسے انکشافات ہو رہے تھے۔

"مجھے پہچانا کیسے؟" وہ جیسے ایک کے بعد ایک سوال کر رہی تھی۔

انہوں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی تھی۔

"آپ کے نام سے۔ آپ کی شکل بھی خان بابا سے تھوڑی ملتی ہے۔ ورنہ آپ کی شکل بس دھندلی سی یاد تھی۔ میں چھوٹی تھی تب جب آپ گھر سے چلی گئی تھی۔" مہروز نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔

"پر مجھے تو آج تک یاد ہے کہ تم نے ایک کہانی لکھی تھی میرے لیے جس میں پانچ روپے میں میرے لیے گھر بنایا تھا۔ میں تو آج تک اس گھر کا انتظار کرتی رہی ہوں۔"

مہروز کو خوشگوار حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

فرح پہلی دفعہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔ کچھ دیر پہلے کی خفگی ختم ہو رہی تھی۔

"آپ کو یاد تھا؟" مہروز نے جھجکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"مجھے سب یاد ہے۔" فرح یک دم ہی سنجیدہ ہو گئی تھی۔ وہ خلا میں گھورتی جیسے تھوڑی دیر کے لیے کھو گئی تھی۔

"میں بس زرا دوستی کر کے آپ کو سچ بتانا چاہتی تھی۔ ہمارے بیچ میں اتنے سالوں کی دوری بھی تو رہی ہے سو میں فوراً سے سچ بتاتے ہوئے جھجک رہی تھی کہ پتا نہیں آپ ملنا پسند کرے یا نہیں۔ آپ بھی بس دادی سے تھوڑی سی بات کر پاتی تھی اور انہی سے آپ کی خیریت پتا لگ جاتی تھی۔ میں۔" مہروز نے کانوں سے اوپر بالوں کو ہاتھ سے پیچھے کیا تھا" آپ سے اس لیے بات نہیں کر پاتی تھی کہ خان بابا اکثر پوچھ لیا کرتے تھے اور مجھ سے جھوٹ نہیں بولا جاتا تھا اس کا حل یہی نکالا تھا کہ میں آپ سے بات نہیں کیا کروں گی تو خان بابا سے ایٹ لیسٹ سچ تو کہہ سکوں گی مگر گھر میں ایسا کوئی دن نہیں گزرا جب مورے اور بے بے نے آپ کو یاد نہ کیا ہو۔"

فرح ماں کے نام پر یاسیت سے مسکرا دی تھی۔

"اب کیا کہو گی خان بابا سے؟ اب تو مل چکی ہو مجھ سے۔"

"گھر میں ابھی کسی کو آپ کا نہیں پتا۔ مجھے خود بھی پتا نہیں تھا آپ یہاں ہونگی شاید ہماری قسمت میں ملنا لکھا تھا۔"

فرح نے تائید میں سر ہلایا تھا۔

"بہت وقت ہو گیا میں نے بھی مورے سے بات نہیں کی۔ آخری دفعہ شاید سال پہلے۔" انہوں نے ذہن پر زور ڈالنے کی کوشش کی تھی" خیر میں اب بھلکڑ ہوتی جا رہی ہوں پر لاسٹ ٹائم جو کال کی تھی تو خان لالہ نے فون اٹھا لیا تھا۔" مہروز نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

"انہوں نے سختی سے فون کرنے سے منع کیا تھا۔ پھر کچھ عرصہ میں احتیاط کرتی رہی لیکن جب جب کال کی میری کال نہیں جاتی تھی۔ یقیناً انہوں نے میرا نمبر بلاک کر دیا ہو گا۔"

"اوہ۔ اور خان بابا کو فون کر کے آپ بات کر نہیں سکتی۔ فکر نا کرے میں بات کروا دونگی۔"

"آر یو شیور؟ ایسے نا ہو اس بار تمہارے فون سے ملائی گئی کال بھی خان لالہ پک کر لے۔"

فکر نا کرے میں پکا کام کرونگی۔" مہروز نے مذاقاً ہنستے ہوئے کہا تھا۔

"بہر حال' کتنے دن ہوتی ہو یہاں؟" وہ اسٹول سے اتری تھی۔

"کل تک ہوں۔" مہروز بھی اسٹول سے اتری تھی۔

"چلو پھر کام سے فارغ ہو کر یہاں آجانا۔ یہیں رکنا۔" وہ فریج کھولے جھکی ہوئی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ناشتہ میں بناؤں گی آپ آرام کریں۔" مہروز نے فوراً آگے بڑھ کر ان سے دودھ کا ڈبہ لیا تھا۔

"تمہیں پاکستانی کھانوں کی craving ہو رہی ہو گی نا اس لیے مجھے ناشتہ بنانے دو۔ میں مرچوں والا آملیٹ بناؤں گی میرے پاس تمام پاکستانی مصالحے موجود ہیں۔" فریج سے چار انڈے لے کر وہ مڑی تھی۔

"آپ نے پاکستان سے خود مصالحے خریدے ہیں؟" مہروز نے حیرت سے ان کی پشت دیکھی تھی۔

"نہیں۔ پاکستانی فرینڈز جب پاکستان جاتے ہیں تو ان سے منگوا لیتی ہوں۔" چولہے کے نیچے بنے کیبینٹ سے پین اٹھا کر انہوں نے چولہا لگایا تھا۔

"آپ خود نہیں جاتی؟"

فرح کا ہاتھ تھما تھا۔ وہ جیسے رک سی گئی تھی "جہاں صرف تکلیف ملی ہو میں وہاں نہیں جا سکتی۔"

انہوں نے آہستہ سے پین چولہے پر رکھا تھا

"میں آپ سے گلے ملنا چاہتی ہوں۔" مہروز ان کے نہایت قریب کھڑی ہو گئی تھی۔

فرح نے آہستہ سے چہرے کا رخ موڑ کر مہروز کو دیکھا تھا۔ان کی آنکھوں کی سطح گیلی ہو رہی تھی اور پھر انہوں نے فوراً مہروز کو خود میں بھینچ لیا تھا۔

❀❀❀

Skilities کی عمارت میں معمول کا کام چل رہا تھا۔ایونٹ کے بعد اچھی کارکردگی پر بونس ملنے پر ایمپلائز اور بھی زور و شور سے کام میں جتے ہوئے تھے۔

مہروز فیروزی چیک والی شرٹ پہنے، براؤن سویٹر پر گرم اسٹال گردن کے گرد باندھے مسلسل مسکرا رہی تھی۔اس کے بالوں کا جوڑا اور اس میں ننھی سی تتلی والا پن فرح نے لگایا تھا۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ لوگوں کو روک روک کر انہیں بتائے کہ اسے اپنی پھوپھو مل گئی ہے۔اسے بچھڑا رشتہ مل گیا ہے۔وہ نہایت خوشگوار موڈ میں تھی۔بات بات پر مسکرا رہی تھی۔

لنچ بریک میں کام سے فارغ ہو کر وہ کیفے کی طرف آئی تھی، کافی میکر میں اپنے لیے کافی بنا کر وہ کونے والی میز پر بیٹھ کر ایک بار پھر فون چیک کرنے لگی پر پریتی نے اب تک اس کا میسج سین نہیں کیا تھا۔ سر جھٹک کر اس نے بیگ سے فیروزی لنچ باکس نکالا تھا۔

(مجھے بہت شوق تھا لنچ باکس تیار کرنے کا۔ میں کالج بھی اپنا لنچ باکس لے کر جاتی تھی اور اپنا لنچ باکس خود تیار کرتی تھی۔ جب تمہیں پریپ میں داخل کیا تھا تب شروع شروع میں ہی تمہارے لنچز تیار کرتی تھی۔)

اپارٹمنٹ سے نکلتے وقت فرح نے اسے فیروزی ڈبہ پکڑایا تھا۔

ڈبہ کھولا تو آلو کے پراٹھے کی اشتہا انگیز خوشبو پورے کیفے میں پھیل گئی۔ اس کی میز کے نزدیک میزوں پر بیٹھے فراد نے بھی کن انکھیوں سے اسے دیکھا تھا۔

مہروز پراٹھے کا لقمہ مزے سے چباتے ہوئے بھرپور ذائقہ دار پراٹھے کو انجوائے کر رہی تھی ۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کافی کے کپ سے گھونٹ بھرنا چاہا تھا کہ گوری سی مردانہ جلد والا ہاتھ اسے نظر آیا جو اسی کی میز پر اپنا کافی کا کپ رکھ رہا تھا۔

مہروز نے سر اٹھا کر آدم کو دیکھا تھا جو کرسی کھینچتے ہوئے بیٹھ رہا تھا۔اس نے سفید انر شرٹ پر سرخ جیکٹ زیب تن کر رکھی تھی۔ چھوٹے بالوں کو پیچھے کی طرف برش کر رکھے تھے۔

"اچھے لگ رہے ہیں نا بال؟" ویسے پچھلا ہیئر اسٹائل اچھا تھا یا یہ والا؟ خیر آج تک کسی سے میں نے رائے نہیں لی۔اپنی مرضی کا مالک ہوں میں۔" بازو اوپر کھینچتے ہوئے اس نے ایک ادا سے بات کی تھی۔

مہروز سر جھٹک کر اپنے پراٹھے کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔آج وہ اتنی خوش تھی کہ اس کڑوے شخص کو بھی برداشت کر سکتی تھی۔

"کیا کھا رہی ہو؟ اووو۔۔۔پراٹھا۔" آدم نے پوچھے بغیر ہاتھ بڑھا کر پراٹھے کا ٹکڑا توڑا تھا۔

"ویسے مجھ سے پوچھنا چاہیے تھا کہ میں شیئر کرنا بھی چاہتی ہوں کہ نہیں؟" مہروز نے برا مناتے ہوئے کہا تھا۔

"ابھی بتایا تو ہے کہ میں اپنی مرضی کا مالک ہوں۔" گردن پیچھے کرتے ہوئے اس نے لقمہ منہ میں رکھا تھا۔جوں جوں وہ لقمہ چباتا جا رہا تھا اس کے ابرو اوپر کو چڑھ رہے تھے جیسے اسے پراٹھا بہت لذیذ لگا ہو۔

"تم نے خود بنایا ہے؟"

"نہیں۔"

"کہیں سے خریدا ہے؟"

"نہیں۔"

"پھر؟"

مہروز نے آہستہ سے لقمہ چبایا تھا۔اب وہ اتنا اہم نہیں تھا کہ اسے بتاتی کہ کس نے اس کے لیے بنایا ہے۔

"ہمم۔۔خریدا ہے۔"

"پھر پہلے انکار کیوں کیا؟"

"اف بہت سوال کرتے ہو۔"مہروز نے چڑ کر اسے دیکھا تھا۔

"سوال کیا جائے تو تم چڑ جاتی ہو؟"

"یہ کیسا سوال ہے؟"مہروز نے ابرو چڑھایا تھا۔

"سوال تو سوال ہوتا ہے چاہے بے تکا ہی سہی۔" آدم نے کندھے اچکائے تھے "میری ڈکشنری میں کوئی سوال بے تکا نہیں ہوتا۔ سوال بس سوال ہے۔"

"یہ ڈکشنری کہاں سے ملتی ہے میں اسے آگ لگا دوں۔" مہروز نے جل کر کہا تھا۔

"آدم داراک کے پاس ہوتی ہے ایسے ایرو غیروں کو نہیں بانٹتا پھرتا میں۔" اس نے ہونہہ والے انداز میں سر جھٹکا تھا اور پراٹھا کھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا کہ مہروز نے ڈبہ اپنی طرف کھینچ لیا۔

"شیم۔ بری بات ہے اپنا لنچ نا شیئر کرنا چاہیے۔" آدم نے برا مانتے ہوئے کٹا ہوا ابرو اوپر چڑھایا تھا اور کافی کی چسکی بھری تھی۔

"میری ڈکشنری میں شیم جیسا کوئی لفظ نہیں پایا جاتا۔"

"اوہ یہ ڈکشنری کہاں سے ملتی ہے میں اسے خریدنا چاہتا ہوں۔" آدم نے اشتیاق بھرے لہجے میں کہا تھا۔

مہروز اسے نظر انداز کیے لنچ باکس کے آگے ایسے ہاتھ پھیلا چکی تھی جیسے کسی خزانے پر سانپ بٹھا دیا جائے۔

"اوہ مجھے یاد آیا۔" آدم نے پر سوچ نظر آتے ہوئے ہونٹوں پر شہادت کی انگلی رکھ لی تھی "اس دن ایک چیلنج لیا تھا تم سے ٹرین میں۔ اب اس کی سزا کا وقت ہے۔"

"میں کوئی سزا اکسیپٹ نہیں کرونگی۔" مہروز اس کی طرف سے رخ موڑے پراٹھا کھاتے ہوئے کیفے میں بیٹھے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔

"انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ سو، یاد ہے فرسٹ ڈے تمہیں میری آنکھوں میں گھورنے کا چیلنج دیا تھا میں نے؟"

"نہیں اکسیپٹ کر رہی۔" مہروز نے فوراً انکار کر دیا تھا۔

"شرما گئی۔" آدم نے شرارتاً کہتے ہوئے اسے چھیڑا تھا۔

"واٹ؟" مہروز کے ابرو تن گئے تھے "میرے پاس وقت نہیں ہے۔ میں یہاں کی ایمپلائی ہوں کوئی باس نہیں۔"

"باس بھی بن جانا۔" آدم نے ذو معنی جملہ کہا تھا۔

مہروز نے اسے ناسمجھی سے دیکھا تھا۔

Clubb of Quality Content

"مطلب اتنی محنت کرو گی تو بن ہی جاؤ گی پر یہ کام والے بہانے نہیں چلے گے۔ سیدھا سیدھا کہو تم شرما رہی ہو مجھ سے۔ میری آنکھوں میں دیکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔" وہ دونوں کہنیاں میز پر رکھ کر زرا آگے جھکا تھا۔

مہروز نے ہنستے ہوئے ہاتھ جھلایا تھا اور لنچ باکس بند کر کے اب براہ راست آدم کو دیکھ رہی تھی۔

"Just five minutes, no blink.اور انعام یہ ہو گا کہ پورا ہفتہ تم مجھے نظر نہیں آؤ گے۔ مطلب ہم نہیں ملیں گے۔"

"اگر میں جیتا پھر؟" وہ جیسے بضد تھا کہ وہی جیتے گا۔

"تب بھی یہی انعام ہو گا آخر کو یہ چیلنج اور اس کی سزا بھی خود ساختہ ہے اور تمہاری بنائی ہوئی ہے۔ میں بھی تو تمہاری مان رہی ہوں نا، اب تمہاری باری۔۔"

آدم نے ناچار سر ہلا کر اس کی بات مانی تھی۔

مہروز نے جینز کی جیب سے فون نکالا تھا اور پانچ منٹ کا اسٹاپ واچ سیٹ کر کے آدم کی شہد رنگ آنکھوں میں اپنی کالی آنکھیں ڈال کر بیٹھ گئی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وہ دونوں ایک دوسرے کو اتنی محویت سے دیکھ رہے تھے کہ کیفے میں بیٹھے کتنے ہی افراد ان کی جانب متوجہ ہو چکے تھے۔نئے آنے والوں کو لگتا تھا شاید یہ دونوں لو برڈز ہیں پر پرانے پاپی سمجھ چکے تھے دونوں بت بنے اپنا چیلنج مکمل کر رہے ہیں۔

اس کی شہد رنگ آنکھوں میں کتنے ہی رنگ ابھرے تھے۔

اس کی شہد رنگ آنکھیں جیسے مسلسل مسکرا رہی تھی۔مہروز بے تاثر رہنا چاہتی تھی، آنکھیں ہٹا لینا چاہتی تھی مگر ہر بار آدم کی بات اسے یاد آ جاتی۔وہ کہے گا میں شرما گئی۔اونہوں۔

ٹھیک تین منٹ دو اسکینڈز میں آدم کی محویت ٹوٹی تھی۔وہ پلک جھپکا کر اپنی کرسی پر اچھلا تھا۔

مہروز نے تالی بجا کر کرسی سے ٹیک لگائی تھی۔ان کے قریب میزوں پر بیٹھے لوگوں نے مہروز کو سراہا تھا۔

"کس نے کیا یہ؟"آدم بڑبڑاتے ہوئے پنجوں کے بل بیٹھا اپنی کرسی چیک کر رہا تھا۔اس کی کرسی سے الیکٹرک شاک اسے لگا تھا ورنہ وہ ہار نہیں سکتا تھا۔

مہروز سینے پر ہاتھ باندھے فاتحانہ نظروں سے آدم کو دیکھ رہی تھی جو کرسی کی اوٹ میں بیٹھا اسے خشمگیں نظروں سے گھور رہا تھا جیسے اسے اپنی ہار برداشت نہ ہو رہی ہو۔

"تم نے میری کرسی کے ساتھ کچھ کیا ہے؟" وہ دانت پیستے ہوئے مہروز کو دیکھ رہا تھا۔

"میں نے کیا کیا ہے خود تم نے آنکھ جھپکائی ہے اور اب ایکٹنگ کر رہے ہو۔ فیس سیونگ، آئی نو۔" مہروز اسے تپانے والی مسکراہٹ کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔

"نہیں مجھے کرنٹ سا لگا تھا ورنہ میں ہار جاؤں۔ ناممکن۔" وہ سر نفی میں ہلاتے ہوئے اٹھا تھا۔

"اگلا پورا ہفتہ۔" اسے اٹھتا دیکھ کر مہروز نے اونچی آواز میں کہتے ہوئے اسے یاددہانی کرائی تھی۔

آدم دانت پیستے ہوئے مڑا تھا۔

❀❀❀

فری برگ پر نرم سی دھوپ پڑ رہی تھی اور فرینکفرٹ کی بہ نسبت موسم بہتر ہو چکا تھا۔ اب گرم کوٹ جیکٹس کی بجائے ہلکے سویٹر کے ساتھ بھی کام چل رہا تھا۔

پچھلا پورا ہفتہ یونی کی صفائیوں کے بعد اس ہفتے کلاسز لینے کی اجازت مل گئی تھی۔

فرح کی گاڑی فری برگ کی پتلی سی گلیوں سے گزرتی فری برگ یونی کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔

"آپ نے زحمت کی۔" ان کی کار یونی کے آگے رک چکی تھی جب مہروز نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی فرح کو دیکھ کر کہا تھا۔

"ایسی غیروں والی باتیں نہ کرو، روزے۔" فرح نے اسے چھیڑنے کے لیے اسے 'روزے' پکارا تھا اور اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

وہ براؤن بالوں کو نفیس سے جوڑے میں باندھے، جینز پر لانگ سادہ زرد شرٹ میں ملبوس تھیں۔ وہ پر وقار مسکرایا کرتی تھی۔

"اچھا لگا آپ کے ساتھ یہاں تک کا سفر۔"

"مجھے بھی۔ اب جمعرات کو آؤ گی فرینکفرٹ؟"

"جی۔"

"سیدھا میری طرف آنا۔۔۔ اللہ حافظ۔" مہروز کا ہاتھ مسکرا کر دباتے ہوئے انہوں نے چھوڑ دیا تھا۔

یونی کی کلاسز ختم ہونے کے بعد وہ پچھلے ہفتے کا رہ جانے والا لیکچر کلاس کے طلبہ سے پوچھتی پھر رہی تھی۔ایما کے ساتھ ایک ہی کلاس میں پڑھنا اس کے لیے دشوار ہوتا جارہا تھا مگر وہ خود کو بس ایک ہی تسلی دیتی تھی کہ بس یہی ایک سمیسٹر رہ گیا ہے پھر ان دونوں کا سامنا کبھی نہیں ہوگا۔

ہاسٹل پہنچتے ہی فرح کی طرف سے دیے فریزڈ کھانے کو اوون میں گرم کر کے وہ اپنے کمرے میں بیٹھی کھا رہی تھی۔اتنے وقت بعد اسے بھنڈی گوشت کھانے کو ملا تھا۔

دروازہ کھلنے پر اس نے سر اٹھایا تھا۔

پولینا کو اندر داخل ہوتا دیکھ کر مہروز کے ہاتھ سے لقمہ پلیٹ میں ہی چھوٹ گیا تھا۔اس کے ماتھے پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

"کیا ہوا یہ؟"مہروز ٹرے دائیں طرف کھسکاتی بیڈ سے اتری تھی۔

"کچھ نہیں۔میں ٹھیک ہوں۔"پولینا کا چہرہ زرد لگ رہا تھا۔وہ نظریں جھکائے اپنی بیڈ کی طرف بڑھی تھی۔

"پھر شوقیہ پٹی چڑھائی ہے کیا؟"مہروز اس کے برابر بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

پولینا نے چہرے کا رخ بائیں طرف موڑ کر مہروز کو دیکھا تھا۔ان آنکھوں میں بہت عجیب سے تاثرات تھے کہ مہروز اپنی جگہ منجمد سی ہو گئی تھی۔ جیسے وہ گلہ کر رہی ہو۔ بین کر رہی ہو۔

"وہی۔۔۔لوگ؟ وہ لوگ پھر پیچھے پڑ گئے؟"مہروز نے آہستہ سے آواز میں سوال کیا تھا۔

"وہ لوگ؟"پولینا جیسے کھو سی گئی تھی"وہ نہیں۔۔۔کوئی اور لوگ۔"

"کون؟"

"وہ جو بہت قریب ہیں۔ جن سے۔۔۔"پولینا کھڑکی سے باہر کالے نظر آتے آسمان کو کھویا کھویا سا دیکھ رہی تھی"امید نہیں ہوتی اور وہ تکلیف دے دیتے ہیں۔ایسے کہ ان سے۔۔۔بدلہ بھی نہیں لیا جا سکتا۔پتا نہیں وہ بے خبر ہوتے ہیں یا باخبر۔ معصوم ہوتے ہیں یا معصوم بننے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"کیا کہہ رہی ہو؟"مہروز نے اس کے گال کو چھوا تھا۔اس کا ٹیمپریچر بالکل ٹھیک تھا۔

"کچھ کھانے کو لاؤں؟"

"کیا اس سے میرا دل ٹھیک ہو جائے گا؟"

مہروز ٹھٹک گئی تھی۔ پولینا کی باتیں اس کی سمجھ سے باہر تھیں جیسے وہ کسی اور سے کسی اور کی باتیں کر رہی ہو۔

"اچھا لیٹ جاؤ۔" مہروز نے اٹھتے ہی اس کے کندھے پر دباؤ ڈالتے ہوئے اس لٹایا تھا اور کمفرٹر اچھے سے پھیلاتے ہوئے اس کے تکیے پر پھیل جانے والے بلانڈ بالوں کو چھو کر مڑی تھی۔

پولینا اسے مڑتا دیکھ کر آنکھیں بند کر چکی تھی۔ وہ جیسے ماضی میں غوطہ زن ہونے لگی۔

مہروز کی سائیکل میں مرجھائے ہوئے پنک لی لیز پڑے تھے جنہیں ڈسٹ بن میں گرا کر اس نے تازہ پھول خریدے تھے۔ جب مہروز فری برگ میں ہوتی تھی تو اسائیکل کے ٹوکرے میں تازہ پھول پڑے ہوتے تھے اور اس کے جاتے ہی وہ پھول آنا بند ہو جاتے تھے۔

پنک شارٹ فراک اور سفید ٹائٹس کے ساتھ کھلے بلانڈ بالوں کی ہاف پونی بنائے جس میں پنک ربن باندھے وہ پوری باربی لگ رہی تھی۔ کوئی اسے دیکھتا تو دیکھتا رہ جاتا، اس کے حسن کو دیکھ کر اللہ کو یاد کرتا کہ وہ کتنی خوبصورت مخلوق تخلیق کرتا ہے مگر اس کی قسمت۔ وہ ایسے شخص کے پاس قسمت چھوڑنے جاتی تھی جس کو اس کی قدر نہیں تھی۔

فری برگ سے زرا دور چھوٹے سے علاقے میں ڈاکٹرز کیمپ لگایا گیا تھا۔

اسائیکل کیمپس سے باہر پارک کر کے پولینا عبداللہ کو ڈھونڈ رہی تھی۔اسے دور سے ہی سفید کوٹ میں ملبوس گھنگریالے بالوں والا لڑکا نظر آگیا تھا جو ڈیسک پر بیٹھا رجسٹر سے کچھ پڑھ رہا تھا۔

"ہالو۔"پولینا نے ڈیسک کے دوسری طرف کھڑے ہوتے ہوئے شیریں لہجے میں ہالو کہا تھا۔

عبداللہ نے آہستہ سے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔اس کی آنکھوں میں ناگواری تھی جسے پولینا نے یکسر نظرانداز کیا تھا۔

"اب ایسے مت گھورو۔اتنی بڑی آنکھیں ہیں تمہاری ایسا لگتا ہے ڈوب جاؤ گی ان میں۔"اس کا دل دھڑکا تھا۔وہ تھوڑی نروس بھی لگ رہی تھی۔

"کسی کو میری مخبری پر لگا رکھا ہے؟"اس نے رجسٹر بند کر دیا تھا۔

"میں خود ہی بہت بڑی مخبر ہوں۔"پولینا اونچی آواز میں ہنسی تھی۔

"آہستہ۔یہاں صرف آپ انجوائے منٹ کے لیے آئی ہیں باقی سارے مریض ہیں یہاں۔"عبداللہ کے لہجے سے ناگواری جھلک رہی تھی۔وہ چہرہ موڑے پردے سے separate کیے بیڈ پر لیٹے مریضوں کو دیکھ رہا تھا۔

"آپ پیار سے بھی تو بات کر سکتے ہیں؟"پولینا کا دھڑکتا دل ٹوٹ رہا تھا۔

"ابھی سختی سے بات کر رہا ہوں تو یہ حال ہے پیار سے کرونگا تو نجانے کس حد تک چلی جاؤ۔"عبداللہ اسٹیتھواسکوپ اٹھاتا کھڑا ہو گیا تھا۔

"کہیں لنچ کریں؟"

"نو۔"عبداللہ نے درشتی سے انکار کیا تھا۔

"تو کیا میں مر کر دکھاؤں؟"پولینا کے لہجے میں دکھ تھا۔اس کے ہاتھ کانپنا شروع ہوئے تھے،دل چاہا تھا کہ واقعی مر جائے۔

عبداللہ نے گھبرا کر اسے دیکھا تھا۔عقل منداور صحت مندانسان اتنی آسانی سے مرنے کی بات نہیں کر سکتا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"پولینا۔"عبداللہ نے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے گہرا سانس لیا تھا"ابھی بھی وقت ہے مڑ جاؤ۔ پلیز۔"وہ جیسے بے بس لگ رہا تھا۔

"کسی اور کو پسند کرتے ہو؟"

عبداللہ اسے جواب دیے بغیر آگے بڑھا تھا۔

"کسی اور کو؟ ہاں؟"پولینا نے اس کا بازو تھام لیا تھا۔

"تماشہ مت بناؤ۔"وہ دبا دبا چلایا تھا اور اپنا بازو چھڑا کر واپس مڑا تھا۔

"ڈاکٹر ایک پیشنٹ ہیں ان کے سر پر چوٹ لگی ہے۔"نرس کی مداخلت پر پولینا سرخ آنکھیں لیے پیچھے ہٹ گئی تھی۔

سر پر چوٹ؟

پولینا نے گیلی آنکھوں کو دونوں ہاتھوں کی پشت سے صاف کیا تھا اور تیز تیز قدم اٹھاتی کیمپ سے باہر نکل آئی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کیمپ سے باہر وہ ارد گرد نظر دوڑانے لگی کہ اسے کوئی سخت چیز نظر آجائے اور اسے زمین پر اینٹ پڑی نظر آگئی تھی۔ وہ فوراً آگے بڑھی تھی اور بائیں پاؤں کی ہیل کو دونوں ہاتھوں سے زور لگا کر توڑا تھا اور زمین پر دھڑام سے گرتے ہی اس نے اپنا سر اینٹ سے ٹکرانے دیا۔ اینٹ سے ٹکراتے ہی اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ خون کی ایک لہر اس کے دائیں گال کو گیلا کرتی مٹی میں جذب ہونے لگی۔ پولینا سر کے بل لیٹی چند پل ہوش و خرد سے بیگانہ رہی۔

نجانے کتنے منٹ بعد اس کی دھندلی سی بصارت واپس آئی تھی۔ اس کی سر میں شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں کی کہنیوں پر دباؤ ڈالتی بمشکل اٹھی تھی۔ اس نے اپنا ماتھا خود زخمی کیا تھا مگر اب تکلیف برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

وہ لڑکھڑاتے ہوئے کیمپ کے اندر داخل ہوئی تھی اور ارد گرد نظر دوڑانے لگی کہ اسے ایک نرس ٹرے پکڑے ڈیسک کی طرف چلتی دکھائی دی۔

"سنو، میرا ماتھا۔" اس نے اپنا خون آلود ماتھا نرس کو دکھایا تھا۔

"اوہ۔ آؤ۔" نرس ڈیسک پر ٹرے چھوڑ کر اسے بازو سے تھامے قریب بنے کمپارٹمنٹ میں کرسی پر بٹھا کر مڑنے والی تھی کہ پولینا نے اس کی کہنی تھام لی تھی۔

"مجھے ڈاکٹر عبداللہ سے پٹی کرانی ہے۔"

"مگر اس کی پٹی تو میں بھی کر سکتی ہوں۔" نرس نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔

"نہیں تم نہیں، پلیز۔"

"مگر۔"

پولینا نے فوراً ہینڈ بیگ کھول کر چند یوروز نکال کر اس کی طرف بڑھائے تھے" سمجھو تم نے پٹی کر لی اور یہ اس کی ٹپ ہے۔ پلیز۔" پولینا نے ہاتھ جوڑتے ہوئے اس کی منت کی تھی۔

نرس یوروز پکڑے مڑی تھی۔

پولینا اپنی کہنیوں اور گھٹنے پر چپکی مٹی اور پتوں کو دیکھ رہی تھی جب عبداللہ پردہ ہٹا کر اندر داخل ہوا تھا۔ پولینا کا خون آلودما تھا اور جسم سے چپکی مٹی دیکھ کر وہ اپنی جگہ رک گیا تھا۔

"رک کیوں گئے ہو؟ پٹی کرو میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔" پولینا نیلی آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔

عبداللہ گہرا سانس بھرتا آگے بڑھا تھا اور اس کے پیچھے ہی نرس بھی اندر داخل ہوئی تھی۔

"تم جاؤ۔" نرس سے ٹرے لے کر اس نے میز پر رکھا تھا اور قریب رکھی کرسی کو پولینا کے قریب رکھتے ہوئے وہ بیٹھا تھا۔

"میں جانتا ہوں یہ چوٹ خود ساختہ ہے۔" عبداللہ نے براہ راست اپنی بڑی آنکھیں اس کی نیلی آنکھوں میں ڈالی تھیں۔

اس کے اچانک بوجھنے پر پولینا گڑبڑا گئی تھی۔

"نہیں۔ یہ دیکھو۔" پولینا نے اسے دائیں پیر کی جوتی دکھائی تھی جس کی ہیل ٹوٹی ہوئی تھی "ہیل ٹوٹ گئی تو۔۔۔ توازن نہ رکھتے ہوئے میں گر گئی اور سر اینٹ سے جا ٹکرایا۔ کتنے منٹ تو میں بیہوش رہی ہوں۔" پولینا نے تکلیف میں ہونے کی کچھ زیادہ ہی ایکٹنگ شروع کر دی۔

"ہیل ٹوٹی اور تم منہ کے بل گر گئی؟ واؤ۔ بیوقوف کسے بنا رہی ہو؟ یہ ہیل اتنی اونچی نہیں ہے کہ اس کے ٹوٹنے سے تم اتنی زخمی ہو جاؤ اور آج بارش بھی نہیں ہوئی کہ کہا جائے کہ پاؤں گیلی مٹی میں پھنس گیا تھا اسی لیے تم منہ کے بل گری اور اتنی شدید زخمی ہو گئی۔ میرے مطابق تمہارا بایاں یا دایاں ماتھے کا حصہ زخمی ہونا چاہیے تھا مگر یہ چوٹ مجھے خود ساختہ لگ

رہی ہے۔"عبداللہ جیسے اس پر یقین نہیں کرنا چاہتا تھا اور ٹرے سے کاٹن نکال کر زرا سا آگے جھکا تھا اور پولینا کے ماتھے پر جمنے والے خون کو صاف کرنے لگا۔

پولینا کا دل یک دم ہی دھڑکا تھا۔اسے عبداللہ کی سانسوں تک کی آواز سنائی دے رہی تھی۔وہ عبداللہ کے ٹھنڈے ہاتھ کا لمس اپنے ماتھے پر محسوس کرتے مسکرا رہی تھی۔اس کے ماتھے کی پھٹی جلد میں جلن محسوس ہو رہی تھی پر اسے یہ تکلیف بھی خوشی دے رہی تھی۔

عبداللہ اسے نظر انداز کیے خراب کاٹن دوسری ٹرے میں رکھے صاف کاٹن پر دوائی ڈالنے لگا۔

"کیا تم پر بہت سی لڑکیاں مرتی ہیں جو تم اتنے مغرور ہو؟"

"میں مغرور نہیں ہوں بس میں نے اپنی لمٹس بنائی ہوئی ہیں۔ Is that a bad thing?"عبداللہ نے چہرہ موڑ کر ابرو اچکا کر اسے دیکھا تھا۔

"پر ان لمٹس نے میرا بڑا دل دکھایا ہے۔"

عبداللہ نے اس کے ماتھے پر دوائی رکھی تھی۔پولینا نے ماتھے کی پھٹی جلد میں جلن کے باعث ہلکی سی سسکاری لی تھی۔

"پولینا۔" عبداللہ نے اسے نرم لہجے میں مخاطب کیا تھا۔

یہ نرم لہجہ اس نے پہلی دفعہ سنا تھا۔اس کا دل جھوم جھوم اٹھا تھا۔وہ دوائی کی جلن بھلائے یک ٹک عبداللہ کے چہرے پر آجانے والی نرمی کو دیکھنے لگی۔

"میں انسان ہوں اور میرا اپنے دل پر کچھ اختیار ہے۔میں اپنی زندگی میں کچھ فیصلے لینے کا اختیار رکھتا ہوں اور تمہاری محبت قبول نہ کرنا انہیں اختیارات میں سے ایک ہے۔تم اچھی لڑکی ہوں میں انکار نہیں کرتا لیکن کیا تمہاری زندگی میں آنے والے ہر مرد کی محبت کو تم نے قبول کیا؟" وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا"میں تمہاری فیلنگز کی ریسپیکٹ کرتا ہوں پر میں تمہارے لیے وہ احساسات نہیں رکھتا جو تم رکھتی ہو میرے لیے۔مجھے گنہگار مت کرو۔میں تمہارا دل نہیں توڑنا چاہتا پر یہ میری لاسٹ وارننگ ہے اور تم سے بہت عزت سے مخاطب ہوں کہ پیچھے ہٹ جاؤ۔میں سراب ہوں تمہارے لیے میرے پیچھے مت بھاگو۔اگر تم پھر بھی باز نہ رہی تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔تمہیں کبھی نظر نہیں آؤنگا۔محبوب نظروں سے اوجھل ہو جائے تو حُب میں کچھ کمی آجاتی ہے۔"

"تمہاری زندگی میں کوئی ہے؟" پولینا نے کانپتی آواز کے ساتھ بے ساختہ پوچھا تھا۔اس کا دل کرچی کرچی ہو رہا تھا۔

عبداللہ اسے جواب دیے بغیر اٹھا تھا۔

"مہروز۔"

پولینا کے الفاظ نے عبداللہ کے قدم زنجیر ہوئے تھے۔پولینا نے جیسے اس کے دل میں گونجنے والے نام کو پڑھ لیا تھا۔

مہروز کے نام پر اس کا یوں ٹھہر جانا پولینا کو حسد کے جذبات سے دوچار کر گیا تھا۔وہ عبداللہ کی پشت کے گھنگریالے بال دیکھ رہی تھی۔

"تمہاری زندگی میں مہروز ہے، ہے نا؟اس رات۔"

وہ آگے بڑھنے والا تھا کہ پولینا فوراً سے بولتے ہوئے کھڑی ہوگئی تھی "جب اس کے ماتھے پر معمولی سی چوٹ آئی تھی تو تم نے اس کی پٹی کی تھی اسے ہاسٹل بھی خود ڈراپ کیا تھا۔اس کے بیگ کے لیے پریشان تھے تم۔مجھے شدید جلن ہوئی تھی اس سے پر میں صرف ایک بار

Clubb of Quality Content

تمہارے منہ سے سننا چاہتی تھی But your face says it all۔" پولینا نے ہاتھ کی پشت سے بائیں گال پر پھسلنے والے آنسو صاف کیے تھے۔

وہ جس بات سے خوفزدہ تھی، تصدیق چاہتی تھی وہ خود سچ نکلا تھا۔

"نرس پٹی کر دے گی تمہاری۔" وہ صرف اتنا ہی کہہ سکا تھا اور فوراً پردہ ہٹا کر خیمے سے باہر نکلا تھا۔

پولینا ہچکیاں لیتے ہوئے واپس کرسی پر بیٹھی تھی۔ یہ خون اسکے ماتھے سے نہیں دل سے رس رہا تھا جو زیادہ تکلیف دہ تھا۔

اسے مہروز اب پہلے سے بھی زیادہ کھٹکنے لگی تھی۔

اب شاید وہ اور مہروز پہلے جیسے نا رہیں۔ اب ان کے درمیان عبداللہ آچکا تھا۔

انگلش ڈیپارٹمنٹ میں ماسٹرز کے لڑکے کی دھوپ مچ گئی تھی بلکہ انگلش بھی نہیں پوری یونیورسٹی میں۔ وہ کیفے جاتا تو سب ایک نظر اٹھا کر اسے ضرور دیکھتے تھے، لائبریری جاتا تو کتابوں اور لیپ ٹاپس سے سر اٹھا کر اسے محویت سے دیکھتے۔

اس کے بال ایسے تھے جیسے رینبو ہو۔ کونسا رنگ نہیں تھا جو اس نے بالوں میں نہیں لگایا تھا۔ گردن اور کہنیوں تک ہاتھ ٹیٹوز سے بھرے ہوئے تھے۔

وہ شرٹس نہیں جیسے پیپر بیگز یا نیوز پیپرز کاٹ کر بنائی گئی شرٹس ہو جیسے ابھی میٹ گالا میں اس کی انٹری ہونی ہے۔

جوتے چاندی کے ورق جیسے چمکیلے اور کونسی جیولری تھی جو اسنے نہیں پہن رکھی تھی۔ ناک، کان، ہونٹ، ابرو، انگلیاں اور کلائیوں میں اس نے عجیب و غریب جیولری پہن رکھی تھی۔

جب وہ پہلی دفعہ منگل کے دن کلاس میں داخل ہوا تھا تو کلاس کا کوئی ایک طالب علم نہیں تھا جو حیران نا ہوا ہو۔ سب کے منہ بس زمین سے لٹکنے والے تھے۔

میم شارلٹ اسے دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی تھی۔ جب وہ لڑکا اپنی سیٹ پر بیٹھا تب جیسے کوئی طلسم ٹوٹا تھا۔

"میں کس پوائنٹ پر تھی؟" میم شارلٹ بوکھلائی ہوئی سی تھی جیسے کوئی عجوبہ دیکھ لیا ہو۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"کہ اگلے میٹ گالا میں کیا تھیم رکھا جائے گا؟" ایک طالب علم نے نئے آنے والے طالب علم کے حلیے پر چوٹ کیا تھا۔

"ہاں میٹ گالا۔" میم نے دہرایا تھا اور پھر خود ہی ہڑبڑا کر ہنس دی "naughty" پوری کلاس میں قہقہ گونج اٹھا تھا۔

کلاس سے باہر سب ایک دوسرے سے نئے آنے والے کا پوچھ رہے تھے۔ سب کی سمجھ سے بالاتر تھا کہ جب یہ سمیسٹر ختم ہونے میں ایک مہینہ باقی ہے تو نئے طالب علم کی انٹری کچھ سمجھ نہیں آتی۔

بدھ کے روز وہ ایسا جیکٹ پہن کر آیا تھا کہ اس سے لٹکی چیز آپس میں ٹکراتی آواز پیدا کرتی تھی۔

"تمہیں آج کی کلاس میں یہ جیکٹ نہیں پہننی چاہیے تھی۔" ایک لڑکے نے مڑ کر اسے برادرانہ مشورہ دیا تھا۔

"کیوں؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"تھیوری کے سر شور پسند نہیں کرتے، ہم ان کی کلاس میں روبوٹ بن کر بیٹھتے ہیں ایسے۔" اور اس لڑکے نے سانس روک کر اسے روبوٹ بن کر دکھایا تھا۔

کلاس میں بیٹھے سارے طلبہ اسے ہی شوق سے دیکھ رہے تھے۔

"نام کیا ہے تمہارا؟" ایما نے مسکرا کر اس سے پوچھا تھا۔

"Freepink۔"

کلاس میں بہت سے طلبہ نے تعجب سے اس کا نام دھرایا تھا 'فری پنک' اور ان میں مہروز بھی شامل تھی۔ وہ گردن موڑے اس عجوبے کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ کیسا نام ہوا؟" اس کے برابر والی رو میں بیٹھے لڑکے نے ابرو اچکایا تھا۔

"میرے نزدیک ناموں کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ مجھے جو لفظ اچھا لگتا ہے اس کو ملا کر میں اس کا نام بنا لیتا ہوں۔" بائیں گھٹنے پر دایاں ٹانگ رکھ کر اس نے ایک ادا سے کندھا ہلایا تھا۔

"فری پنک کا مطلب ہم ایسے بھی لے سکتے ہیں کہ پنک کلرز زیادہ تر لڑکیاں استعمال کرتی ہیں اور اسے associate بھی لڑکیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے سو ہم کہہ سکتے ہیں کہ لڑکیوں کو

آزاد کروا سپیشلی ایسٹ کی اسپیشلی پاکستان کی۔ Free Pakistani Oppressed Pinks۔" اپنی بات کے اختتام پر ایما نے قہقہہ لگایا تھا۔

اس کے چند ساتھیوں نے اس کے قہقہے میں ساتھ دیا تھا جبکہ باقی طالب علم کلچر ویک میں ہونے والی جنگ عظیم کو یاد کر کے خاموش رہے مبادہ پھر سے جنگ نا چھڑ جائے۔

مہروز خود پر ضبط کرتی ایما پر ایک ناگوار نظر ڈالتی ڈائس کی طرف مڑی تھی۔ فری پنک نے مہروز کا ضبط سے سرخ پڑتا چہرہ دیکھ لیا تھا۔

کلاس کے دروازے پر ہونے والی دستک سنتے ہی سب چہرہ موڑ کر بت بن چکے تھے سوائے فری پنک کے۔

سرجوش معمول کے مطابق اولیو گرین ٹرٹل نیک پر سفید مفلر باندھے، زرد عینک لگائے اپنا لیپ ٹاپ بغل میں دبائے داخل ہوئے تھے۔

لیپ ٹاپ ڈیسک پر رکھ کر وہ اسے کھول رہے تھے جب کلاس میں 'چپ چپ' کی آواز آنا شروع ہوئی اور کلاس کی مقدس خاموشی ٹوٹ گئی تھی۔

سر جوش نے سر اٹھا کر کلاس پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی اور سب سے پچھلی رو میں بیٹھے رنگ برنگے عجوبے پر نظر پڑی تھی جو چیونگم چباتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"آپ کس ائیر کے طالب علم ہیں؟"

"2023 کا۔" اس کے برجستہ جواب پر بہت سے طلبہ نے لبوں پر امڈ آنے والی مسکراہٹ کو روکا تھا۔

"کیا آپ اس سبجیکٹ کو امپروو کر رہے ہیں؟" سر جوش نے بمشکل ضبط کرتے ہوئے اس سے دوسرا سوال کیا۔

"نہیں پروو کر رہا ہوں۔" چیونگم کا غبارہ بنا کر پھاڑتے ہوئے اس نے ایک نیا شگوفہ چھوڑا۔

کچھ طلبہ اب بھی ہنسی کو قابو میں رکھنے میں کامیاب رہے پر کچھ طلبہ ناکام ہوتے ہوئے ہنس دیے تھے۔

سر جوش اس پر ایک ناگوار نگاہ ڈالتے ہوئے آج کا لیکچر شروع کر چکے تھے۔

ہر تھوڑی دیر بعد سر جوش اس پر نگاہ ڈالتے تو وہ ٹانگ ہلاتا ہوا پایا جاتا کبھی، غبارے پھاڑتے ہوئے۔ وہ جیسے ٹک کر نہیں بیٹھ پا رہا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

فری پنک اپنے ڈیسک پر زرا ساجھکا تھا اور اپنے سے آگے بیٹھی لڑکی کا کندھا شہادت کی انگلی سے بجایا تھا۔

لڑکی نے مڑے بغیر کمر زرا سی پیچھے کی تھی جیسے کہہ رہی ہو بتاؤ کیا بات ہے۔

"تمہارے سر میں بہت جوئے ہیں۔ کیا نہاتی نہیں ہو؟ یخ۔"

لڑکی یک دم سیدھی بیٹھ کر بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ سر جوش کی سخت نظر کی پرواہ کیے بغیر وہ ان سیکیور ہوتی بالوں کی نوکوں کو کھینچنے لگی جیسے بال اکٹھے ہو کر اسکے ہاتھ میں گر پڑے گے اور وہ بیٹھے بیٹھے تصدیق کر لے گی آیا اس میں جوئے ہیں کہ نہیں۔

"شش۔" اپنے بائیں طرف بیٹھے جرمن لڑکے کو انگلی کا اشارہ کرتا وہ زرا جھکا تھا۔

"تمہارے جو گرز کے پاس سے چھپکلی گزرتی ہوئی تمہارے بیگ میں گھس گئی ہے۔"

چھپکلی کے نام پر وہ کرسی پر اچھلا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے پیچھے؟" سر جوش کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔

"سر۔۔ سر وہ۔" لڑکے کے چہرے کا رنگ ہلدی جیسا ہو رہا تھا" میرے بیگ میں چھپکلی ہے۔" اس نے اپنی طرف سے دھماکا کیا تھا مگر کلاس میں سکوت چھایا رہا۔ سب واقعی بت تھے۔

"تو؟"

"ایما پلیز میرا بیگ چیک کر لو۔" وہ خوف سے لرز رہا تھا۔

فری پنک ٹانگ پر ٹانگ رکھے کلاس کی خاموشی کو ٹوٹتا دیکھ کر محظوظ ہو رہا تھا۔

"وہ کیوں چیک کرے؟"

"مجھے ڈر لگتا ہے۔" اس نے اتنی معصومیت سے کہا تھا کہ ساری کلاس قہقہہ لگا بیٹھی تھی۔

سر جوش دانت پیستے ہوئے فری پنک کو دیکھنے لگے جو کرسی کی پشت پر ہاتھ پھیلائے شرارتی مسکراہٹ لبوں پر سجائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"آپ۔"

"میں؟" فری پنک نے سینے پر شہادت کی انگلی رکھی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"جی آپ۔اس کا بیگ پکڑے اور باہر جائے۔بلکہ دونوں جائے اور وہاں چھپکلی ڈھونڈے۔ تین اسکینڈز کے اندر۔"

سر جوش نے دائیں ہاتھ کی تین انگلیاں پھیلالی تھی۔

"تین اسکینڈز تو مجھے اٹھنے میں لگ جائے گے۔"فری پنک انگڑائی لیتے ہوئے آہستہ آہستہ اٹھ رہا تھا۔

"ون۔"

"چلو دوست۔"

"ٹو۔"

"سوری سر اس میں چھپکلی ہی ٹھیک ہے۔"وہ کلاس سے نکالے جانے پر بوکھلا کر بس رو دینے کو تھا۔

"تھری۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"چلو بھائی گنتی ختم ہوئی۔ میں بیٹھ جاتا ہوں سر۔" وہ ہاتھ جھاڑتا بیٹھ گیا" جس کا بیگ تلاشنا تھا اس میں تو ہمت ہے نہیں کلاس چھوڑنے کی میں کیا کرو گا اکیلے باہر۔"

سچویشن اتنی مضحکہ خیز تھی کہ تھیوری کی بورنگ سی کلاس آج سب انجوائے کر رہے تھے۔

سر جوش دانت پر دانت جمائے فری پنک کو چند لمحے گھورتے رہے۔

"میں آج کی سلائیڈز شیئر کر دونگا۔ باقی کا ٹاپک خود پڑھ لیجیے گا۔" لیپ ٹاپ بند کر کے وہ کلاس ادھوری چھوڑ چکے تھے۔

سب حیرانی سے انہیں کلاس سے باہر نکلتا دیکھ رہے تھے۔ ان کے نکل جانے کے بعد بھی کلاس میں سکتہ ساطاری تھا۔ سر جوش اور ایک اسٹوڈنٹ کی وجہ سے کلاس ادھوری چھوڑ گئے۔ واہ۔۔۔

سب نے ایک ساتھ چہرہ موڑ کر حیرانی سے فری پنک کو دیکھا تھا جس نے کندھے اچکائے تھے جیسے کہہ رہا ہو میرا کیا قصور۔

"تم ہر بدھ آسکتے ہو؟" جرمن لڑکے نے حیرانی کے بت کو توڑا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"نہیں ہر بدھ نہیں ہر کلاس میں۔ ہماری ہر کلاس کتنی امیزنگ گزرے گی۔" ایما نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔

"سرجوش سے ہمارا جلد پیچھا چھڑانے پر میری طرف سے ہائی ٹی۔"

چائینیز لڑکے کی فراخ آفر پر فری پنک اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"آئی ایم ریڈی۔"

"وہ میرے بیگ سے چھپکلی تو نکال دو۔" جرمن لڑکا روہانسا ہو رہا تھا۔

"چھپکلی؟ کونسی چھپکلی؟ فری پنک اس کی بات کا مذاق اڑاتا آگے بڑھ گیا تھا۔

مہروز اس عجوبے کو کلاس کی فوج کے ساتھ نکلتا ہوا دیکھ کر خود بھی اٹھی تھی۔

وہ آج پورے دو گھنٹے سرجوش اور ایونٹ والے کا موازنہ کرتی رہی۔ وہ سرجوش کی طرف سے مشکوک ہو چکی تھی۔

"تم ہی نکال دو۔"

مہروز اپنا بیگ اٹھائے کلاس سے نکلنے والی تھی کہ اپنی پشت پر اسے گھبرائی ہوئی سی آواز آئی۔

"وہ بیوقوف بنا رہا تھا تمہیں۔اللہ۔ایسے پاگل بھی موجود ہیں دنیا میں۔"

مہروز آنکھوں کو گول گھماتی کلاس سے باہر نکل چکی تھی۔

❀❀❀

فری برگ سے فرینکفرٹ تک اس نے ریش ڈرائیونگ کی تھی۔

اس کی نیوی بلیو اسپورٹس کار مین ریور سے گزرتی رہائشی عمارتوں کی طرف بڑھ چکی تھی۔وہ گاڑی پارک کرتے ہی عمارت میں داخل ہو چکا تھا اور لفٹ میں داخل ہو کر گیارہویں فلور کا بٹن دبا چکا تھا۔

لفٹ گیارہویں فلور پر رک چکی تھی۔وہ تیز تیز قدم اٹھاتا لمبی سی راہداری عبور کر رہا تھا۔اس کے قریب سے گزرنے والے لوگ اس کے چہرے کے تنے اعصاب دیکھ کر اندازہ لگا سکتے تھے کہ وہ کسی سے ملنے کے لیے بے تاب ہے یا شاید دانت توڑنے کے لیے۔

مطلوبہ اپارٹمنٹ کے دروازے کی کی ہول میں اپنا کارڈ اسکین کرتے ہی دروازہ کھل چکا تھا اور وہ اندر داخل ہوا تھا۔

اپارٹمنٹ کی تمام بتیاں گل تھی۔

اس نے سوئچ بورڈ ڈھونڈ کر بتیاں جلالی تھی۔

نفیس اور پر تعیش اپارٹمنٹ کا بیڑا غرق ہوا پڑا تھا۔ گندے کپڑے، کھانے کے بعد رہ جانے والے کئی دنوں کے برتن جا بجا صوفوں پر فرش پر بکھرے پڑے تھے۔

وہ لاؤنج میں دائیں بائیں ٹہلتے ہوئے اس کا انتظار کرنے لگا۔

ایک گھنٹہ۔۔۔

دو گھنٹہ۔۔۔

اسے انتظار کرتے ہوئے چھ گھنٹے ہو چکے تھے اور وہ اب تک واپس نہیں آیا تھا۔

Clubb of Quality Content

صبح کے چار بج رہے تھے جب وہ سیٹیاں بجاتا ہوا اپنے اپارٹمنٹ کے کی ہول میں کارڈ اسکین کرتا داخل ہوا تھا۔

اپارٹمنٹ میں کھڑکیوں سے اندر آتی ہلکے نیلے آسمان کی روشنی پھیل رہی تھی۔

وہ سوئچ بورڈ پر ہاتھ مار کر ایک ساتھ تمام بتیاں جلا چکا تھا اور چھن چھن کرنے والی جیکٹ صوفے پر پھینکتے ہی خود بھی آڑھا ترچھا لیٹ گیا تھا۔

وہ آنکھیں مونڈے آرام کر رہا تھا جب کسی نے اس کے منہ پر تکیہ رکھا تھا۔

وہ مچھلی کی طرح مچل مچل کر منہ سے تکیہ ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا، لڑ رہا تھا پر ہار رہا تھا۔ تکیے پر دباؤ زبردست تھا اور اسے اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی' دم گھٹ رہا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے دوسرے شخص کی کلائیاں تھام رکھی تھی۔

وہ مزید مزاحمت کے قابل نہیں رہا تھا جب تکیہ یک دم ہٹا تھا۔ رکی سانسیں اسے پھنس پھنس کر آ رہی تھی۔ وہ آنکھوں میں جمع ہونے والی پانی سے دھندلی بصارت کے ساتھ سامنے کھڑے لڑکے کو دیکھ رہا تھا جو کمر ہاتھ رکھے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"کمینے۔" اس نے خراب سی آواز میں اسے اردو میں گالی دی تھی۔ یہی تین چار گالیاں اس نے سیکھی تھی بس۔

اس کا سانس ابھی بھی بحال نہیں تھا پر وہ اسے مزید گالیاں دینا چاہتا تھا جو سامنے صوفے پر ٹانگ ٹانگ رکھ کر بیٹھ چکا تھا۔

"کمینگی تم نے دکھائی یا میں نے۔" وہ اب ریلیکس نظر آ رہا تھا۔

Clubb of Quality Content

اس نے ٹراؤزرز کے ساتھ سفید کھلی سی شرٹ پہن رکھی تھی۔اس کے بال ہلکے ہلکے سے گھنگریالے تھے۔چہرہ کلین شیوڈ تھااور رنگت گندمی سی تھی۔بڑی سی آنکھیں کالی نہیں براؤن تھی۔

"چھوٹاساپرینک ہی کیاتھا۔"آدم صوفے پر سیدھابیٹھ گیاتھا۔اس کاچہرہ ابھی تک سرخ تھا۔وہ گلے پرہاتھ پھیرتے ہوئےاسے خونخوار نظروں سے گھوررہاتھابلکہ بدلے کی آگ میں زیادہ جل رہاتھا۔

"اسے پرینک کہتے ہو؟میرا مذاق بناڈالا؟کتنی مشکلوں سے عزت بنائی تھی اپنی۔"اس نے افسوس سے سر جھٹک کر کھڑکیوں کی طرف نظر موڑدی تھی۔

"بچوں پر غصہ نکال کراوریوں چہرہ بناکر"اس نے سرجوش کے بہروپ کی نقل اتاری تھی"جیسے چہرے کے زاویے گلو سے چپکائے ہو بچے خوفزدہ تو ہو سکتے ہیں پر عزت نہیں کر سکتے،عزت معاب اذہان۔"آدم اس کامذاق اڑاتے ہوئےاٹھاتھا۔

"اچھاایک ہی مہینہ رہ گیاہے سمیسٹر ختم ہونے میں اسے خراب مت کرو۔"

"بہروپ بدلنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ چلو باقی روپ دھارنا ہمارے جاب کا پارٹ ہے یہ کھڑوس پروفیسر بننے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ سر جھٹکتے ہوئے فریج کھول کر جھکا تھا۔

"میرا خواب تھا کھڑوس پروفیسر بننا۔"

"پھر میرا بھی خواب ہے کھڑوس پروفیسر کا شرارتی اسٹوڈنٹ بننا۔" آدم نے اسکی طرف کین اچھالی تھی۔

"اس بار چھوڑ دیا اگلی بار تکیہ ہٹاؤ نگا ہی نہیں۔" اس نے کین کیچ کرتے ہوئے وارننگ دی تھی۔

"اپنی باری کا انتظار کرو بس۔"

آدم اسے منہ چڑا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔

"وعدہ کرو اگلی کلاس میں نہیں آؤ گے۔" اسے کمرے کا دروازہ بند کرتا دیکھ کر اذہان نے اونچی آواز میں اس سے وعدے کی اپیل کی تھی۔

"پہلے کہو پلیز۔" دروازے کی درز سے زرا سا چہرہ نکال کر آدم نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائی تھی۔

اذہان لب بھینچے اب ایک اور بدلہ لینے کے لیے پر تول رہا تھا۔

❁❁❁

اسکلیٹیز میں کام کم ہونے کے باعث مہروز اوور ٹائم بھی نہیں لگا رہی تھی۔

ہاتھوں میں شاپرز پکڑے مہروز فرح کے اپارٹمنٹ کے سامنے کھڑی تھی جب فرح نے دروازہ کھولا تھا۔

فرح کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"کیا ضرورت تھی ان پھلوں کی؟" مہروز کچن کاؤنٹر پر پھل رکھ رہی تھی جب فرح نے دوبارہ وہی سوال دہرایا تھا۔

"میں اپنی مرضی اور محبت سے لائی ہوں۔ کیا پکا رہی ہیں؟" سویٹر کی جیب سے فون نکالتے ہوئے مہروز چھلانگ لگا کر کاؤنٹر پر بیٹھ گئی تھی۔

"بس مصالحے کو گوشت لگا لیا ہے۔ بریانی اور کباب بنائے ہیں۔ ویسے مچھلی کا بھی دل کر رہا ہے۔" فرح لیپ ٹاپ گود میں رکھتے ہوئے صوفے پر بیٹھ رہی تھی۔

"شامل کر لیتے ہیں پھر۔" مہروز نے کچھ ٹائپ کرتے ہوئے مصروف سے انداز میں کہا تھا۔

"بس تم نے چالاکی سے مورے اور بے بے کو اپنے گھر بلانا ہے۔" اس نے حسیب کو ٹائپ کر کے بھیجا تھا اور ایک نظر فرح پر ڈالی تھی۔

"نہیں کیا تو؟" دوسری طرف سے منہ چڑانے والا ایموجی بھی ساتھ بھیجا گیا تھا۔

"پھر میں انکل کو بتادونگی کہ تمہارے ایک سبجیکٹ میں اسپلی آئی ہے اور اس کی فیس تم نے مجھ سے لی ہے۔" مہروز نے بھی اسے چڑانے والا میسج بھیجا تھا۔

"کیوں مسکرا رہی ہو؟" فرح کی آواز اسے بہت قریب سے آئی تھی۔

مہروز نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔

"نہیں کچھ نہیں۔ میں آتی ہوں۔" وہ فون وہی کاؤنٹر پر چھوڑ کر کمرے کی طرف گئی تھی۔

واش روم کے آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے مہروز ہاتھ دھونے کے بعد گیلے ہاتھ جھاڑتے ہوئے بازو اوپر اٹھا چکی تھی۔ قمیض کے بازو اوپر چڑھا کر کہنی سے اوپر کا حصہ دیکھنے لگی جہاں کچھ دنوں پہلے ہی نئے داغ نکلے تھے۔ اس نے یاسیت سے بازو واپس کھینچ لیے تھے۔ اسے دو سال بعد نئے داغ نکلے تھے۔ اسے بس ایک ہی چیز دکھ میں مبتلا کرتی تھی کہ یہ داغ چہرے اور ہاتھوں پر نا پھیلے۔ چہرہ سب دیکھتے تھے، وہ گھٹنوں اور کہنیوں کو تو چھپا لیتی تھی مگر چہرہ

کیسے چھپائے؟ وہ کوشش کر کے بھی اس بیماری کے ساتھ رہنا سیکھ نہیں پا رہی تھی۔ وہ گہرا سانس بھر کر واش روم سے نکلی تھی۔

❀❀❀

جرار خان کے گھر میں رات کے کھانے کی تیاری چل رہی تھی۔

جرار اور بے بے ٹی وی کے سامنے بیٹھے سیاسی شو دیکھتے ہوئے اپنا تبصرہ کر رہے تھے جبکہ یاسمین کچن میں کھڑی پیاز کاٹ رہی تھی جب گھنٹی سنائی دی تھی۔

رات کے وقت بجنے والی گھنٹی پر سب اپنی اپنی جگہ حیران ہوئے تھے پر تھوڑی دیر بعد ہی حسیب کی آواز سنتے ہی یاسمین کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ چھلے ہوئے پیاز کاؤنٹر پر چھوڑ کر وہ فوراً کچن سے باہر نکلی تھی۔ اس بار ان کا پکا ارادہ تھا کہ وہ جرار سے پہلے مہروز کا فون اٹھائے گی۔

"چلیں آنٹی۔" حسیب کمر پر ہاتھ رکھے آنٹیوں کی طرح ٹی وی کے سامنے کھڑا تھا۔

"کہاں؟" یاسمین پریشان سی ہو گئی تھی۔

"میرے گھر۔"

"کیوں بھئی؟" جرار نے مسکرا کر اس کے کھڑے ہونے کے انداز کو دیکھا تھا۔

"دنبہ لایا ہوں میں۔ آپ سے بہتر مصالحہ تو لگا ہی نہیں سکتا کوئی۔ چلیں نا پلیز۔ بے بے آپ بھی۔" وہ جیسے عجلت میں تھا۔

"میں کیا کرو گی اسے لے جاؤ۔" سلیمان جان کا اٹھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

حسیب کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ سر پیٹ ڈالے۔ ادھر مہروز اسے دھمکیاں دے رہی تھی اور ادھر سلیمان جان کا اٹھنے کا ارادہ نہیں لگ رہا تھا۔

"پلیز نا۔ آنٹی۔" حسیب جرار کی طرف پشت کرتے ہوئے یاسمین کو آنکھوں سے اشارہ کرنے لگا۔

یاسمین ہونق بنے اس کے اشارے دیکھ رہی تھی۔

حسیب نے ماتھے کو پیٹ ڈالا تھا۔

"بس اٹھے میں نہیں سن رہا کچھ۔" حسیب فوراً سے آگے بڑھا تھا اور سلیمان جان کو کہنی سے پکڑ کر اٹھانے لگا۔

"آئے ہائے۔آہستہ سے اٹھاؤ بوڑھی عورت ہوں۔"

"کہاں سے بوڑھی ہیں ابھی تو آپ نے میرے لیے لڑکی ڈھونڈنی ہے۔"حسیب شرارتاً کہتا انہیں کہنی سے تھامے آگے بڑھ رہا تھا"انکل تھوڑی دیر میں آجائے گی یہ دونوں۔"

"خیر ہے آرام سے آنا۔" جرار ریموٹ اٹھاتے صوفے پر بیٹھے تھے۔

"کوئی اور ہی چکر لگ رہا ہے آنٹی۔ کہہ رہے ہیں آرام سے آنا۔ نظر رکھے ہینڈسم بھی بہت ہیں نا۔"حسیب یاسمین کی طرف جھکے اونچی آواز میں شرارتاً کہتے انہیں چھیڑ رہا تھا۔

"بد تمیز۔" جرار نے ہنستے ہوئے اس کی پشت دیکھی تھی۔

"خیریت ہے؟ یہ آنکھیں کیوں مٹکا رہے تھے؟"گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے یاسمین نے حسیب کا کان پکڑا تھا۔

"آپ کی بیٹی نے کال کی کرنی ہے اور بات صرف آپ دونوں سے کرنی ہے نا۔"حسیب نے آہستہ سے اپنا کان ان کے ہاتھ سے چھڑایا تھا۔

"ایسی کیا بات ہو سکتی ہے کہ اس نے رازداری سے بلایا ہے ہمیں؟"سلیمان جان نے پریشانی سے اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں یاسمین کا چہرہ دیکھا تھا۔

"خود پوچھ لیجیے۔" حسیب ان کے لیے گیٹ کھولتا ایک طرف کھڑا ہو گیا تھا۔

❁❁❁

کچن سے مصالحے دار چکن کے بھوننے کی خوشبو مہروز کے نتھنوں سے ٹکرائی تھی تو کچھ دیر پہلے کا دکھ مدہم سا ہو گیا تھا۔

فرح براؤن بالوں کو جوڑے میں باندھے، رف سے جینز شرٹ میں ملبوس ماہر شیف لگ رہی تھی جو ایک ساتھ کئی ڈشز بنا رہی تھیں۔ فرح املیاں اٹھائے بریانی کے مصالحے میں ڈالنے لگی تھی کہ مہروز نے فوراً ان کی کلائی تھامی تھی۔

"کیا ہوا؟" فرح نے حیرانی سے چہرہ موڑا تھا۔

"میں املی اور لیمو پسند نہیں کرتی۔ آپ نا ڈالے۔" اس نے فرح کا ہاتھ آہستہ سے چھوڑ دیا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" انہوں نے املیاں واپس باؤل میں رکھ دی تھی "کیوں پسند نہیں ہیں؟ اس عمر کی بچیوں کو تو کھٹا کھانے کا شوق ہوتا ہے۔"

"بس مجھے الرجی ہے۔" مہروز کان کے پیچھے بال اڑستے ہوئے کچن کاؤنٹر سے گھوم کر ان کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔

"کیسی الر۔۔۔" مہروز کا فون یک دم بجنے کی وجہ سے ان کا سوال زبان پر ہی دم توڑ گیا تھا۔

مہروز کے چہرے پر روشنی سی پھیل گئی تھی "السلام علیکم مورے۔" کال پک کر کے اس نے فون چہرے کے آگے پکڑا تھا۔

فرح کا ہاتھ تھما تھا۔

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہو؟"

یاسمین کی آواز سنتے ہی فرح نے چہرہ اٹھا کر مہروز کو دیکھا تھا جو موبائل کی اسکرین کو دیکھے جا رہی تھی۔

"مہروز گل۔ کیسی ہو؟" وہی پاس بیٹھی سلیمان جان کی آواز بھی فرح کے کانوں میں پڑی تھی۔

فرح کا دل بری طرح دھڑکا تھا۔ وہ جب بھی بات کرتی تھی وہ وائس کال ہوتی تھی اور مختصر ہوتی تھی مگر آج ویڈیو کال ملائی گئی تھی۔ اس کا دل مچلا تھا ماں کو دیکھنے کے لیے۔ وہ انیس سال اپنی ماں سے ملنے کے لیے، دیکھنے کے لیے ترسی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟"

"ہم بھی ٹھیک ہیں۔ خیریت ہیں نا؟ حسیب کیوں ہمیں بہانہ بنا کر یہاں لایا ہے؟" یاسمین کی آواز سے سنجیدگی جھلک رہی تھی۔

"سرپرائز دینا ہے۔"

فرح کی آنکھوں سے آنسو گرے تھے۔ چولہے کی وجہ سے بننے والی بھاپ میں ان کا چہرہ گڈمڈ ہو رہا تھا۔

"کیسا سرپرائز؟" یاسمین حیران ہوئی تھی۔

"رکے۔" مہروز کاؤنٹر کے دوسری طرف گھومی تھی اور فرح کی کلائی تھام کر آگے بڑھی تھی۔

فرح مہروز کے پیچھے پیچھے ایسے چلنے لگی جیسے کوئی بچہ اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ کر چلتا ہے۔

فرح کو صوفے پر بٹھا کر وہ صوفے کے ہتھے پر بیٹھ گئی تھی۔

"مورے اور بے بے۔میں نہیں جانتی تھی کہ یہاں جرمنی میں مجھے۔۔۔"مہروز نے چہرہ موڑ کر بت بنی فرح کو دیکھا تھا مہروز کے ہاتھ میں پکڑے فون کی اسکرین سے نظر آتی ماں کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کی کھوئی ہوئی بیٹی مل جائے گی۔مجھے فرح پھوپھو مل گئی ہیں۔"

"کیا؟فرح؟فرح وہاں ہے؟"یاسمین حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

"فرح۔"سلیمان جان کے لب کپکپائے تھے۔

"ملے کیسے تم لوگ؟"یاسمین اب تک انگشت بدنداں تھی۔

"پھوپھو نے میری پہچان لیا۔یہ لے بات کرے۔"مہروز فرح کے آگے فون کر چکی تھی۔

فرح بے جان بیٹھی بس آنسو ہی بہائے جا رہی تھی۔

فرح کی جھلک دیکھتے ہی سلیمان جان ہچکیاں لے کر رونے لگی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"زمافرح۔۔۔ میری گڑیا۔ میرا گلستان۔" سلیمان جان اسکرین پر ہاتھ پھیر پھیر کر لبوں سے لگاتی تھی۔

"مورے۔" فرح نے آہستہ سے مہروز کے ہاتھ سے فون تھاما تھا۔

مہروز گیلی آنکھیں لیے کچن کی طرف بڑھی تھی۔

کتنے ہی پل دونوں ماں بیٹی بس روتے ہی رہے۔ جدائی اتنی لمبی تھی کہ ملاپ پر سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کہے کیا؟ شروع کہاں سے کرے؟

جب وہ گھر چھوڑ کر گئی تھی تب جوان لڑکی تھی اور اب ایک لڑکی سے عورت بن چکی تھی۔

ان کی چھوٹی سی گڑیا اب بڑی ہو چکی تھی۔

مہروز آٹومیٹیک چولہا بند کر کے واپس فرح کی طرف بڑھی تھی۔

"تم کیسی ہو فرح؟" یاسمین نے سلیمان جان کو اپنے کندھے سے لگا رکھا تھا۔

"ٹھ۔۔۔ ٹھیک۔"

مہروز نے میز پر جھک کر ٹشو کے ڈبے سے چند لیف کھینچ فرح کی طرف بڑھائے تھے۔

"دیکھو جب گھر سے گئی تھی تو پچیس سال کی تھی اور اب دیکھو چوالیس کی ہو گئی ہو۔ پوری عمر کا حساب رکھا ہے میں نے۔" سلیمان جان مسلسل آنسو بہاتے ہوئے اسے ہی دیکھے جا رہی تھی۔

"ہاں آپ نے کبھی شناختی کارڈ والی عمر نہیں بتانی۔ میں بیالیس سال کی ہوں اچھا۔" فرح نے چہرہ اٹھا کر روئی روئی آنکھوں کے ساتھ ہنستے ہوئے مہروز کو دیکھا تھا۔

مہروز بھی گیلی آنکھوں کے ساتھ مسکرا دی تھی۔

"میں نے بہت یاد کیا ہے آپ سب کو۔ بہت اچھا لگ رہا ہے یوں آپ کو دیکھنا۔" فرح نے ٹشو سے اپنے آنسو تھپتھپائے تھے۔

"میں کونسا بھولی ہوں تمہیں۔ یاسمین گواہ ہے کتنی لڑی ہوں جرار سے تمہارے لیے۔ راتوں کو نیند نہیں آتی اب۔ یہ گولی دیتی ہے تو سو جاتی ہوں ورنہ سوچتی رہتی ہوں کہ اب تم کہاں ہو گی؟ کیا کر رہی ہو گی؟ پہلے خادم حسین سے ڈر کر رہتی تھی اب جرار سے ڈرتی ہوں کہ بس اسے نا پتا لگے میں تم سے رابطے میں ہوں۔ بڑے وقت سے فون بھی نہیں کیا تم نے؟"

"بس نمبر ڈیلیٹ ہو گیا تھا۔" فرح نے جان بوجھ کر انہیں نہیں بتایا تھا کہ اصل میں جرار نے انہیں منع کیا تھا "میں مہروز سے نمبر لے لونگی۔ جرار لالہ کہاں ہیں؟"

"گھر پر۔"

"انہیں پتا لگا گیا تو؟"

"وہ اپنے گھر پر ہے ہم حسیب کے گھر ہیں۔ ہمارے محلے کا بچہ ہے، یہ اسی کا تو فون ہے۔ وہی ہماری مہروز سے ویڈیو کال کرواتا ہے۔ جرار نے ایک بار لیا تھا دوسرا فون۔ انہیں استعمال بھی کرنا نہیں آتا تھا اور پھر چوری ہی ہو گیا۔ بس تب سے بددل ہو کر بٹن والا ہی استعمال کرتے ہیں۔" جواب یاسمین نے دیا تھا۔

"تم وہاں اکیلے رہتی ہو؟ اکیلے تو بڑا دل تنگ ہوتا ہو گا؟" سلیمان جان نے ڈوپٹے سے آنکھیں پونچھی تھیں۔

"نہیں اکیلے دل نہیں تنگ ہوتا۔ میں استاد ہوں نا مورے میرے بہت سے طلبہ ہیں یہاں۔ میں اتنی مصروف ہوتی ہی مورے کہ کبھی کبھی اپنے لیے کچھ پکانا بھی بھول جاتی ہوں۔" فرح ہلکا سا ہنس دی تھی۔

"ہاں اسی لیے منہ دیکھو کیسا کمزور سا ہو گیا ہے۔پاکستان آجاؤ۔"

سلیمان جان کے لہجے میں پنہاں آس پر ایک بار پھر فرح کی آنکھیں بھر آئی تھی۔

"میں وہاں نہیں آسکتی۔وہاں بس دکھ اور تکلیف ہی ہے۔وہاں میری جان کو خطرہ رہ چکا ہے مورے میں کیسے وہاں آؤں؟"

"مجھ سے ملنے۔"سلیمان جان کے لہجے میں تڑپ تھی۔

"میں خود کو منانے کی کوشش کروں گی پہلے۔"فرح نے ان کی بوڑھی آنکھوں میں آنسو دیکھتے ہوئے ہتھیار ڈال دیے تھے۔

"مجھ سے یوں باتیں کرتی رہنا۔مہروز تو تمہارے پاس ہے نا؟"سلیمان جان نے ایک بار پھر اسکرین پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"اب ہفتے کے تین دن یہ میرے پاس ہو گی۔"فرح نے چہرہ اٹھا کر مہروز کو دیکھا تھا جو چہرہ ہتھیلی میں رکھے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"بہت محنت کر رہی ہے یہ اپنے باپ کا قرض اتارنے کے لیے۔اس کا بہت خیال رکھنا۔"یاسمین کے لہجے میں اپنی بیٹی کے لیے محبت تھی۔

"قرض؟"فرح نے حیرانی سے ابرو اچکا کر مہروز کو دیکھا تھا۔

مہروز سیدھی بیٹھی گئی تھی۔(لو یہاں پر قرض کی بات کرنے کی کیا ضرورت تھی؟)مہروز نے سر جھٹکا تھا۔

"وہ کچھ لوگ۔۔۔"بات ادھوری رہ گئی تھی اور فون کٹ گیا تھا۔

"اوہ کال کٹ گئی ہے۔"فرح نے کہتے ہی پھر کال ملائی تھی پر اب دوسری طرف کال نہیں مل رہی تھی۔

"لگتا ہے بیٹری ختم ہو گئی ہو گی یا سگنلز کا مسئلہ ہو گیا ہو گا۔"فرح فون مہروز کو پکڑاتے اٹھی تھی۔

"اوہ چولہا۔"وہ فوراً کچن کی طرف بھاگی تھی اور بند چولہے کو دیکھ کر متشکر نظروں سے مہروز کو دیکھا تھا جو صوفے پر بیٹھی ان کی طرف رخ موڑے پر سوچ انداز لیے ہوئی تھی۔

"ایک سوال پوچھوں؟"

"پوچھ لو۔"فرح چولہے کو دوبارہ سے آن کرتے مسکرائی تھی۔وہ مطمئن لگ رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"آپ نے گھر کیوں چھوڑا تھا؟ کیوں آپ کی جان کو خطرہ تھا؟"

مہروز کے سوال پر فرح نے گہرا سانس بھرا تھا" تمہیں یہ مشہور واقعات کسی نے نہیں بتائے؟"

"نہیں۔"

فرح یاسیت سے مسکرا دی تھی۔

پرانے زخم پھر ادھڑنے لگے تھے۔

جب بچھڑے ہوئے واپس مل گئے تھے تو پرانی باتوں سے بھی مٹی جھاڑنی پڑی جیسے دھول سے اٹی پرانی کتابیں جھاڑ کر کھولی جاتی ہیں۔

❀❀❀

انیس سال پہلے۔۔۔

وزیرستان میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں معجزہ ہی تھا کہ لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے سے محبت کرے، اس کی مشک بھی چھپانے کی کوشش کرے اور پھر وہی مشک آپ کو مل بھی جائے۔ گلریز خان حنا داوڑ سے محبت میں مبتلا تھا اور یہی حالت دوسری طرف بھی تھی۔ پر

دونوں خاموش رہے، کہیں کسی کو پتا نہ لگ جائے اور ایک دن گلریز کی ماں نے اس سے حنا داوڑ کی بات کر ہی لی تھی۔ وہ خاموش رہا پر دل ہی دل میں متشکر بھی ہوا۔

رشتہ حنا داوڑ کے ہاں ڈال دیا گیا تھا۔ حنا کے بھائی اس رشتے کے لیے راضی نہیں تھے ان کے مطابق گلریز خان ان کے پلے کا نہیں تھا پر حنا کا باپ گلریز کے حق میں تھا۔ حنا بھی امید اور نا امیدی کی سیڑھی پر کھڑی تھی کبھی گرنے لگتی کبھی لڑکھڑا کر سیڑھی تھام لیتی تھی۔ اگر وہ دل کا حال کسی کے ساتھ شئیر کرتی تھی تو وہ فرح تھی۔ فرح اس کی فرسٹ کزن تھی۔ حنا کے باپ سے جرار کے لاکھ اختلافات سہی پر حنا اور فرح کی دوستی پر ان اختلافات کا کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ ان دنوں حنا کے محلے کے گھر میں فون کی سہولت موجود تھی۔ حنا کو اپنا دل کسی کے ساتھ ہلکا کرنا تھا اور وہ فرح تھی۔

"ہم بھاگنے کا سوچ رہے ہیں۔" دن کی سنہری دھوپ کشادہ سے صحن پر پڑ رہی تھی۔ وہ انہی محلے والی بلوچی آنٹی کے گھر فون کی سہولت استعمال کرنے آئی تھی۔

آنٹی خود اندر کمرے میں سو رہی تھی اور ان کا پوتا صحن میں دور بیٹھا کنچوں سے کھیل رہا تھا۔ حنا نے منہ کے آگے ہاتھ کا پیالہ بنا رکھا تھا اور آواز سرگوشی سے بھی کم تھی۔

"خبردار۔"فرح گھبرا گئی تھی"وہ لوگ مار ڈالے گے تمہیں۔تم گاؤں میں رہتی ہوں تمہیں حالات کا زیادہ پتا ہے میں تو شہر میں رہتے ہوئے گاؤں کے حالات سن لیا کرتی تھی اور سہم جاتی تھی۔اپنی جان پر رحم کرو۔"

"تم کہہ سکتی ہو ایسے۔تم پڑھی لکھی برسرروزگار لڑکی ہو۔تم نے جس سے شادی نہیں کرنی تھی نہیں کی۔اپنے حق کے لیے بولی،اپنے لیے کھڑی ہوئی۔تم خود کو میری جگہ نہیں رکھ سکتی۔میں کس کرب سے گزر رہی ہوں اس کا اندازہ تمہیں نہیں ہے۔میرے لالہ خوشحال سے میری شادی کرنا چاہتے ہیں پر میں اس سے شادی نہیں کر سکتی۔میں اب گلریز کے علاوہ کسی کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔"وہ بس رو دینے کو تھی۔

"ہر انسان کو یہی لگتا ہے کہ دوسرا کم تکلیف میں ہے۔میری اپنی جگہ مشکلات ہیں۔تم ناراض مت ہونا پر میرے باپ نے مرتے ہوئے گاؤں میں ہماری ایک ہی زمین تمہارے باپ کے نام کردی۔میں اپنے لالہ کو دیکھتی ہوں وہ کتنے پریشان ہیں اس وقت۔خیر،یہ الگ کہانی ہے پر میں کبھی تمہاری حوصلہ افزائی نہیں کروگی۔"

"تم کیا کرتی اگر میری جگہ ہوتی؟"

"تم نے خود ہی کہا میں تمہاری جگہ نہیں ہو سکتی۔"

"اچھا رکھ کر دیکھو۔"

حنا ہونٹ چباتے ہوئے دوسری طرف کی خاموشی سننے لگی۔

"نہیں ہو پایا۔ سوری حنا، تم میرے خیالات جانتی ہو۔ میں نے کبھی کسی مرد کو اس نظر سے نہیں دیکھا، کبھی کوئی بھایا ہی نہیں اس لیے میں کیا کہہ سکتی ہوں کہ اگر مجھے کوئی اچھا لگ گیا تو کیا کرونگی۔" فرح نے جیسے ہار مانی تھی۔

"عورت کو بڑی ظالم محبت ہوتی ہے۔ مجھے بھی ہوئی ہے اور اب میں اسے اپنا چکی ہوں۔ بس اب ایجاب و قبول کر کے مقدس رشتہ بنانا ہے۔ اس کا صرف یہ قصور ہے کہ وہ میرے خاندان جتنا امیر نہیں ہے۔ داجی تو اس کے حق میں ہیں پر لالہ نے دھمکی دی ہے کہ میں خود کو گولی سے اڑا دونگا اگر اس سے رشتہ طے پایا تو۔ اسی لیے۔۔۔" اس کا دل ڈوبا تھا" اگلے جمعے میرا نکاح طے کیا ہے۔"

"پھر تم ڈائریکٹ اس خوشحال کو بتا دو تا کہ وہی پیچھے ہٹ جائے۔"

"واہ فرح واہ۔ تم زیادہ پڑھ لکھ گئی ہو نا اسی لیے ایسی آزاد خیال باتیں کر رہی ہو۔ ایسے تو پورے گاؤں میں یہ بات پھیل جائے گی اور ہم دونوں کو چوک پر کھڑا کر کے لالہ گولی مار دے گے۔ کم از کم بھاگنے سے جان تو بچ جائے گی۔"

"کیا تمہیں یقین ہے اتنے بڑے قدم پر لالہ اور تمہارے دا جی تم دونوں کو معاف کر دینگے؟ ساتھ رہنے دینگے؟"

"مت معاف کرے۔ ہم واپس آئے گے بھی نہیں۔ گلریز نے شہر میں کام کا سوچا ہے۔ ہم مل کر گزر بسر کر لیں گے۔"

"میں اب کیا کہہ سکتی ہوں جب دل کے ہاتھوں تم اس حد تک مجبور ہو کہ انجام بھی نہیں سوچ رہی۔" فرح نے گہرا سانس بھرا تھا۔

انہیں دنوں اپنی کولیگ کے ساتھ وہ ایک سیمینار میں گئی تھی جو قانون سے متعلق تھی جن کا موضوع ایسے کیسز تھے جس میں بچے ماں باپ کی عدم توجہی یا برے ریلیشن شپ کی وجہ سے قاتل بن جاتے ہیں۔ فرح نے بہت دلچسپی سے پورا سیمینار سنا تھا۔ وہی اپنی کولیگ کے لائر کزن سے ملاقات کے بعد اس کی زندگی بھی بدل گئی تھی یا وہ کسی کی زندگی بدل گئی تھی۔

ٹھیک جمعے سے ایک دن پہلے حنا اور گلریز بھاگ گئے تھے۔ پورے گاؤں میں خبر پھیل چکی تھی اور عزت برباد ہو جانے پر حنا کے بھائی اور باپ پاگلوں کی طرح انہیں بس اسٹیشنز اور ٹرین کے اڈوں پر ڈھونڈتے رہے۔ ان کی آخری دنوں کی سرگرمیوں کے بارے میں معلومات کراتے رہے اور یونہی وہ اس بلوچی خاتون کے گھر بھی پہنچ گئے تھے جن کے گھر سے آخری دفعہ حنا نے بات کی تھی۔ وہ کچھ نہیں جانتی تھی کہ وہ کس سے بات کرنے یہاں آتی تھی پر ان کے پوتے نے فرح کا نام سنا تھا سو اپنی دادی کو پٹتے دیکھ کر اس نے نام بتایا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ جو بتایا وہ درست تھا کہ نہیں اسے بس اپنی دادی کی جان بچانی تھی۔ حنا کے بھائی خون کے پیاسے لگ رہے تھے۔ وہ دونوں کو گولیوں سے بھون کر گاؤں کی لڑکیوں کے لیے عبرت کا نشان بنانا چاہتے تھے تاکہ کبھی کوئی لڑکی بھول کر محبت کا نام نہ لے۔

جرار کے گھر یاسمین غمزدہ تھی۔ وہ جانتی تھی گاؤں میں ایسی لڑکیوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔ وہ اس کی خالہ زاد بہن تھی۔

فرح نے یہ خبر سن کر حیرانی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ وہ جانتی تھی حنا اب جس نہج تک پہنچ گئی تھی وہاں سے کوئی واپسی نہیں تھی۔ پورا خاندان ان پر تھو تھو کر رہا تھا۔

فرح کے نام پر حنا کے والد نے جرار کو فون کر دیا تھا۔ جرار جانتا تھا اس سارے قصے میں اس کی بہن کا کوئی قصور نہیں اسی لیے وہ قرآن مجید کی قسم کھا کر اپنی بہن کی معصومیت کی گواہی دے رہا تھا۔

"مجھے اعتبار ہے فرح پر۔" سلیمان جان نے جرار کے منہ سے سارا قصہ سننے کے بعد فوراً اپنی بیٹی کا دفاع کیا تھا۔

"مجھے بھی ہے اسی لیے تو اتنی بڑی قسم کھائی ہے۔" جرار دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم پھنسائے بولے تھے۔

فرح ڈوپٹے کے پلوں سے مختلف شیپس بناتی خاموشی سے سب سن رہی تھی۔ وہ بس حنا کے بھاگنے کے بارے میں جانتی تھی یہ نہیں پتا تھا کہ وہ اب بھاگ کر گئے کدھر ہیں۔

فرح اپنی یونیورسٹی میں لیکچر ختم کر کے دوسری کلاس کے لیے جا رہی تھی کہ راہداری میں ہی اسے کلرک نے کسی کے آجانے کی اطلاع دی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

فرح یونیورسٹی کے گیٹ کے پاس بنے سبزے کی طرف بڑھی تھی پر وہاں شیشے والے کام کی لمبی سی چادر میں چھپی لڑکی اور اس کے ساتھ شلوار قمیض پہنے مضطرب سے لڑکے کو دیکھ کر ٹھٹکی تھی۔

"تم لوگ؟" حنا کے نزدیک کھڑے ہوتے ہوئے فرح جی جان سے حیران لگ رہی تھی۔

"فرح۔" حنا کی آنکھیں بے خوابی کا شکار لگ رہیں تھیں۔ وہ فوراً بینچ سے اٹھی تھی اور بے تابی سے فرح کو خود میں بھینچ لیا تھا۔

اسے اس کڑے وقت میں کسی اپنے کی تلاش تھی جس کے گلے لگ کر وہ رو لے۔ فرح کا ڈوپٹہ اس کے آنسوؤں سے بھر گیا تھا۔ گلریز نظریں نیچی کیے بیٹھا رہا۔

فرح بمشکل آدھی چھٹی لے کر انہیں دور ریسٹورنٹ لے گئی تھی۔ وہ دونوں جیسے کئی دنوں کے بھوکے لگ رہے تھے۔

دن کے وقت ریسٹورنٹ میں رش کم تھا ورنہ ان دونوں کو ہاتھوں سے جلدی جلدی کھانا کھاتے دیکھ کر لوگ انہیں لحظہ بھر کے لیے دیکھتے ضرور۔

"میں کیا کروں اب؟" فرح پریشان ہو گئی تھی۔

"پلیز کسی ٹھکانے کا بندوبست کر دو۔ جس دوست کے گھر ہم نے ٹھرنا تھا جب اسے پتا لگا کہ حاشر لالہ ہماری بو سونگھتا پھر رہا ہے تو اس نے فوراً ہمیں گھر سے جانے کو کہہ دیا۔ ہم کئی دنوں سے بسیں بدل بدل کر یہاں آئے ہیں۔ مجھے تو اردو بھی نہیں آتی شکر ہے یہ تھوڑی بہت بول لیتے ہیں۔ ہمارے پاس پیسے بھی کم رہ گئے ہیں۔" ڈوپٹہ ناک تک چڑھائے وہ بے بس لگ رہی تھی۔

"تو پیسہ دیکھ کر محبت کرنی تھی نا۔" فرح نے جل کر اتنا برجستہ کہا تھا کہ گلریز کے ہاتھ سے لقمہ چھوٹ گیا۔ وہ خجل سا اپنی جگہ بیٹھا رہ گیا۔ ایک اور شخص نے اس کی حیثیت پر انگلی اٹھائی تھی۔

"میرا مطلب ہے۔" فرح نے فوراً اپنی بات کی وضاحت کی تھی "پیسوں کے لحاظ سے کچھ پلاننگ کرتے۔ شہر میں پیسوں کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا۔ یہ گاؤں نہیں ہے جہاں سب ایک دوسرے کو جانتے ہو سو مدد کر ڈالے اور تمہارے لالہ نے جرار لالہ کو کال کی تھی کہیں میرا ہاتھ نا ہو تم دونوں کو بھگانے میں۔ جرار لالہ نے قسم اٹھائی ہے کہ میں تم لوگوں کے معاملے میں ملوث نہیں ہوں۔"

حنا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھی۔ کیا اس کے بھائی فرح تک رسائی حاصل کر سکتے تھے؟

"مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے تم لوگوں نے۔" فرح نے گہرا سانس لے کر اپنا ماتھا شہادت کی انگلی سے مسلا تھا۔

"میں بھاگ کر شادی کے خلاف ہوں۔" فرح نے ڈائریکٹ گلریز کو دیکھا تھا جواب کھانا چھوڑے سر جھکائے بیٹھا اسے سن رہا تھا" مجھے سمجھ نہیں آتی کہ جس مرد سے محبت ہو جائے کیا اس کی محبت ماں باپ کے محبت پر حاوی ہو جاتی ہے جو تم دونوں یوں بھاگ آئے؟ پیچھے تمہاری ماں کا کیا حال ہو گا؟"

گلریز گنگ بنا بیٹھا رہا۔

"تم نے اپنے پیچھے لڑکیوں کے لیے کیا مثال چھوڑی؟" فرح نے اب رخ حنا کی طرف کیا تھا جس کی پلکیں جھک گئی تھی" یہ مثال کہ جو بھاگے گی اسے قتل کیا جائے گا اور جو اس کی مدد کریگا اسے بھی۔"

"میں تمہارے لیے کچھ برا نہیں چاہتی۔" حنا کے آنکھیں پانیوں سے بھرنے لگی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"یاد ہے جب فرخ لالہ کی بہن کو کوئی بھگا کر لے کر گیا تھا تو کیا حال ہوا تھا؟ وہ لڑکی تمہاری طرح اپنی مرضی سے نہیں گئی تھی۔اس لڑکے کو درخت سے باندھ کر ساری رات لڑکی کے بھائی نے ایسا کاٹا جیسے کوئی درخت کو کاٹتا ہے۔آہستہ آہستہ۔وقفے وقفے سے۔اور لڑکی اب ان پر بوجھ تھی۔ماتھے کا داغ جسے یہ معاشرہ کیسے قبول کر سکتا ہے۔اس کے بھائیوں نے خود ہی اس کو سر پر گولی ماردی تھی ماں کے سامنے اور پھر ماں ساری زندگی کے لیے پاگل ہو چکی تھی۔ہواس کھو چکی تھی۔"فرح کی دماغ کی نسیں پھول رہی تھی۔

"میں بھاگنے والوں سے زندگیاں چھیننے کے بھی خلاف ہوں۔میں صرف تم دونوں کی زندگی بچانے کے لیے مدد کروگی ورنہ حرکت تم دونوں نے اچھی نہیں کی مگر انجام بھی وہ نہیں ہونا چاہیے جو تمہارے گھر والے چاہتے ہیں۔"فرح میز پر دونوں کہنیاں رکھے ویٹر کو آس پاس سے گزرتے ہوئے دیکھنے لگی۔

"تم اس کو کوئی کام دلادو۔کچھ دنوں کے لیے کوئی ٹھکانہ۔ہم تم پر بوجھ نہیں بنے گے۔"

"ہاں میں تو منسٹر ہوں کوئی سب میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"فرح نے تپ کر جواب دیا تھا۔

حنا لاجواب ہو کر جوس کا گلاس اٹھا چکی تھی۔

"نکاح کیا ہے تم دونوں نے؟"

"ہاں۔" حنا نے فوراً جواب دیا تھا۔

"شکر ہے ورنہ مجھے لگا اب یہ فریضہ بھی مجھے ہی ادا کرنا ہوگا۔" فرح نے سکھ کا سانس لیا تھا۔

وہ کچھ دیر یونہی بیٹھی رہی اور پھر بہت سوچ بچار کے بعد اپنی کولیگ کو فون ملا دیا تھا۔ وہ تفصیل اس کے گوش گزار کرتی کافی دیر تک باتیں کرتی رہی اور فون بند کر کے ان دونوں کو دیکھا تھا۔

"میری ایک کولیگ ہے مطلب میرے ساتھ ہی یونیورسٹی میں پڑھاتی ہے۔ اس کے شوہر کا فلیٹ ہے عزیز بھٹی کے قریب۔ اسے کرائے داروں کی ضرورت ہے۔ اس مہینے کی میں ادا کر دیتی ہوں۔ میں تمہارے کام کا بھی بندوبست کر دیتی ہوں مگر اگلے مہینے سے خود ادا کرنا۔ زیادہ گھلنا ملنا نہیں اور نام بھی کچھ اور رکھ لو۔ چلو اٹھو۔"

وہ دن تو گزر گیا پر ہر گزرتا دن فرح کے لیے بھی مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ وہ گھر والوں سے چھپ کر اتنا بڑا رسک لے رہی تھی۔ وہ اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کی زندگیاں بھی داؤ پر لگا رہی تھی

مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اگر ان دونوں کو چھپانے میں وہ کامیاب رہی تو وہ دو زندگیاں ضائع ہونے سے بچالے گی۔ وہ فرح تھی اسے ہمیشہ فرسودہ روایات سے اختلاف ہوتا تھا اور وہ اس کے خلاف بولتی تھی۔ وہ ان کو توڑنا چاہتی تھی مگر توڑ تو نہیں پا رہی تھی۔

اس نے گلریز کے لیے ایک دکان میں جوتے دکھانے کا کام ڈھونڈ لیا تھا۔ گلریز پوری محنت سے دکان کے مالک کے دل میں جگہ بنانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس نے گردن تک آتے بالوں کو کاٹ لیا تھا اور گردن تک ہی لمبی داڑھی رکھ لی تھی۔ وہ اب پہچانا نہیں جاتا تھا۔

پورے دو مہینے گزر چکے تھے پر حنا کے باپ بھائیوں کی تلاش ختم نہیں ہوئی تھی۔ فرح بھی کسی حد تک پر سکون ہو گئی تھی۔ اب فلیٹ کی طرف آنا جانا بھی کم ہو چکا تھا۔ وہ جیسے اس واقعے کو بھولنے لگی تھی۔ وہ مطمئن تھی کہ کم از کم اس نے دو زندگیاں تو بچالی ہیں اور اب ان دو زندگیوں میں تیسری زندگی بھی شامل ہو گئی تھی۔

فرح ہی حنا کو ڈاکٹر کے پاس لے گئی تھی کیونکہ وہ اردو بولنا اب تک سیکھی نہیں تھی۔ حنا کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔

"اس کا نام میں زلزلہ خان رکھو گی۔"ڈاکٹر سے واپسی پر ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے فرح نے اسے چھیڑا تھا۔

"یہ کیسا نام ہوا؟"

"بھئی سب کی زندگیوں میں زلزلہ جو لایا ہے۔"فرح نے ہنستے ہوئے ٹیکسی کا دروازہ بند کیا تھا۔

حنا کا چوتھا مہینہ شروع ہو چکا تھا جب فرح کے گھر اطلاع پہنچی تھی کہ گلریز اور حنا کو چھپانے میں فرح کا ہاتھ ہے۔ فرح اور حنا کو ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے ان کے گاؤں کے مرد نے دیکھا تھا اور اس نے فلیٹ تک ان کا پیچھا کیا تھا۔

رات کا ایک بج رہا تھا جب جرار کے گھر کی گھنٹی نے صور پھونکا تھا۔ جرار ہڑبڑا کر اٹھا تھا اور لائٹ جلا دی تھی۔

"رات کے ایک بجے۔"مندی مندی آنکھوں سے انہوں نے دیوار پر لگی گھڑی دیکھی تھی۔

"کون ہے یہ؟"ایک بار پھر وحشیانہ طریقے سے بجنے والی گھنٹی سن کر یاسمین نے گھبرا کر شوہر کو دیکھا تھا جو قمیض درست کرتے کمرے سے باہر نکلے تھے۔

سلیمان جان بھی سینے پر ہاتھ رکھے لاؤنج میں آئی تھی۔یاسمین دروازے کی اوٹ میں کھڑی لاؤنج کے دروازے پر نظریں گاڑے کھڑی تھی جب جرار کے پیچھے حنا کا باپ اور دونوں بھائی کرخت چہرہ لیے اندر داخل ہوئے تھے۔

"فرح کو نکالو۔شاباش۔"

"کیوں؟" جرار نے حیرت سے مڑ کر انہیں دیکھا تھا۔

"بیٹھو نا۔" سلیمان جان نے فوراً مداخلت کی تھی۔

"بیٹھنے نہیں لینے آیا ہوں۔کہاں ہے تمہاری بیٹی؟" ممنون داوڑ نے کمر کے پیچھے ہاتھ باندھتے ہوئے سلیمان جان کو دیکھا تھا۔

"کیا مطلب ہے؟ کسے اور کیوں لینے آئے ہیں؟" جرار نے ناسمجھی سے اسے دیکھا تھا۔

"فرح کو۔اسی کے پاس ہیں وہ دونوں مردود۔" ممنون کے بیٹے گردن گھما گھما کر گھر کے دروازوں کو دیکھ رہے تھے۔

"میں نے قسم کھائی تھی کہ میری بہن ملوث نہیں ہے۔" جرار کو ان کے بیٹوں کی نظریں سخت بری لگی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"چلو چلو۔ایسی قسمیں گاؤں میں لوگ بہت کھاتے ہیں۔ہمیں اب عادت ہے ان قسموں کو سننے کی۔اسے بس کہوں سچ سچ بتادے کہ کہاں چھپا رکھا ہے؟ہم اسے چھوڑ دینگے۔"

"کیا ثبوت ہے آپ کے پاس کہ میری بہن کہ پاس ہے آپ کی بیٹی؟" جرار کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

"میرے آدمی نے اسے خود دیکھا ہے دونوں ٹیکسی میں بیٹھی تھی۔"

"تو اسی آدمی سے کہے کہ وہ آپ کو لے جائے ان دونوں تک۔"

سلیمان جان کا دل پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔وہ گر جاتی اگر تو یاسمین نے انہیں تھام نا رکھا ہوتا۔

"اسے پتا بھول گیا ہے۔اگر اسے سہی سہی یاد رہتا تو ہم یہاں نہ آئے ہوتے اس وقت۔سیدھا اڈے سے یہاں آئے ہیں ہم۔" حاشر نے فوراً مداخلت کی تھی۔

"میری بہن بے قصور ہے۔اس کا قصور حنا کا دوست ہونا ہے بس۔اور وہ اس وقت یونیورسٹی کی طرف سے اسلام آباد گئی ہے آپ جا سکتے ہیں۔" جرار ان کی طرف پشت کر کے کھڑے ہو گئے تھے۔

"یہ تو حال ہے اس کی بیٹی کا۔ مردوں کے بغیر ادھر ادھر گھومتی ہے تو دوسروں کی بہن۔۔۔"

"بس۔" جرار چیخ اٹھے تھے "اس کے کردار پر بات نہیں سنو گا۔ جا سکتے ہیں آپ لوگ۔"

"ایک بات سن لو تم۔" ممنون نے سر ہلایا تھا "میں کہیں نہیں جا رہا۔ یہیں ہوں میں۔ جب آئے گی تمہاری بہن تو دوٹوک خود بات کرونگا اس سے اور تب تک اپنی خبیث بیٹی کو بھی ڈھونڈتا رہو گا۔ جیسے ہی وہ دونوں ملے گے صرف دو تھپڑوں کے بعد وہ منہ کھول دینگے۔ میرے آدمی نے جو دیکھا وہ سہی دیکھا ہے۔ اپنی بیٹی کو تو مارونگا ہی، جان تمہاری بہن کی بھی نہیں بچے گی۔"

سلیمان جان کانپتے ہوئے فرش پر ڈھے گئی تھی۔ یاسمین فرش پر بیٹھتے ہوئے ان کی سیدھے ہاتھ کی ہتھیلیاں سہلانے لگی۔

ممنون بیٹوں سمیت جا تو چکے تھے پر اپنے الفاظ کا زہر یہیں چھوڑ گئے تھے۔ جرار ماں کو اٹھا کر صوفے پر بیٹھا چکے تھے۔

"مہروز کیا سو رہی ہے؟" جرار نے یاسمین کو دیکھا تھا۔

"بے بے کے ساتھ سوئی تھی رات کو۔ بخار بھی تھا اسے۔"

"تم اسے جا کر دیکھو جاگ تو نہیں گئی۔ بلکہ ایسے کرو۔" یاسمین کو اٹھتا دیکھ کر وہ تھوڑی کھجانے لگے "اسے کچھ دنوں کے لیے مائدہ کے گھر رہنے دو۔ وہ چھوٹی ہے اسے یہ تمام باتیں نہیں سننی چاہیے۔ یہ تو جاہل لوگ ہیں یہ خیال بھی نہیں کرتے کہ گھر میں چھوٹی بچی موجود ہو گی وہ سن لے گی تو اس پر کیا اثر پڑے گا۔ یہ لوگ تو کسی بھی وقت ہمیں ڈرانے کے لیے اندر گھس سکتے ہیں۔"

"کیا واقعی فرح کا ہاتھ ہے اس سب میں؟" یاسمین کو ایک خدشہ تھا۔

"نہیں نہیں۔" جرار نے ہاتھ جھلایا تھا "وہ بس لیکچر زدے سکتی ہے ان روایات سے متعلق ،غصے میں آکر چند انقلابی باتیں۔ وہ لوگ نہیں ہوتے باتوں کے اور لاتوں کے اور۔ وہ اتنا بڑا کام نہیں کر سکتی۔"

جرار کو اپنی بہن پر یقین تھا کہ وہ بس منہ سے تیز ہے لیکن ایسے کاموں میں ملوث نہیں ہو سکتی۔ بالکل نہیں۔

فرح کو اسلام آباد میں ہی اطلاع مل گئی تھی کہ حنا کے گھر والے اس کے گھر تک آ گئے تھے۔ یاسمین نے ایک بار پھر اپنے خدشے کا اظہار کیا تھا کہ وہ واقعی اس ساری کارروائی میں ملوث تو نہیں؟ اور فرح نے اس بار جھوٹ بولا تھا۔ اس نے انکار کیا تھا مگر اس کے انکار میں جان نہیں تھی۔

وہ خود کو انہی باتوں سے مطمئن کر رہی تھی کہ اس نے کچھ غلط نہیں کیا۔ اس نے دو لوگوں کو مرنے سے بچایا ہے۔

البتہ یہ خوش آئند بات تھی کہ اس شخص کو فلیٹ کا راستہ بھول گیا تھا۔ فرح نے فوراً اپنی کولیگ کو فون کیا تھا کہ وہ فلیٹ جا کر انہیں وہاں سے نکلنے کا کہہ دے۔ ان کا اب وہاں سے نکل جانا ہی ٹھیک تھا۔ پر اگلی خبر زیادہ دھماکے دار تھی۔ اگلی صبح ہی ممنون اپنے بیٹوں کے ساتھ فلیٹ پہنچ گیا تھا۔ فلیٹ کے لوگوں نے باہر نکل نکل کر باپ کو حاملہ بیٹی کو بالوں سے پکڑے گھسیٹتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے بھائیوں نے گلریز کو بازوؤں سے تھام رکھا تھا۔

فرح لاہور پہنچ چکی تھی پر اسے ایک پل چین نہیں تھا۔ اب دو نہیں تین زندگیاں تباہ ہونگی۔ فرح کے لیے سوالوں کا پلندہ تیار تھا اور سب کو انکار کر کر کے وہ زچ آ گئی تھی۔ وہ ناخن

چباتے ہوئے چھوٹے سے کارڈ کو الٹے ہاتھ میں پکڑے گھورے جا رہی تھی۔اس کی آنکھیں بیرسٹر شہزاد احمد پر اٹک اٹک جاتی تھی۔ایک دو ملاقاتوں میں ہی وہ جان گئی تھی کہ وہ شخص فرح میں دلچسپی لے رہا ہے۔فرح کا سانس رکنے لگتا تھا یہ سوچ کر کہ اگر اس نے اپنی دلی خواہش زبان پر آنے دی تو؟ وہ شادی سے اتنا چڑتی تھی کہ کسی کے بھی منہ سے اپنے لیے ایسی کوئی بات سننا بھی گوارا نہیں کرتی تھی۔مگر اب تین لوگوں کی زندگیاں بچانے کا اس کے پاس ایک ہی آپشن بچا تھا۔

وہ پرانے زمانے کا فون اٹھائے کارڈ پر لکھے نمبر پر کال ملا چکی تھی۔

"مجھے آپ سے ملنا ہے۔"

❁❁❁

لاہور کے چھوٹے سے پارک میں وہ اور فرح ایک بینچ پر بیٹھے ہوئے تھے۔جھولے کہ اس پار گولہ گنڈے والا پیشانی پر ابھرنے والا پسینہ صاف کر رہا تھا۔گرمی بلا کی پڑ رہی تھی۔

"آپ میرے آفس آجاتی، یہاں تو گرمی ہے۔"شہزاد نے ماتھے پر آئے پسینے کو دو انگلیوں سے صاف کیا تھا۔

"نہیں میں سب کی نظروں میں نہیں آنا چاہتی۔ خیر مجھے آپ سے ایک مدد چاہیے ویسے تو میں آپ سے فیور مانگنے کا کوئی حق تو نہیں رکھتی مگر مجھے اس وقت آپ کی شدید ضرورت ہے۔" فرح نے ڈوپٹے سے گردن پر آیا پسینہ صاف کیا تھا۔

"آپ کے لیے جوس لے آؤ؟" شہزاد نے فرح کو گرمی سے پسینہ پسینہ ہوتے دیکھ کر کہا تھا۔

"میں سیریس ہوں۔" فرح نے لہجے کو سخت بنایا تھا۔

"میں بھی۔" شہزاد کا جملہ ذو معنی تھا۔

"میں تین لوگوں کی زندگی کے بارے میں سیریس ہوں جن کے لیے اگر ابھی کچھ نہیں کیا تو وہ مر جائے گے۔"

شہزاد یک دم سیدھا بیٹھ گیا تھا "میں سن رہا ہوں۔"

فرح اسے چیدہ چیدہ تمام واقعات سے آگاہ کر چکی تھی۔ شہزاد جوتا گھاس پر پھیرتے ہوئے خاموش بیٹھا رہا۔

"کیا ہمارے قانون میں ایسے لوگوں کے لیے کوئی پروٹیکشن ہے؟ گاؤں میں جرگہ سسٹم چلتا ہے اور وہاں لاء لیس نس ہے۔ اتنا میں جانتی ہوں کہ ابھی وہ لوگ گاؤں نہیں پہنچے سو شہر کی

حدود میں ہم ان کی مدد کر سکتے ہیں۔ اگر وہ لوگ وہاں پہنچ گئے تو ان کو بے دردی سے مار دیا جائے گا۔"

"ایک تو پٹھانوں کی روایات سمجھ نہیں آتی۔ بھاگ گئے ٹھیک ہے غلط کام کیا یہ تشدد کر کے مارنے سے کیا رسوا ہوئی عزت لوٹ آتی ہے؟"

"یہ پٹھانوں میں نہیں، غیرت کا مسئلہ پاکستان کے ہر مرد کا ہے۔" فرح نے برا مناتے ہوئے ابرو اکٹھے کیے تھے۔ وہ پٹھانوں کے خلاف بات نہیں سننا چاہتی تھی۔

"کم از کم میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں۔" شہزاد نے ہاتھ اٹھا لیے تھے "خیر ہم پولیس میں رپورٹ کرا سکتے ہیں اس لیے کہ آپ کی جان کو بھی خطرہ ہے۔"

"پولیس؟" فرح کی آنکھیں باہر نکلنے کو تھی "پولیس کو انوالو نہیں کرنا۔ میں نے قانونی پروٹیکشن کی بات کی تھی۔ میرے گھر والے بالکل لاعلم ہیں اس بات سے۔ آپ پولیس کو انوالو نا کریں۔"

"پولیس میں کیس نہیں کرائے گے تو پروٹیکشن کیسے لو گا ان کی؟ یہ کیس اب سولڈ ہے۔ پہلے کی بات اور تھی، پہلے شاید پولیس پرچہ نا کراتی کہ ابھی نقصان ہوا تو نہیں۔ پر اب نقصان

ہونے کے پورے چانسز ہیں اور پھر آپ کی زندگی کو بھی خطرہ ہے۔ میری پولیس اور میڈیا میں بہت جان پہچان ہے۔ پھر وکیل برادری بھی میرے ہمراہ ہو گی۔ آپ کے گھر والے لاعلم ہی رہے گے۔" شہزاد فوراً کھڑا ہوا تھا" چلیے پھر ابھی منٹوں میں آپ کا پرچہ کٹے گا۔ اٹھے اینڈ ٹرسٹ می، پلیز۔" اس نے کھڑے کھڑے گردن جھکا کر فرح کو دیکھا تھا۔

فرح کے دل میں کہیں نا کہیں گلٹ تھا۔ وہ اسے اس لیے استعمال نہیں کر رہی تھی کہ اس کی فیلنگز سے واقف تھی بلکہ اس لیے مدد لے رہی تھی کہ وہ بارسوخ شخص تھا۔ یہ واقعہ نمٹ جائے گا تو فرح اس کے ساتھ سارا معاملہ صاف کر لے گی۔ فرح نے اس کے پیچھے جاتے ہوئے سوچا تھا۔

بیگ کہنی پر ڈالے فرح تھکی تھکی سے گھر کے اندر داخل ہوئی تھی۔ گھر کے صحن کی بتی بھی گل تھی۔ فرح کا پارہ چڑھا تھا، وہ ماتھے پر بل ڈالے گھر کا اندرونی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی پر اندر کا منظر دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ ممون اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ لاؤنج میں براجمان تھا۔ وہ کروفر سے بیٹھے اسے دیکھ رہے تھے۔

جرار سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔ یاسمین کہیں بھی نظر نہیں آرہی تھی البتہ سلیمان جان سرخ آنکھیں لیے گلہ آمیز نظروں سے فرح کو دیکھنے لگی۔ فرح ممنون پر ناگوار نظر ڈال کر آگے بڑھی تھی۔

"کہاں جارہی ہو؟ ادھر بیٹھو بات کرنی ہے۔" اس کو اپنی پشت پر ممون کی بھاری آواز سنائی دی تھی۔ وہ ایسے بولے تھے جیسے اس گھر کے مالک تو وہی ہیں۔

"تھکی ہوئی آئی ہوں میں۔ فریش ہونے دیں۔"

"ادھر ہی بیٹھو۔ فریش بعد میں ہو لینا۔"

"کیوں آئے ہیں یہ لوگ؟" فرح نے مڑ کر بھائی سے سوال کیا تھا جو لب بھینچے ممون کو گھورے جارہے تھے۔

ماحول میں تناؤ تھا، حبس تھا۔

"میری بہن اور اسکا جہنمی شوہر مل گیا ہے ہمیں۔" حاشر نے جیسے اسے اطلاع دی تھی۔

"تو؟" فرح نے صوفے کی بیک پر دونوں ہاتھ رکھے تھے۔

"تو یہ کہ حنا نے اعتراف کیا کہ تم نے اسکی مدد کی تھی یہاں ٹھرنے میں۔" ممنون چہرے پر خباثت بھرتے ہوئے مسکرا دیے تھے۔

فرح کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہو گئی تھی۔اس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔

(مجھے کبھی بھی دا جی اٹھا کر لے گئے تو میں اپنے بچے کی قسم کھاتی ہوں تمہارا نام زبان پر نہیں آئے گا)اس کے کانوں میں فرح کا رندھا ہوا لہجہ گونجا تھا۔

وہ صرف ایک لمحے کے لیے گھبرائی تھی بس۔

"نان سینس۔"فرح ہاتھ جھلاتے ہوئے ہنس دی تھی۔

"زیادہ انگریزی بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔"حاشر فرح کو ہنستے دیکھ کر تلملایا تھا۔

"آپ مجھ سے بات کرے۔تم جاؤ فرح۔" جرار نے فوراً مداخلت کی تھی۔

"تم سے جو بات کرنی تھی وہ کر لی۔تم نے تو قسم بھی کھالی تھی مگر وہ جھوٹی نکلی۔تم سے کہا تھا ناکہ جان اس کی بھی نہیں بچے گی۔"

"میری بچی کا کوئی قصور نہیں ہے۔اپنی بیٹی کی غلطی میری بیٹی کے سر پر ناڈالو۔" سلیمان جان تڑپی تھی۔

"میں جو کہتا ہوں وہ کرتا ہوں۔"

فرح کے ارد گرد خطرے کی گھنٹیاں سی بجنی شروع ہو گئی تھی۔

(پولیس اسٹیشن سے نکلتے ہی شہزاد فرح کی طرف مڑا تھا۔

"اب آپ کی حفاظت کے لیے پولیس ہمہ وقت باہر موجود ہو گی اور ان دو لوگوں کو بھی ڈھونڈلے گی۔آپ کی محنت ضائع نہیں گی۔"

فرح نے اسے ممنون نظروں سے دیکھا تھا۔

"کیا آج ان کا پتا لگ جائے گا۔اس سے پہلے کہ وہ لوگ گاؤں پہنچ جائے آج ان کا ملنا نہایت ضروری ہے۔" فرح اس کے کندھے کے برابر چلتی ہوئی گاڑی تک پہنچ گئی تھی۔

"آپ دعا کریں۔اگر اس کیس میں فلاحی اداروں کو بھی شامل کر لیا جائے تو نہیں ریکور کرنا زیادہ آسان ہو جائے گا۔" شہزاد کہتے ہی گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھا تھا۔

Clubb of Quality Content

فرح فوراً ہی گاڑی کا فرنٹ دروازہ کھول کر بیٹھی تھی۔

"فلاحی ادارہ؟ کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ لوگ اس کیس کو صرف یوز کرینگے۔ ہمیں ایسے اداروں کی ضرورت نہیں ہے ہم اس کیس کو میڈیا پر نہیں لانا چاہتے۔ یہ لوگ تو ایسے کیسز کے انتظار میں رہتے ہیں کیونکہ ایسی اسٹوریز کور کر کے باہر سے فنڈنگ ہو جاتی ہے اور مدد کی آڑ کے پیچھے خود بھی بہت سا پیسہ بنا لیتے ہیں۔ پلیز ان فلاحی اداروں میں یہ کیس نہ دے دیجیے گا۔" فرح بوکھلا چکی تھی۔

"اوکے۔" شہزاد نے اگنیشن میں چابی ڈال لی تھی۔)

فرح نے دروازے کی طرف گردن موڑی تھی۔

"آپ کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ آپ کیسے اس پر الزام لگا کر اس کی جان لے سکتے ہیں؟" جرار کے دماغ کی نسیں غصے کی شدت سے پھول رہی تھی۔

سلیمان جان کا دل خوف سے کانپ رہا تھا۔ ان کی نظر ممنون کے بیٹوں کے ہاتھوں کی طرف تھیں کہیں انہوں نے پستول چھپائی تو نہیں ہے؟

Clubb of Quality Content

"اتنا اندھا اعتبار مت کرو اپنی بہن پر۔ ثبوت نہ ہوتے تو ہم یہاں بیٹھے نا ہوتے۔ اگر اپنی بہن کی جان بچانا چاہتے ہو پھر میری شرط مان لو۔" انہوں نے سانس لیتے ہوئے فرح کو دیکھا تھا" میں اسکے سب سے بڑے تایا کا بیٹا ہوں، کزن ہوں۔ اس کا نکاح میرے ساتھ کرا دو تو میں اس کی جان بخش دونگا۔"

فرح نے بے یقینی سے چہرہ موڑ کر ممنون کو دیکھا تھا جس کے چہرے پر ایک چمک تھی۔

فرح کے پیروں تلے سے زمین ہی کھسک گئی تھی۔ اس کا دل پہلی دفعہ خوف سے دھڑکا تھا۔

جاری ہے

ناولکلب
Clubb of Quality Content

باب 8

کسی کو اپنے عمل کا حساب کیا دیتے

ماہ نور زہرا

ممنون کے بیٹوں نے حیرت سے گردن موڑ کر اپنے باپ کو دیکھا تھا۔

"ہر گز نہیں۔" اسد غصے کی شدت سے چلایا تھا" یہ ہماری بہن کو بھگانے اور اسے چھپانے میں شامل تھی اس جیسی بے غیرت سے کیسے آپ شادی کر سکتے ہیں؟

فرح نے ایک بار پھر دروازے کی طرف گردن موڑی تھی۔

"آپ جا سکتے ہیں یہاں سے ابھی اور اسی وقت۔" جرار کو غصے میں اٹھتا دیکھ کر سلیمان جان بھی فوراً کھڑی ہو گئی تھی۔

"جرار غصہ نہیں۔" سلیمان جان نے اس کو بازو سے تھام لیا تھا۔

"تم تو۔۔۔" حاشر کچھ کہنے والا تھا کہ ان کے گھر کی گھنٹی بجی تھی۔ سب کی نظریں لاؤنج کے دروازے کی طرف گھومی تھی۔

"میں دیکھو نگا۔" جرار کو آگے بڑھتا دیکھ کر اسد آگے بڑھا تھا مگر جب لاؤنج میں واپس لوٹا تھا تو چہرہ سرخ تھا۔ غصے کی زیادتی سے اس کی گردن کی نسیں پھولی ہوئی تھی۔

"داجی اکبر خان بتا رہا ہے کہ ان دو منحوسوں کو پولیس لے گئی ہے۔"

"پولیس؟" ممنون کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھی۔

Clubb of Quality Content

فرح نے آنکھیں بند کر کے سکھ کا سانس لیا تھا۔وہ چہرے پر امڈنے والی مسکراہٹ بمشکل روک سکی تھی اور جب آنکھیں کھولی تھی تو جرار کی جانچتی نظروں کے ساتھ نظروں کا تبادلہ ہوا تھا۔

"پولیس کو کون بتا سکتا ہے؟" حاشر نے سوچتے ہوئے باپ کو دیکھا تھا۔

"فوراً چلو۔ ہمیں اسے تھانے سے چھڑوانا ہے اور اس لڑکی کو بھی ساتھ لے کر چلو۔" ممنون حکم صادر کرتے آگے بڑھے تھے۔

سلیمان جان ممنون کے بیٹے کو آگے بڑھتا دیکھ کر فوراً فرح کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔

"ہٹو تم۔" حاشر سلیمان جان کو دھکا دے کر فرح کا بازو تھام چکے تھے۔

سلیمان جان صوفے کے ہتھے سے ٹکراتی فرش پر گر گئی تھی۔

فرح کا دماغ چکرا رہا تھا۔ کیا پولیس باہر کھڑی تھی؟ پولیس کہاں ہو گی وہ کیسے انہیں مدد کے لیے بلائے؟ اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔

"چھوڑ دو اسے حاشر۔ میں بھی پٹھان ہوں، شہر میں رہا ضرور ہوں پر اپنی روایات بھولا نہیں ہوں۔" جرار نے فوراً حاشر کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

Clubb of Quality Content

سلیمان جان فرش پر بیٹھی بیٹے اور حاشر کو دیکھ رہی تھی جو ایک دوسرے کو مارنے کے لیے تیار تھے۔

"بڑے آئے غیرت مند۔" حاشر اس کا ہاتھ جھٹک چکا تھا اور فرح کو اپنے ساتھ گھسیٹا تھا کہ جرار نے حاشر کا کالر پشت کی طرف سے پکڑا تھا اور اسے جھٹکا دے کر نیچے گرا چکا تھا۔

فرح لڑکھڑاتے ہوئے دیوار سے ٹکرائی تھی۔

جرار حاشر کے سینے پر بیٹھا مکا جڑے اس کے جبڑے پر مارنے والا تھا کہ اس کے دائیں کندھے پر گولی لگی تھی۔

جرار کراہتا ہوا پیچھے ہٹا تھا۔ کندھے میں اتنی شدید جلن تھی کہ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ حاشر اسے جھٹکے سے اپنے سینے سے ہٹاتے ہوئے اٹھا تھا۔

اسد مزاحمت کرتی فرح کو بازو سے تھامے گھسیٹنے لگا۔

سلیمان جان حواس باختہ سی فرش پر بیٹھی ایک طرف بیٹی کو گھسیٹتے دیکھ رہی تھی اور دوسری طرف خون میں لت پت بیٹے کو۔

فرح اسد کے ہاتھ سے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش میں بری طرح ناکام لگ رہی تھی۔

گھر کا گیٹ حاشر نے کھول دیا تھا۔اندھیری گلی کو دیکھ کر فرح نے چلانا شروع کر دیا تھا۔

"ہیلپ۔۔۔پولیس۔۔۔مجھے زبردستی اٹھایا جارہا ہے۔کوئی میری مدد کرو۔"فرح اندھیرے میں سر ادھر ادھر گھماتی پولیس کو ڈھونڈ رہی تھی۔

اس کا دل ڈوب رہا تھا۔اگر پولیس اس کی حفاظت کے لیے پہنچی ہی نا ہو پھر؟پرچہ کاٹنے کا کیا فائدہ؟

"پولیس۔۔۔"فرح مزاحمت کرتی زمین پر بیٹھ گئی تھی۔

شور سنتے ہی چند لوگ گھروں کے چھتوں پر نکل آئے تھے۔

"لالہ لوگ چھتوں پر نکل رہے ہیں۔"حاشر نے آہستہ آواز میں اسد کو کہا تھا۔

"چپ کرو۔"اسد اس کے ٹخنے پر ٹھڈا مارتے ہوئے دبا دبا سا چلایا تھا۔

"میری مدد کرو۔چھوڑو مجھے خبیث۔"فرح اسد کی کلائی اپنے دانتوں میں دبا چکی تھی۔اس نے اپنا سارا غصہ اس کی کلائی پر نکال دیا تھا۔

فرح کے دانت اسد کی کلائی میں اس قدر کھب گئے تھے کہ خون کا ذائقہ فرح نے اپنے منہ میں محسوس کیا تھا۔

اسد نے درد سے کراہتے ہوئے فرح کے بالوں کو اتنی زور سے جھٹکا دیا تھا کہ وہ کراہتے ہوئے پیچھے ہٹی تھی۔

حاشر اسے کندھوں سے تھام کر اٹھا رہا تھا کہ آناً فاناً پولیس کی گاڑی ان کے گھر کے باہر کھڑی ہوئی تھی۔

پولیس کی گاڑی دیکھتے ہی فرح کی جان میں جان آئی تھی۔وہ فوراً زمین پر گرا دوپٹہ اٹھا کر اٹھی تھی۔

"میرے لالہ۔۔۔زخمی ہے۔گولی لگی ہے پہلے اسے اسپتال پہنچاؤ اور میں فرح۔" وہ پھولے تنفس کے ساتھ بول رہی تھی "میری جان کو ان سے خطرہ ہے۔"

پولیس وین پر لگا گول گول گھومتا بلب تاریک سی گلی پر روشنی پھینک رہا تھا۔

"ان کو پکڑو۔" حاشر اور اسد کو بھاگتا دیکھ کر پولیس افسر نے فوراً حکم صادر کیا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"آپ فکر نا کرے۔آپ کے بھائی کی جان بچ جائے گی۔راحت حسین، ایمبولنس بلاؤ فوراً۔"

فرح ڈوپٹے سے خون سے رنگا منہ صاف کرتے ہوئے فوراً پولیس کے پیچھے گھر کے اندر داخل ہوئی تھی۔

❀❀❀

معاملہ اتنا سیدھا نہیں تھا جتنا لگ رہا تھا۔حنا اور گلریز تو پولیس کی کسٹڈی میں تھے ہی پر ممنون اپنے کنیکشنز استعمال کرتا حوالات سے چھوٹ گیا تھا۔

فرح اسپتال اور پھر گھر کے چکر لگاتی گھن چکر بن گئی تھی۔شہزاد فرح پر حملے کا سنتے ہی فوراً اس کے پاس آیا تھا۔

فرح تھکی تھکی سی اسپتال کے سبزے میں بیٹھی ہوئی تھی۔جرار کے کندھے کا آپریشن کامیاب رہا تھا۔

دن کی تیز سی دھوپ اسپتال کے سبزے پر پڑی رہی تھی۔وہ دونوں درخت کے سایے تلے بیٹھے تھے۔

Clubb of Quality Content

"میں نہیں جانتا تھا کہ وہ اس حد تک جائے گے۔ اچھا کیا کہ ہم نے پیش بندی کی اگر ہم ایسا نا کرتے تو پولیس بر وقت وہاں نا پہنچتی۔" شہزاد گھٹنوں کے گرد ہاتھ باندھے گھاس پر بیٹھا فرح کو ہی دیکھ رہا تھا جس کے کپڑوں کی ٹوٹی استری کئی راتوں کی تھکن کی کہانی سنا رہے تھے۔

"کیا فائدہ؟ وہ باپ بیٹا بھی بار سوخ ہیں۔ حوالات سے نکل گئے ہیں۔ میں نے اس رات کے واقعے کے بعد خود میں حوصلہ پیدا کر لیا ہے۔ مجھے اپنی جان کی پرواہ نہیں ہے۔ اسے مارنا ہے تو مجھے مارے مگر میرے بھائی کو نہیں۔ اس کی چھوٹی سی بیٹی ہے اس کی فیملی ہے۔ اسے کچھ ہو گا تو یہ ہماری فیملی کا بڑا نقصان ہو گا۔ مجھے کچھ ہو گا تو یہ کم نقصان ہو گا۔" فرح دنوں گھٹنوں کو جوڑے گھاس پر بیٹھی، کہنیاں ایک دوسرے پر رکھے دکھ کا شکار لگ رہی تھی۔

"یہ کیسی بات کہہ دی آپ نے؟ کیا آپ کی جان آپ کی ماں کے لیے ضروری نہیں ہے؟"

"ظاہر ہے وہ ہم دونوں سے محبت کرتی ہیں مگر میں اپنی بھتیجی سے اس کا باپ نہیں چھین سکتی۔ یہ بہت بری اور گندی روایت ہے کہ کسی کا بدلہ کسی سے لیا جائے۔ کسی کی بہن کو کسی دوسرے خاندان میں دے کر اپنی گردن چھڑائی جائے یا کسی کے خاندان کا مرد مار کر بدلہ پورا کیا جائے۔ وہ ایک مرد اس ایک گھر کا ستون ہوتا ہے۔ لالہ ہمارے گھر کا واحد مرد ہیں۔

Clubb e Quality Content

میری جان جانے سے سب ریکور ہو سکتا ہے میری کوئی بیٹی یا شوہر نہیں ہے مگر میرے بھائی کا خاندان ہے ایک۔"فرح نے گہرا سانس لیتے ہوئے گھٹنے پر تھوڑی رکھ دی تھی۔

"غلط سوچ ہے آپ کی۔"شہزاد نے اسے غور سے دیکھا تھا" یہ روایت غلط ہے تو اس کا مقابلہ کریں نا کہ آپ اسی کا حصہ بن رہی ہیں۔دکھ ہوا مجھے۔میں آپ جیسی پڑھی لکھی لڑکی سے یہ expect نہیں کرتا۔"شہزاد کے چہرے سے واضع تھا کہ فرح کی بات نے اسے تکلیف پہنچائی ہے۔

"ہاں کہنا آسان ہے مگر سسٹم چینج کرنا مشکل۔ایک انسان اکیلے سسٹم چینج نہیں کر سکتا جب دوسرا تبدیلی کا خواہش مند ہی نہیں ہے۔"

"مگر انسان کے پاس آپشنز ضرور ہوتے ہیں۔آپ اپنے لیے چوائسز محدود نہ کریں۔اللہ نے آپ کو ذہن سوچنے کے لیے دیا ہے جب آپ سوچیں گی تو آپشنز بھی نکلیں گے۔اسے ہی امید کہتے ہیں۔"

"میں ناامید نہیں ہوں۔صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ ممنون دوبارہ آئے گا اور اس بار پکا کام کریگا۔بس میں اپنے بھائی کا کوئی نقصان نہیں چاہتی۔"

"اگر آپ ناامید نہیں ہیں تو آپ کے پاس ابھی بھی آپشن ہے۔"

"کیا؟" فرح نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔

"میں بیرسٹر ہوں۔ برطانیہ کا شہری ہوں وہاں لوگ جانتے ہیں مجھے۔ آپ مجھ سے نکاح کر لیں گی تو برطانیہ کے شہری کی بیوی کہلائیں گی۔ میں آپ کی اور آپ کی فیملی کو پروٹیکٹ کر سکتا ہوں بلیومی۔"

فرح کو جس بات سے خوف تھا وہ ہو چکا تھا۔ وہ خاموش نظروں سے شہزاد کو دیکھ رہی تھی جس کی ٹائی ہوا اڑا رہی تھی۔

فرح نے سر اٹھا کر گہرا سانس بھرا تھا۔ تو اچھا موقع تھا یہ بات یہیں کلئیر ہو جائے۔

"نکاح کوئی حل نہیں ہے۔ کل کو کوئی اور لڑکی تکلیف میں ہو گی تو آپ اسے بھی نکاح کا آپشن دینگے؟ ہمارے معاشرے میں کتنی فیملیز مختلف خوف اور تکالیف سے گزرتے ہیں تو اس کا یہ حل نکالا جائے کہ اس گھر کی لڑکی سے نکاح کیا جائے۔ یہ کیسا حل ہوا؟"

"میں نہیں جانتا اگر کل کو کوئی دوسری لڑکی ایسی تکلیف کا شکار ہوئی تو میں کیا کرونگا مگر آپ کی پروٹیکشن کے لیے میں یہ کر سکتا ہوں۔"

"تو آپ مجھ سے نکاح کر کے میری فیملی کو پروٹیکٹ کر کے مجھ پر احسان کرنا چاہتے ہیں؟"

"میں احسان نہیں کر رہا دل سے آپ سے نکاح کا خواہش مند ہوں۔" وہ اپنا وکیل بنا فرح کی عدالت میں کھڑا خود کو ڈیفینڈ کر رہا تھا۔

"اب یہ مت کہیے گا کہ آپ میری فیلنگز سے انجان تھی۔" وہ فرح سے پہلے بول پڑا۔

"سب دکھتا ہے مجھے۔" فرح نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹالی تھی۔

گرم سی ہوا کا جھونکا فرح کی لٹ اڑا گیا تھا۔

"تو پھر بات آج ہی کلیئر کر لیتے ہیں۔" فرح نے گھٹنوں سے دونوں کہنیاں ہٹالی تھیں" مجھے آپ تو کیا کسی سے بھی شادی نہیں کرنی اور میں وجہ بتانے کی پابند نہیں ہوں۔"

"حالانکہ وجہ جاننا میرا حق ہے۔" شہزاد فوراً بول اٹھا۔

"چڑ ہے مجھے شادی کے نام سے۔ میں شروع سے ہی یہ کلیئر کرنا چاہتی تھی آپ کے ساتھ کہ میں ہرگز آپ کو استعمال نہیں کر رہی صرف اس لیے کہ آپ مجھے پسند کرتے ہیں۔ آپ بارسوخ ہیں اس لیے میں نے آپ سے مدد لی اور میں آپ کی فیس آپ کو ضرور دونگی۔ آپ جیسے اپنے باقی کلائینٹس کو ڈیل کرتے رہے ہیں وہی معیار میرے لیے بھی رکھیے۔ دوسری

بات آپ دوبارہ نکاح کی بات مجھ سے نہیں کرینگے۔میں پٹھان ہوں اور ہمارے ہاں جلد لڑکیوں کے نکاح ہو جاتے ہیں۔اگر مجھے نکاح کرنا ہوتا تو اب تک میری شادی ہو چکی ہوتی۔مجھے شادی میں کوئی دلچسپی نہیں ہےand I mean it"فرح اس کے چہرے کا بدلتا رنگ دیکھ کر اٹھی تھی۔

فرح آگے بڑھ گئی تھی مگر شہزادا اپنی جگہ بیٹھ رہ گیا تھا۔خالی دامن۔۔۔

اسپتال کے کمرے میں جرار لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔وہ پرسوں رات کے واقعات کا جائزہ لیتا تھا اور جن نتائج پر وہ پہنچ رہا تھا وہ خوفناک تھے۔وہ خود کو ممنون کی جگہ رکھتا تھا تو اسی نتیجے پر پہنچتا تھا جو ممنون اپنی بیٹی کی معاونت کرنے والوں کے ساتھ کرنا چاہتا تھا۔جرار کی نظروں کے سامنے ایک چہرہ نمودار ہوا تھا اور یہ وہی چہرہ تھا جس کے لیے وہ خوفزدہ تھا۔

"لالہ اب ٹھیک ہیں آپ؟کندھا کیسا ہے؟رات تک ڈاکٹر چھوڑ دینگے ہمیں۔"

"ایک بات کا جواب دو۔"جرار نے اس کے سوالات نظرانداز کیے تھے۔

جرار کا انداز پراسرار سا ہو گیا تھا۔

"کیا میں نے جھوٹی قرآن کی قسم کھائی تھی؟"

سوال ایسا تھا کہ فرح کا دل کانپا تھا۔اس نے نظر اٹھا کر اطراف میں ڈالی تھی۔ جرار کے کمرے میں کچھ فاصلے سے اور بیڈز بھی رکھے ہوئے تھے جن پر مریض لیٹے ہوئے تھے۔اس وارڈ میں رش تھا ملنے والے مریض کے قریب بیٹھے باتوں میں مشغول تھے۔

"آپ نے سچی قسم کھائی تھی۔"

"تم جانتی تھی نا؟"

اگلے سوال پر فرح کی نگاہیں جھک گئی تھی۔اس رات پولیس کا یک دم آجانا اور ان کو پروٹیکٹ کرنا، حنا اور گلریز کو بچانا اتفاق نہیں تھا اور یہ جرار جان گیا تھا۔

"میں صرف اتنا جانتی تھی کہ وہ بھاگے گی لیکن اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی میں نے نا ہی بھاگنے میں مدد۔"

"اسے چھپانے میں تو کی؟"

"ہاں۔"

"کیوں؟" جرار اتنا اونچا بولے تھے کہ قریب لیٹے مریض اور ان کی عیادت کو آئے لوگوں نے چہرہ موڑ کر جرار کو دیکھا تھا پر اسے پرواہ نہیں تھی۔

وہ کہنی کا سہارا لیتے بیٹھنے لگے "کیوں فرح؟ کیا تم اندھی ہو نہیں جانتی گاؤں میں ایسی لڑکی کا کیا انجام ہو گا؟ انگریزی کیا پڑھ لی تم نے خود کو انگریز ہی سمجھ لیا۔ ہم پٹھان ہیں اور اپنی روایات سے جڑے ہوئے لوگ ہیں۔ ہمیں عزت ہر چیز سے پیاری ہے۔" وہ تکیے پر نیم دراز ہو چکے تھے۔

"کسی کی جان سے بھی زیادہ؟"

"جان سے بھی زیادہ۔ جان پیاری ہوتی تو ان دو کو معاف کر دیا جاتا۔"

"ان دو کے ساتھ اب تیسرا بھی جڑا ہے۔"

جرار کی آنکھیں پھیل گئی تھی۔ وہ لحظے بھر کے لیے چپ ہو گئے تھے۔

"میں پٹھان ضرور ہوں پر اس سے پہلے ایک انسان ہوں۔ میں کسی انسان کو فضول سی روایات پر قتل ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔ کہاں لکھا ہے اسلام میں کہ اتنی سی بات پر قتل کر دیا جائے؟"

"اسلام میں بھاگ کر شادی کرنا لکھا ہے؟"

Clubb of Quality Content

"اسلام نے لڑکا اور لڑکی کی رضامندی کا ضرور کہا ہے۔ کیا آپ کل کو مہروز کی مرضی نہیں پوچھے گے؟" فرح کے سوال پر جرار نے بائیں ہاتھ کی مٹھی بھینچ لی تھی۔

"مہروز کو بیچ میں مت لاؤ۔"

"یہ ہماری فضول خود ساختہ روایات ہیں۔ میں نے کبھی حنا کی حوصلہ افزائی نہیں کی اور اب بھی کہتی ہوں کہ یہ قدم غلط تھا مگر اس کا انجام قتل نہیں ہے۔ یہ کوئی جہاد نہیں ہے کہ قتل کر دیا جائے۔ میں تنگ آگئی ہوں چھوٹی چھوٹی باتوں پر گاؤں میں قتل و غارت سے۔ کبھی لڑکی پر ونی کر دیا جاتا ہے، کبھی اس کی زبردستی شادی کرادی جاتی ہے، کبھی شوہر مار رہا ہے تو مار کھانے دیا جاتا ہے اور کبھی بھاگ جائے تو قتل۔ معاف بھی تو کیا جا سکتا ہے۔"

"اس غلط کام کی کوئی معافی نہیں ہے۔" جرار نے منہ پھیر لیا تھا۔

"پھر آپ مجھے بھی مرنے دینگے؟" فرح کے لہجے میں انکار سننے کی آس تھی۔

"مرنے دیتا مگر تمہارے مرنے سے مورے بھی زندہ نہیں رہے گی۔ یہ جو انگریزی پڑھ لی ہے نا اسی نے تمہارا دماغ خراب کیا ہے۔ انگریزوں کے ہاں تو پتا نہیں اور کون کون سے گناہ

ہیں جن کی توجیہات تم ہمارے سامنے لایا کرو گی۔ تمہیں اتنا پڑھانا نہیں چاہیے تھا۔ تم بے غیرت ہو چکی ہو گی پر میں ابھی بھی غیرت مند ہوں۔" ان کا لہجہ درشت تھا۔

وہ نرمی کی متوقع تھی، اسپورٹ کرنے کی پر جرار وہی غیرت مند پٹھان نکلے جو غیرت کے نام پر قتل جائز سمجھتے تھے۔

"پڑھنا میرا گناہ نہیں ہے، ان روایات اور جھوٹی غیرت کے خلاف بولنا میرا گناہ ہے۔ ٹھیک ہے۔" فرح کا گلہ رندھ گیا تھا "آپ پھر غیرت مند بھائی بن کر جو فیصلہ کرنا چاہے وہ کرے میں بے غیرت بن کر دو لوگوں کی زندگی بچانے کی کوشش کروں گی۔"

وہ الٹے قدم اٹھاتے ہوئے ٹوٹے دل کے ساتھ آگے کا سوچ رہی تھی۔ اسے اپنے بھائی سے مدد کی امید تھی مگر وہ بھی وہی غیرت مند بھائی نکلا۔ تو اصل سوال یہ تھا کہ غیرت کی اصل ڈیفینیشن کیا ہوتی ہے؟ کیا غیرت بس کسی کو قتل کرنے سے ہی کمائی جاسکتی ہے؟

❀❀❀

شہزاد کے آفس میں حنا اور گلریز ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ حنا کا چہرہ زردی مائل ہو چکا تھا۔

فرح سر پر ڈوپٹہ اوڑھے اسی کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔

شہزاد چائے کی ٹرے میز پر رکھ کر پینٹس کو اوپر کھینچتا میز کے دوسری طرف کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

"تم پلٹ جاؤ، فرح۔ تم نے جتنا کرنا تھا وہ کر لیا۔ اگر موت ہمارا نصیب ہو گی تو تم اسے روک نہیں سکتی۔ میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ ہماری جتنی مدد تم نے کی اس کا بہت اچھا بدلہ تمہیں دے۔" وہ فرح کے ہاتھ تھامے ممنون لگ رہی تھی۔

"اب تو اس زندگی اور موت کے جنگ میں میں بھی شامل ہو چکی ہوں۔ تمہارے کہہ دینے سے یا میرے پیچھے ہٹ جانے سے تمہارے باپ اور بھائی مجھ سے دستبردار نہیں ہونگے۔ وہ ہر حال میں مجھ سے اپنا بدلہ لینگے۔"

"غلط کیا میں نے تمہیں شامل کر کے۔ کاش میں وقت پلٹا سکتی۔" حنا کے آنکھوں سے آنسو گر پڑے۔

"انہیں کہیں مت روئے۔ اسٹریس بچے کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔" شہزاد نے فوراً چائے کا کپ ان کے سامنے رکھا تھا۔ وہ پشتو سمجھنے سے قاصر تھا پر اس کی روتی آنکھیں ساری داستان سنا رہی تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"آپ سب کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔سادہ لباس میں لوگ ہر قدم آپ کے ساتھ ہیں۔ممنون بے شک آپ سب کی تاک میں ہو گا مگر دوبارہ حملہ کرنا اس کے اپنے لیے نقصان دہ ہے۔"

فرح سر ہلا کر شہزاد کی باتیں حنا کو ترجمہ کرکے بتا رہی تھی۔

شام کی ہلکی ہوتی دھوپ میں فرح شہزاد کے لاء فرم سے باہر نکلی تھی۔

"آپ کی فیس آپ کے بینک میں جمع کرادی تھی کل۔میرے پاس رسید بھی ہے۔"فرح دائیں کندھے پر ڈالے بیگ کا زپ کھولنے لگی تھی۔

"رہنے دے۔میں آپ سے فیس لینے کا خواہش مند نہیں ہوں صرف اس لیے فیس لی کہ آپ کہہ رہی تھی آپ کو عام کلائینٹس کی طرح ٹریٹ کیا جائے۔"شہزاد کمر کے پیچھے ہاتھ باندھے گیٹ کو دیکھے جا رہا تھا جیسے وہ ناراض ہو۔

"شکریہ۔"فرح کہتے ہی آگے بڑھی تھی۔

"کیسے جائیں گی؟"شہزاد اسے آگے بڑھتا دیکھ کر فورا بولا تھا۔

"ٹیکسی سے۔"

"میں چھوڑ دیتا ہوں۔ دور ہے نا یہاں سے آپ کا گھر۔"

"بالکل نہیں۔" فرح نے فوراً انکار کیا تھا "کیا باقی کلائینٹس کو بھی خود ڈراپ کرتے ہیں؟"

"فرح تم باقی کلائینٹس سے مختلف ہو۔" وہ آپ سے تم پر آ گیا تھا۔

"تم؟ آپ مجھے آپ ہی بولیے۔" فرح نے فوراً لہجہ درشت بنایا تھا "اور آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ مجھے۔۔۔"

"نہیں سننا کچھ۔ نہیں ہو رہا وہ جو آپ چاہتی ہیں۔" اس کے لہجے میں بے بسی تھی "میں کوئی لوفر لفنگا نہیں ہوں جو دوستی کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔ جب آپ نے کسی سے بھی شادی کرنی ہے تو پھر میں کیوں نہیں؟"

"مجھے کسی سے شادی نہیں کرنی۔ کسی میں دلچسپی نہیں ہے۔" فرح نے اپنے الفاظ پر زور دیا تھا۔ اس کا لہجہ درشت ہو چکا تھا "سارے مرد عورت کو بس اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں۔ نفرت ہے مجھے مردوں سے جو پہلے اسی عورت پر مریں گے اور نکاح کرتے ہی وہی عورت انہیں بوجھ لگے گی۔ مجھے شادی قید لگتی ہے۔"

"آپ کو کسی کو چانس دینا ہو گا۔ میں جانتا ہوں آپ کی زندگی کا کوئی بہت برا تجربہ رہا ہے جس کی وجہ سے آپ فوراً شادی کے لیے رضامند نہیں ہیں پر آپ پڑھی لکھی لڑکی ہیں جو کسی کی غلام بن ہی نہیں سکتی۔ آپ کو اس رشتے کو چانس دینا ہو گا۔ سب کا نصیب ایک جیسا نہیں ہوتا۔"

"مجھے بحث نہیں کرنی۔" فرح نے ہاتھ جھلایا تھا۔

"پھر میں انتظار کر لیتا ہوں۔ آپ نے اگر کسی سے نکاح کا سوچا تو وہ میرا نام ہونا چاہیے۔"

"آپ ساری زندگی بس انتظار ہی کرتے رہیے گا پھر کیونکہ ایسا کوئی دن نہیں آئے گا۔"

"ایسا دن۔۔۔"

باقی کے الفاظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے تھے جب یکایک فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔ فرح بوکھلا چکی تھی۔ وہ حواس باختہ سی اپنی جگہ کھڑی رہی۔

فائرنگ اتنی شدید تھی کہ شہزاد فوراً فرح کی طرف بڑھا تھا اور اسے کندھوں سے تھامے تقریباً بھاگتے ہوئے اپنی گاڑی کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ گاڑی کا بونٹ گولیوں سے چھلنی ہو گیا تھا۔ شہزاد کے گارڈز بھی تواتر سے فائرنگ کر رہے تھے۔

شہزاد کے دائیں ہاتھ کی سفید آستین خون سے بھر گئی تھی۔

"آپ کا بازو۔" فرح نے بوکھلا کر اس کا بازو دیکھا تھا۔

"ٹھیک ہوں میں۔ گولی چھو کر گزری ہے۔" وہ گولیوں کے بوچھاڑ میں بھی ہنس دیا تھا۔

چند منٹ گزرنے کے بعد گولیاں چلنا بند ہو گئی تھی۔ بہت وقت گزرنے کے بعد شہزاد اور فرح گاڑی کے پیچھے سے نکلے تھے۔

"سب ٹھیک ہے؟" شہزاد نے اونچی آواز میں اپنے گارڈز کو پکارا تھا۔

"صاحب ایک فوت ہو چکا ہے اور ایک کو گولی لگی ہے۔ باقی سب ٹھیک ہیں۔"

شہزاد نے گہرا سانس بھرتے ہوئے فرح کو دیکھا تھا" ممنون کے لوگ دشمنی بڑھا رہے ہیں۔"

"میں حنا کو دیکھ آؤں۔" فرح کانپتے ہوئے ایک نظر شہزاد کے بازو پر ڈال کر اندر بڑھ گئی تھی۔

فرح کو جرار کے گھر پر فائرنگ کی خبر بھی مل گئی تھی لیکن گھر پر صرف ڈرانے کے لیے فائرنگ کی گئی تھی۔ گھر کی تمام کھڑکیاں ٹوٹ چکی تھی۔

فرح بوکھلائی ہوئی شہزاد کے ساتھ گھر پہنچ گئی تھی۔ گھر پر اس نے شہزاد کا تعارف حنا کے وکیل کے طور پر کرایا تھا۔

جرار کے تیور ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔ وہ مٹھی بند کرتے تھے اور کبھی کھول دیتے تھے۔

سلیمان جان خوف سے خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔

"فرح تم نے کس مصیبت میں پھنسا دیا ہے ہمیں؟" جرار نے دانت پیسے تھے۔

"اب جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔ آگے کا سوچو نا بچے۔ ممنون تو اب ہر حال میں فرح کو جان سے مار کر ہی رہے گا۔ جب اس نے اپنے بچے واپس حاصل کر ہی لیے تھے تو اس کے پیچھے پولیس لگانے کی کیا ضرورت تھی؟" سلیمان جان جھنجلائی ہوئی لگ رہی تھی۔

شہزاد لاؤنج میں پیدا ہونے والا خوف اور تناؤ محسوس کر رہا تھا پر پشتو سمجھنے سے قاصر تھا۔

"میری بیوی اور بیٹی صرف تمہاری وجہ سے دربدر ہیں۔ بھلا کب تک وہ دوسروں کے ہاں رکے گی؟"

"تو میں ہی چلی جاتی ہوں۔ میری خون کے پیاسے ہیں ناوہ میں ہی نکل جاتی ہوں۔" فرح کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ مشکل وقت میں اس کا بھائی اس کا ساتھ نہیں دیگا۔

"ہاں اصولاً تو چلے ہی جانا چاہیے۔۔ ایسی لڑکی کو قتل کر دینا چاہیے جو باپ بھائی کی عزت پر پیر رکھ کر بھاگ جائے اور اس کا ساتھ دینے والا بھی جرم میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔ پورے خاندان میں کیا عزت رہنے دی تم نے؟ گاؤں جانے کے قابل نہیں رہنے دیا تم نے، وہاں سب تم پر اور مجھ پر تھو تھو کر رہے ہیں کہ میں بے غیرتوں کی طرح تمہارا ساتھ دے رہا ہوں۔"

"اسے آپ ساتھ دینا کہتے ہیں؟ مجھ پر ملامت کر رہے ہیں آپ۔ آپ کو جتنی مہروز کی فکر ہے اتنی ہی فکر مجھے بھی اس کی ہے۔ اسی لیے ہم سب کے لیے بہتر یہی ہو گا کہ آپ سب کو کہہ دے کہ میں آپ کے لیے مر گئی ہوں، نکال دیا ہے مجھے گھر سے۔ میں بالکل صحیح مقصد کے لیے کھڑی ہوئی ہوں اور میں اسے انجام تک پہنچا کر رہوں گی۔" فرح دل کڑا کیے اٹھ گئی تھی۔

Clubb of Quality Content

اسے اٹھتا دیکھ کر شہزاد بھی کھڑا ہو گیا تھا۔

"کیا کر رہی ہو پاگل ہو؟ وہ غصے میں ہے۔" سلیمان جان گھبرا کر چپل ڈھونڈنے لگی۔

"نہیں۔ میں ہوش و حواس میں ہوں۔ اس نے کہا ہے نا کہ یہ انجام تک پہنچائے گی تو پھر پہنچا لے انجام تک۔ میں بھی دیکھتا ہوں یہ کتنی طرم خان بنتی ہے۔" جرار اس کی طرف سے منہ پھیر چکے تھے۔

شہزاد بہن بھائیوں کے چہروں پر غصہ اور ان کے تیز لہجوں سے اندازہ لگا پا رہا تھا کہ وہ لڑ رہے تھے۔

"یہ پاگل ہے۔" سلیمان جان چپل میں پیر اڑستے ہوئے کھڑی ہو گئی تھی "کہاں جاؤ گی تم؟"

"تو سہی ہے میری موت کی خبر سن کر بھی مت آیے گا۔" وہ ماں کو نظر انداز کیے جرار کو دو بدو جوابات دینے میں مصروف تھی۔

"نہیں آؤنگا۔"

"میں مر جاؤں تمہارے مرنے سے پہلے۔" سلیمان جان نے تڑپ کر چادر پھیلا کر خود کو بد عادی تھی۔

"مورے آپ ٹینشن نا لے۔ کم از کم آپ لوگ محفوظ ہونگے۔ آپ لوگوں کی نظر میں میں نے غلط قدم اٹھایا ہے نا تو سزا بھی میں بھگت لونگی۔ جب دوبارہ وہ لوگ آئے تو کہہ دیجیے گا کہ مجھے گھر سے نکال دیا ہے اور اب آپ سب کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" فرح گیلی آنکھوں کے ساتھ کہتے ہوئے لاؤنج کے قریب بنے اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

"ہم کیوں ایسا کہے گے؟ جرار ظویا اسے روکو۔" سلیمان جان تڑپ کر جرار کو بازو سے کھینچنے لگی۔

وہ دونوں یکسر شہزاد کی موجودگی بھلائے ہوئے تھے۔ شہزاد عجیب محسوس کرتا لاؤنج کے دروازے سے صحن کی طرف نکل گیا تھا۔

"جانے دے اسے۔ یہی ہم سب کے لیے بہتر ہے۔ اس نے جو کیا ہے وہ کئی سالوں تک ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ سب مجھے بے غیرت کہے گے۔ سب پوچھیں گے اتنے فضول قدم پر میں نے اس کو قتل کیوں نہیں کر دیا؟ اللہ کی قسم میں اسے خود سزا دیتا اگر مجھے آپ کا خیال نہ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہوتا۔ صرف آپ کا خیال رکھ کر اسے جانے دے رہا ہوں ورنہ میں اسے چھوڑتا نہیں۔" جرار ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے ماں کی طرف سے منہ پھیر کر بیٹھ گئے تھے مبادہ ان کی روتی آنکھیں اس کا فیصلہ نا بدل دیں۔

"وہ کہاں جائے گی؟ وہ چھوٹی ہے پاگل ہے۔ تم تو بڑے ہو۔"

"نہیں ہے وہ چھوٹی۔ اسے اپنی زندگی کا ہر فیصلہ خود کرنا ہوتا ہے، اس نے شادی نہیں کرنی، اس نے جاب کرنی ہے، اس نے بھگوڑوں کی مدد کرنی ہے، اس نے پولیس سے مدد لی ہے ان سب فیصلوں میں میری رائے کہاں ہیں؟ میں اس کا جب بڑا ہی نہیں ہوں تو میں کیوں روکوں اسے۔ جانے دیں۔"

"جا رہی ہوں۔ آپ کہہ دیجیے گا کہ میں نے قتل کر دیا فرح کو۔" فرح متورم آنکھیں لیے چھوٹا سا بیگ کندھے پر ڈالے اور بڑی چادر اوڑھے کمرے سے نکلی تھی۔

"نہیں جاؤنا۔ رک جاؤ۔ میں تم دونوں کے بغیر مر جاؤں گی۔" سلیمان جان نے فوراً آگے بڑھ کر فرح کا بازو تھاما تھا۔

"جانے دیں اسے اور اگر تم میں غیرت ہوئی تو پلٹ کر مت آنا۔" جرار نے خون چھلکاتی نظروں کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔

"نہیں آؤ گی۔"

"نا ہی میرے گھر کے کسی فرد سے کوئی تعلق یا کونٹیکٹ کرنا۔" جرار نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی تھی۔

فرح اسے گلہ آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے آگے بڑھی تھی۔

"مت جاؤ۔ میں بھی جاؤ گی پھر۔" اسے آگے بڑھتا دیکھ کر سلیمان جان نے فرح کا بازو تھام کر اس کے ساتھ چلنا شروع کیا تھا۔

"بالکل نہیں۔" جرار فوراً اٹھا تھا اور ماں کو کندھوں سے تھام کر اپنی طرف کھینچا تھا "جس کے پاس اپنا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے آپ اس کے ساتھ نہیں جائے گی۔"

"چھوڑ دو مجھے۔" سلیمان جان جرار کی سخت گرفت پر مچلنے لگی۔

جرار نے نہیں ماننا تھا وہ نہیں مانا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

فرح بھاری ہوتے دل کے ساتھ باہر آئی تھی۔کہاں جانا تھا کیا کرنا تھا اس نے کچھ نہیں سوچا تھا۔

وہ خالی ہوتے دماغ کے ساتھ کھڑی تھی۔اسے ڈھیر سارا رونا بھی آرہا تھا پر ایک چیز تھی جو وہ محسوس نہیں کر رہی تھی اور وہ تھا خوف۔۔۔

شہزاد خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اور فرح فرنٹ سیٹ پر بیٹھی چہرہ دوسری طرف موڑے خاموشی سے آنسو بہا رہی تھی۔

"آپ اونچی آواز میں رو سکتی ہیں۔"

"میں آپ کے سامنے کیوں روؤں؟"فرح چاہ کر بھی لہجے کی نمی کو چھپا نہیں سکی تھی۔

"آپ فکر نہیں کریں،آپ اکیلی نہیں ہیں۔"شہزاد نے نرم لہجے میں کہتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"جانتی ہوں اللہ میرے ساتھ ہے۔"

"میں اب بھی آپ سے نکاح۔۔۔"

"نہیں کرنا مجھے۔" فرح اتنی زور سے چلائی تھی کہ شہزاد دم بخود رہ گیا تھا۔ وہ لب بھینچے نظریں روڈ پر ہی مرکوز کر چکا تھا۔

"آپ یہیں اتار دیں مجھے۔ میں خود ہی خالدہ کے گھر چلی جاؤں گی۔ روک دے گاڑی۔" فرح اب اس کی طرف چہرہ موڑ چکی تھی۔

"یہ گاڑی خالدہ کے گھر ہی رکے گی اب۔" شہزاد کا لہجہ بھی سنجیدہ ہو چکا تھا۔

خالدہ کے گھر تک کا سفر پھر خاموشی سے طے ہوا تھا۔

فرح کی زندگی اس ایک واقعے نے بدل کر رکھ دی تھی۔ وہ اب پہلے جیسی نہیں رہی تھی وہ مزید تلخ ہو چکی تھی۔ وہ ماں سے ملنا چاہتی تھی پر مل نہیں پاتی تھی۔ وہ روپوش ہو چکی تھی۔ ممنون کے آدمی اس کی بو سونگھتے پھر رہے تھے۔

شہزاد کے لاء فرم پر فائرنگ کے نتیجے میں حنا اور گلریز کی موت ڈیکلیئر کر دی گئی تھی جب کہ شہزاد ان دونوں کو رسالپور بھیج چکا تھا۔

فرح اسلام آباد کے ہاسٹل میں شفٹ ہو چکی تھی جہاں اس نے ایک سال روپوشی میں گزاری تھی۔ وہ بس ہاسٹل میں بیٹھی آرٹیکلز لکھتی رہتی تھی۔ اس کی زندگی مزید خاموش ہو گئی تھی، اس کے پاس کوئی بھی نہیں تھا جس سے وہ کوئی بات کر سکتی۔

آہستہ آہستہ ممنون بھی ہار مان کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ فرح کا جی چاہتا تھا کہ وہ ایک دفعہ گھر جا کر ماں سے مل آئیں پر اسے جرار کے الفاظ یاد آ جاتے تھے۔ وہ بھی پٹھان تھی اور غیرت کی مٹی سے بنی تھی۔ کئی دفعہ اس نے گھر کال کرنے کی کوشش کی پر وہ نمبر بند ملتا تھا۔ اس نے خالدہ کی مدد سے پتا کروایا تو جرار وہ محلہ ہی چھوڑ چکے تھے۔

فرح کا دل مزید ڈوبا تھا۔ ملنے کی آس بھی ٹوٹ گئی تھی۔ فرح ذہین تھی، قابل تھی اور اپنی قابلیت کے بل بوتے پر وہ اسکالرشپ حاصل کر کے لانکیسٹر یونیورسٹی چلی گئی تھی کبھی نا لوٹنے کے لیے۔

❀❀❀

آج

فرینکفرٹ کے اس اپارٹمنٹ کی کھڑکیوں پر نمی جم سی گئی تھی جیسے بھاپ سے بنتی ہے۔

لاؤنج کے دائیں طرف چھوٹے سے کونے میں چھوٹا سا ہی ڈائننگ ٹیبل رکھا ہوا تھا۔

کافی کے دو کپ دو لوگوں کے آگے میز پر رکھے رکھے ٹھنڈے ہو چکے تھے۔

ماضی کربناک تھا۔ماضی کا درد فرح کے چہرے پر لکھا ہوا تھا۔گھر والوں سے دوری اسے ہر انسان سے دور کرتی گئی اتنا کہ وہ کسی پر بھروسہ بھی نا کر سکی۔ایک اچھائی کا نتیجہ اسے گھر والوں سے دوری کی صورت ملا تھا۔ان کی آنکھوں میں ہلکی ہلکی نمی تھی۔

"میں۔۔۔"مہروز نے گلہ کھنکھارا تھا"کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔پانچ سال کی بچی کو اتنا کچھ تو یاد نہیں ہو گا پھر میں مائدہ کے گھر بھی تھی ان دونوں اور جب جب میں مورے یا بے بے سے پوچھا کرتی تھی وہ خاموش ہو جایا کرتی تھی۔"مہروز کے لہجے میں بھی اداسی گھل گئی تھی۔

اسے لگا تھا فرح نے اپنی پسند کی شادی کی ہو گی اسی لیے سب ان سے ناراض تھے پر یہاں تو وہ دو لوگوں کی زندگیاں بچانے کی سزا کاٹ رہی تھی۔اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ جرار اتنے سخت مزاج بھی ہو سکتے تھے۔وہ تو نرم مزاج تھے، مہروز کی ہر بات مانتے تھے کبھی اپنی پٹھانی

Clubb of Quality Content!

غیرت کو اس کے شوق کے آگے آنے نہیں دیا تھا پر یہ کونسا روپ تھا جو اس کے سامنے آیا تھا۔اسے لگا تھا ملاپ آسان ہوگا مگر یہ ملاپ تو دو غیرت مندوں کی ضد سے جڑی ہوئی تھی۔

"اور۔۔۔آپ نے ان بیرسٹر سے نکاح کا سوچا کبھی پھر؟"مہروز نے محتاط الفاظ کے ساتھ ان سے سوال پوچھا تھا۔

"مہروز میں نے شادی کے بارے میں کبھی نہیں سوچا تھا۔میرا بچپن عام لڑکیوں جیسا نہیں تھا نا میری جوانی۔"فرح نے نظریں اٹھا کر مہروز کو دیکھا تھا"میرا بچپن محرومیوں میں گزار۔میرے باپ نے ہمیں محرومیوں میں رکھا۔جب ان کے خاندان سے لوگ ہمارے گھر ٹھرنے آتے تھے تو وہ انہیں لیے لیے شہر گھماتے تھے اور ہم تین لوگ گھر بیٹھے رہتے تھے۔میری ماں کے گھر سے کوئی فرد ہمارے گھر نہیں آسکتا تھا۔میری ماں میری نانی سے بات نہیں کر سکتی تھی۔بلکہ ایک دفعہ یاد ہے مجھے،اسکول میں میری ایک بچی سے لڑائی ہوگئی تھی اور غلطی پر بھی وہی تھی۔وہ اپنے باپ کو لے کر میرے گھر آگئی اور میرے باپ نے اس کے سامنے مجھے تھپڑ مارا تھا،میرا دفاع نہیں کیا تھا۔میرے باپ نے ساری زندگی اپنے بھائی کے بچوں کے نام کردی تھی۔میرے باپ کا سارا پیسہ ان کا تھا،ان کی محبت بھی ہمارے

لیے نہیں تھی۔کچھ بھی ہمارے لیے نہیں تھا۔مہروز ا یسے گھروں کے بچے جن کے ماں باپ نے اچھی زندگی نہ گزاری ہوان گھروں کے بچے اتنی جلدی شادی کے رشتے پر بھروسہ نہیں کرتے۔انہیں خوف آتا ہے کہ وہی کہانی جو میری ماں کی تھی وہی سب میرے ساتھ نا ہو جائے۔تم سوچوں جس شخص کی وجہ سے میں شادی سے بددل ہوئی وہ کتنا برا شخص ہو گا۔"

فرح نے جیسے بات ہی ختم کر دی تھی۔ان کے الفاظ لاؤنج کے دیواروں پر بھی اپنا اثر چھوڑ گئے تھے۔ماحول میں حزن سا پھیل گیا تھا۔

"وہ اچھا آدمی تھا پر میرا خوف مجھے اس کا ساتھ قبول کرنے نہیں دیتا تھا۔مجھے خوف تھا کہ میرا بچپن، میری جوانی جن محرومیوں اور تکالیف میں گزری اگر شادی کے بعد بھی وہ تکالیف کم نا ہوئی تو شادی کا فائدہ؟میں مار پیٹ یا گالیاں کھانے کے لیے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔میں اپنی ماں کی طرح اپنے شوہر سے دو وقت کی روٹی کھانے کے طعنے اور احسان جتانا نہیں سن سکتی تھی۔میں یہی سوچتی تھی کہ ایک شوہر کا دو روٹیوں اور ایک چھت کا ہی احسان ہے نا عورت پر تو میں اپنے لیے خود پیسہ کماؤں گی۔یہ مرد کی کم ظرفی ہوتی ہے کہ وہ اپنی بیوی پر

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

احسان جتائے اس نان نفقے کا جو اللہ نے طے کیا ہے۔ ہو سکتا ہے میرا نصیب مختلف ہوتا پر۔۔۔"فرح نے کافی کا مگ اٹھالیا تھا"میرے لانکیسٹر آنے کے دو سال بعد ہی اس نے شادی کر لی تھی۔"فرح نے استہزایہ ہنس کر کافی کا گھونٹ بھرا تھا۔

فرح کے لہجے کا کرب مہروز کے دل کو لگا تھا۔ فرح ایک ایسے غم کا پہاڑ لگتی تھی جو بہت سارے آنسو جمع ہونے کے بعد بنتا ہے۔ مہروز کا گلہ بھاری ہونے لگا۔

"میں اس کو کوئی الزام نہیں دیتی۔ ظاہر ہے ہر کوئی شادی سے بد دل نہیں ہوتا نا ہی اکیلے زندگی گزارنا ہر کسی کے بس کی بات ہے۔اس کی ماں زندہ تھی اور ظاہر ہے انہیں خواہش ہو گی بیٹے کے سر پر سہرا دیکھنے کی۔وہ کب تک میرا انتظار کر سکتا تھا۔"

مہروز کا دل ڈوب رہا تھا۔اکیلے زندگی گزارنا کٹھن ہوتا ہے مگر وہ شخص بھی کتنا برا ہوتا ہے جس کا رویہ دوسرے کو اتنا متاثر کر لیتا ہے کہ وہ ہر بندھن کو قید سمجھنے لگتا ہے اور گھبرا کر اکیلے زندگی گزارنے کا فیصلہ کرتا ہے کہ شاید یوں اسے کوئی دکھ نہیں ملے گا۔ حالانکہ دکھ تو دونوں صورتوں میں ہی ساتھ رہتا ہے فرق اتنا ہے کہ اتنے رشتوں میں کوئی ایک ایسا رشتہ ضرور نکل آتا ہے جو آپ کے دکھ کو بڑھانے کے بجائے اسے کم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

"اور حنا وغیرہ؟ وہ اب محفوظ ہیں؟"

"بہت وقت ہو چکا ہے مہروزان سے رابطہ کیے۔ آج سے چار سال پہلے میرا آخری دفعہ رابطہ ہوا تھا ان سے۔ حنا کے چار بچے ہیں اب اور بڑے کے لیے وہ لڑکی ڈھونڈ رہی تھی۔" فرح نے مسکرا کر سر جھٹکا تھا۔

"آپ مطمئن ہو نگی نا اتنے لوگوں کی زندگی بچا کر؟"

"بالکل۔ مجھے صرف اپنی ماں سے دور رہنے کا غم ہے مہروز۔ باقی میری زندگی میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ میں نہیں جانتی کہ ہر راستہ کیسے آسان ہوتا گیا۔ پہلے ممنون کے آدمیوں سے جان چھوٹی پھر لانکیسٹر میں اسکالرشپ آفر ہوئی پھر وہی سے پی ایچ ڈی کی تو فیلوشپ آفر ہو گئی، مجھے بکس لکھنے پر لٹریری ایوارڈز ملے اور اب مجھے کسی یونیورسٹی میں پڑھانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بس پی ایچ ڈی کے طلبہ کو ریسرچ میں سپروائیز کرنا پڑتا ہے۔ میرے پاس پیسے کی کوئی کمی نہیں ہے۔ میں پیسے کے پیچھے نہیں بھاگی، پیسہ جیسے خود میرے پیچھے آتا رہا ہے۔ میں خوش اور مطمئن ہوں۔ میں اب بھی سمجھتی ہوں کہ ان کا قدم غلط تھا مگر بچوں کی مرضی نہ ماننا بھی تو غلط ہے۔ جس عمر میں تم ہو نا یہ بڑی جذباتی عمر ہوتی ہے اس میں

آپ بچے پر زبردستی کر کے اسے توڑ دیتے ہیں۔اسے بس محبت ہی سمجھ آتی ہے اور کچھ نہیں لیکن قتل کر دینا۔۔۔اسلام میں قتل بہت ہی نا گزیر حالات میں الاؤڈ ہے پر گاؤں میں تو بات بات پر انسان کو قتل کرنا ایسا ہے جیسے چیونٹی کو پیروں تلے روند دینا،کیوں؟غیرت۔۔۔بس اس غیرت نے اتنے قتل کروا ڈالے کہ اس غیرت سے پوچھنا چاہیے اور کتنا خون چاہیے کہ تمہاری پیاس بجھے۔"فرح آخر میں ہنس دی تھی"حالانکہ تم غور کرو تو غیرت ایک احساس ہے،فیلنگ،abstract چیز۔ایک ایسی چیز جو صرف یہاں۔"فرح نے شہادت کی انگلی ماتھے پر رکھی تھی"یہاں ہے۔Everything is in our head"فرح نے کندھے اچکائے تھے۔

مہروز نے گہرا سانس بھر کر کافی کا مگ اٹھایا تھا۔تو یہ تھا وہ ماضی جو اس سے چھپایا جا رہا تھا۔تو یہ تھی وہ غیرت اور ضد کی کہانی جس نے بیٹی کو ماں سے جدا کر دیا تھا۔اس خوف سے گھر کی دوسری بیٹی کو سنائی نہیں جاتی تھی کہ کہیں وہ متاثر نا ہو جائے۔

پر اس سب میں فرح کہاں غلط تھی؟فرح کی سوچ بدل گئی تھی،غلطی صرف یہی تھی۔

مہروز نے نظر اٹھا کر فرح کو ایک عزم کے ساتھ دیکھا تھا۔اب اور نہیں۔اگر جرار واقعی اس سے محبت کرتے ہیں تو انہیں فرح کو واپس بلانا ہو گا۔

❁❁❁

وہ ایک لمبی سی راہداری میں پھنسے ہوئے تھے۔نیم اندھیر راہداری میں وہ جس کمرے کا دروازہ کھولتے تھے وہاں فرح کی گلہ کرتی آنکھیں یک ٹک انہیں دیکھے جاتی تھی۔وہ گھبرا کر دروازہ بند کر کے اگلے دروازے کی طرف بڑھے مگر اگلے دروازے میں بھی فرح کی بڑی سی شکایتی نظریں اسے دیکھے جارہی تھیں۔جرار نے گھبرا کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ان کا دم گھٹنے لگا تھا کوئی دروازہ بھی نجات کا دروازہ نہیں تھا۔ہر دروازہ ماضی کی طرف کھلتا تھا۔

جرار کی آنکھیں یک دم کھلی تھی۔وہ نیم اندھیر کمرے میں اکیلے لیٹے ہوئے تھے۔ان کی گردن اور کمر پسینے سے شرابور تھی۔جرار کہنی کے بل اٹھے تھے اور پاؤں پر دباؤ ڈالتے ہوئے اٹھے تھے۔ان کے پاؤں من من وزنی ہو رہے تھے۔

اندھیرا ماضی کی طرف دھکیل رہا تھا۔

خاموشی خود احتسابی کروا رہی تھی۔

وہ کتنی دیر یونہی خاموش بیٹھے رہے جیسے سانس بھی نا لیتے ہو۔

آج پھر فرح انہیں یاد آئی تھی۔ وہ ماں اور بیوی کے سامنے مضبوط بننے کی کوشش کرتے تھے، فرح سے ناراض رہتے تھے دراصل ایسا کچھ تھا ہی نہیں۔ وہ اب بھی اس کے لیے اتنے ہی اداس تھے جتنا اس کے گھر چھوڑتے وقت تھے۔

جب پہلی رات فرح نے گھر سے باہر گزاری تھی تو جرار کو احساس ہوا تھا کہ جو بھی ہوا تھا وہ ٹھیک نہیں ہوا تھا۔ غصہ وقتی تھا اور اب غصے کا نتیجہ اچھا نہیں نکلا تھا۔ جرار سینہ مسلتے کمرے سے باہر نکلے تھے تو سلیمان جان کو وہی لاؤنج کے دروازے کے پاس بیٹھے پایا تھا۔ ان کی نم آنکھیں کسی کی منتظر لگ رہی تھی۔

"مورے۔ یہاں گرمی میں بیٹھی ہیں۔" جرار فوراً اماں کی طرف بڑھا تھا اور ان کے قدموں میں بیٹھا تھا۔

"مورے بات کرے نا مجھ سے۔" ماں کی خاموشی انہیں کھل رہی تھی۔

"مورے۔" انہوں نے سلیمان جان کا گھٹنا ہلایا تھا۔

Clubb of Quality Content

"فرح اپنی مرضی سے گھر چھوڑ کر گئی ہے میں نے اسے نہیں نکالا۔اچھا میں اسے ڈھونڈ لونگا۔"

سلیمان جان کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔وہ ایسے ہی خاموش بت بنے بیٹھی رہی۔ان کی آنکھیں ویران لگ رہی تھیں۔

"مورے میرا کیا قصور ہے؟ کیا اس نے ہمیں اعتماد میں لیا؟ مجھے نہیں تو آپ کو ہی بتا دیتی۔آپ ہمیشہ اسی کا ساتھ دیتی ہیں چاہے وہ غلط ہی کیوں نا ہو۔" جرار بس رو دینے کو تھا۔

سلیمان جان یونہی خاموش رہی جیسے چپ کا روزہ رکھ لیا ہو۔

اگلی صبح جرار فرح کا پتا کرنے اس کی یونیورسٹی گیا تھا مگر وہاں وہ استعفیٰ دے آئی تھی۔وہ پریشان ہوتا واپس گھر آیا تھا۔اسے فرح کی دوستوں اور کولیگز کا بھی معلوم نہیں تھا۔اس نے خاندان کے لوگوں سے پتا کروانے کی کوشش کی مگر وہ کسی کے گھر نہیں تھی نا ہی ممنون کے قبضے میں تھی۔فائرنگ کے نتیجے میں حنا اور گلریز کی موت کی خبر نے جرار اور سلیمان جان کو مزید ہلا کر رکھ دیا تھا۔

حنا کی موت سے جہاں ممنون کو سکون ملا تھا وہیں فرح کی روپوشی انہیں چین نہیں لینے دے رہی تھی۔

ممنون اپنے بڑے بیٹے سمیت ان کے لاؤنج میں کروفر کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔

پانچ سال کی مہروز دونوں گھٹنے جوڑے ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"بیٹی بہت پیاری ہے تمہاری۔" جرار کو لاؤنج میں داخل ہوتا دیکھ کر ممنون نے تبصرہ کیا تھا۔

"مہروز جاؤ اپنی ماں کے پاس۔" جرار کے ابرو تن گئے تھے۔

چھوٹی سی مہروز سر ہلا کر فوراً لاؤنج سے باہر بھاگی تھی۔

"اب کیا لینے آئے ہو؟" جرار قمیض کا دامن برابر کرتے صوفے پر بیٹھے تھے۔

"فرح ابھی بھی آزاد ہے۔"

"تو؟"

"تو ہمارا بدلہ پورا نہیں ہوا۔" ممنون نے گردن ادھر ادھر موڑ کر جیسے فرح کو ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی۔

"فرح اب یہاں نہیں رہتی۔"

"کہاں ہے اب وہ؟"

"خود ڈھونڈ لو اسے۔"

"تم بتادو کہاں چھپایا ہے؟ کیا ہم سے خواری کروا رہے ہو۔"

"اسے نکال دیا ہے یہاں سے میں نے۔ اسے تم اب ڈھونڈو یا مارو مجھے کوئی سروکار نہیں ہے اس سے۔" جرار نے دل پر جبر کرتے ہوئے یہ جملے ادا کیے تھے۔

"اب تک اس کے ساتھ کھڑے تھے اور اب اس سے قطع تعلقی۔" ممنون کا انداز طنزیہ تھا۔

"کیونکہ میں نہیں جانتا تھا کہ حنا کو چھپانے میں اس کا ہاتھ ہے۔ جب جان گیا تو اپنا فرض سمجھ کر اسے نکال دیا ہے۔"

"میں کیسے یقین کروں؟"

"مجھے تنگ مت کرو۔ آگ تمہارے گھر میں لگی اور تم نے اس کے شعلے میرے گھر تک آنے دیے۔ میری لائف ڈسٹرب کردی۔ اب تمہیں فرح ملے تو اس کے ساتھ جو چاہے

کرنا۔" جرار کے ہاتھ کپکپائے تھے۔ان کا دل بھی ڈوبا تھا مگر انہوں نے خود کو مضبوط بنائے رکھا۔ان کی دل سے دعا نکلی تھی کہ اسے بھی فرح کی موت کی خبر ملے اور وہ ان ظالموں سے بچ جائے۔

"تو پھر مہروز۔۔۔"

"نام نا لو اس کا۔" جرار نے فوراً اس کی بات کاٹی تھی۔ان کا دل دہل گیا تھا۔

"تمہارے پتے کی بات ہے۔میرے پوتے سے مہروز کے بالغ ہوتے ہی نکاح پڑھوا دو۔ہم فرح کو اور تم سب کو معاف کر دینگے ورنہ جرار خان میں کچھ بھی معاف نہیں کرتا۔فرح تو جان سے جائے گی ہی تم بھی زندہ نہیں رہو گے۔سوچو تمہارے گھر صرف خواتین ہیں، تمہارا تو کوئی بیٹا بھی نہیں۔کون ان عورتوں کا سہارا بنے گا؟ گاؤں میں تم سب پر اتنی تھو تھو ہو چکی ہے کہ اب وہاں جانا تو بالکل ناممکن ہے تم سب کے لیے۔سوچو۔"

جرار دم سادھے ممنون کے چہرے پر ابھرنے والی خبیث مسکراہٹ دیکھ رہے تھے۔حاشر خاموش بیٹھا باپ کی شرائط سن رہا تھا۔

"یہ۔۔۔فضول سی شرط ہے۔" جرار اٹکے تھے "مہروز کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔بچوں کو بیچ میں نہیں لاتے ممنون۔جنگوں میں بھی بچوں کو چھوڑا جاتا ہے۔"

"ہمارے جنگ کے اصول مختلف ہیں۔"

"تم پیسے لے لو۔"

ممنون طنزیہ ہنس دیے تھے "تم اور پیسے؟ تمہارے پاس جائیداد تو ہے نہیں، کرائے کے مکان میں رہتے ہو اور ہمیں پیسے دو گے۔"

"تم مانگو تو؟"

"پچاس لاکھ۔" حاشر فوراً بولا تھا۔

جرار کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔انہوں نے انگوٹھے سے ماتھے پر آیا پسینہ پونچھا تھا۔

"ٹھیک ہے۔"

"ٹھیک ہے؟" ممنون کو حیرت ہوئی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تمہیں مطلوبہ رقم مل جائے گی۔ میں تمہارے بینک میں ڈال دونگا۔"

"ایک مہینہ۔"

"ایک نہیں دو تین مہینے دو۔"

ماضی حال میں گڈمڈ ہوتی گئی اور حال نے ماضی کو شکست دے دی۔

جرار یونہی رات کی خاموشی اور نیم اندھیر کمرے میں تھکے تھکے سے بیٹھے رہے۔ انہیں کبھی کبھی مرد ہونا بوجھ لگتا تھا، مردانگی ایک بوجھ لگتی تھی جسے سنبھالتے سنبھالتے وہ تھک گئے تھے۔ یہ مردانگی انہیں ماں کے ساتھ دل کا حال بیان کرنے نہیں دیتا تھا۔ وہ جیسے بیٹی کی خوشی کے لیے مسکرا دیتے ورنہ وہ اب دل سے نہیں ہنسا کرتے تھے۔ انہیں زندہ دل نہیں کہا جا سکتا تھا۔

وہ فرح سے وقتی طور پر متنفر ضرور ہوئے تھے مگر وقت نے ہی انہیں احساس دلایا تھا کہ انہیں فرح سے نفرت نہیں تھی۔ وہ ناراض ضرور تھے مگر اس سے نفرت پھر بھی نہیں کر سکے تھے۔ ممنون کے دوبارہ گھر آنے پر وہ دوبارہ فرح سے بددل ہوئے تھے جس کے ایک غلط

قدم کا خمیازہ انہیں بھگتنا پڑا تھا اور وہ آج تک بھگت رہے تھے۔ قرض نے ان کی جوانی کھالی اور اب بڑھاپا بھی سکھ سے نہیں گزرنے دے رہی تھی۔

وہ نہیں چاہتے تھے کہ مہروز کو ماضی کی بھنک پڑے۔ انہوں نے گاؤں جانا بھی ترک کر دیا تھا۔ بس ان کی فیملی اب ان کی ماں، بیوی اور بیٹی تھی۔ وہ آگے بڑھ جانا چاہتے تھے مگر ماضی بھی کہاں آسانی سے بھولا یا جاسکتا ہے۔

❀❀❀

فرینکفرٹ کے اس اپارٹمنٹ پر پڑنے والی صبح بہت مختلف تھی۔ قد آدم کھڑکیوں سے پردے ہٹے ہوئے تھے۔ ہلکی ہلکی دھوپ ڈائننگ ٹیبل پر پڑ رہی تھی۔

کچن سے اشتہا انگیز خوشبوئیں پورے لاؤنج میں پھیلی ہوئی تھی۔

اس اپارٹمنٹ کا ماحول ایسا تھا جیسے بارش ہو جانے کے بعد موسم خوشگوار ہو جاتا ہے۔ مرجھاتے پھول پانی چوستے ہی توانا محسوس کرنے لگتے ہیں۔

فرح بہت وقت بعد اتنی پر سکون اور مطمئن لگ رہی تھی۔ فرح ایپرن باندھے کمر ہلا کر گنگنا رہی تھی۔

مہروز ان کا ساتھ دیتی پیاز کاٹ رہی تھی۔ وہ فرح کو مسکراتے گنگناتے دیکھ کر ہنس دیتی تھی اور کبھی ان کا ساتھ دیتے ہوئے خود بھی گا لیتی تھی۔

فرنچ آملیٹ اور بل والے پراٹھے تیار تھے۔ دونوں خواتین ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی ناشتہ سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

"تو پھر کل جاؤ گی واپس؟" فرح نے چائے کا پیالہ اٹھاتے ہوئے مہروز کو دیکھا تھا۔

"جی۔ اس مہینے سے پیپرز شروع ہونے والے ہیں اس لیے میں نے کمپنی میں بات کر لی تھی کہ میں ریموٹ کام کرو گی۔ آنے جانے میں وقت ضائع ہو جاتا ہے بہت۔" مہروز نے ٹشو سے گھی میں ڈوبی انگلیاں صاف کی تھی۔

"میں تو بہت مس کرو گی تمہیں۔" فرح نے بچوں جیسا منہ بنا کر اپنے دکھ کا اظہار کیا تھا۔

"پیپرز کے بعد آؤ گی نا۔ ویسے آپ میری سپروائزر کیوں نہیں بن جاتی؟ میں تو پیپرز کے فوراً بعد تھیسز کی تیاری شروع کر دونگی۔"

"سوچ لو بہت خرانٹ قسم کی سپروائزر ہوں میں۔" فرح نے شرارتاً کہتے ہوئے آنکھ دبائی تھی۔

"خرانٹ۔"مہروز نے ہنستے ہوئے سر ہلایا تھا۔

"اچھا مجھے ایک بات یاد آئی۔"فرح نے کانٹے سے فرنچ آملیٹ کا ٹکڑا کاٹا تھا"یہ قرض کی کیا بات تھی؟"

"کچھ خاص نہیں۔مجھے ویسے اتنا پتا بھی نہیں ہے۔"مہروز نے لاپرواہی سے کندھے اچکا کر آملیٹ کا ٹکڑا منہ میں ڈالا تھا۔وہ جان بوجھ کر قرض والی بات گول کر گئی تھی۔

"یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے۔"فرح نے مصنوعی رعب ڈالا تھا۔

"سفید تو نہیں براؤن ہیں۔"مہروز نے بات ہوا میں اڑانے کی کوشش کی۔

"صاف صاف بتاؤ مہروز۔کیسا قرض ہے خان لالہ پر؟"

"آپ کو پتا ہے ناوہ مجھے لا علم رکھتے ہیں۔"

"بس بس۔لا علم رکھتے تو کل قرض کا ذکر نا کرتے۔بھلا تم بھی چپ رہ سکتی ہو؟دیکھ لیا میں نے کہ تمہیں بال کی کھال اتارنی آتی ہے۔ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ تم نے قرض کی داستان سنے بغیر ان کا قرض اتارنے کا فیصلہ کر لیا۔"

مہروز نے گہرا سانس بھرتے ہوئے کرسی سے ٹیک لگائی تھی۔

"مجھے یہاں پڑھنے کے لیے آنا تھا اور اس کے لیے خان بابا نے۔۔۔چوالیس لاکھ کا قرض لیا ہے۔" مہروز نے شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے سر جھکا لیا تھا۔

فرح چائے کی چسکی لیتے ہوئے مہروز کو بس دیکھے گئی۔دونوں کتنی ہی دیر خاموش رہی۔

"میرے لیے ایک پلاٹ لیا تھا وہ بھی بیچ دیا انہوں نے۔ساری زندگی بس وہ ہمارے لیے محنت ہی کرتے رہے جیسے مشین ہوتی ہے ایسے بس چلتے رہے۔مجھے میڈیکل کا شوق تھا پر میرٹ پر میرا داخلہ نہیں ہو سکتا تھا اور پرائیویٹ لینے کا میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔میں جانتی تھی کہ اگر میں اپنی خواہش کا اظہار ان سے کر دیتی تو وہ کسی بھی طریقے سے وہ پوری کرتے مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔اکثر خان بابا مجھ سے کہتے تھے کہ میری آخری خواہش تمہارے لیے گھر خریدنا ہے۔" مہروز نے بھرائے گلے میں کہتے ہوئے فرح کو دیکھا تھا "میری وجہ سے ان پر قرض کا بوجھ بڑھ گیا۔میں اسی لیے یہاں اوور ٹائم لگاتی ہوں تاکہ جلد از جلد ہمارا قرض ادا ہو سکے۔"

مہروز نے مسکرا کر گیلی آنکھیں صاف کی تھی۔

"پھو پھو خان بابا برے نہیں ہیں بس وہ۔۔۔

"تم مجھے اپنا کتنے قریب پاتی ہو؟" فرح کے اچانک سوال کرنے پر مہروز کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔اس نے نا سمجھی سے فرح کو دیکھا تھا۔

"یہ کیسا سوال ہے پھو پھو؟"

"اگر تم بھی مجھ سے ایسی محبت کرتی ہو جیسے اپنے بابا سے ہے تو تم مجھے انکار نہیں کرو گی۔"

"انکار تو بنتا ہی نہیں اب۔اتنے سال بعد ملے ہیں اب کوئی کسی کو انکار نہیں کریگا۔" مہروز نے ان کے ہاتھ کی پشت پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

"تو یہ قرض میں ادا کرو گی۔"

"نہیں پھو پھو میں نے اس لیے۔۔۔"

"بس۔" فرح نے فوراً ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کرا دیا تھا" ابھی تم نے کہا مجھے انکار نہیں کرو گی۔کیا میرا تم پر حق نہیں ہے؟ میں کیا کرو گی اس پیسے کا جب میری بھتیجی اتنی محنت کر کے اپنا قرض اتار رہی ہے۔تم محنت کرو مگر وہ پیسے اپنے لیے جمع کرو۔میرے پاس جو پیسے ہیں

Clubb of Quality Content

وہ انڈے تو دے نہیں رہے۔ میں نے خان لالہ کو تکلیف بھی بہت دی ہے، اگر میں ان کی پریشانی زرا سی بھی کم کر سکتی ہوں تو تم مجھے مت روکو۔"

"انہیں پتا لگ جائے گا۔" مہروز ابھی بھی اپنے انکار پر اصرار کر رہی تھی۔

"تو انہیں بتائے گا کون؟" فرح نے اٹھی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ مہروز کو دیکھا تھا۔

مہروز بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے چہرہ دائیں طرف موڑ کر کھڑکیوں سے اندر آتی دھوپ کو دیکھنے لگی۔

❀❀❀

اسکلیٹیز کی حدود میں معمول کا کام جاری تھا البتہ آج کے دن تمام ورکرز کو کمپنی کی طرف سے ایکٹیویٹیز کے لیے بھیجا گیا تھا۔ آج ہائیکنگ کا دن تھا۔

مہروز اسنیکرز پہنے، بلیو جینز اور چیک والی شرٹ پر گلے میں مفلر باندھے چھوٹی سی پہاڑی پر چڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس سے پیچھے دوسرے ڈیپارٹمنٹ کے لوگ آہستہ آہستہ اوپر چڑھ رہے تھے۔ مہروز اپنے دفتر کے عملے کے ساتھ آ تو گئی تھی مگر وہ حد سے زیادہ بور ہو رہی تھی۔ اسے بار بار مائدہ یاد آ رہی تھی۔ ایسی جگہیں تو پھر دوستوں کے ساتھ گھومنے میں

مزہ دیتی ہیں۔ وہ اپنے عملے کے ساتھ ہلکی پھلکی بات بھی کر لیا کرتی تھی مگر ان کے ساتھ اس کی دوستی ہوئی تھی نا انڈر اسٹینڈ نگ۔

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ پہلے کچھ کھانا لے پھر ہائیکنگ کر لیں گے۔" ڈیوائن نے بیچارہ سا منہ بناتے ہوئے ساتھیوں کو دیکھا تھا۔

"تمہیں تو ویسے ہی ہر وقت بھوک لگی رہتی ہے۔ کبھی کبھار تو ایسے واک کرنے آتے ہیں وہ بھی تم کھانے کی نظر کرنا چاہتے ہو۔ پہلے واک کریں گے ہم۔" سارہ ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے آگے بڑھی تھی۔

ٹیم لیڈ کو آگے بڑھتا دیکھ کر ڈیوائن نے اپنے برابر چلتی مہروز کے کان کے قریب منہ کیا تھا "یہ ہر وقت ڈائٹ پر رہتی ہے اور چاہتی ہے کہ ہم سب بھی بس ڈائٹ کریں۔ ابھی یہ صرف اپنے ڈائٹ کی وجہ سے ہم سب کو بھوکا رکھنا چاہتی ہے۔" اس نے نہایت جل کر دل کا پھپھولا توڑا تھا۔

مہروز مسکراتے ہوئے سر ہلا کر آگے بڑھ گئی تھی۔

جوں جوں وہ لوگ پہاڑ پر چڑھتے جاتے تھے دھند کچھ زیادہ ہی محسوس ہونے لگتی تھی۔ پہاڑوں پر ٹھنڈک کا احساس کچھ زیادہ ہی ہو رہا تھا۔

مہروز سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے واپس جانے کے ارادے سے مڑی تھی۔

"بس اتنا سا اسٹیمنا تھا؟" سارہ نے پلٹ کر مہروز کو دیکھا تھا۔

"نہیں اسٹیمنا کی بات نہیں ہے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ پہاڑوں پر اتنی سردی ہو گی اور میرا سویٹر بہت ہلکا ہے۔ میں پیپرز کے نزدیک بیمار ہونے کا رسک نہیں لے سکتی۔" مہروز کی ناک سردی کی وجہ سے سرخ پڑ رہی تھی۔

ڈیوائن بھی مہروز کو مڑتا دیکھ کر اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

مہروز کوفت کا شکار ہوتی اسپیڈ کچھ اور بڑھا چکی تھی۔ اسے تیز تیز چلتا دیکھ کر ڈیوائن بھی تیز تیز چلنے لگا۔ بھاری جسامت کے باعث وہ ہانپنے لگا۔ مہروز گاہے بگاہے ایک گہرا سانس خارج کرتی منہ سے بھانپ نکالتی چڑھنے والی سانس پر قابو پا لیتی تھی۔ اس نے کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد مڑ کر دیکھا تھا مگر ڈیوائن اس کے پیچھے نہیں تھا۔ مہروز شکر ادا کرتی مڑی تھی کہ اسے

دھند میں سرجوش سے مشابہہ شخص نظر آیا تھا۔یہ وہی تھا جسے اس نے ایونٹ والے دن بھی دیکھا تھا۔

"سرجوش۔"مہروز نے اونچی آواز میں اسے پکارا تھا اور ایک اسکینڈ ضائع کیے بغیر وہ تیز تیز آگے بڑھی تھی۔

ہیولہ اسے اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر تیزی سے پلٹا تھا۔وہ پہاڑی پتھروں پر بھی اتنی مہارت سے توازن قائم کیے چل رہا تھا جیسے اس کی زندگی انہیں پتھروں پر چلتے پھرتے گزری ہو۔

مہروز کئی بار لڑکھڑائی مگر خود کو سنبھالتے ہی وہ پھر سے تیز قدم اٹھاتی تھی۔بھاگنے سے اس کے پونی میں بندھے بال جھول جھول کر اس کے کندھے پر گرتے تھے۔

"رک جاؤ۔کون ہو تم؟"مہروز ایک بار پھر چلائی تھی۔

نارنجی سویٹر دھند میں کہیں غائب ہو گئی تھی۔مہروز تقریباً بھاگتے ہوئے اس ہیولے کے ڈائریکشن کی طرف مڑی تھی۔اسے یہ گتھی سلجھانی تھی۔اسے اب سرجوش مشکوک لگتے تھے۔وہ ایک نقاب تھے جسے اسے اتارنا تھا۔ان کا اصل کچھ اور تھا۔وہ ہانپتے ہوئے ایک

Clubb of Quality Content

درخت کا سہارا لے کر کھڑی ہو گئی تھی اور چڑھی ہوئی سانس کو بحال کرتے اس نے پھر وہی نارنجی سویٹر دیکھ لیا تھا۔

مہروز اس دفعہ کچھ بھی کہے بغیر اس کی طرف لپکی تھی۔

وہ جیسے اپنے پیچھے آہٹ سن چکا تھا اور فوراً آگے بڑھنا چاہتا تھا کہ اس کی پشت سے سویٹر کسی نے کھینچ لیا تھا۔

"پکڑ لیا تمہیں۔" مہروز نے ہانپنے کے دوران اسے پکارا تھا۔ مہروز نے اس کا سویٹر اس قدر مضبوطی سے پکڑا تھا کہ اگر وہ بھاگنے کی کوشش کرتا تو بھاگ نہیں سکتا تھا۔ وہ سر کے بل پیچھے گر جاتا۔

"تم کون ہو؟ یا تم ہی سرجوش ہو اور اس دن تم ہی تھے جو میرا انٹرویو۔۔۔" باقی کے الفاظ اس کی زبان پر ہی ٹھہر گئے تھے۔

وہ جیسے نینو اسکینڈز کی پھرتی میں مڑا تھا اور مہروز کی کلائی اپنے ہاتھ میں تھام کر اسے مروڑ چکا تھا۔ مہروز کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی تھی۔ وہ اب مہروز کے پشت کی طرف کھڑا تھا۔ اس

نادر کلب
Clubb of Quality Content

کے ہاتھ میں مہروز کی کلائی تھی جو اس نے نرمی سے موڑ رکھی تھی۔ مہروز نے جیسے خواب دیکھ لیا تھا، وہ نامحسوس انداز میں اپنا سویٹر اس کے شکنجے سے آزاد کرا چکا تھا۔

"اب میرا پیچھا مت کرنا۔ جو تم سوچ رہی ہو، میں وہ نہیں ہوں۔" اس نے مہروز کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"تو پھر کون ہو تم؟" مہروز سر موڑے بغیر سوال پوچھ بیٹھی تھی۔ اس نے گردن ایسے اکڑائی ہوئی تھی جیسے بہت چوکنا کھڑی ہو۔

"بہت سفاک اور بے رحم شخص۔"

مہروز کی آنکھیں پھیل گئی تھی۔ درختوں کے بیچ سناٹا اور کیڑوں مکوڑوں کی ہلکی سی آوازیں اسے اب چبھ رہی تھی۔ اگر یہ شخص اسے ابھی اسی وقت قتل کر دے تو کون گواہ ہو گا؟ کون اس کو بچائے گا؟ وہ کیسے اپنا دفاع کرے گی؟ اسے اپنی بیوقوفی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔

اسے یکا یک احساس ہوا تھا کہ اس کی کلائی اب آزاد تھی۔ اس نے ایک گہرا سانس خارج کیا تھا جیسے رکی ہوئی سانس بحال ہو گئی ہو۔

وہ ایڑھی کے بل گھومی تھی مگر وہ پر اسرار شخص دھند کا فائدہ اٹھاتا آنکھوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

وہ کتنی ہی دیر اللہ کا شکر ادا کرتی اپنی دل کی دھڑکنیں نارمل ہونے کا انتظار کرتی رہی۔

پھیلتی دھند اور ملگجے اندھیرے سے خوفزدہ ہو کر وہ فوراً آگے بڑھی تھی۔اب اسے کہیں نہیں رکنا نا کسی کا پیچھا کرنا ہے۔

بھاڑ میں جائے سر جوش۔۔۔

❀❀❀

ہیٹر پر لگے ننھے ننھے دانے نارنجی شعائیں چھوڑ رہے تھے۔مہروز سوپ کا پیالہ پکڑے ،کندھوں کے گرد شال پہنے نرم سے کشن پر بیٹھی ہیٹر کی حدت محسوس کر رہی تھی۔

فرح دوسرے کمرے میں لیپ ٹاپ پکڑے بیٹھی اپنے اسٹوڈنٹ سے ویڈیو کال پر مصروف تھی۔

مہروز کئی بار اپنی بیوقوفی پر خود کو ملامت کر چکی تھی۔اس نے کتنا بڑا رسک لیا تھا۔وہ واقعی اسے بے رحمی سے قتل کر دیتا تو کون اس دھند میں اس کی لاش ڈھونڈتا پھرتا۔وہ وہی پڑے

پڑے سوکھ جاتی یا چیلوں اور گدھوں کی خوراک بن جاتی اور خان بابا؟ مورے بے بے؟ ان کو اس کی موت کی خبر ملتی تو؟ مہروز نے یک دم جھر جھری لی تھی۔اس ایک زندگی کے ساتھ بہت سی زندگیاں جڑی ہوئی تھی۔

مگر سوال پھر ڈھاک کے وہی تین پات۔۔۔وہ انٹرویو والا شخص کون تھا اور ایونٹ والا کون تھا؟

("آپ مجھے فالو کر رہے تھے؟"

فالو کے لفظ پر اس کی شہد رنگ آنکھوں میں تحیر ابھر آیا تھا۔پہلے سوال اور پھر حیرانی در آئی تھی۔

"مطلب اپنی کمپنی سے۔جب آپ نے میرا انٹرویو لیا۔"مہروز نے مزید وضاحت کر دی تھی۔

اس کی شہد رنگ آنکھوں کو جواب مل گیا تھا۔وہ ہلکا سا مسکرایا تھا اور سیٹ سے اٹھ کر دو روز کے بیچ بنے فاصلے میں عین اس کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔وہ مہروز سے قد میں لمبا تھا،وجیہہ تھا۔

"میں نے انٹرویو لیا۔" اس نے جیسے خود کلامی کی۔

"تو پھر میں نے آنکھوں میں گھورنے والا چیلنج کیوں نہیں دیا؟")

مہروز کے اعصاب الرٹ ہو گئے تھے۔ دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہوئی گئی تھی۔

ہاں پہلے کیوں غور نہیں کیا تھا اس پر۔ وہ تو خود حیران تھا کہ اس نے انٹرویو لیا، کیسے ؟اس نے خود سے سوال پوچھا۔ وہ آنکھیں بند کر اس کے تاثرات یاد کرنے لگی۔ وہ صرف ایک لمحے کے چوکا تھا، اس کے ابرو اکٹھے ہو کر پھر سیدھے ہوئے تھے۔ مہروز کی آنکھیں فوراً کھل گئی تھی۔

(ایک سو پچاس الفاظ کی inauguration speech لکھے۔ سمجھے آج اس کمپنی کا افتتاح ہے تو سی ای او کیا کہے گا۔ آپ چاہے تو لکھنے کے لیے تیس منٹ لے سکتی ہیں۔)

"آواز ؟" مہروز نے خود کلامی کی تھی "آواز میں بھی کتنا فرق ہے۔ آدم تیز تیز بات کرتا ہے جیسے اسے جلدی ہے اور دوسرا شخص۔۔۔ اس کے لہجے میں ٹھراؤ ہے۔ اور سر جوش۔۔۔ وہ بھی ٹھرے ہوئے لہجے میں لیکچر دیتے ہیں۔" مہروز الجھے ہوئے دھاگوں کو آہستہ آہستہ سلجھاتے ہوئے ایکسائیٹڈ محسوس کر رہی تھی۔

"اگر دونوں ایک شخص ہوئے تو مجھے سر جوش نے جان پہچان کی بنیاد پر یہاں جاب دی؟ مگر وہ ایسا کیوں کرینگے اور آدم؟ اگر اس کمپنی کے اصل سی ای او آدم ہیں تو پھر سر جوش کیا ہیں؟ بہروپ۔۔۔سب بہروپ ہے۔"

مہروز سوپ کا پیالہ فرش پر رکھ کر فوراً کھڑی ہوئی تھی اور میز پر پڑا اپنا موبائل اٹھا کر پریتی کو فون ملایا تھا۔ دو بیلز جانے کے بعد ہی فون اٹھالیا گیا تھا۔

"ہیلومہ۔۔۔"

"سنو۔ میرے پاس ایک بڑی اسپائسی اور تھرلنگ نیوز ہے۔" مہروز پر جوش محسوس کرتی لاؤنج میں ہی دائیں بائیں واک کرنے لگی۔

"کیا؟"

"اس کمپنی کے ایک نہیں یا تو دو باس ہیں یا کوئی ایک نقل باس ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہو؟"

"دیکھو۔ بلکہ میں شروع سے بتاتی ہوں۔"

مہروز قدم آدم کھڑکیوں کے پاس ابھری ہوئی دیوار پر بیٹھ کر کھڑکیوں سے باہر نظر آتی آسمان کو چھوتی عمارتوں کو دیکھتے ہوئے اسے اس کمپنی میں پہلے دن کے تجربے کی کہانی سنانے لگی۔

اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔

❀❀❀

باتھ روم میں گرم پانی کی وجہ سے بھاپ اکٹھی ہو گئی تھی۔ جس کمرے میں یہ باتھ روم تھا اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس کمرے کے ساتھ ہی لیونگ روم تھا جس میں اذہان بیٹھا، پاؤں میز رکھے لیپ ٹاپ پر کچھ پڑھ رہا تھا۔ وہ سفید جینز شرٹ میں ملبوس تھا۔

باتھ روم سے باتھ روم سنگر کی آوازیں آرہی تھیں۔ جب جب آدم اس اپارٹمنٹ میں رہنے آتا تھا تب تب اس اپارٹمنٹ کا حال برا ہوا تھا۔

"Where have you been?" وہ شیمپو کو مائیک بنائے شاور تلے کھڑے زور و شور سے گا رہا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ اذہان اس کے شور شرابے سے کتنا چڑتا ہے۔یہ آدم کی فطرت تھی کہ اگر اسے پتا لگ جائے کہ کوئی اس کی کسی ایک عادت سے چڑ رہا ہے تو وہ اسے اور چڑاتا تھا۔اس کو بس اس کی ویکنس چاہیے ہوتی تھی اور پھر وہ اپنی فطرت کے مطابق اسے زچ کر کے رکھ دیتا تھا۔

وہ ہر تھوڑی دیر بعد باتھ روم کا دروازہ کھول کر منہ باہر نکال لیتا تھا اور گانے کا فقرہ اونچی آواز میں گا کر پھر دروازہ بند کر دیتا تھا۔

اذہان لب بھینچے ڈاکیومنٹ کو نیچے کرتا پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر آدم کی آواز اسے فوکس نہیں کرنے دے رہی تھی۔

وہ لیپ ٹاپ صوفے پر پٹختا کچن کی طرف گیا تھا۔ریک سے باؤل نکال کر اس نے کچن کیبینٹ سے معدہ نکالا تھا۔آدم کو ڈسٹ الرجی تھی اور اب اسے خاموش کرانے کا یہی واحد حل بچا تھا۔

اذہان باؤل لیے کمرے کی طرف آیا تھا جس کے باتھ روم سے آدم عرف نکی مناج کی ریپ کی آوازیں آ رہی تھی۔اذہان کمر پر ہاتھ رکھے عین باتھ روم کے دروازے کے سامنے کھڑا

تھا،اب بس دروازہ کھلنے کا انتظار تھا۔دروازہ جیسے ہی کھلا اذہان نے ایک اسیکنڈ ضائع کیے بغیر اس کے منہ پر باؤل اچھال دی تھی۔

"اوئے اوئے ذلیل۔"اس کے گیلے چہرے پر معدہ چپک کر اب لئی بن چکی تھی۔کچھ معدہ اس کی آنکھوں میں بھی گھسا تھا۔آدم آنکھوں کو انگوٹھوں سے مسلتا کہنی کی مدد سے دروازہ بند کر چکا تھا۔

اذہان باؤل اس کے منہ پر اچھالتا فوراً پلٹا تھا۔

"ذلیل تم جانتے ہو مجھے ڈسٹ۔۔۔"وہ باقی کا جملہ ادا نہیں کر پایا تھا اور چھینک پڑا تھا۔

"تمہارا یہی علاج ہے۔اب گاؤ My Anaconda۔"اذہان اس کا مذاق اڑاتا کمرے سے باہر نکلا تھا۔

"ادھار رہے گا۔"وہ باتھ روم سے ہی چلایا تھا۔

پریتی بالکونی کا سلائیڈنگ دروازہ بند کر کے اندر داخل ہوئی تھی۔اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

اذہان واپس صوفے پر بیٹھتے ہوئے لیپ ٹاپ گود میں رکھ چکا تھا۔

"کیا آج تم بھی ہائیکنگ پر گئے تھے؟" پریتی نے اسے دیکھتے ہوئے سینے پر ہاتھ باندھے تھے۔

وہ اور پریتی اکثر اردو میں بات کرتے تھے۔

"میں ویک اینڈز پر جاتا ہوں۔" اذہان شرٹ کے بازو فولڈ کرنے لگا۔

"تمہیں پتا ہے مہروز کی کال تھی۔"

اذہان کے ہاتھ تھمے تھے۔

"وہ سرجوش اور ہماری کمپنی کے سی ای او کا موازنہ کر رہی تھی۔ وہ بہت حد تک درست تھی اور اور تم تک پہنچ بھی چکی ہے مگر میں نے اسے فی الحال کے لیے ٹال دیا ہے۔" پریتی بال کان کے پیچھے اڑستی چھوٹے سے نرم صوفے پر بیٹھی تھی "کیوں تم نے سرجوش کا روپ دھارا تھا؟ اس دن کلچر ویک میں دیکھتے ہی تمہیں پہچان گئی تھی میں۔ کیوں ایک یونیورسٹی کے پروفیسر بنے؟ اتنا بڑا رسک۔۔۔"

اذہان اطمینان سے بیٹھا نظریں جھکائے دوسرے بازو کے آستین بھی فولڈ کرنے لگا۔

"کیوں اتنے گھنے ہو We are a team۔ کم از کم مجھے اور آدم کو سب پتا ہونا چاہیے۔"

"کچھ میری زندگی میں پرسنل معاملات بھی ہیں کہ نہیں؟" اذہان کا لہجہ کہیں سے بھی نرم نہیں تھا۔اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں سختی آ گئی تھی۔

"پرسنل؟ تو مہروز پرسنل ہے؟"

اذہان اسے جواب دینے کے بجائے لیپ ٹاپ اٹھاتا کھڑا ہو گیا تھا۔

"اگر اس کے لیے کچھ فیل کرتے ہو تو یوں اسے اسٹاک مت کرو۔لڑکیاں اسٹاکرز کو نہیں ہیروز کو پسند کرتی ہیں۔" پریتی گھٹنے کے گرد بازو باندھتے ہوئے اپنی طرف سے اسے مفید مشورہ فراہم کر رہی تھی جسے وہ سنی ان سنی کرتا آگے بڑھنے لگا۔

"آج یہ میرے ہاتھوں قتل ہو گا۔" آدم کی چیختی چنگھاڑتی آواز پر اذہان اپنی جگہ ٹھرا تھا۔اس نے سر جھکا کر گہرا سانس لیا تھا۔یہ تیس سال کا مرد آخر کب سیریس ہو گا؟

آدم کی ناک چھینکنے کی وجہ سے سرخ تھی۔اسکے شہد رنگ بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔اس کے ہاتھوں میں پکڑے ریزر کو دیکھ کر پریتی نے سر پکڑ لیا تھا۔

آدم نے کئی بار سوتے میں اذہان کے آئی برو پر بھی وہی کٹ لگایا تھا جو وہ اپنے لیے لگایا کرتا تھا اور اس کا نتیجہ اذہان کی جانب سے بھی کوئی رد عمل ہوتا تھا۔

ایک بار اذہان کے مونچھے رکھ لینے پر سوتے میں اس کی مونچھوں میں اس نے کچھ نقشے بنانے کی ناکام کوشش کی تھی۔

اور پچھلی بار اس کے کان کے پاس سے بال اڑائے گئے تھے۔اذہان جتنا بھی محتاط رہ لیتا آدم اپنا کام صفائی سے کر جاتا تھا۔

اذہان فوراً بالکونی کی طرف بڑھا تھا اور باہر نکلتے ہی سلائیڈنگ دروازہ لاک کر دیا تھا۔

"دیکھنا تم اس بار ساری بھنویں صاف کرونگا تمہاری۔" آدم سلائیڈنگ دروازے کے دوسری طرف کھڑا اسے دھمکا رہا تھا۔

اذہان ہاتھ جھلا کر آگے بڑھا تھا جیسے کہہ رہا ہو جو کرنا ہے کرو۔

وہ بالکونی میں رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ چکا تھا۔لیپ ٹاپ اس کی گود میں رکھا ہوا تھا۔

اذہان لیپ ٹاپ پر رکھے اپنے دونوں ہاتھوں کو دیکھنے لگا اور دیکھتے دیکھتے وہ اس لمحے میں جا پہنچا تھا جس میں وہ قید ہو گیا تھا۔۔۔قید کر لیا گیا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ایک سال پہلے

اذہان کاپچینو کافی کا ڈسپوزیبل مگ اٹھائے کافی شاپ سے باہر نکلا تھا۔ ٹھنڈ اس قدر تھی کہ اس کی ناک بھی برف جیسی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ لانگ کوٹ پہنے مفلر کو گردن کے گرد باندھے ہوئے تھا۔ کچھ دنوں پہلے ہی آدم نے اس کے کان کے پاس سے بال اڑائے تھے۔ وہ چلتے ہوئے اسگنل پر کھڑا ہو گیا تھا۔ سرخ اشارے کے انتظار میں گردن ادھر ادھر گماتے ہوئے اس کی نظر سڑک کے دوسری طرف چھوٹے سے چرچ کی سیڑھیوں پر بیٹھی لڑکی پر پڑی تھی جو وقفے وقفے سے گلے میں پہنے مفلر سے ناک پونچھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں رونے کی وجہ سے سرخ ہو چکی تھی۔ اس کے چہرے پر رقم مایوسی اور خوف دیکھ کر اذہان کا دل ڈوبا تھا۔ وہ ہر تھوڑی دیر بعد اپنے دائیں ہاتھ کی پشت سے ماتھا بھی پیٹ لیتی تھی۔ اسے اس لڑکی میں اپنے بچپن کی جھلک نظر آئی تھی۔ ٹریفک کا اشارہ سرخ ہو چکا تھا۔ گاڑیاں رک چکی تھی۔ اذہان اس کے قریب کھڑے لوگوں کو آگے بڑھتا دیکھ کر جیسے ہوش میں آیا تھا۔ وہ بھی فوراً زیبرا کراسنگ پار کر کے دوسری طرف بنے فٹ پاتھ پر پہنچا تھا۔ وہ کتنی دیر

کھڑا یہی سوچتا رہا کہ اس لڑکی سے بات کرے یا نہیں۔ وہ شکل سے ایشیا کی رہنے والی لگتی تھی۔ایک فیصلے پر پہنچتے ہوئے اس نے قدم آگے بڑھائے تھے۔

جوں جوں وہ لڑکی کے قریب بڑھتا جا رہا تھا اسے سوں سوں کی آواز بھی سنائی دینے لگی۔ وہ کسی اور زبان میں روتے ہوئے دہائی بھی دیتی تھی۔اس کے قریب کھڑے ہو جانے پر اس نے اس لڑکی کے چہرے پر بہت سے تل دیکھ لیے تھے۔ وہ گوری سی عام شکل وصورت کی لڑکی تھی جس کے ہونٹوں کا اوپری حصہ زار و قطار رونے کی وجہ سے سرخ ہو چکا تھا۔

"آپ کی مدد کر سکتا ہوں میں!" اذہان نے گلہ کھنکھار کر شستہ انگریزی میں اس سے پوچھا تھا۔

مہروز نے گھبرا کر سر اٹھایا تھا اور پھر فوراً محتاط ہوتی نا محسوس انداز میں سیڑھیوں پر بیٹھے بیٹھے دوسری طرف کھسکنے لگی جیسے بھاگنے کے لیے پر تول رہی ہو۔

"میں برا شخص نہیں ہوں۔"

"تو میں کیا کروں؟ جاؤں اپنا کام کرو۔" مہروز نے درشتی سے کہتے ہوئے پاؤں کے پاس پڑے بیگ کو مضبوطی سے تھام لیا تھا۔اس کی نظریں سڑک پر مرکوز تھی۔

"کسی نے دھوکہ دیا ہے؟ ویسے فری برگ میں ایسے لوگ کم ہوتے ہیں۔ نئ آئی ہو؟"

مہروز اس کے اتنے ٹھیک قیاس پر دم بخود رہ گئ تھی۔

"آپ مجھے۔۔۔"

"جاؤ یہاں سے ورنہ۔۔۔"مہروز ہاتھ میں پکڑی اینٹ اٹھائے ہاتھ ہوا میں ہی چھوڑ گئ تھی جیسے تنبیہہ کر رہی ہو کہ چلے جاؤ ورنہ مار دو گی۔

"اوکے ریلیکس۔"اذہان دو قدم پیچھے ہٹا تھا۔اس نے ناک تک مفلر چڑھا رکھی تھی۔ بائیں ہاتھ میں پکڑی کافی کو اس نے جھک کر سیڑھیوں پر رکھا تھا۔

"یہ پی لو۔ ٹھنڈ بہت ہے باہر۔ میں چلتا ہوں۔"

"نہیں پینی کافی،اپنے ساتھ لے جاؤ۔"مہروز ہاتھ پہلو میں گرا چکی تھی۔اس نے سر کو اسکارف سے ڈھانپا ہوا تھا۔

فری برگ میں ان دنوں بلا کی سردی پڑ رہی تھی۔

"اگر راستہ بھول گئی ہو تو میں گائیڈ بھی کر سکتا ہوں۔" اذہان نے ایک بار پھر مدد کی پیشکش کی تھی۔

مہروز اشتعال میں آتی بائیں ہاتھ میں بیگ تھام کر گھسیٹتے ہوئے سیڑھیوں سے اترنے لگی اور تیز تیز آگے بڑھنے لگی۔

اذہان چند پل یونہی کھڑا رہا اور کچھ سوچتے ہوئے کوٹ کی جیب سے موبائل نکال کر پریتی کو فون ملا چکا تھا۔ اس کی نظریں مہروز کی پشت پر تھی جو تیز تیز چلنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

"ہیلو۔" دوسری طرف سے فون اٹھالیا گیا تھا۔

"پریتی ایک لڑکی ہے بے یار و مددگار۔ مجھ سے گھبرا رہی ہے پر اگر تم اس سے بات کرو تو شاید وہ ایک لڑکی سے کھل کر بات کرے۔ مجھے وہ ساؤتھ ایشیا کی لگتی ہے۔ یا تو وہ اپنی چیزیں کہیں گم کر آئی ہے یا پیسے گم ہو گئے ہیں۔ لیکن ایک بات کنفرم ہے کہ وہ نئی ہے یہاں۔ میں اپنی لوکیشن بھیجتا ہوں تمہیں، تم میری لائیو لوکیشن فالو کرتی ہوئی آجاؤ۔ اپنے طریقے سے اس کی مدد کرنا۔ گاٹ اٹ؟"

"گاٹ اٹ۔"

دوسری طرف سے فون کاٹ دیا گیا تھا۔

اذہان مہروز سے کچھ فاصلہ رکھ کر اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ چلتے چلتے تھک چکی تھی۔ فری برگ میں بنے برج کے پاس وہ تھک کر کھڑی ہو گئی تھی اور وہی بیگ رکھتے وہ برج کے پاس بنی چھوٹی سی دیوار پر بیٹھ گئی تھی۔ وہ اتنا تھک چکی تھی کہ اب اسے رونا بھی نہیں آ رہا تھا۔ وہ آنکھیں موندے جھٹکے کھا کھا کر نیند پوری کرتی اور کبھی جاگ کر ادھر ادھر نظر دوڑا لیتی تھی۔

اذہان اس سے فاصلے پر برج کے دوسری طرف منہ کر کے کھڑا ہوا تھا۔ وہ گاہے بگاہے مہروز پر نظر بھی ڈال لیتا تھا۔ وہ آنکھیں موندے جب جھٹکا کھا کر آنکھیں کھولتی تھی تو ایسا لگتا تھا جیسے بہت حیران ہوئی ہو۔ اس کی ہر بار کی حیرانی اذہان کو مسکرانے پر مجبور کر رہی تھی۔

کچھ ہی دیر میں اسے پریتی کی اسائیکل نظر آ گئی تھی۔ اذہان کے رسٹ واچ میں پریتی کا نام جگمگایا تھا۔ اذہان نے کان میں لگا آلہ دبایا تھا۔

"یہ برج کے پاس بیٹھی ہوئی لڑکی ہے۔"

پریتی سر ہلا کر اس کے قریب ہی اپنی اسائیکل روک چکی تھی۔ وہ اچھے خاصے گرم لباس میں ملبوس تھی۔ کال اس نے بند نہیں کی تھی۔

"ہالو۔" پریتی چہرے پر مخصوص مسکراہٹ سجاتی مہروز کو جگا چکی تھی۔

مہروز کے اعصاب پورے طریقے سے جاگ گئے تھے۔

مہروز منہ اٹھائے اسے حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔

"میں پریتی شرما ہوں اور تم۔؟" وہ اس کے قریب ہی کھڑی ہو گئی تھی۔

"پریتی شرما۔" مہروز نے اس کا نام زیر لب دہرایا تھا۔ اسے کچھ ڈھارس بندھی تھی کہ وہ اگر انڈین ہے تو اردو بھی سمجھ سکے گی۔

"مہروز جرار۔" اس نے خراب گلے کے ساتھ اپنا نام لیا تھا۔

اذہان جیبوں میں ہاتھ ڈالے ایئر پیس سے اس کی آواز سن رہا تھا۔

"اتنی ٹھنڈ میں بیگ لیے یہاں کیوں بیٹھی ہو؟" پریتی دوستانہ انداز میں کہتے ہوئے اس کے برابر بیٹھ گئی تھی۔

دور لگی پولز سے یہاں ہلکی ہلکی روشنی آ رہی تھی جس میں وہ مہروز کی متورم آنکھیں اور سرخ ناک دیکھ رہی تھی۔

"میں۔۔۔" مہروز کا گلہ آنسوؤں سے بھرنے لگا تھا "پاکستان سے آئی ہوں۔ کچھ دن ہو گئے ہیں یہاں۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی "میرا یونیورسٹی آف فری برگ میں ایڈمیشن ہوا ہے۔ میں یہاں پڑھنے آئی ہوں۔" مہروز نے انگریزی میں پوچھے گئے سوال کا جواب اردو میں دیا تھا۔

پریتی نے حیرانی سے مہروز کو دیکھا تھا اور پھر وہ بھی مسکرا کر ہندی میں بولنے لگی۔

"گڈ۔ تو پریشانی کس بات کی ہے؟"

"رہنے کی۔" مہروز نے فوراً اپنا مسئلہ بتایا تھا۔

اذہان منہ سے بھاپ نکالتا جو گرز سے گھاس ادھر ادھر کرنے لگا۔

"وہ جہاں میں ٹھری تھی وہاں سے میرا بیگ چوری ہو گیا۔" مہروز کے آنکھوں میں نمی تیر گئی تھی۔

Clubb of Quality Content

"پاسپورٹ وغیرہ اور ضروری کاغذات تو پاس ہیں نا یا وہ بھی؟" پریتی حقیقتاً پریشان ہوئی تھی۔

اذہان کا سانس بھی رکا تھا۔

"وہ بچ گئے۔اس بیگ میں ہیں۔"

پریتی اور اذہان نے ایک ساتھ سکھ کا سانس لیا تھا۔

"میں غیر ملک میں ہوں اور نہایت غیر آرام دہ محسوس کر رہی ہوں۔مجھے یہاں آئے بس پانچ دن ہی ہوئے ہیں اور دیکھو میرا بیگ چوری ہو گیا۔اس میں پیسے تھے۔سارے پیسے ہی اس میں تھے۔میں نے کپڑوں کے نیچے چھپائے تھے۔میں صبح جاب کے لیے گئی اور جب واپس آئی تو میرا بیگ الماری میں نہیں تھا۔یہ والا میں نے بیڈ کے نیچے رکھا تھا۔میں عملے کے پاس گئی ان سے شکایت کی مگر وہ ایسے بنے رہے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں نا ہی مجھے سی سی ٹی وی دکھا رہے تھے۔مجھے بہت عجیب لگا۔آج بیگ چوری ہوا ہے کل پتا نہیں کیا ہو جائے۔مجھے اپنا آپ وہاں سیف نہیں لگا اور میں وہ چھوڑ تو آئی ہوں پر پچھلے دو دنوں سے ہاسٹل کے لیے خوار ہو رہی ہوں۔میں نے بیوقوفی یہ کی کہ سارے پیسے ہی اس میں رکھ لیے۔اب میرے پاس

ایک روپے بھی نہیں ہے نا رہنے کا ٹھکانا ہے اور نا ہی ہاسٹلز کا کچھ پتا ہے۔" مہروز نے بھرائے ہوئے گلے میں کہا تھا۔

"بیو قوفی تو کی ہے مگر بیو قوفی نہیں کرو گی تو سیکھو گی کیسے ؟ ہم سب ہی بیو قوفیاں کرتے ہیں پر شکر کرو پاسپورٹ سیف ہے تمہارا۔ پیسوں کا کیا ہے کما لو گی۔ پاسپورٹ کی بڑی خواری ہوتی ہے۔ خیر میرے ساتھ چلو۔" پریتی نے فوراً اس کا ٹھنڈا ہاتھ تھاما تھا۔

اذہان گردن موڑے مہروز کو دیکھ رہا تھا جو اب ایک لڑکی کی وجہ سے کمفرٹیبل محسوس کر رہی تھی۔

"کہاں؟"

"میرے ہاسٹل۔"

"پے منٹ کا کیا کرو نگی ؟" مہروز نے یاسیت سے اسے دیکھا تھا۔

"یار سستا سا بورڈنگ ہاؤس ہے، دو کورین بہنیں چلاتی ہیں۔ تم ویسے بھی برسر روزگار ہو۔ اگلے مہینے مجھے میرا قرض دے دینا۔" پریتی رسانیت سے کہتی اس کا ہاتھ تھامے کھڑی ہوئی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اذہان یونہی اس بورڈنگ ہاؤس بھی چلا گیا تھا۔وہ کبھی کبھار باہر سے بورڈنگ ہاؤس دیکھنے چلا جاتا تھا۔پریتی روزانہ شام کو اسے اسائیکل چلانا سکھاتی تھی۔وہ پیڈل پر پاؤں رکھتے ہی لڑکھڑانے لگ جاتی تھی اور گر جاتی تھی۔اس کے آبشار جیسے بال سڑک پر پھیل جاتے تھے۔ وہ یونہی ایک دن سڑک کے دائیں بائیں بنی بازار کے بیچ ٹرین کی پٹری پر اسائیکل چلا رہی تھی اور پریتی اس کا حوصلہ بڑھاتی اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی کہ بچے کو سامنے سے آتا دیکھ کر اس نے بری طرح ٹرن لیا تھا اور وہ گر پڑی تھی۔اس کے بال بیکلے کے پانی میں گر کر گیلے ہو چکے تھے۔اس کا دایاں گال بھی بری طرح زمین سے لگا تھا۔اذہان جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے افسوس سے مہروز دیکھ رہا تھا اور ایک نفرت بھری نگاہ بیکلے پر ڈالی تھی۔کیا ضرورت تھی یہاں بیکلے بنانے کی؟

"اتنے لمبے بال ہیں تمہارے۔کاٹ لو تھوڑے سے۔" پریتی بیکلے کے پانی سے اس کے بال ہٹاتے ہوئے اپنی رائے دے رہی تھی۔

"مورے ناراض ہو جائے گی۔" مہروز بائیں گال پر ہاتھ رکھے اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے بالوں کے نوکوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔

"بال کاٹنے پر تمہاری مورے کیوں ناراض ہو نگی؟" پریتی نے اسے حیرت سے دیکھا تھا جو اپنے بال جھاڑ رہی تھی۔

"ہمارے خاندان کی لڑکیوں کے بال یونہیں کمر سے نیچے تک لمبے ہوتے ہیں اور اسے کاٹتے نہیں ہیں۔ بس ایک بار ان سے بال کاٹنے کی فرمائش کی تھی تو انہوں نے ڈانٹ دیا۔"

"اب یہاں تو وہ نہیں ہیں۔ یہاں تو کاٹ لو۔" پریتی اسے ہاتھ سے پکڑ کر اٹھانے لگی۔

"نہیں میں کوئی بھی کام اپنے ماں باپ کو بتائے بغیر نہیں کرتی۔"

پریتی بس اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

پریتی کچھ مہینے ہی اس ہاسٹل میں رہی تھی اور پھر اپنی اسائیکل مہروز کے حوالے کرتی فری برگ چھوڑ گئی تھی۔

مہروز پھولوں پودوں کی دالدہ تھی۔ وہ خوبصورت پھول اور پودوں کے پاس کھڑی ہو جاتی تھی، کبھی انہیں پانی بھی ڈالتی تھی۔

وہ یونہی روزانہ صبح پھولوں کی شاپ پر آتی تھی۔ پہلے وہ کیفے کے لیے بیگونیا کے پھول خریدنے لگی اور اپنے لیے پنک لی لیز۔ اوٹو کی فرمائش پر وہ کیفے کے لیے بھی پنک لی لیز لینے

لگی۔اذہان میگزین چہرے کے آگے پکڑے روزانہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے کرسی پر بیٹھے صبح یہاں آجاتا تھا۔وہ کیوں آتا تھا اس کا تعین وہ بھی نہیں کر سکا تھا۔وہ اسٹاکر نہیں تھا اسٹاکر بنتا گیا۔وہ بس کبھی کبھار اسے دیکھنے آتا تھا۔اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ اسے کیسے اپروچ کرے اور پھر وہ خود سے سوال پوچھ لیتا تھا کہ وہ اسے کیوں اپروچ کرنا چاہتا ہے؟

صرف ایک دن اس نے اپنی اسائیکل کے لیے پھول نہیں خریدے تھے۔اس نے بہت دکھ کے ساتھ اپنی اسائیکل کو دیکھا تھا۔اس کے جاتے ہی اذہان اٹھا تھا اور فوراًفلاور شاپ سے پنک لی لیز خریدتا اپنی گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔وہ ماچو کیفے کے باہر کھڑی مہروز کے اسائیکل کے خالی ٹوکرے میں پھول رکھ کر وہی بیٹھ جانا چاہتا تھا مگر ضروری کال موصول ہونے پر وہ چلا گیا۔وہ رک جانا چاہتا تھا۔مہروز کے چہرے کے تاثرات دیکھ لینا چاہتا تھا پر ایسا نہیں ہو سکا تھا اور یوں وہ پہلے کبھی کبھار اور پھر روزانہ مہروز کی اسائیکل کی ٹوکری میں پھول رکھنے لگا۔مہروز پھولوں کو دیکھ کر پہلے پہل حیران ہونے لگی اور پھر مسکرادیا کرتی تھی اور اس کی مسکراہٹ دیکھ کر اذہان کے لب بھی نامحسوس انداز میں مسکراہٹ میں ڈھل جاتے تھے۔

وہ بیچ میں کچھ عرصہ غائب رہا اور واپس فری برگ آنے پر اس نے جس کو دیکھنا تھا وہ مہروز تھی۔ وہ اس رات اپنی گاڑی کے انجن میں خرابی کی وجہ سے پیدل چل رہا تھا۔ اسے جلد از جلد ٹرین اسٹاپ تک پہنچنا تھا۔ وہ سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے شارٹ کٹ راستہ لینا چاہ رہا تھا کہ اسے ایک نیم اندھیر گلی میں چار مرد پیچھے اور ایک آگے کھڑا نظر آیا۔ اذہان تجسس کے مارے آگے بڑھتا گیا اور چار مردوں کے عین بائیں طرف کھڑے ہو کر اسے ایک بلانڈ بالوں والی اور ایک کالے لمبے بالوں والی لڑکی نظر آئی جو دو کدو ہوا میں لہراتے ہوئے سامنے والے کو ڈرانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس شخص کے قریب جانے پر مہروز نے کدوں سے اس کا سینہ مارنا شروع کیا۔ اس کی بچگانہ حرکت پر سارے مرد ایک ساتھ ہنسے تھے۔

اذہان لب بھینچ کر جینز کی جیب سے ماسک نکال چکا تھا۔ سب کے قہقہے اسے زہر کی طرح لگے تھے۔

وہ شخص مہروز کے بالوں کو پکڑے اسے ایسے گھسیٹ رہا تھا جیسے وہ کوئی بے جان شے ہو۔ اذہان کے دماغ کی نسیں پھول گئی تھی۔ وہ اپنے قریب کھڑے شخص کو دکھا دیتے آگے بڑھا تھا۔

مہروز کا پاؤں بیکلے میں پھنس چکا تھا اور اس کے پیٹ پر ایک لات پڑ چکی تھی۔ وہ فوراً سے ایک اور لات بھی مار دینا چاہتا تھا کہ اذہان نے اس کی لات میں اپنا پاؤں پھنسا کر اسے اپنی طرف کھینچا تھا اور اس کے چہرے پر مکوں کی برسات کر دی تھی۔ وہ ایک تھا اور اس کے مقابلے میں پانچ مرد تھے، اس کے باوجود وہ ان پانچوں کا قیمہ بناتا اپنی بھڑاس ان پر نکال رہا تھا۔ اس کی نظر تب مہروز پر پڑی جب پولینا اسے ہوش میں لا رہی تھی۔ وہ آخری شخص کا بھرکس نکال کر ان کی طرف بڑھا تھا۔ مہروز کچھ گھبرائی سی اسے دیکھ رہی تھی۔

اس کا اپنا دل بھی دھڑک رہا تھا۔ وہ براہ راست اب اس سے دوسری دفعہ مخاطب ہوا تھا۔ مہروز زخمی تھی اور اس سے مدد نہیں لینا چاہتی تھی مگر وہ مصر تھا کہ اسے اسپتال ہی جانا چاہیے۔ بالآخر مہروز کو ہار مانتے دیکھ کر اس نے سکھ کا سانس لیا تھا۔

اسپتال میں چہرے سے نقاب اتار کر وہ گلوز پہنے مہروز کے پیر سے جراب اتار رہا تھا۔ پولینا کی اس پر گڑھی مسلسل نظر اسے غیر آرام دہ کر رہی تھی۔ اس کے بال نیچرلی کرلی تھے پر وہ اور بھی کرلز ڈال لیا کرتا تھا، اسکی بڑھی ہوئی داڑھی اس پر جچ رہی تھی۔

"آپ کیسے وہاں پہنچے تھے؟"

مہروز کے سوال پر اذہان کے ہاتھ تھمے تھے صرف ایک لمحے کے لیے۔اس نے آدھے سچ اور آدھی جھوٹ کی آمیزش کر کے جواب دیا تھا۔

"آپ کا نام؟" اگلا سوال۔

اذہان نے صرف ایک لمحہ لیا تھا سوچنے کے لیے اور پھر اسی اسپتال میں استعمال ہونے والا نام بتایا تھا۔

وہ یوں مہروز سے ملاقات نہیں چاہتا تھا پر اسے ملنا پڑا۔

جب وہ مہروز کا ٹخنہ دیکھنے کے لیے جینز ذرا سی اوپر کھینچنے لگا تو مہروز کے یک دم شور ڈالنے پر وہ پیچھے ہٹ گیا۔شاید وہ کسی مرد سے اپنا ٹخنہ چیک نہیں کروانا چاہتی۔وہ یہی سوچتے ہوئے پیچھے ہٹ گیا تھا۔

اس واقعے کے ایک ہفتے بعد ہی اسے مہروز کا میسج ریسیو ہوا تھا کہ وہ اس کو علاج پر لگنے والے پیسے لوٹانے آ رہی ہے۔اذہان فرینکفرٹ کے لیے نکلنے والا تھا کہ مہروز کا میسج پڑھ کر اس نے کیتھیڈرل چرچ سے کار موڑلی تھی۔وہ ریش ڈرائیو کرتا اسپتال پہنچا تھا اور اسپتال کے پچھواڑے میں دیوار سے لگی پائپ پھلانگتا بالکونی تک آیا تھا اور کھڑکی اوپر کھینچ کر وہ کمرے

کے اندر داخل ہوا تھا۔ وہ مخصوص نمبر ڈائل کرتا ریسیپشن کو مہروز کا بتا چکا تھا۔ وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتا انتظار کرنے لگا۔ ریسیپشن سے اطلاع ملنے پر وہ اپنے کمرے سے باہر نکلا تھا اور مہروز کو اپنے پیچھے آنے کا کہہ کر وہ جان بوجھ کر اس بالکونی میں گیا تھا جہاں بہت سے پودے لگے ہوئے تھے۔ مہروز پودوں کو دیکھ کر مبہوت سی ہو گئی تھی۔

اذہان کی نظر اپنے جوگرز پر پڑی تھی جس سے مٹی چپک گئی تھی اور وہ خاصی دور تک اپنی چھاپ چھوڑ چکے تھے پر مہروز نے اس کے جوگرز کی طرف ایک بار بھی نہیں دیکھا تھا۔ مہروز اسے پیسے واپس لوٹانے پر مصر تھی اور وہ لینے سے جھجک رہا تھا۔ وہ مہروز سے پیسے نہیں لینا چاہتا تھا پر وہ اس پر اپنا غلط تاثر بھی نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ اس نے فیور مانگا نہیں تھا تو وہ یہ فیور دیتا کیسے ؟ اس نے وہ پیسے لے لیے تھے۔ اسے اگلے ہفتے گرین ارتھ ایونٹ میں جانا تھا اور اسے پیشکش کی گئی تھی کہ وہ اور لوگوں کو بھی انوئیٹ کر سکتا تھا۔ اس نے جھٹ سے مہروز کو گرین ارتھ کا بتایا تھا۔ اس سے ملنے کا ایک اور بہانہ۔

ڈاکٹر عبداللہ سے سرجوش تک کا سفر بھی کچھ آسان نہیں تھا۔ وہ اکثر اس پارک میں آیا کرتا تھا اور یہ بھی سچ تھا کہ یہ پارک نوجوانوں کی خودکشی کی وجہ سے مقبول تھا۔ وہ پانی کے

کنارے پر کھڑی مہروز کو دیکھ کر وا قعتًا بوکھلا گیا تھا اور تیزی سے اس کی طرف بھاگا تھا۔ اگر وہ ایک اسیکنڈ کی تاخیر بھی کر دیتا تو مہروز اس ٹھنڈے بہتے پانی ہیں پیر پھسلنے کی وجہ سے گر جاتی۔ مہروز کی سرخ متورم آنکھیں اس سے پہلی ملاقات کی یاد دلا گیا تھا۔ وہ اپنی بے چینی اس پر واضع نہیں کرنا چاہتا تھا اور جلد از جلد اس کا مسئلہ بھی سننا چاہتا تھا اور اس کا مسئلہ تھیوری کے سر تھے۔ اس کے سارے بہروپ میں سے یہ ایک واحد بہروپ تھا جو اس نے سب سے مخفی رکھا تھا۔ یہ بہروپ اس کا پرسنل میٹر تھا۔ اس نے بچپن میں ایک فلم دیکھی تھی جس میں اسکا پسندیدہ کردار کھڑوس ماسٹر جی کا تھا اور تھیوری کے پروفیسر کے کردار کے لیے اس کے ذہن میں اسی کھڑوس ماسٹر جی کا خیال آیا تھا۔ اس نے یہ لک بناتے ہوئے زندگی میں پہلی دفعہ انجوائے کیا تھا پر اس سے پہلے تھیوری کے سر کو راستے سے ہٹانا تھا۔ وہ جلد ہی تھیوری کے سر کی ویکنس تک پہنچ گیا تھا۔ وہ بغیر میرٹ کے وہاں بھرتی ہوا تھا۔ اذہان کی بلیک میلنگ سے گھبرا کر اس نے ڈیپارٹمنٹ میں اپنی جگہ اذہان کے لیے بات کر لی تھی اور نوٹس پیریڈ مکمل کیے بغیر ہی یہ یونیورسٹی چھوڑ گیا تھا۔

اس کے ٹرٹل نیک پر مفلر کا انداز اس کے ڈیپارٹمنٹ میں بہت مقبول ہوا تھا۔ وہ پہلی دفعہ شہرت کو انجوائے کر رہا تھا۔ جب اس کی گھن گھرج پر سارے طلبہ بت بن جاتے تھے تو وہ

لب آپس میں پیوست کیے مسکراہٹ چھپاتا تھا۔اسے پہلی دفعہ ٹیچنگ پروفیشن میں دلچسپی ہوئی تھی۔ طلبہ کو انگلیوں پر نچاتے ہوئے اسے مزہ آنے لگا تھا۔اصل تھیوری کے سر سے پس پشت کلاسز لے کر وہ وہاں لیکچر ڈیلیور کرآتا تھا اور ایک مہینے بعد ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ تھیوری کا بہت سا حصہ جیسے وہ پہلے ہی جانتا تھا۔وہ اصل سر سے زیادہ پر اثر لیکچر دیتا تھا اور اپنے دماغ میں کوئی نیا پوائنٹ آجانے پر وہ خود بھی حیران ہو جاتا تھا۔جیسے وہ طلبہ کو پڑھاتے پڑھاتے خود بھی بہت سے پہلوئں پر غور کرنے لگا تھا اور انہیں دنوں کلچرل ویک میں وہ سر جوش کی حیثیت سے پاکستانی بلاک کی طرف بڑھا تھا مگر وہاں پریتی کو دیکھ کر وہ فوراً نکل آیا تھا۔گلے کے گرد بندھے مفلر کو ڈھیلا کرتے ہوئے وہ فوراً یونیورسٹی کی حدود سے باہر گیا تھا۔ وہ پریتی کی کالز ڈج کرتا اسپتال چلا گیا تھا۔اگر اس نے پوچھ لیا کہ وہ کیوں روپ دھارے ہوئے تھا تو وہ کیا کہتا؟

وہ رات کے نو بجے اسپتال سے نکلنے والا تھا جب نرس دوسری نرسز کے ساتھ اسٹریچر کھینچتے ہوئے اندر آرہی تھی۔وہ اسپتال کی لابی میں ہی کھڑا رہ گیا تھا۔مہروز کا ماتھا سوجھا ہوا تھا اور وہ سرخ رنگ میں رنگی بیہوش اسٹریچر پر پڑی ہوئی تھی۔

"کیا ہوا ہے اسے ٹائلہ؟" وہ ٹائلہ کے ساتھ ساتھ چلنے لگا تھا۔

"مجھے خود بھی نہیں پتا یہ سیڑھیوں کے پاس گری ملی مجھے۔ میں اپنے بچے کے لیے دودھ لینے بازار گئی تھی۔ بہت مشکلوں سے اسے ٹیکسی میں بٹھا کر لائی ہوں میں۔" ٹائلہ اسے ہال نما کمرے میں دوسرے مریضوں کے ساتھ لٹانے والی تھی کہ اذہان کے کہنے پر اس کے کمرے میں اسٹریچر کو گھسیٹ دیا گیا۔

"یہ رنگ؟" اذہان مشکوک نظروں سے اس کے کپڑوں ہاتھوں اور پاؤں پر گرے رنگ کو دیکھ رہا تھا۔

"رنگ نہیں یہ خون ہے۔ بو ہے اس میں خون کی۔" ٹائلہ اس کے وجود پر لحاف ڈالتے ہوئے اس کا ڈوپٹہ ہاتھ میں پکڑ چکی تھی۔

"خون؟" اذہان نے خود کلامی کرتے ہوئے اپنا فون نکالا تھا۔ وہ یونیورسٹی کے آفیشل پیج پر انگلی پھیرتا کچھ دیر پہلے کی اپلوڈ ڈ ویڈیوز دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت پھرتی سے کمنٹس پڑھتا اور نئی اپلوڈ ہونے والی ویڈیوز دیکھتا آفٹر پارٹی میں ہونے والی بدمزگی کے بارے میں جان چکا تھا۔

ٹائلہ پانی کا ٹب اور تولیہ لیے اندر داخل ہوئی تھی اس کے ساتھ ایک اور نرس بھی تھی جو اب مہروز کے پاس کھڑی اس کا بلڈ پریشر چیک کر رہی تھی۔

اذہان سینے پر ہاتھ باندھے لب آپس میں پیوست کیے ٹائلہ کو دیکھ رہا تھا جو تولیہ پانی کے ٹب میں گیلا کرتی مہروز کے پاؤں، پھر ٹخنے صاف کرنے لگی۔ وہ اب تولیہ گیلا کرتی مہروز کی کلائیاں اور بازوؤں سے خون صاف کر رہی تھی۔ جوں جوں اس کے دائیں بازو سے، کلائی سے کافی اوپر خون صاف ہوتا گیا سفید دھبے رونما ہونے لگے۔ اذہان کے لب ڈھیلے پڑے تھے۔ وہ سفید نشانات اس کے کہنی سے زرا نیچا اور کہنی کو گول گول دائروں کی صورت ڈھانپے ہوئے تھے۔ اذہان کے ذہن میں اس سے پچھلی ملاقات کا قصہ لہرا گیا تھا۔ مہروز کا اس کو سختی سے انکار کرنا۔۔۔ اس کو اپنی ٹانگ نہ دکھانا، جھجکنا۔ تو وہ یہ سب اپنی جلد کی وجہ سے کر رہی تھی؟ وہ اسے اپنی ٹانگ دکھانے سے اس لیے انکاری تھی کہ اسے برص کے سفید داغ تھے! وہ گہرا سانس لیتا اپنی کرسی کی طرف بڑھا تھا۔

"ٹائلہ ایسے داغ کیا اسے ٹانگوں پر بھی ہیں؟" وہ مہروز کی طرف سے رخ موڑے کرسی کھڑکی کے طرف کیے ٹائلہ سے مخاطب تھا۔

"ہاں دونوں ہاتھوں کی کہنیوں اور اس سے زرا نیچے ہیں اور دونوں ٹانگوں پر گھٹنے کے پاس اور زرا نیچے جلد پر ہیں۔" وہ مصروف سے انداز میں بولتے ہوئے اس کی گردن بھی صاف کرنے لگی تھی۔

اذہان بہت دیر تک خاموش رہا تھا۔ مہروز کے ہوش میں آجانے پر اس نے صرف ایک دفعہ اس سے استفسار کیا تھا پر مہروز نے اس کے سوال کو سنی ان سنی کر دیا تھا اسے صرف اس بات کی فکر تھی کہ اسے لایا کون؟ لیکن اس بار اذہان اپنی بات میں سچا تھا۔ وہ اسے واقعی نہیں لایا تھا۔ وہ بے دھیانی میں صبح سرجوش کے روپ میں پہنا مفلر بھی یہی اسپتال لے آیا تھا اور یہ بھول اس سے پہلی دفعہ ہوئی تھی۔

وہ فرینکفرٹ واپس جانے کے بجائے فری برگ رک گیا تھا اور ساری رات گیسٹ ہاؤس میں اس نے جاگتے گزاری تھی۔ وہ نجانے کیوں مہروز کو سوچ رہا تھا۔ وہ اپنے آپ کو کبھی مہروز کی جگہ رکھتا اور سوچتا کہ یہ داغ اس کے جسم پر ہوتے تو وہ کیا محسوس کرتا؟ اگر اس پر مذہب کی بنیاد پر رنگ گرایا جاتا، نفرت کی جاتی تو اس کا کیا ردعمل ہوتا؟

اسکی زندگی میں مہروز کے آجانے کے بعد پہلی غلطی پولینا سے اپنا نمبر شیئر کرنا تھا۔ پولینا اس واقعے کے بعد ایک دن چھوڑ کر اسے گڈ مارننگ کا میسج کرتی تھی جسے وہ اگنور کرنے لگا۔ گرین ارتھ ایونٹ کے دن وہ لاشعوری طور پر مہروز کا منتظر تھا۔ وہ بچوں کے ساتھ گھلتا ملتا وقت گزار رہا تھا کہ ایونٹ شروع ہونے سے پانچ منٹ قبل ہی مہروز اسائیکل سے اترتی نظر آئی۔ وہ پنک سوٹ اور پنک پھول لگائے کوئی گلاب ہی لگ رہی تھی۔ وہ جلدی سے میز سے گلوز اٹھا کر اس کی طرف بڑھا تھا۔ مہروز کے ساتھ پولینا کو دیکھ کر وہ نہایت بدمزہ ہوا تھا۔ وہ پولینا کی وجہ سے مہروز کو اوائڈ کر رہا تھا مگر پولینا اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی، اس سے بات کرنے کی کوشش کرتی تھی۔

پولینا اس کی زندگی کا وہ باب تھا جسے کھولنے کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ وہ جسے بند کرنا چاہتا تھا یا پھاڑ دینا چاہتا تھا مگر وہ چمٹ گیا تھا۔ اسے پولینا سے گھبراہٹ ہوتی تھی، وہ شاید پہلا مرد ہوگا جسے ایک عورت کی نظروں سے گھبراہٹ محسوس ہوتی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ پولینا اس کے پیچھے اسپتال آئے گی۔ وہ شدید کوفت میں مبتلا اس کا مسئلہ جان گیا تھا۔ وہ مریض عشق بن گئی تھی۔ اذہان کے ایک بار انکار کرنے پر وہ باز نہیں آئی تھی۔ وہ جہاں جاتا وہ اس کا پیچھا کرتی تھی۔ وہ اکتا کر کبھی اسے ڈاج کر دیتا اور کبھی کئی گھنٹے ایک ہی جگہ بیٹھے گزار

دیتا کہ شاید وہ اکتا کر وہاں سے چلی جائے گی مگر اس کی مستقل مزاجی اذہان کو خوفزدہ کرنے لگی تھی۔ وہ بھی اب ایک ایسا ہی دل بن گیا تھا جو کسی کو چاہنے لگا تھا تو پھر وہ ایک اور چاہنے والے کا دل کیسے توڑ سکتا تھا؟ اسے دل کے ٹوٹ جانے سے خوف آتا تھا اور اس کا حل یہی تھا کہ وہ پولینا کو اوائڈ کرنے کے بجائے اسے کنفرنٹ کرے۔ وہ اسے اسپتال کی سیڑھیوں پر کھڑا ڈانٹ رہا تھا، اس کی نیلی آنکھوں میں جمع ہو جانے والے آنسوؤں سے گھبرا گیا تھا مگر وہ پولینا کو قبول نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ پولینا اس کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتی تھی وہ اپنے جذبات میں سچی تھی مگر وہ بھی اپنے جذبات میں سچا تھا۔ وہ اگر مہروز سے محبت نا بھی کرتا تب بھی پولینا کی اس کی زندگی میں کوئی جگہ نہیں بن سکتی تھی۔

وہ اسپتال کے بعد آرٹ گیلری اور وہاں اس کیمپ تک جا پہنچی جو سڑک پر رہنے والے لوگوں کی مدد کے لیے لگایا گیا تھا۔ اذہان نے اسے دیکھ کر کوفت سے سر جھکا لیا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ پولینا اسی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہ جتنی سختی اس کے ساتھ کر سکتا تھا کر رہا تھا۔ وہ اس کا دل خود سے کھٹا کرنے کے لیے درشتی سے بات کر رہا تھا پر پولینا پر کوئی اثر ہی نہیں ہو رہا تھا۔ اذہان زچ ہوتا اٹھ گیا تھا مگر جیسے پولینا نے ہار ماننا سیکھا ہی نہیں تھا۔ وہ ماتھا زخمی کیے اب اس سے پٹی کروانے پر بضد تھی۔

وہ پہلی دفعہ کسی لڑکی کو فرسٹ ایڈ دیتے ہوئے نروس ہوا تھا۔ وہ کبھی نروس نہیں ہوتا تھا مگر اپنے لیے کسی کے دل میں جذبات جان کر وہ اسے اگنور نہیں کر پا رہا تھا۔ پولینا اس کے سامنے بھیک مانگتے ہوئے خود کو اس کی نظروں میں جھکا رہی تھی۔

"تمہاری زندگی میں مہروز ہے، ہے نا؟" یہ سوال اذہان کو حتمی فیصلہ کرنے پر مجبور کر گئی تھی کہ وہ اب ڈاکٹر عبداللہ جمشید کا بہروپ مزید نہیں دھارے گا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اگر مہروز پولینا کے منہ سے ڈاکٹر عبداللہ کی فیلنگز کے بارے میں جان جائے گی تو کیسا ری ایکٹ کرے گی پر وہ بہروپ جو اسے مہروز سے ملانے کا بہانہ بنا تھا وہ دفن ہو رہا تھا۔ اس بہروپ سے نا صرف پولینا کو دکھ مل رہا تھا بلکہ وہ خود بھی اذیت کا شکار ہو رہا تھا۔ اس کا دل کرچیوں میں بٹا تھا، اسے دکھ اور اذیت ایک ساتھ محسوس ہوا تھا۔ شاید وہ واحد بہروپ تھا جس کی مہروز عزت کرتی تھی۔

اس کی زندگی کی دوسری غلطی آدم تھا۔ اوٹو کے پاس کام کرنے والے یہ کیفے چھوڑ کر اسکیلیٹیز آ چکے تھے۔ اذہان، مہروز کی وہاں جاب کے بارے میں جان کر کبھی کبھار ماچو کیفے کافی پینے جاتا تھا اور ایک دن کونے والی میز پر اوٹو اور مہروز بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ مہروز

پریشان تھی، اسے جلد از جلد کوئی اچھی جاب چاہیے تھی جس کی وجہ سے وہ جلد قرض اتار سکے۔ اذہان اس کی طرف پشت کیے بیٹھا سب سن رہا تھا۔ اس نے وہیں بیٹھے ان دو لڑکوں میں سے ایک سے رابطہ کر کے سمجھایا تھا کہ اسے اوٹو سے رائٹنگ جاب کی بات کرنی ہے۔

اوٹو سہولت کار بن گیا تھا اور مہروز اس جاب کے انٹرویو کے لیے فرینکفرٹ آ گئی تھی۔

اذہان نے ایچ آر ٹیم کے ایک بندے کو مہروز سے چھوٹی سی اسپیچ لکھوانے کی ہدایت کر دی تھی۔ وہ ایک نیا روپ لے کر ہرگز مہروز کے سامنے جانا نہیں چاہتا تھا مگر اس دن آدم نے ایچ آر کو رخصت کر کے خود انٹرویو لیا تھا۔

"یار بڑی فنی لڑکی تھی۔ اف۔" آدم گلاس میں پانی ڈالتے ہوئے مہروز کے ساتھ لگائی شرط پر ہنس رہا تھا۔ وہ کچن میں کھڑا انٹرویو کی روداد اذہان کو سنا رہا تھا اور اذہان صوفے کی پشت پر بیٹھا بے تاثر نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"بڑے وقت بعد کوئی ایشیا کی لڑکی آئی تھی تو اسے تنگ کرنے میں مزہ آیا۔ پاکستانی لڑکیاں شرماتی ہیں میں نے پریتی سے سنا تھا آج دیکھ بھی لیا۔ مجھے تو گدگدی ہو رہی تھی۔" آدم گلاس

منہ سے لگا چکا تھا پر اذہان کے چہرے کے ناقابل فہم تاثرات اسے چونکا گئے تھے "کیا ہوا؟"
آدم نے ہاتھ کی پشت سے ہونٹ صاف کرتے ہوئے اس سے استفسار کیا تھا۔

"وہ ضرورت مند تھی۔ اگر تم صرف ایک دن ناغہ کر لیتے ان حرکتوں سے
تو کیا جاتا؟ کیا تمہارے ارد گرد اور لوگ کم ہیں جو تمہیں اس کو بھی تنگ کرنا تھا؟" اذہان اپنے
غصے کا اظہار کرتا مڑا تھا۔

"ریلیکس۔ عام سی ایک لڑکی تھی اس میں غصہ۔۔۔"

"شٹ اپ۔" اذہان بگڑے تاثرات کے ساتھ کہتا اپارٹمنٹ سے باہر نکلا تھا۔

وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ اتنا بے سکون کیوں ہوا تھا؟ شاید مہروز کے خالی ہاتھ لوٹ جانے
پر اسے غصہ تھا، اس نے خود کو یہی توجیح پیش کی۔ وہ کچھ دن یہی سوچتا رہا کہ کیسے اسے دوبارہ
جاب آفر کی جائے۔ وہ اور تراکیب لڑا رہا تھا کہ اللہ نے خود بہ خود اس کے لیے راستہ بنا دیا تھا۔
مہروز نے ایک بار پھر ایچ آر کو ای میل کیا تھا اور اس سے اگلی صبح وہ فرینکفرٹ پہنچ گئی تھی۔
اس کی آمد کا سن کر اذہان نے خود اس کا انٹرویو لینے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ ماتھے تک ٹوپی پہنے چہرہ
قدرے چھپائے دائیں رخ بیٹھا ہوا تھا۔ مہروز کے چلے جانے کے بعد اس نے سکھ کا سانس لیا

تھا مگر وہ براہ راست اس سے ملنا نہیں چاہتا تھا پر اس نے نجانے کیسے اس میں اور سر جوش میں مماثلت ڈھونڈ لی تھی۔ وہ ایونٹ کی اینیورسری کے دن صرف تقریب کا جائزہ لینے آیا تھا جب مہروز نے اسے دیکھ لیا تھا اور اس کے پیچھے چلنے لگی۔ وہ پھرتی سے ہال سے نکلا تھا اور ہال کے قریب دیوار میں نصب دیوار جیسے رنگ کے دروازے کو کھولتا خفیہ روم میں چھپ گیا تھا۔ وہ اس دن بھی اسے ڈاج کرنے میں کامیاب ہوا تھا اور پہاڑیوں پر بھی اس سے بچ نکلا تھا۔

اس دن آدم کا اس کی تھیوری کی کلاس میں آدھمکنے سے اسے اپنا یہ روپ بھی خطرے میں جاتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ ایک لمحے میں ہی آدم کو پہچان گیا تھا اور آدم صرف اسے زچ کرنے اس کلاس میں آیا تھا۔ اسے پولینا کے بعد آدم پر شدید غصہ آیا تھا جو مہروز کی طرف جاتے راستے میں حائل ہوا تھا۔ وہ واپس فرینکفرٹ آجانے پر اور ساری رات آدم کا انتظار کرنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا تھا کہ آدم مہروز کے ساتھ اکثر پایا جاتا تھا۔ سب سے پہلے اسے شک وہاں ہوا تھا جب آدم اسے ایک راہگیر کے طور پر اس کا تعارف کرواتا اسے ریسٹورنٹ کھینچ لایا تھا اور کچھ ہفتوں بعد اسے پریتی سے معلوم ہوا تھا کہ وہ تینوں ایک ہندوستانی شادی کو کریش کرنے چلے گئے تھے۔ اس کے ارد گرد خطرے کی گھنٹی بجنا شروع ہو گئی تھی۔ یا تو آدم صرف

وقت گزاری کے لیے مہروز کے ساتھ کوئی ایڈونچر کرنا چاہتا تھا یا۔۔اور اس 'یا' پر آکر اس کا دل دھک سے رہ جاتا تھا۔یا وہ بھی مہروز کے لیے سیریس تھا۔

اس کے لیے آدم کو سمجھنا اتنا ہی مشکل تھا جتنا کہ آدم کے لیے اذہان کو سمجھنا۔

❀❀❀

صبح ہی اس اپارٹمنٹ میں ناشتے کی اشتہا انگیز خوشبو پھیل رہی تھی۔

مہروز اپنا بیگ پیک کیے لاؤنج میں رکھ رہی تھی۔

"میں بہت مس کروگی تمہیں۔"فرح نے یہ جملہ پانچویں دفعہ دہرایا تھا۔وہ چکن قیمے کے پراٹھے ہاٹ پاٹ میں منتقل کرتی چولہا بند کر چکی تھی۔

ناشتہ تقریباً ختم ہو چکا تھا۔مہروز ٹشو سے اپنی انگلیاں صاف کرتی فرح کو دیکھنے لگی جو انڈے کا آخری لقمہ بھی منہ میں رکھ رہی تھی۔

"آپ پھیکی چائے کیوں پیتی ہیں؟"

"کیونکہ شوگر ہے مجھے۔"فرح نے مسکرا کر اپنا چائے کا کپ اٹھایا تھا۔

"کب سے ہے؟"

"پچھلے دس سالوں سے۔۔ مورے کو بھی ہے تو مجھے تو ہونا ہی تھا۔" فرح نے یاسیت سے ہنستے ہوئے چائے کا گھونٹ لیا تھا۔

"ایک دفعہ بے بے کے منہ سے نکلا تھا کہ آپ کو میٹھا بہت پسند ہے۔"

" کبھی کبھی میں میٹھا کھا کر اپنا شوق پورا کر لیتی ہوں۔" فرح نے چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے براؤن بال کان کے پیچھے اڑسے تھے۔

"خان بابا۔۔۔" مہروز نے جھجکتے ہوئے سر اٹھا کر بات کا آغاز کیا تھا" بہت اچھے اور حساس طبیعت کے مالک ہیں۔انہیں پیار کرنا آتا ہے اظہار کرنا نہیں۔وہ الفاظ میں بہت اچھے نہیں ہیں۔سادہ سے ہیں۔انہیں تو بہت باتیں بھی نہیں کرنی آتی۔"

فرح تھوڑی تلے ہاتھ رکھے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ مہروز کو دیکھ رہی تھی جو اپنے باپ کا دفاع کر رہی تھی۔

"چلو خان لالہ اچھے بھائی نہیں تو اچھے بیٹے، شوہر اور باپ تو ثابت ہوئے۔" فرح کے لہجے میں نا طنز تھا نا کوئی گلہ۔وہ جیسے یہ جان گئی تھی کہ جو محرومی خان لالہ نے خود محسوس کی تھی وہ محرومی وہ اپنی اولاد کو کبھی محسوس نا ہونے دیتے۔

مہروز نے چہرے پر آئی لٹ کو ہلکا سا پیچھے کیا تھا۔وہ جیسے کچھ دیر کے لیے لاجواب ہو گئی تھی۔وہ بہن بھائی کو ملانا چاہتی تھی اور اس کا آغاز اس نے فرح سے کیا تھا۔یہ کام مشکل ضرور تھا پر اس نے یہ سفر 'یقین' کے ساتھ شروع کیا تھا۔ہر کام کی شروعات میں خود پر یقین شامل ہو تو راستے کھلنا شروع ہو جاتے ہیں۔

"خان بابا شاید پہلے زرا غصے کے تیز ہو کیونکہ وہ ایک باپ ہونے کے ساتھ پٹھان بھی ہیں اور پٹھان تو پھر بس غصے میں چیمپئن ہیں۔"مہروز کھسیانی ہنسی ہنس دی"لیکن میں نے کبھی انہیں مورے کو مارتے نہیں دیکھا۔مجھے ان سے بچپن میں ڈر لگتا تھا کیونکہ وہ ہر وقت سنجیدہ رہتے تھے اور اس کی وجہ بھی جان گئی ہوں میں،پر جب میں بڑی ہوئی تو خان بابا نے جیسے اپنا خول خود توڑا۔اگر میں نے ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے بھی مجھے مایوس نہیں کیا۔"وہ چائے کے کپ پر بن جانے والی پتلی سی تہہ دیکھ رہی تھی۔

"پھوپھو۔۔۔"مہروز نے اگلی بات کہنے کے لیے اپنے الفاظ کا چناؤ بہت محتاط انداز میں کیا"کیا آپ خان بابا کو ناپسند کرتی ہیں؟ان سے نفرت۔۔۔"مہروز کا دل ڈوبا تھا اور وہ اپنے باپ کے لیے نفرت کا لفظ بھی سہی سے ادا نہیں کر پائی تھی۔

فرح کے چہرے پر ایک تاریک سایہ لہرایا تھا۔فرح نے تھوڑی سے سر اٹھا کر گہرا سانس بھرا تھا۔ان کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔ان کے چہرے پر ابھرنے والے تاثرات دیکھ کر مہروز کا دل کانپا تھا۔اگر انہوں نے کہہ دیا'ہاں' پھر؟

"نہیں۔"

مہروز کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا۔وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکی تھی۔جرار تو اس کا نام بھی سننا پسند نہیں کرتے تھے اور فرح نے نہیں کہہ دیا تھا۔کیسے؟

"اگر کوئی آپ کے ساتھ برا کرے تو آپ کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس نے کبھی آپ کے ساتھ اچھا بھی کیا ہو گا۔یہ سنا تھا میں نے۔دا.جی بہت سخت تھے مگر خان لالہ ان کے بالکل الٹ۔اگر ایک مرد سخت تھا تو ایک نرم جو اپنے اختیار کے مطابق مجھے جتنی سہولت دے سکتا تھا اس نے دینے کی کوشش کی۔اگر دا.جی رلاتے تھے تو خان لالہ ہنساتے تھے۔اگر دا.جی کسی بھی چیز کو خریدنے سے انکار کر دیتے تھے تو خان لالہ وہ چیز مجھے لا دیتے تھے۔میں جانتی ہوں کہ وہ صورتحال جو میں نے تم سب کے لیے بنادی تھی وہ بہت مشکل تھی۔میں نے اپنے ساتھ تم لوگوں کی جانیں بھی خطرے میں ڈال دی تھی اور گھر کے مرد ہونے کی حیثیت سے

میرے بھائی نے ہم سب کو پروٹیکٹ کرنے کی کوشش کی۔ مجھے ان سے اب کوئی گلہ نہیں۔ کوئی بھی انسان اپنا سو فیصد نہیں دے سکتا۔ ہر انسان کہیں نا کہیں مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ مہروز مجھے اب ان سے کوئی گلہ نہیں۔I am glad کہ اپنی بیٹی کو انہوں نے اسپورٹ کیا ہے ایٹ لیسٹ۔" فرح نے میز پر بائیں ہاتھ کی کہنی رکھ دی تھی۔

"تم سات بچوں کے بعد پیدا ہوئی ہو مہروز۔ خان لالہ روایتی پٹھانوں میں سے نہیں ہیں جو روایتوں میں سانس لیتے ہو۔ وہ بالکل رایات چھوڑ بھی نہیں سکے تھے اور مکمل فالو بھی نہیں کرتے تھے۔ یاسمین بھابھی چھٹے بچے کے بعد اتنی مایوس ہو گئی تھی کہ انہوں نے خان لالہ کو خود شادی کی اجازت دے دی تھی۔ خود سے دوسری شادی کی اجازت دینا ایک عورت کے لیے بہت مشکل ہوتا ہے پر خان لالہ نے ایسا کوئی فیصلہ نہیں لیا۔ بلکہ انہوں نے تو یاسمین بھابھی کو اور بچے پیدا کرنے سے منع کر دیا تھا پر یاسمین بھابھی راضی نہیں ہوئی تھی۔ میں سمجھتی ہوں کہ اپنے شوہر کو اولاد دینا وہ اپنا فرض، اپنی ذمہ داری سمجھ رہی تھی جس کی وجہ سے انہوں نے اپنی صحت کا خیال بھی نہیں رکھا۔ تم مہروز۔۔۔" فرح نے مہروز کے ہاتھ کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ رکھا تھا" ہمارے فیملی کا اچھا ایڈیشن ہو۔"

مہروز آنکھوں میں آنسو لیے مسکرا دی تھی۔ دل نرم ہو تو بات منوانا آسان ہو جاتی ہے اور رشتوں کو برقرار رکھنے میں یہ نرم دل ہی تو کام آتے ہیں۔

❀❀❀

فری برگ یونیورسٹی میں یہ آخری ہفتہ چل رہا تھا جس کے بعد پیپرز کا آغاز ہو جانا تھا۔ آخری ہفتے میں یونیوسٹی کچھ زیادہ ہی طلبہ سے بھر جاتی تھی۔ صبح جاؤ تو ہجوم، شام کو جاؤ تو ہجوم، رات کو جاؤ تو ہجوم اور اسی ہجوم کا حصہ مہروز اور پولینا بھی تھے۔ پولینا مہروز کے ساتھ اب پہلے جیسا دوستانہ انداز بھی نہیں رکھتی تھی اور سرد مہری بھی نہیں دکھاتی تھی۔ پریزینٹشنز، اسائمنٹس اور ریسرچ ورک جمع کرا کرا کر طلبہ اپنی توجہ پڑھائی کی جانب مبذول کر چکے تھے۔

جمعہ کا دن تھا اور انگلش ڈیپارٹمنٹ کا آخری پیپر تھا۔ تھیوری کا پیپر ایک عذاب تھا اور طلبہ سر ہاتھوں میں تھامے سوالات پر غور و فکر کرتے اور لکھتے جا رہے تھے۔ پیپر ختم ہونے میں پندرہ منٹ رہ گئے تھے جب سر جوش نے تمام طلبہ کو پیپر واپس دینے کا حکم صادر کیا تھا۔ تمام طلبہ ہکا بکا رہ گئے تھے۔ ان کے کاؤنٹ ڈاؤن پر کچھ طلبہ بڑبڑاتے ہوئے، کچھ روتے ہوئے اور کچھ انہیں کوستے ہوئے اپنے آدھے ادھورے پیپر تھما کر کلاس سے باہر نکلے تھے۔

سورج کی سنہری کرن مہروز نے اپنے چہرے پر محسوس کر کے سکھ کا سانس لیا تھا۔اس نے جیسے آج بہت دنوں بعد سورج کی شکل دیکھی تھی۔

وہ براؤن کھدر کی فراک اور ہم رنگ شال اوڑھے، بالوں کو فرنچ پونی میں باندھے لائبریری کی طرف رخ کر چکی تھی۔اسے آج پولینا سے اس کے بدلے ہوئے رویے کی بات کرنی تھی۔

لائبریری کے آگے بنی پھاٹک کراس کر کے وہ تاج محل نما دروازہ کھول کر لائبریری کے اندر داخل ہوئی تھی جہاں خاموشی نے اسکا استقبال کیا تھا۔کچھ طلبہ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے تو کچھ جگہ نہ ہونے کی وجہ سے زمینوں پر۔مہروز وسیع و عریض لائبریری کے نچلے فلو کو چھاننے کے بعد اب سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جا رہی تھی۔وہ کتابوں کی ریکس کے پاس بیٹھے لڑکے لڑکیوں کو گھورتی دور کونے میں بیٹھی بلانڈ بالوں والی لڑکی کو پہچان گئی تھی جس نے کچھ دنوں پہلے ہی اپنے بال کانوں سے اوپر تک کاٹ لیے تھے۔

"ہالو۔" مہروز آہستہ آواز میں کہتے ہوئے اس کے دائیں طرف فرش پر بیٹھ گئی تھی۔

"میرا کل ہے آخری پیپر۔" پولینا نے اسے دیکھے بغیر جواب دیا تھا جیسے کہہ رہی ہو اس کے پاس بات چیت کرنے کا وقت نہیں ہے۔

"جانتی ہوں۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے آؤ کچھ کھاتے ہیں۔" مہروز نے اس کو بازو سے پکڑ لیا تھا۔

"نہیں میں نہیں جا سکتی۔ بہت مشکل سبجیکٹ ہے یہ اور مجھے بھوک بھی نہیں ہے۔" پولینا نے نہایت آہستہ سے اپنا بازو اس کی گرفت سے چھڑایا تھا۔

"تم بہت عجیب ہوتی جا رہی ہو۔" مہروز نے اسے دیکھتے ہوئے تشویش سے کہا تھا۔

"میں ہمیشہ سے ہی ایسی تھی۔"

"کیا؟ عجیب یا بد تمیز؟" مہروز نے خوشگوار انداز میں اس کی بات اڑا دی تھی۔

"میں خود ہی اٹھ جاتی ہوں۔" پولینا لیپ ٹاپ فولڈ کر کے اٹھی تھی۔

مہروز جلدی سے بیگ بائیں کندھے پر ڈالتے ہوئے اٹھی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"We need to talk." مہروز اب اس کے برابر چلتے ہوئے سنجیدہ ہو چکی تھی۔ وہ ایک لڑکے کی پھیلائی ٹانگوں کو پھلانگتے ہوئے اس کی رفتار کو میچ کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

پولینا لیپ ٹاپ بائیں بغل میں دبائے اسے نظر انداز کیے سیڑھیوں پر پیر رکھ چکی تھی جب یک دم فائرنگ کی آواز نہایت قریب سے آئی تھی۔ پولینا کے ہاتھ سے لیپ ٹاپ چھوٹ کر سیڑھیوں پر لڑھکنے لگا۔

مہروز اور پولینا سیڑھیوں کے دہانے پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی تھیں۔

ایسی ہی حالت لائبریری میں بیٹھے بہت سے طلبہ کی تھی۔ کسی نے خوفزدہ ہو کر کانوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے تو کوئی جیسے سانس لینا بھول گیا تھا۔ کچھ دیر پہلے کی سرگوشیاں، بھنبھناہٹ خاموشی میں بدل چکی تھی۔

سیڑھیوں پر ہونے والی دھپ دھپ سے مہروز کا دل کانپ رہا تھا۔ سامنے ہی گرین جیکٹس، لمبے بال اور سرخ مفلر سر پر باندھے، ہاتھوں میں گنز لیے پانچ چھ مرد سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ وہ اس قدر کرخت شکل کے تھے کہ مہروز اور پولینا اپنی جگہ جم سے گئے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

تھے۔مہروز نے پہلی دفعہ ایسی حلیے کے لوگوں کو اپنے سامنے اتنے قریب سے دیکھا تھا ورنہ اس سے پہلے ایسے حلیے کے لوگ اس نے انگریزی فلموں میں دیکھے تھے جو مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لیے دکھائے جاتے تھے۔

"اٹھو۔" کرخت شکل والے نے پولینا کو بازو سے پکڑ کر دیوار کی طرف دھکیلا تھا۔

مہروز کے پاؤں ہلنے سے انکاری تھے۔اسے بھی زبردستی اٹھا کر پولینا کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا تھا۔مہروز کے پاؤں اتنے شدت سے کانپ رہے تھے کہ وہ ایک بار پھر گر پڑی تھی۔

"سارے قطار بنا کر نیچے چلو۔" انہوں نے اونچی میں کہتے ہوئے منہ اپنے ساتھیوں کی جانب پھیر لیا تھا۔

وہ آپس میں کسی دوسری زبان میں بات کرتے ہوئے کتابوں کی ریکس کے پاس بیٹھے طلبہ پر بندوقے تانتے انہیں گھسیٹتے ہوئے آگے بھیجنے لگے۔کچھ طلبہ موقع پر ہی حواس کھو بیٹھے تھے۔پولینا مہروز کو کندھے سے سہارا دے کر اٹھا چکی تھی اور باقی طلبہ کے ساتھ قطار میں شامل ہو کر سیڑھیاں اترنے لگی۔

"یہ وہ جہادی Extremist Muslims ہیں۔" مہروز کو اپنی پشت پر ایک لڑکے کی آواز سنائی دی۔

"تم نے پولیس کو کال کی؟"

"ان کی عقاب جیسی نظر ہے میں یہ رسک نہیں لے سکتا۔"

"میں نے ہیلپ ایپ پر ہیلپ مانگی ہے۔" اسے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

جوں جوں وہ سیڑھیاں اتر کر نچلے فلور پر کھڑے ہوتے گئے منظر اور بھی صاف ہو چکا تھا۔ ایسے ہی باوردی لمبے بالوں والے مرد نیچے بھی کھڑے تھے۔ نچلے فلور پر طلبہ اور لائبریری عملے کے پانچ لوگ سروں کی پشت پر ہاتھ باندھے گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ مہروز اور پولینا بھی سروں کی پشت پر ہاتھ باندھ کر زمین پر بیٹھ چکے تھے۔ ان مردوں میں سے ایک مرد ٹوکرا آگے پھیلاتا طلبہ سے فون لیتا جا رہا تھا۔

مہروز کا دل ڈوبا تھا۔ پتا نہیں اسے پھر فون دوبارہ ملے نا ملے؟ نجانے یہاں سے باہر نکلنا نصیب ہو کہ نہیں؟ اس کی آنکھیں بھر آئی تھی۔ اسے آزادی کی اہمیت اس جبری قید میں بیٹھتے ہوئے محسوس ہو رہی تھی۔ مہروز نے گردن بائیں طرف موڑی تھی جہاں سیڑھیوں

سے کچھ فاصلے پر باہر نکلنے کا دروازہ تھا اور اب اس دروازے کے پاس دو باوردی مرد گن لیے کھڑے تھے۔ دروازہ لاک تھا۔ وہ اب گردن پھیر کر طلبہ پر ایک نظر ڈالتی تو اسے سر ہی سر نظر آرہے تھے۔

"یہ تو۔۔۔ منی ہائسٹ جیسی سچویشن ہو گئی۔" اس کے قریب بیٹھے لڑکے نے سرگوشی نما آواز میں تبصرہ کیا تھا۔

"منی ہائسٹ۔" مہروز نے زیرِ لب دہرایا تھا۔

"مگر وہ اتنے خوفناک نہیں تھے جتنے یہ ہیں۔ وہ صرف پیسہ بنانے آئے تھے لوگوں کو نقصان پہنچانے نہیں مگر یہ لوگ۔۔۔ ان کا کیا مقصد ہے وہ بھی ہم جیسے بے ضرر طالب علموں کے ساتھ؟"

مہروز کا دل بھی ڈوبا تھا۔ کیا یہ کسی ٹریرسٹ گروپ کا حصہ تھے یا یہاں مسلمانوں کے بہروپ میں بھجوائے گئے لوگ تھے؟

جاری ہے

باب 9

ترازو

ماہ نور زہرا

لاہور کے گھر میں صبح ہی صبح آج پہلی دفعہ جرار مہروز کے لگائے ٹماٹر، پودینوں کو پانی دے کر اندر داخل ہوئے تھے۔

"آپ؟" یاسمین نے حیرانی سے ان کے ہاتھ میں بڑا سا باؤل دیکھ کر حیرانی کا اظہار کیا تھا۔

"ہاں سوچا آج میں خود پانی ڈال لوں۔ مہروز جان کے ہاتھوں میں کوئی خاص بات ہے جو پودہ وہ لگاتی تھی وہ اگ آتا تھا۔ اب دیکھو اس کی لگائی سبزیاں ہم اکثر پکا کر کھا لیتے ہیں۔" جرار کہتے ہوئے کچن کی طرف بڑھے تھے اور باؤل کاؤنٹر پر رکھ کر باہر نکلے تھے۔ وہ اب اکثر مہروز کے ساتھ 'جان' کا صیغہ لگایا کرتا تھے۔

انہوں نے آج بینک سے چھٹی لی تھی۔

"آپ نے بتایا نہیں کہ آج چھٹی کیوں لی؟" کچھ دیر بعد یاسمین کچن کے دروازے میں کھڑی ہاتھ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر گول گول گھماتے پیڑہ بنا رہی تھی۔

جرار ٹی وی لگائے خبریں سن رہے تھے اور ان کے برابر صوفے پر سلیمان جان بھی بیٹھی ہوئی تھی۔

"چھ لاکھ بھیجے ہیں مہروز جان نے۔ آج حسیب سے کہتا ہوں کہ زرا ویڈیو کال ملا دے اس سے۔ دیکھو کتنی محنت کرتی ہے وہ۔" وہ اب اکثر یہ جملہ کہا کرتے تھے۔

"اسے کہو قرض کے پیچھے اتنا خوار نا ہو۔ ہو جائے گا قرض ادا۔ اب دیکھو چھ لاکھ کے لیے اس نے کتنی محنت کی ہو گی۔" سلیمان جان نے بھی تاسف سے سر ہلایا تھا۔

جرار سر ہلا کر دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

وہ سر شام ہی حامد صاحب کے ساتھ بینک سے واپس آ رہے تھے۔ انہوں نے اس بار اسٹام پیپر بنوا کر قرض کی واپسی بینک کے ذریعے شروع کی تھی۔

"جوں جوں قرض ادا ہوتا جا رہا ہے میرے دل کا بوجھ بھی کم ہوتا جا رہا ہے۔" جرار ہلکے پھلکے لہجے میں کہتے ہوئے اپنے گھر کے دروازے پر کھڑے تھے "آیے اندر چائے تو پیجیے۔"

Clubb of Quality Content

"پھر کبھی۔ابھی تھکا ہوا ہوں زرا آرام کرنا چاہتا ہوں۔" حامد صاحب ان کا کندھا تھتھپا کر اپنے گھر کی طرف بڑھے تھے۔

مغرب ہوئے بہت وقت گزرا تھا۔ جرار کہنیوں تک قمیض کے بازو فولڈ کیے پنجوں کے بل واش روم کے فرش پر بیٹھے بیسن کے نیچے لگی ٹونٹی کھولے بیٹھے ہوئے تھے۔

"کم از کم آج رات اس بیسن کو مت استعمال کرنا۔" وہ یاسمین سے کیل لے کر کھولی ہوئی ٹونٹی میں جوڑتے اب بند کر رہے تھے۔

کافی دیر بیٹھے رہنے کی وجہ سے ان کی کمر میں درد شروع ہو چکا تھا۔وہ کمر پکڑے لاؤنج کی طرف آئے تھے جہاں سلیمان جان اونچی آواز میں ٹی وی لگائے بیٹھی ہوئی تھی۔ جرار کی نظر ٹی وی اسکرین پر پڑی تھی اور ان کے پیر اپنی جگہ تھم گئے تھے۔ان کے ہاتھ سے اسکروز کا پیکٹ زمین پر گرا تھا۔

لاہور سے دور یورپ کے آسمان تلے فرینکفرٹ کے اپارٹمنٹ میں فرح ابھی ابھی داخل ہوئی تھی۔بیگ لاؤنج میں رکھے صوفے پر رکھتے ہوئے وہ خود بھی دھپ سے صوفے پر بیٹھی تھی۔ان کی گردن تھکاوٹ کی وجہ سے اکڑ گئی تھی۔ریموٹ ہاتھ میں پکڑ کر انہوں نے ٹی

وی لگا یا تھا اور ایک کے بعد ایک چینل بدلتے ہوئے وہ ایک چینل پر رک گئی تھی۔ وہ صوفے پر بیٹھے بیٹھے زرا سا آگے جھکی تھی۔ نیوز اینکر بے تاثر چہرہ بنائے اب تفصیلات بتا رہی تھی۔ فرح نے اٹھ کر ایک جست میں ہی اپنا بیگ اٹھایا تھا اور بیگ کا زپ عجلت میں کھول کر وہ فون نکال کر کال ملا چکی تھی۔

فرینکفرٹ کے مین ریور سے زرا دور بنے اپارٹمنٹس میں آدم رامن نوڈلز بنائے اذہان کے سامنے رکھ رہا تھا۔ اذہان صوفے کی پشت پر سر رکھے آنکھیں موندے لیٹا ہوا تھا۔

"دیکھا ہو گا ایسا دوست جو بنا پوچھے نوڈلز بنا کر سامنے قدموں میں رکھ رہا ہو، وہ بھی میرا فیورٹ فلیور؟" آدم عورتوں کی طرح ہاتھ نچاتے ہوئے میز کے دوسری طرف اپنا باؤل لیے بیٹھ گیا تھا۔

اذہان نے سر ہلکا سا ترچھا کر کے اپنے پاؤں کے قریب رکھے باؤل پر نگاہ ڈالی تھی جس سے گرم گرم بھاپ نکل رہی تھی۔ اذہان پاؤں نیچے اتارتا باؤل اٹھا چکا تھا۔

"ویسے کوئی اتنے ذائقے دار بھی نہیں ہوتے یہ رامن۔" اذہان اسے چڑاتا کانٹے میں نوڈلز پھنسا کر منہ میں ڈال رہا تھا۔

"چلو، کم ان واپس کرو۔احسان فراموش۔"آدم کا منہ کھل گیا تھا۔اس کے ہونٹ اس فلیور کی وجہ سے سرخ پڑ رہے تھے۔

"کبھی جو میرے کھانے کی تعریف کی ہو تم نے۔"آدم افسوس سے سر ہلاتا نوڈلز چاپ اسٹک میں پھنسا کر کھانے لگا۔

"ہاں تم نے جیسے ترکی کے شیف براق سے اسپیشل کلاسز لی ہوئی ہیں نا۔"اذہان مزے سے نوڈلز چباتے ہوئے اسے چڑا رہا تھا۔

"وہ بھی اگر میرے ہاتھ کا کھا لے نا تو اپنی Chefness بھول جائے۔"

"شیفنس۔"اذہان کے منہ میں آدھے چبے نوڈلز تھے جنہیں نا وہ اگل پا رہا تھا نہ نگل۔ہنس ہنس کر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔آدم اکثر الفاظ کو بگاڑا کرتا تھا۔

آدم اور اذہان کے فون پر ایک ساتھ میسج کا رنگ ٹون بجا تھا۔اذہان ہنسی کو بمشکل روکتے ہوئے اپنے فون پر ابھرنے والے میسج کو پڑھنے لگا۔اذہان کا چہرہ اتنا سنجیدہ ہو گیا تھا جیسے وہ کچھ دیر پہلے مسکرایا ہی نا ہو۔

آدم گرم گرم باؤل میز پر رکھتے ہوئے کھڑا ہو گیا تھا۔

"مہروز سیف ہے؟"

❀❀❀

لائبریری میں خوف وہراس پھیلا ہوا تھا۔ یہاں بیٹھا کوئی بھی شخص یہ نہیں جانتا تھا کہ آخر اس یونیورسٹی کی کیا خاص بات تھی کہ اسے نشانہ بنایا گیا تھا؟ یہاں کونسے پیسے پرنٹ ہونے تھے؟ طلبہ کو قید ہوئے دو تین گھنٹے گزر چکے تھے۔ لائبریری کی قد آدم کھڑکیوں سے نظر آتا نیلا آسمان اب کالا ہونا شروع ہو چکا تھا۔

لائبریری میں عجب سی خاموشی تھی جو عام دنوں میں نہیں ہوا کرتی تھی۔ مہروز فرش پر ایک ہی پوز میں بیٹھے بیٹھے تھک چکی تھی۔ پیپر کی ٹینشن کی وجہ وہ کچھ کھا بھی نہیں پائی تھی، پیپر دینے کے بعد اس کا ارادہ کچھ کھانے کا تھا مگر وہ کیا جانتی تھی کہ اب وہ قید کر لی جائے گی۔ اس کے بیگ میں بچ جانے والے کچھ بسکٹس پڑے ہوئے تھے پر ان ظالموں نے وہ بیگز بھی لے لیے تھے۔

لڑکے لڑکیوں کے چہرے مایوسی سے مرجھائے ہوئے تھے۔

"کیا وجہ ہو سکتی ہے ہمیں قید کرنے کی؟ کیا ہم میں کوئی کسی پریزیڈنٹ کی اولاد ہے یہاں؟" مہروز پولینا کے نہایت قریب بیٹھی سر جھکائے سرگوشی میں اس سے مخاطب تھی۔

"پتا نہیں۔ حلیے ایسے ہیں ان کے کہ ان سے کچھ پوچھا بھی نہیں جا سکتا۔" پولینا نے آہستہ سے سر اٹھا کر باوردی مردوں کو دیکھا تھا جو لائبریری میں فاصلے فاصلے سے خاموش کھڑے تھے۔

لائبریری سے باہر کھڑی پولیس نے کئی بار مائکروفون کے ذریعے انہیں باہر نکلنے کی تنبیہ کی تھی پر یہ لوگ جیسے منہ میں گھنگیاں ڈالے کھڑے تھے۔

"مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔ میں نے لاسٹ کھانا کل رات کھایا تھا اور دیکھو اگلے دن کی مغرب بھی ہو گئی ہے۔ میری عصر بھی قضا ہو گئی ہے۔" مہروز نے افسوس سے کہتے ہوئے سر اٹھا لیا تھا۔

پولینا نے سر بائیں طرف موڑ کر ترحم بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ کوشش کے باوجود مہروز سے نفرت نہیں کر پا رہی تھی اور اسی بات کا اسے خود پر غصہ تھا۔ وہ اس کی رقیب تھی پر یہ کیسی رقیب تھی جس کو دیکھتے ہی اس سے خطرے کی بو نہیں آتی تھی۔

"کچھ انتظار کر لو کیا پتا کچھ کہہ دے کہ کیوں ہمیں قید کر رکھا ہے؟"پولینا نے اسے دلاسہ دینے کے لیے اس کا ہاتھ تھپتھپایا تھا۔

"پتا نہیں ان کا کتنے دنوں کا ارادہ ہو۔یہاں انگلش ڈیپارٹمنٹ کے کیا بس ہم ہی ہیں؟"مہروزا ایک ہی پوز میں بیٹھے تھک کر اب پاؤں اٹھا رہی تھی۔

پولینا نے گردن دائیں بائیں گھماتے ہوئے متجسس نظروں سے باقی طلبہ پر نظر ڈالنے لگی۔

اس کی نظر سرخ مفلر والے آدمی کی سرد آنکھوں سے ٹکرائی تو پولینا خود بہ خود آنکھیں پھیرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔اتنی خوفناک آنکھیں اس نے آج تک نہیں دیکھی تھی۔

"ہم۔۔۔ہمیں کیوں قید کیا ہے؟"ہال میں ایک طالب علم کی اٹکتی ہوئی سی آواز گونجی تھی۔

بے اختیار بہت سے طلبہ نے آس میں سر اٹھالیا تھا کہ بالآخر کسی مرد مجاہد نے ان ڈریکولا نما لوگوں سے سوال پوچھنے کی جرات کی۔

باوردی آدمی اپنی گن اٹھائے فرش پر دوزانوں بیٹھے طلبہ کو پھلانگتے ہوئے اس کے سر پر پہنچا تھا۔لڑکے کے ہونٹ خوف سے خشک ہو رہے تھے۔اس باوردی شخص نے اس کے منہ پر

اپنا بوٹ مارا تھا۔وہ لڑکا منہ پر ہاتھ رکھے بیٹھے بیٹھے دہرا ہو رہا تھا۔لائبریری میں ایک ساتھ 'آہ' کی آواز گونجی تھی۔

اس باوردی شخص نے اپنی خونخوار نظریں پورے لائبریری میں گھمائیں تھی،اس کا سر گھومتے دیکھ کر باقی طالب علموں کے سر خود بہ خود جھک گئے۔

"اسی لیے مسلمانوں سے نفرت ہے مجھے۔"مہروز کو اپنے پیچھے ایک لڑکے کی سرگوشی نما آواز سنائی دی۔

مہروز نے سر ترچھا کر کے اس لڑکے کی طرف گردن موڑی تھی جس کے سر پر کوئی بال نہیں تھا۔

"کیا نام ہے؟"

"لوکا۔"اس کا لہجہ اطالوی تھا۔

'لوکا سارے مسلمان ایک جیسے نہیں ہوتے اور اس وقت بھی تمہیں مسلمانوں پر لعن طعن یاد ہے؟"مہروز اسے ناگواری سے دیکھ رہی تھی۔

ان کی آواز سرگوشی سے بھی کم تھی۔

"ہاں تو اس وقت بیٹھ کر کیا کروں میں؟ یہ وقت بھی تو ان جاہل شدت پسند مسلمانوں کی وجہ سے آیا ہے۔ کیا چاہتے ہیں کہ ہم بندوق کی نوک پر مسلمان ہو جائے؟" اس نے کمر ذرا سی آگے جھکائی تھی۔

"یہ لوگ بندق کی نوک پر ہمیں مسلمان کرنے نہیں آئے۔ اندھے ہو کیا؟ اگر ایسا ہوتا تو میں تو پہلے سے ہی مسلمان ہوں تمہیں لگتا ہے اگر میں انہوں کہوں کہ میں تم لوگوں کی مسلمان بہن ہوں تو یہ مجھے جانے دینگے؟ عجیب نفرت ہے تم لوگوں کی۔" مہروز سر جھٹکتی گردن موڑ چکی تھی۔

"آپ لوگوں کو آدھا گھنٹہ دیا جاتا ہے۔ یا ہم سے مذاکرات کرے یا جنگ۔ تم لوگوں یہاں ایک دن سے زیادہ سروائیو نہیں کر پاؤ گے۔" باہر سے مائیکروفون پر ہونے والا اعلان ایک بار پھر سنائی دیا تھا۔

یہ اعلان ایک آس بندھا جاتی تھی مگر یہ آدھے گھنٹے کب کے گزر چکے تھے اور اب تک کوئی پیش رفت نہیں ہوئی تھی۔ سب ہونقوں کی طرح فرش پر بیٹھے اپنا اپنا قیاس کر رہے تھے کہ وہ یہاں کیوں تھے؟ آخر انہیں قید کرنے سے ان باوردی لوگوں کو کیا فائدہ حاصل ہونا تھا؟

❀❀❀

کمرے میں یک دم ہی حبس پھیلا تھا جیسے کوئی زہریلا گیس چھوڑ دیا ہو اور اب سانس لینا دشوار ہو۔

"دیکھو کسی تعلیمی ادارے میں یہ طالبان گھس گئے ہیں اور بچوں کو محاصرے میں رکھا ہوا ہے۔ سوچو بچوں کے ماں باپ پر کیا بیت رہی ہو گی؟ نہیں بھلا یہ اسلام کی کیسی خدمت ہے؟" سلیمان جان سر جھٹکتے ہوئے افسوس کا اظہار کر رہی تھی۔

"جرار۔" یاسمین نے جرار کو کندھے سے تھام لیا تھا۔ ان کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

"بیٹھ جائے۔" یاسمین انہیں بازو سے تھامے صوفے تک لے آئی تھی۔

سلیمان جان بھی گھبرا کر بیٹے کے قریب بیٹھ گئی تھی۔ ان کا دل ہول رہا تھا کہ آخر جرار کے چہرے کا رنگ کیوں سفید پڑ گیا تھا۔

"کیا ہوا جرار ظویا؟ دل تو ٹھیک ہے؟" سلیمان جان نے جرار کے سینے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"نہیں۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکا تھا۔

"اوہ خدایا۔ یاسمینیں حسیب کو بلاؤ۔ اسے اسپتال لے چلے۔"

یاسمین سر ہلاتی پھرتی سے بیرونی دروازے کی جانب بھاگی تھی۔

"کہا ہے ناز یادہ کام مت کیا کرو۔اب واش روم میں کتنی گرمی ہے۔ گرمی سے دل خراب ہو گیا ہو گا۔" سلیمان جان مسلسل ان کا سینہ مسل رہی تھی اور جرار بس یک ٹک نیوز اینکر کو مزید تفصیلات دیتے سن رہے تھے۔

یونیورسٹی آف فری برگ۔۔۔اور وہی پر داخلہ لینے والی مہروز۔۔۔انہیں بس اس وقت یہی یاد تھا۔

"کیا ہوا ہے انکل؟" حسیب بوکھلایا سا اندر داخل ہوا تھا۔ان کے پیچھے گھبرائی سی یاسمین بھی داخل ہوئی تھی۔

"حسیب۔" انہوں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری تھی "یہ زرا مہروز کو ویڈیو کال ملانا۔" انہیں اپنی آواز بھی اجنبی لگ رہی تھی۔

حسیب سر ہلاتا مہروز کو کال ملا چکا تھا اور ٹی وی اسکرین پر نگاہ ڈالتے وہ بھی برف بن گیا تھا۔

"مہروز کو کیوں؟اس وقت مہروز کو کیوں کال کر رہے ہیں؟ڈاکٹر کے پاس نہیں جانا؟" یاسمین کوفت کا شکار ہوتی جرار کے بائیں طرف رکھے صوفے پر بیٹھی تھی۔

"ایک تو یہ ٹی وی۔اسے میں بند کروا تنا شور ہے اس کا۔" یاسمین نے اٹھتے ہوئے ٹی وی کا ریموٹ میز سے اٹھایا تھا کہ جرار نے سختی سے اس کے ہاتھ سے ریموٹ چھینا تھا۔

یاسمین حیران ہوتی جرار کے چہرے پر جلال دیکھ رہی تھی۔

"نہیں اٹھا رہی وہ۔" حسیب نے مایوسی سے فون کان سے ہٹایا تھا۔

"ایک بار پھر۔۔۔ملالو۔" جرار ہکلائے تھے۔

"انکل ان کا وائی فائی آف ہے۔میں انہیں سم پر ٹرائے کرتا ہوں۔" حسیب اسے سم پر کال کرتا دائیں بائیں گھومنے لگا مگر موبائل کے پاورڈ آف ہونے پر وہ فون کان سے ہٹا چکا تھا۔

"نہیں اٹھا رہی وہ۔"

"اسے کیوں کال کر رہے ہو؟ میں بھی بوڑھی ہوں میرا دل کونسا توانا ہے۔" بے بے نے زچ آکر حسیب کو دیکھا تھا۔

"جس یونیورسٹی میں مہروز جان پڑھتی ہے اسی پر تو طالبانوں نے حملہ کیا ہے۔"

جرار کی آواز یاسمین اور بے بے کو صور کی طرح لگی تھی۔وہ دونوں جیسے اب ٹی وی کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

"انہیں محصور کر رکھا ہے مگر کیوں؟" یاسمین حواس باختہ لگ رہی تھی۔

"میں یہاں بیٹھے کیسے جان سکتا ہوں؟" جرار نے کوفت کا شکار ہوتے انہیں جواب دیا تھا۔

چاروں میں سے کسی کی نظر ٹی وی اسکرین سے ہٹ نہیں رہی تھی۔دل تھے کہ ڈوب رہے تھے۔

"اس کی کوئی دوست؟کسی دوست کا نمبر ہے تمہارے پاس؟" جرار نے بیٹھے بیٹھے گردن موڑ کر حسیب کو دیکھا تھا۔

"دوست۔۔۔" حسیب ہونٹوں پر انگلی رکھے سوچنے لگا۔

یاسمین کا دل کانپ رہا تھا۔وہ نڈھال سی صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے ہوئی تھی کہ دوست کے نام پر انہوں نے جھٹکے سے سر اٹھا کر حسیب کو دیکھا تھا۔

فرح۔وہی وہاں ہوتے ہوئے ان کی مدد کر سکتی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

یاسمین بے آواز فرح کا نام لیتے ہوئے حسیب کو اپنی طرف متوجہ کرنے لگی۔ حسیب آنکھیں چھوٹی کیے ان کے ہونٹ دیکھنے لگا۔

"بیٹے وہ ہے نافاریحہ۔" یاسمین نے اب اونچی میں کہا تھا۔

"وہ تو فر۔۔۔"

"فاریحہ ہے بیٹا۔" یاسمین نے تیز آواز میں کہتے ہوئے اس کی بات کاٹی تھی۔ انہوں نے جرار کے غصے سے بچنے کے لیے فرح کو فاریحہ بنادیا تھا۔

"اچھا اچھا۔ ہاں یاد آیا۔" حسیب نے سمجھتے ہوئے کال ملائی تھی۔ اس نے کچھ دنوں پہلے فرح کا نمبر سیو کیا تھا۔

سلیمان جان سر پکڑے لب ہلاتے ہوئے دعائیں کر رہی تھی۔

"دو میں بات کرتا ہوں۔" جرار نے ہاتھ بڑھایا تھا۔

"نہیں نہیں۔ میں بات کرتی ہوں۔ مجھے دو۔" یاسمین فوراً سے اٹھی تھی اور اس سے پہلے کہ جرار ان سے فون لیتے وہ حسیب سے فون پکڑ کر بیڈروم کی طرف بڑھ چکی تھی۔

ان کا دل پتے کی طرح لرز رہا تھا۔ان کی واحد امید فرح تھی جو ان کی غیر موجودگی میں ان کی بیٹی کی حفاظت کر سکتی تھی۔

"ہیلو حسیب۔"

"فرح میں یاسمین۔" یاسمین کا گلہ بھر گیا تھا"ٹی وی پر بڑی بری خبر آ رہی ہے۔تم نے دیکھی؟"

"جانتی ہوں بھابھی۔میں ابھی فری برگ کے لیے نکلی ہوں۔"

"تو پہلے کہاں تھی؟"

"بھابھی میں دوسرے شہر میں ہوتی ہوں اور وہ دوسرے شہر میں۔آپ فکر نا کریں انشاءاللہ وہ ٹھیک ہو گی۔اس نے اپنے ہاسٹل کا پتا دیا تھا مجھے ابھی میں وہی جا رہی ہوں۔وہی ہو گی دیکھ لیجیے گا۔ٹینشن نا لے۔اچھا میں ابھی ڈرائیو کر رہی ہوں۔ایک گھنٹے تک کال کرتی ہوں۔"

"میری بیٹی اب تمہارے حوالے ہے۔" یاسمین منہ پر ہاتھ رکھے فون کان سے ہٹا چکی تھی۔

ان کے دل کو زرا سی ڈھارس ملی تھی۔وہ ڈوپٹے سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے پلٹے تھے اور جرار کو دروازے میں ایستادہ پا کر وہ لحظہ بھر کے لیے گھبرا گئی تھی۔

"وہ۔۔۔"ان کے ہونٹ کپکپائے تھے"فاریہ ابھی مہروز کے ہاسٹل جائے گی۔"یاسمین ہونٹوں کے اوپر آئے پسینے کو ہاتھ سے صاف کرتے ہوئے آگے بڑھی تھی۔

"وہ پٹھان ہے؟"

"ایں؟"یاسمین نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا تھا۔

"وہ پٹھان ہیں؟ ہمارے لہجے میں بولتی ہیں؟"جرار کی آواز میں کھردراپن تھا۔

"آ۔۔۔ہاں پٹھان ہے۔"یاسمین نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا تھا اور ان کے پاس سے گزر جانا چاہا تھا جب انہوں نے یاسمین کو بازو سے تھاما تھا۔

"اس وقت مجھے اپنی بیٹی کی خیریت کی فکر ہے۔اس موضوع کو میں بھولا نہیں ہوں۔ ہم اس پر بعد میں بات کرینگے۔"انہوں نے کہتے ہوئے یاسمین کا بازو چھوڑا تھا اور کمرے سے باہر نکلے تھے۔

یاسمین کا کب کا رکا سانس بحال ہوا تھا۔انہوں نے تاسف سے شوہر کی پشت دیکھی تھی جو اس وقت بھی فرح کے نام پر چونکنا بھولے نہیں تھے۔

سرخ اسپورٹس کار بہت تیز رفتاری سے رات کی تاریکی میں سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

ڈرائیونگ سیٹ پر آدم بیٹھا ہوا تھا اور فرنٹ سیٹ پر اذہان۔اذہان کان میں ایئر بڈ لگائے ٹیبلٹ پر انگلیاں چلا رہا تھا۔

"کچھ پتا لگا اس کے کلاس فیلوز سے؟" آدم کے دونوں ہاتھ اسٹئیرنگ وہیل پر تھے۔اس نے فنگر لیس دستانے پہن رکھے تھے۔

"کسی کو کچھ نہیں پتا۔" اذہان نے لہجے کو سرسری بنالیا تھا۔اذہان پتلے سے سویٹر میں ملبوس تھا۔

"کیوں کر رہے ہیں ایسا؟ تم یونیورسٹی میں نہیں تھے اس وقت جب یہ ٹیررسٹ لائبریری کی طرف گئے تھے؟"

"میرے نکلنے کے بعد ہوا ہے سب۔" اذہان نے ایئر بڈ کو دباتے ہوئے چہرہ کھڑکی کی طرف موڑ لیا تھا "کچھ پتا لگا پریتی؟"

پریتی کے نام پر آدم نے گردن موڑ کر اذہان کو دیکھا تھا۔اذہان کھڑکی پر کہنی رکھے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے نچلا ہونٹ دبائے دوسری طرف کی بات سن رہا تھا۔

بات اتنی لمبی ہو چکی تھی کہ آدم کو فت کا شکار ہوتا اذہان کا گھٹنا ہلا کر اس سے اشارے سے پوچھنے لگا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔اذہان اسے انتظار کرنے کا اشارہ کر کے چند ایک سوالات پوچھ کر کال کاٹ چکا تھا۔

"کیا کہا اس نے ؟"یونیورسٹی کی طرف جاتی سڑک پر موڑ کاٹتے ہوئے آدم نے اسے دیکھا تھا۔

"پریتی بتا رہی تھی کہ ETH Zurich میں بھی طلبہ کو محصور بنایا گیا ہے اور وہاں لیب کا انتخاب کیا گیا ہے۔ان کا مطالبہ ہے کہ ہمارے طالب علموں کو چھوڑا جائے گا تو ہی تم لوگوں کے طالب علموں کو بھی چھوڑ دیا جائے گا اور اگر کسی ایک طالب علم کے موت کی خبر ملی تو بدلے میں ان دو یونیورسٹیز کے بھی ایک ایک طالب علم کو مارا جائے گا۔"

"اوہ گاڈ۔"آدم نے ہاتھ کی گول مٹھی بنا کر منہ پر رکھی تھی۔

"ابھی تک بس یہی اطلاع ہے کہ کچھ دنوں پہلے جرمن بارڈر پر کچھ مشکوک لوگ پکڑے گئے تھے جو ٹیپیکل مسلمانوں کے حلیے میں تھے اور وہ اس وقت جرمن فوج کی تحویل میں ہیں۔"

"قصہ بہت complicated ہے۔" آدم گہرا سانس بھرتا ہوا یونیورسٹی کی طرف جاتی سڑک پر کھڑی گاڑیوں کے اژدھام کو دیکھ کر گاڑی بائیں گلی کی جانب موڑ گیا تھا۔

گاڑی پارک کرتے ہی دونوں تیزی سے بھاگ رہے تھے۔ لوگوں کے ہجوم میں دھکے کھاتے وہ اپنی جگہ بنا ہی چکے تھے۔ پولیس سرخ ربن سے یونیورسٹی کا داخلی راستہ بند کر چکی تھی۔ صرف چند ایک نیوز رپورٹرز اور کیمرہ مینز پولیس کی وینز کے ساتھ سرخ ربن کے دوسری طرف کھڑی تھی۔ طلبہ کے والدین سرخ ربن کے اس پار کھڑے یاسیت سے لائبریری کی اونچی عمارت کو دیکھ رہے تھے۔ انہیں لوگوں میں ایک براؤن بالوں والی خاتون پولیس سے بحث کیے جا رہی تھی۔

"اتنی دیر ہو چکی ہے۔ چھ گھنٹوں سے وہ لوگ اندر قید ہیں اور آپ لوگ ابھی تک بس انہیں وارننگز ہی دیے جا رہے ہیں۔ نجانے انہوں نے کچھ کھایا ہو کہ نہیں۔ ایٹ لیسٹ کھانے کا ہی پوچھ لے۔"

"میم یہاں وہ لوگ پکنک کے لیے نہیں آئے کہ میں ان سے کھانے کا پوچھوں۔" پولیس افسر نے سڑے ہوئے لہجے میں فرح کو جواب دیا تھا۔ماں باپ کے سوالوں اور رونے دھونے سے تنگ آکر وہ چڑا ہوا لگ رہا تھا۔

"مائی پوائنٹ۔وہ پکنک پر نہیں آئے اس لیے ہمیں نہیں پتا ہمارے بچے کب تک یہاں رہے ۔میں میڈیا کو اکٹھا کرلوں گی اور میں ان کو یہی پیغام ریکارڈ کراؤں گی کہ پولیس کا رویہ بالکل مناسب نہیں ہے۔آپ سب یہاں بس کھڑے ہونے آئے ہیں۔اگر مجھے اگلے پانچ منٹ میں اعلان سنائی نہ دیا تو پھر دیکھنا میں کرتی کیا ہوں۔" فرح ماتھے پر بل ڈالے سخت آواز میں اسے سناتے ہوئے جیسے باقی طلبہ کے والدین کی آواز بن گئی تھی۔تمام والدین نے ایک ساتھ اس کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

اذہان کمر پر دونوں ہاتھ رکھے طلبہ کے والدین کو دیکھ رہا تھا جو سرخ ربن سے پیچھے ہٹنے کو تیار ہی نہیں تھے۔

اذہان ان میں اپنی جگہ بناتا عین فرح کی پشت کی طرف کھڑا ہوا گیا تھا "کیا کہہ رہی تھی پولیس؟"

فرح نے اپنی پشت پر مردانہ آواز سنتے ہی مڑ کر بڑی کالی آنکھوں والے مرد کو دیکھا تھا۔

"کچھ کہہ ہی تو نہیں رہی۔" فرح نے افسردگی سے کہتے ہوئے سر واپس موڑ کر بڑی پولز لائٹ کی روشنی میں دکھتی لائبریری کی عمارت کو دیکھا تھا۔

ہاسٹل جانے پر اسے پتا لگا تھا کہ وہاں صرف مہروز ہی نہیں اس کی روم میٹ بھی اب تک واپس نہیں آئی تھی۔

"آپ کا اندر کون ہے؟"

"میری بھتیجی۔"

اذہان نے سر ہلا کر دوبارہ پولیس کو دیکھا تھا جو لائبریری سے کچھ فاصلے پر کھڑی مائیکروفون پکڑے کھانے کا پوچھ رہی تھی۔

فرح نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ اسے زیادہ شور نہیں مچانا پڑا تھا۔

رات آہستہ آہستہ مزید گہری ہو رہی تھی۔ ہوا میں اب بھی خنکی محسوس ہو رہی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

یونیورسٹی سے زرا دور ایک چھت کی طرف جاتی سیمینٹ کی سیڑھیوں پر اذہان دیوار سے سر ٹکائے سو چکا تھا۔ آدم کافی کے دو ڈسپوزیبل مگ پکڑے اس کے نزدیک آیا تھا پر اسے سوتا دیکھ کر وہ چند لمحے وہی کھڑا رہا اور پھر کندھے اچکاتا کافی کے دونوں مگ سیڑھی پر رکھ چکا تھا۔ اپنا بلیک لیدر جیکٹ اتار کر اس نے اذہان کے سینے اور بازوؤں پر پھیلا لیا تھا۔ وہ اس کے برے وقتوں کا اچھا ساتھی تھا۔

وہ اس سے ایک اسٹیپ نیچے سیڑھی پر بیٹھ گیا تھا اور کافی کا مگ اٹھائے اس سے چسکیاں بھرنے لگا۔ سامنے ہی سڑک کے دوسری طرف سیلون تھا جسے بہت ماڈرن طریقے سے بنایا گیا تھا مگر اندر لائٹس بند تھی۔ اسے شیشے کی کھڑکیوں میں اپنا دھندلا سا عکس نظر آرہا تھا اور پھر اس عکس میں اذہان کا عکس بھی شامل ہو گیا تھا۔ وہ دونوں تیرہ سال کے تھے۔

آدم کا نام لوئس اوون تھا۔ اس کے گھنے سنہری بال تھے۔ اس کی شہد رنگ آنکھیں ہر جگہ اس کی پہچان بن جاتی تھی، وہ شہد رنگ آنکھیں ذہین اور اندر تک اترتی ہوئی تھی۔ وہ گہری تھی۔ وہ ایک یتیم خانے میں آنکھ کھولنے والا لڑکا تھا جسے اپنے ماں باپ کی کوئی خبر تھی نا اسے دلچسپی تھی۔ وہ بس الگ تھلگ رہتا تھا، معصوم دکھتا تھا معصوم تھا نہیں۔ جب بھی کوئی چیریٹی

کے لیے یہاں آتا اور ان بچوں سے ملاقات کرتا تو وہ کوئی ایسی حرکت ضرور کرتا تھا جس سے آنے والا دوبارہ نہیں آتا تھا۔ ایک دفعہ ایک امیر شخص کے گارڈز کے غافل ہونے پر پھرتی سے اس کی گاڑی کے نیچے لیٹا تھا اور پچھلی دو ٹائرز میں سے ہوا نکال دی تھی۔

وہ یتیم خانے کی پچھواڑے میں لگی سی سی ٹی وی میں پکڑا گیا تھا۔

"یہ تم تھے؟" لیڈی صوفیہ نے اسے اسکرین دکھاتے ہوئے سختی سے پوچھا تھا۔

"نہیں۔" آدم نے معصومیت سے کہا۔

"پھر تمہارا بھوت تھا؟"

"جی؟"

"جی؟" لیڈی صوفیہ نے حیرانی سے اسے دیکھا اور پھر اسے آنکھیں پٹپٹاتے دیکھ کر کچھ سخت الفاظ کہنا چاہتی تھی کہ وہ فوراً بول اٹھا۔

"میرے پاس ایلا بائی ہے۔"

"کون؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"اینجل۔ بلکہ آپ اور بچوں سے بھی پوچھ لیں وہ بھی کہتے ہیں تمہیں ہم نے واش روم میں دیکھا تم صابن کھا کھا کر فرش پر تھوک رہے تھے پر وہ میں نہیں تھا، میں اس ٹائم سو رہا تھا۔ پھر ایک نے کہا تم کچن میں فریج کھولے کینو کھا رہے تھے حالانکہ اس ٹائم میں نہا رہا تھا۔ پھر ایک۔۔۔"

"بس بس۔ میں خود پتا کرا لو گی۔ جاؤ تم۔" انہوں نے ہاتھ ہلا کر اسے جانے کا کہا۔

لیڈی صوفیہ نے جب بچوں سے پتا کروایا تو ہر کوئی آدم کی بات کی گواہی دے رہا تھا۔ آدم سبزے میں بیٹھا گھٹنے کے نیچے دبے چاکلیٹس باری باری نکالتا انہیں کھاتے ہوئے محضوظ ہو رہا تھا۔ اس نے سب کو delusional بنا دیا تھا۔ سب کو یقین تھا کہ اس ادارے میں آدم کا بھوت رہتا تھا اسی لیے اکثر آدم کو کچن میں پا کر کِسں بھی چپ چاپ نکل آتے تھے اور آدم دل ہی دل میں محضوظ ہوتا آرام سے اپنا کھانا پیٹ بھر کر کھاتا تھا مگر یہ مزے زیادہ دن نہیں رہے تھے۔ اسے بھی کوئی لینے آ گیا تھا، وہ ایک ایسے سفر پر نکل گیا تھا جہاں اس کی زندگی بدل کر رہ گئی تھی۔

جوں جوں رات گہری ہوتی جارہی تھی، فرش بھی ٹھنڈا ہوتا جارہا تھا۔اب آدھے طلبہ اوپر فلور پر شفٹ ہو چکے تھے اور گن مینز بھی دو گروپس میں تقسیم ہو چکے تھے۔

مہروز سے اب اور بھوک برداشت کرنا نا ممکن ہو چکا تھا۔ٹھنڈے فرش پر بیٹھے بیٹھے اسے اب واش روم جانے کی حاجت بھی محسوس ہو رہی تھی۔اس کے ارد گرد طلبہ کا بھی حال مختلف نہیں تھا۔یہ ایک اعصاب کی جنگ تھی جو بہت سے طلبہ ہار رہے تھے، کچھ منہ پر ہاتھ رکھے ہچکیوں کو دباتے ہوئے بے آواز رو رہے تھے اور کچھ بھوک سے نڈھال آڑھے ترچھے بیٹھے ہوئے تھے۔

"تم رو رہی ہو؟" پولینا آہستہ سے ٹانگیں پھیلا رہی تھی جب اس کی نظر مہروز کے گیلے چہرے پر پڑی۔

مہروز نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"اوہ کم ان۔" پولینا نے آہستہ سے مہروز کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"مجھے شدت سے بھوک لگ رہی ہے اور اب واش روم بھی جانا ہے۔میری کمر یونہی بیٹھے بیٹھے تھک چکی ہے میں ٹیک لگانا چاہتی ہوں۔میری تین وقت کی نمازیں قضا ہو گئی۔مجھے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

میرے گھر والے یاد آرہے ہیں۔مجھے نہیں پتا کہ ہم کب یہاں سے نکلے گے؟"مہروز کے منہ سے ہچکی نکلی تھی۔اس نے فوراً منہ پر ہاتھ رکھ کر سر جھکا لیا تھا۔اس کا دل یک دم بند ہوا تھا۔

پولینا نے آہستہ سے سر اٹھا کر ان باوردی لوگوں کو دیکھا تھا جنہوں نے شاید مہروز کی ہچکی نہیں سنی تھی۔

"ریلیکس۔نارمل بی ہیو کرو۔"پولینا نے ایک بار پھر اس کا گھٹنا تھپتھپایا تھا"اچھا بتاؤ تمہارے قرآن میں اور کونسی بات ہے جو پسند ہے تمہیں؟"پولینا نے اس کا دھیان بٹانے کے لیے اس سے ایک اور سوال کیا تھا۔وہ کہنی گھٹنے پر رکھے خاصا ٹیڑھا بیٹھ چکی تھی۔

مہروز ہاتھ کی پشت سے گال رگڑتے ہوئے آنکھیں بند کر چکی تھی اور ایک دفعہ پھر وہ اللہ کا پیغام دہرانے لگی۔وہ اپنے دماغ کے گھوڑے دوڑا رہی تھی۔ایک سفر تھا جو وہ کر رہی تھی اور پھر یک لخت رکی تھی۔اس نے آہستہ سے آنکھیں کھولی تھی تو اب پہلے سے زیادہ مطمئن نظر آرہی تھی۔

"اللہ نے بار بار قرآن مجید میں کہا ہے کہ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ ہر شے کا اختیار اس کے پاس ہے۔ اس نے بار بار ہمیں یہ یاد دلایا ہے کہ وہ کتنا پاورفل ہے اور بس وہی تو پاورفل ہے۔" مہروز نے آہستہ سے سر موڑ کر پولینا کو دیکھا تھا۔ وہ اب مسکرا رہی تھی۔ اس کی گیلی آنکھیں مسکرا اٹھی تھی۔

"میں پھر کیوں مایوس ہو گئی جب اس نے کہا ہے کہ وہ ہر شے پر قادر ہے تو کیا وہ اس سچویشن پر قادر نہیں ہے؟ کیا وہ میری رہائی کا اختیار نہیں رکھتا؟" وہ خود سے سوال کرتی کچھ دیر خاموش رہی "ہے۔ بس مجھے اس پر کامل یقین ہونا چاہیے۔"

لائبریری کی خاموشی ایک بار پھر مائکروفون پر گونجنے والی آواز نے توڑ دی تھی۔

"ہم بچوں کے لیے کھانا بھجوا رہے ہیں۔ کھانا لائبریری کے دروازے پر رکھ دیا جائے گا۔ ہمیں پیچھے ہٹ جائے گے اور آپ کھانا اٹھا کر لے جایے گا۔ ہماری طرف سے وعدے کی کوئی خلاف ورزی نہیں ہو گی۔"

یہ اعلان تھا یا فتح کی کوئی خبر۔ تمام طلبہ کے چہرے کھل اٹھے تھے۔ مہروز یک دم اچھا محسوس کرنے لگی تھی۔ تمام طلبہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں جیسے ایک دوسرے سے خوشی کا اظہار کیا تھا۔

"مجھے واش روم جانا ہے۔ پلیز جانے دیں ورنہ میں سارا گند یہی پھیلا دونگی۔" عینک والی لڑکی کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ وہ یک دم میز کا سہارا لیتی کھڑی ہو گئی تھی اور پھٹ پڑی تھی۔

سارے طلبہ دم سادھے اسے دیکھ رہے تھے۔

باوردی اشخاص ایک دوسرے کو دیکھنے کے بعد جیب سے مائیک نما آلہ منہ کی طرف لے جا کر کچھ بولنے لگے، وہ جیسے احکامات حاصل کرتے اسے ابرو کا اشارہ کر کے آگے بڑھنے لگا۔

"مجھے بھی جانا ہے۔" مہروز فوراً کھڑی ہو گئی تھی۔

"مجھے بھی۔" پولینا کہتے ہوئے آہستہ سے اٹھی تھی۔

واش روم کی طرف جیسے قطار لگ گئی تھی۔ اوپر نیچے بنے واش روم میں ایک ساتھ چار چار لوگوں کو جانے کی اجازت مل رہی تھی۔

مہروز ہلکا پھلکا محسوس کرتی بازو کہنیوں تک فولڈ کر کے واش بیسن میں وضو کر رہی تھی۔ پانی اس قدر ٹھنڈا تھا کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے پیچھے ہٹ گئی تھی۔

وہ گہرا سانس بھر کر دوبارہ ہاتھ دھو کر وضو کرنے لگی۔ وہ مسح کے بعد پانی بند کر کے مڑی تھی کہ پولینا کا عکس اسے آئینے میں نظر آیا۔ فوراً ہی دوسرے واش روم کا دروازہ بھی کھل گیا تھا۔ مہروز نے جلدی سے کہنیوں سے سویٹر کے بازو نیچے کیے تھے۔ اس کا گیلا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔ وہ ڈوپٹے کو اچھے سے سر کے گرد باندھتی پولینا کو نظر انداز کرتی واش روم سے باہر نکل آئی تھی۔

"مجھے نماز پڑھنی ہے۔" اس نے ہمت کر کے واش روم کے باہر کھڑے باوردی شخص کو مخاطب کیا تھا۔

"جاؤ آرام سے بیٹھ جاؤ۔" اس نے کرخت لہجے میں کہتے ہوئے گردن موڑلی تھی۔

"آپ تو مسلمان ہیں نا تو مجھے نماز پڑھنے۔۔۔"

باوردی شخص مہروز کو مارنے کے لیے ہاتھ اٹھا چکا تھا کہ پولینا نے جھٹکے سے مہروز کو بازو سے تھام کر اپنی طرف کھینچا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"سوری، سوری۔" پولینا خوشامدانہ انداز میں اسے کہتے ہوئے مہروز کو بازو سے پکڑے گھسیٹ کر طلبہ میں جگہ بناتی اب سیڑھیوں کے پاس خالی جگہ پر بیٹھ گئی تھی جہاں دونوں نے سیڑھیوں کے پشت سے ٹیک لگائی تھی۔

مہروز نے اپنے آگے اسی گنجے لڑکے کو بیٹھے دیکھ کر اس کا کندھا ہلایا تھا۔

"میں نے جب ان سے نماز کی بات کی تو اس نے ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی۔ دیکھا تم نے؟ وہ مسلمان ہوتا تو نماز پڑھنے دیتا نا کہ مارتا مجھے۔" مہروز ہونہہ کہہ کر پیچھے ہوئی تھی۔

وہ گنجا لڑکا بغیر کچھ کہے سر پھیر چکا تھا۔

کھانے کے رکھ دیے جانے کے اعلان پر طلبہ کے دل خوشی سے اچھلے تھے۔ باوردی اشخاص نے چار طلبہ کو سلیکٹ کیا تھا جو لائبریری کے دروازے سے کھانا اندر لاتے۔

چاروں طلبہ پر گن تان کر لائبریری کے دروازے کی طرف بھیجا گیا تھا۔ وہ لوگ باری باری کھانے کے پیکٹس اندر رکھتے جا رہے تھے اور اندر والے طلبہ انہیں باوردی لوگوں کو دے رہے تھے۔ ان چاروں طلبہ پر پولیس وینز اور کیمروں کی بے تحاشہ لائٹ پڑ رہی تھی پر وہ خاموشی سے ڈبے اندر رکھ رہے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

پزے کا ایک ایک ٹکڑا اہر لڑکا اور لڑکی پکڑے کھا رہے تھے۔وہ بھوک مٹانے کے لیے ناکافی تھا مگر بھوکے رہنے سے بہتر تھا۔

"کب سے ہے تمہیں؟"پولینا کا منہ پزا کے آخری لقمے سے بھرا ہوا تھا۔

"کیا؟"مہروز نے اس کی طرف گردن نہیں موڑی تھی۔وہ یونہی طلبہ کو پزا کھاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"Vitiligo"

"جب میں چھوٹی سی تھی۔"مہروز نجانے کیوں بات کرتے ہوئے شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔وہ مائدہ کے بعد پہلی دفعہ کسی سے برص کے موضوع پر بات کر رہی تھی۔

"تمہارے بازو خوبصورت ہیں۔"پولینا نے کہتے ہوئے اپنی انگلیاں چاٹنا شروع کر دی۔

مہروز نے حیرانی سے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔وہ شاید پہلی لڑکی ہو گی جسے مہروز کے بازو خوبصورت لگے تھے۔

"تمہیں خوبصورت لگے؟"مہروز اب آہستہ آہستہ لقمہ چبانے لگی۔

"ہاں۔اس میں کیا ہے؟رنگ ہی تو ہے۔مجھے تو ایسے لوگ کسی مصور کی بنائی پینٹنگ لگتے ہیں ۔ایسے لگتا ہے جسم پر پینٹ برش سے دو رنگ پھیر دیے گئے ہو۔یہی تو ور سٹیلٹی ہے۔"پولینا نے گھٹنوں کے گرد اپنے بازو باندھ لیے تھے۔

مہروز جیسے لاجواب بیٹھی اپنا پزا چبائے جا رہی تھی۔اسے افسوس کی توقع تھی۔علاج اور پرہیز کے پوچھے جانے کی توقع تھی مگر پولینا نے اسے حیران کر دیا تھا۔مہروز کتنی ہی دیر خاموش بیٹھی اپنے پزے کا ٹکڑا کھاتی رہی۔

"تم۔۔"مہروز نے ہاتھ کی پشت سے ہونٹ صاف کیے تھے"ناراض ہو؟"

"نہیں۔"

"تم کچھ وقت سے اوائڈ کر رہی تھی نا مجھے۔"مہروز نے پاؤں تھوڑے سے پھیلانے کی کوشش کی۔

"میں پڑھائی میں مصروف تھی۔"

مہروز سر ہلا کر اس کی بات کا یقین کرنے لگی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

لائبریری کی لائٹس ڈم ہو چکی تھی۔ باوردی لوگ کرسیوں پر بیٹھے ان کی پہرہ داری کر رہے تھے۔ کچھ لڑکے لڑکیاں گھٹنے سینے سے لگاتے سو چکے تھے اور کچھ یونہی بیٹھے ہوئے تھے۔

مہروز اپنے سویٹر کے کونے کا کبھی گولا بناتی اور کبھی بگاڑ دیتی۔ پولینا اسے کتنی دیر سے یہی کرتے دیکھ رہی تھی۔ اسے مہروز پر رشک آیا تھا جس پر عبداللہ فدا تھا۔ نجانے وہ بے نیاز تھی یا بنتی تھی۔ وہ بھی عبداللہ کے لیے وہی جذبات رکھتی تھی یا نہیں؟ اس کے دل میں ایک بار پھر خواہش جاگی کہ وہی مہروز ہوتی۔

پولینا نے آہستہ سے گلہ کھنکھارتے ہوئے اسے متوجہ کیا تھا۔

"تم کسی میں انٹرسٹڈ ہو؟"

مہروز کا ہاتھ تھما تھا۔ اس نے آہستہ سے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"تمہارے کوئی ریلیشن شپس۔۔۔ پسندیدگی، دوستی ایسا کچھ بھی نہیں ہے؟" پولینا حیران ہوئی تھی۔

"نہیں۔"

پولینا چند ثانیے خاموش رہی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اگر تمہیں پتا لگ جائے کہ کوئی تمہیں پسند کرتا ہے تو؟"

مہروز نے گردن موڑ کر اسے حیرانی سے دیکھا تھا "مجھے؟ کون؟"

"ڈونٹ ٹیل می کہ تمہیں نہیں پتا۔" پولینا کو جیسے یقین نہیں آرہا تھا۔

"نہیں پتا، سیریسلی۔"

"ڈاکٹر عبداللہ۔"

مہروز کا سانس رکا تھا۔ وہ پلکیں چھپکاتے ہوئے بے یقینی سے پولینا کو دیکھ رہی تھی۔

پولینا کے لیے اس کے تاثرات حیران کن تھے۔ وہ یکدم سیدھی ہو بیٹھی تھی۔

"تم واقعی نہیں جانتی؟"

"نہیں۔"

"ایک بار بھی ڈیٹ پر نہیں گئے؟"

"نہیں۔"

"اس سے ٹیکسٹ پر بھی کوئی بات نہیں ہوئی؟"

"نہیں۔"

مہروز کا ہر 'نہیں' اسے حیرانی میں مبتلا کر رہا تھا۔ کیا یہ پسندیدگی یک طرفہ تھی۔ اگر یک طرفہ تھی اور مہروز اس کے لیے کچھ محسوس نہیں کرتی تو کیا تب بھی عبداللہ اسے اکسیپٹ نہیں کریگا؟

"اس نے۔۔۔ اس نے خود کہا تم سے؟" مہروز نے اٹکتے ہوئے سوال پوچھا تھا۔

پولینا گہرا سانس بھرتی ہوئی دیوار سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو چکی تھی۔

"اس کی ہر ادا سے تمہارے لیے پسندیدگی جھلکتی ہے۔ اس نے سب کہہ دیا مہروز۔ اس کی آنکھوں نے سارا راز کھول دیا تھا۔" پولینا کے لہجے میں اداسی بھر گئی تھی۔ وہ آنکھیں موندے خاموش ہو چکی تھی۔

مہروز کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر پسینے کے قطرے نموار ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اسے ہر جگہ وہ دو بڑی آنکھیں دکھ رہی تھی۔ اس کا دل خوشگوار لے پر دھڑک رہا تھا۔ لائبریری کی تاریکی اور مایوسی میں جگنو اڑتے نظر آرہے تھے۔

لاہور کے گھر پر حسیب اور اس کی والدہ یاسمین کو دلاسہ دینے پہنچ چکے تھے۔

سلیمان جان وقفے وقفے سے ان نام نہاد مسلمانوں کو کوستی تھی اور پھر تسبیح پڑھنے لگ جاتی تھی۔

"یہ دیکھے بی بی سی والے شدت پسند مسلمان کہے جارہے ہیں مسلمانوں کو اور کبھی ٹیررسٹ یعنی دہشت گرد کا لفظ استعمال کررہے ہیں۔ان انگریزوں کو تو موقع مل گیا ہم مسلمانوں کا امیج ایک بار پھر خراب کرنے کا۔" حسیب ہونہہ کہتا چینل بدل چکا تھا۔

"یہ بی بی کوئی ملک ہے؟" سلیمان جان نے اپنے علم میں اضافہ کرنا چاہا۔

حسیب اور اس کی والدہ سلیمان جان کی معصوم شکل دیکھ کر دل کھول کر ہنسے تھے۔

لاؤنج کے سامنے بنے بیڈروم میں جرار جائے نماز پر بیٹھے تسبیح پڑھ رہے تھے۔یاسمین سر ہاتھوں میں تھامے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔وہ تب سے دوبار الٹی کر چکی تھی۔اب تو فرح بھی ان کی کال نہیں اٹھا رہی تھیں۔ایک قیامت تھی جو ان پر گزر رہی تھی۔مہروز کی خیر خیریت کا کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔دونوں میاں بیوی کتنے گھنٹوں سے کتنے ہی واہمات کا شکار ہوئے تھے۔

"کاش وہ باہر پڑھنے نا جاتی۔اب ہمیں کون اس کی خیریت کا بتائے گا۔کاش۔" یاسمین نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

جرار تسبیح ختم کر کے اسے چومتے ہوئے پورا کا پورا یاسمین کی طرف گھوم چکے تھے۔

"یہ مہروز کی دوست نے کوئی خبر نہیں دی؟"

"نہیں۔اب وہ بھی فون نہیں اٹھا رہی۔" یاسمین نے ان کا سوال سمجھے بغیر جواب دیا تھا۔

"کب سے پتا ہے تم لوگوں کو؟"

"آپ نے ہی بتایا۔مجھے اور مورے کو تو یونیورسٹی کا نام بھی نہیں آتا۔" انہیں ایک بار پھر سوال سمجھ نہیں آیا تھا۔

"میں فرح کی بات کر رہا ہوں۔"

یاسمین کا دل رک کر دھڑکا تھا۔انہوں نے سر اٹھا کر جرار کو دیکھا تھا جو حد سے زیادہ سنجیدہ لگ رہے تھے۔

Clubb of Quality Content

"اس مشکل وقت میں جبکہ ہمیں اپنی بیٹی کی خیریت کی کوئی خیر خبر نہیں آپ کو فرح یاد ہے؟"

"میں کیسے بھول سکتا ہوں؟ میں اسے معاف کر دیتا پر صرف اس کی وجہ سے ہم کتنے عذاب سے گزرے، میں کچھ نہیں بھولا۔ صرف اس کی جان بچانے کی خاطر میں نے ممنون کے پیسوں کا مطالبہ مانا تھا، قرض لیا تھا اور اس قرض کے چکر میں میں ایک گھر نہیں خرید سکا۔ اس قرض کے بھنور میں میں آج پھر پھنسا ہوں اور خود وہ وہاں عیاشیاں کر رہی ہے۔" جرار نے ہونہہ کے انداز میں سر جھٹکا تھا۔

"اللہ کرے ہماری مہروز خیریت سے واپس آئے۔ اس فرح کا قصہ ختم کرو۔ ہمارا اب اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" وہ حتمی لہجے میں فیصلہ سناتے واپس قبلے کی طرف مڑے تھے۔

یاسمین ان کی گردن کے پاس سفید بال دیکھتے ہوئے یاسیت سے دعا کرنے لگی کہ ان کا دل بدل جائے۔

❁❁❁

فری برگ پر آسمان میں نارنجی سی لکیر نکل آئی تھی۔فرح نڈھال ہوتی وہیں قریبی عمارت میں دوسرے بچوں کے والدین کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔انہوں نے حسیب کی کتنی کالز مس کر دی تھی۔وہ اب ان آس میں بیٹھے ماں باپ کو کیا دلاسہ دے جس کا اپنا دل رونے کو چاہ رہا تھا۔بے خوابی کی شکار آنکھیں یونیورسٹی کی اونچی عمارت کو دیکھ رہی تھی۔

ان سے دور سیڑھیوں پر بیٹھے اذہان کی آنکھ یک دم کھلی تھی۔اس کی گردن ایک ہی پوز میں رہنے کی وجہ سے شل سی ہو گئی تھی۔اذہان گردن کی بائیں سائیڈ کو دائیں ہاتھ سے دباتے ہوئے سیدھا بیٹھ گیا تھا۔اس کی نظر اپنے پیروں کے پاس رکھی کافی کی دو خالی مگس پر گئی تھی۔

اس کی آنکھیں اب پوری کی پوری کھل گئی تھی۔وہ کتنی دیر سویا رہا؟اور آدم؟وہ کہاں ہے؟ اس نے کیوں نہیں جگایا؟

وہ آدم کو گالیاں دیتا اٹھنے لگا تھا کہ آدم کا بلیک جیکٹ اس کے جوگرز کے پاس گرا تھا۔وہ چند پل یونہی کھڑا رہا اور پھر جیکٹ وہی چھوڑ کر سیڑھیاں اترنے لگے۔اسمارٹ فون سے وہ پریتی

کو فون ملاتا فٹ پاتھ پر چلنے لگا تھا۔ دھوپ کی نرم سی شعائیں عمارتوں کے اوپر پڑھ رہی تھیں۔

"کیا اپ ڈیٹس ہیں؟" پریتی کی آواز سنتے ہی اس نے چھوٹتے ہی پوچھا تھا۔

"رات کا کھانا بھجوایا گیا تھا اور اس ڈبے میں ہمارے آدمیوں نے مونگ کے دال جتنا کیمرہ فٹ کیا تھا۔ اب خیر وہ ڈبہ ڈسٹ بن کی نظر ہو چکا ہے پر اس ڈبے سے جتنی فوٹیجز ہم حاصل کر چکے ہیں اس کے مطابق اوپری فلور پر کوئی سو بچے تو قید ہیں جو کہ فرش پر بیٹھے ہیں۔ ہمیں فی الحال صرف پانچ جیکٹس پہنے، لمبے بالوں والے گن مینز نظر آئے پر ہمارے اندازے کے مطابق لوگ اس سے زیادہ ہیں وہاں۔"

"پولیس کا اگلا لائحہ عمل کیا ہے؟" اذہان یونیورسٹی کی عمارت کے نزدیک پہنچ چکا تھا جہاں اب رات کے بہ نسبت کم رش تھا۔

"اندر کی خبر یہ ہے کہ ان طالبانوں کے بچے انہیں واپس کر دیے جائے گے اور یہ دن کے بارہ بجے تک متوقع ہے۔"

"تمہارے خیال میں پولیس نے طالبانوں کو زندہ جانے دے گی؟" اذہان جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے یونیورسٹی کی عمارت کو دیکھ رہا تھا۔

"دونوں بازیابیاں بیک وقت ہونگی۔ وہاں جرمن انٹیلجنس ان بچوں کو رہا کرے گی اور یہاں سے یونیورسٹی کے طلبہ رہا ہونگے۔ ویسے ہمارے پاس بیک اپ پلان تھا پر ان کے پاس بھی گنز ہے اور خون خرابے سے بچوں کی ہی جانیں جائے گی۔ پھر ایک نہیں دو دو تعلیمی اداروں کا معاملہ ہے۔ انٹلجنس ادارے کوئی رسک نہیں لے سکتے نا لینا چاہیے۔ ہمیں انتظار کرنا ہوگا۔"

"ہمیں انتظار کرنا ہوگا۔" اذہان اس کی بات دہراتا فون کاٹ چکا تھا۔

اذہان کافی کا کپ اور سینڈوچ پکڑے یونیورسٹی کے اطراف میں بنی عمارتوں کے پاس آگیا تھا جہاں طلبہ کے گھر والے جا بجا کھڑے اور بیٹھے ہوئے تھے۔

فرح گھاس پر بیٹھے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں پر دھوپ پڑ رہی تھی۔

یک دم اس کی آنکھوں کے سامنے کافی کا کپ آیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

فرح نے نظر اٹھا کر خوش شکل لڑکے کو دیکھا تھا جو کافی کا کپ ان کی طرف بڑھائے جھکا ہوا تھا۔

"تھینک یو۔" فرح نے بنا انکار کیے کپ تھام لیا تھا۔ انہیں کافی کی شدید طلب ہو رہی تھی۔

اذہان گھاس پر بیٹھتے ہوئے سینڈوچ بھی ان کی طرف بڑھا چکا تھا۔

"شکریہ۔ تم کھاؤ میرے لیے کافی بہت ہے۔" انہوں نے مسکرا کر انکار کر دیا تھا۔

دونوں کتنے ہی پل خاموش بیٹھے رہے جب اس خاموشی کو فرح نے توڑا تھا۔

"تمہارا اندر کون ہے؟"

"میرا؟" اذہان نے پہلی دفعہ سوچا تھا۔ وہ کون تھی اس کی؟ اس بے نام رشتے اور ان کہے جذبات کو وہ کیا نام دیتا؟

"دوست۔" اس نے آہستہ سے کہا تھا۔

فرح سر ہلا کر پھر سے کافی پینے لگی۔

ناولز کلب
Club of Quality Content!

"میری بھتیجی سے میری ملاقات اتنے سالوں بعد ہوئی اور دیکھو کیا ہو گیا۔" فرح نے یاسیت سے کندھے اچکائے تھے "کل اس کا تھیوری کا لاسٹ پیپر تھا۔ کہہ رہی تھی کہ بس یہ پیپر ہو جائے تو کھڑوس پروفیسر اور خشک سبجیکٹ سے اس کی جان چھوٹ جائے گی۔ اللہ کرے وہ خیریت سے واپس آئے۔ آمین۔" ان کا دل بھاری ہو رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ بس وہ بولتی جائیں۔

"کونسے ڈیپارٹمنٹ کی ہیں وہ؟" اذہان نے ابرو کھجاتے ہوئے ان سے سوال پوچھا تھا۔ لفظ کھڑوس پر وہ چونک گیا تھا۔

"انگلش۔"

اذہان نے سر اٹھا کر فرح کو دیکھا تھا جو اسے دیکھے بغیر کافی پی رہی تھی۔

"نام کیا ہے اس کا؟" اس کا دل دھڑک رہا تھا۔

"مہروز۔" فرح کے لبوں پر مسکراہٹ در آئی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اور یہاں اذہان کا دل رکا تھا۔ تو وہ مہروز کی پھوپھو تھی۔ وہ مہروز کے فیملی ممبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کتنے ہی پل ہاتھ میں سینڈوچ لیے انہیں دیکھتا رہا یہاں تک دھوپ اس کی آنکھوں میں چبھنے لگی۔

"کھاؤ سینڈوچ، ٹھنڈا کر دیا تم نے۔" فرح اسے نرم لہجے میں کہتی اس کے حواس جگا چکی تھی۔

اذہان سر ہلا کر سینڈوچ کا لقمہ لینے لگا۔

وہ دونوں یونہی خاموش بیٹھے رہے۔ بہت دیر۔۔۔

آدم؟ اذہان کو یک دم خیال آیا تھا۔ وہ رات تک اس کے ساتھ تھا تو اب وہ کہاں تھا؟

چھوٹے تاریک و تنگ سرنگ میں بس ٹارچ کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ جالی کی بس آخری کیل رہ گئی تھی اور وہ کیل بھی ہٹالی گئی تھی۔ کیل ایک طرف رکھتے ہی اس نے جالی اٹھا کر ایک طرف رکھ دی تھی اور پیر نیچے اتار دیے تھے۔ دونوں ہاتھوں کو اس سرنگ کے ارد گرد جمائے وہ چھلانگ لگاتے کموڈ پر دونوں پیر رکھ کر اتر چکا تھا۔ وہ فوراً سے کموڈ سے اترا اور

ٹشو پیپر سے کموڈ کی اوپری سطح صاف کر کے اس نے منہ سے ماسک اتار کر کموڈ کا ڈھکن کھول کر اس میں گرا دیا تھا۔

واش روم کا دروازہ آہستہ سے کھول کر اس نے ارد گرد کا جائزہ لیا تھا۔ باقی واش رومز خالی تھیں۔ وہ سکھ کا سانس لیتا بالوں کو مزید بکھیر کر نظر والی عینک لگائے، بلیک انر شرٹ اور شہد رنگ آنکھوں میں نیلے رنگ کی لینز لگائے ایک اسٹوڈنٹ آدم بن چکا تھا۔

لائبریری سے باہر فرینکفرٹ میں اسکلیٹیز کے بیسمنٹ میں اپنی ٹیم کے ساتھ بیٹھی پریتی کان میں آلہ لگائے اذہان سے مخاطب تھی۔

"آدم سے کوئی رابطہ نہیں ہو پا رہا۔" اس کی آواز میں تشویش تھی۔

فرینکفرٹ کے نیلے آسمان سے فری برگ کے آسمان اور اس کے اندر بنی یونیورسٹی کی لائبریری میں سب غنودگی کا شکار لگتے تھے۔

مہروز پولینا کے کندھے پر سر رکھے رکھے غنودگی کا شکار تھی۔ وہ سوئی جاگی کیفیت میں بیٹھی ہوئی تھی جیسے اپنے ارد گرد چہل پہل، باتوں کی مدہم آواز سنائی دے رہی تھی مگر اب جیسے آوازیں اس کے بالکل قریب سے آ رہی تھی۔ اس نے کسمسا کے آنکھیں نیم وا کی تھی۔ اس

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کے اعصاب ہلکے ہلکے بیدار ہو چکے تھے۔ دو مرد آپس میں محو گفتگو تھے اور ایکسنٹ بھی جانا پہچانا تھا۔ اس کا دماغ آہستہ آہستہ بیدار ہونے لگا۔ وہ پشتو بول رہے تھے۔

"کتنے پیسے مل جائے گے؟"

"ملین۔ ملین کہا تھا بڑے نے۔"

"ملنے چاہیے آخر کو جان ہتھیلی پر رکھ کر دو تعلیمی اداروں کو یرغمال بنانا آسان تو نہیں ہے۔"

"بس بارہ بج جائیں اور ہم یہاں سے نکلے۔"

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے تھے۔

مہروز کی آنکھیں پوری کی پوری کھل گئی تھی۔ تو ان کو پیسوں کے لیے یرغمال بنایا تھا؟ صرف پیسوں کے لیے انہوں نے ایسے اسلامی حلیے بنائے تھے اور اسلام کو بدنام کر رہے تھے؟ اور باہر لوگ کیا سوچ رہے ہونگے، کہہ رہے ہونگے کہ اسلام کے پیروکار شدت پسند ہیں۔ مہروز کو جی جان سے افسوس ہوا تھا۔

وہ گردن کو جھٹکا دے کر سیدھا بیٹھ گئی تھی ایک شور سا برپا ہوا تھا۔ بہت سے طلبہ ہڑ بڑا کر بیٹھ گئے تھے اور کچھ گردن اٹھائے اوپری فلور سے آنے والی آوازیں سننے لگے اور پھر کوئی

خوفزدہ سانوجوان ریلنگ سے جھانکا تھا۔ وہ بس ایک لمحے کے لیے ٹھہرا تھا اور پھر واپس مڑ گیا تھا۔

"کب سے تھے تم واش روم میں؟" کرخت آواز میں کہتے ہوئے باوردی شخص نے اس کے گھٹنے پر لات ماری تھی۔

آدم کراہتا ہوا نیچے گر گیا تھا اور اپنی ٹانگ پکڑے فرش پر لیٹ کر درد سے دہرا ہونے لگا۔

اسے درد سے بچوں کی طرح روتے دیکھ کر باقی طلبہ سہم گئے تھے۔

"چپ کرو نہیں تو ایک اور لات منہ پر پڑے گی۔"

آدم فوراً ہونٹ بھینچ کر گھٹنوں کے بل سیدھا بیٹھ گیا تھا اور عینک ٹھیک کرنے لگا۔ اس کی ایکٹنگ عروج پر تھی۔

"لیڈیز واش روم میں کیا کر رہے تھے؟" ایک دفعہ پھر سوال پوچھا گیا۔

"میں۔۔۔ میں برداشت نہیں کر پا رہا تھا تو۔۔۔ دیکھ دیکھ نہیں سکا۔ میری نظر بہت کمزور ہے۔" آدم نے ہکلاتے ہوئے اپنا جملہ ادا کیا تھا جیسے وہ بہت خوفزدہ ہو۔

سرخ ربن والے نے فوراً اس کی عینک آنکھوں سے اتار دی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

آدم نے پھرتی سے اس کا ہاتھ پکڑا تھا اور کھڑا ہو گیا تھا "عینک۔"

اس شخص نے آدم کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر وہ جیسے اس کے ہاتھ سے چپک ہی گیا تھا۔

"چھوڑو۔ اس نے جھٹکا دیا تھا۔

"عینک واپس کر دو تو میں چپ بیٹھا رہونگا ورنہ یونہی روتا رہونگا۔" آدم اب باقائدہ بچوں کی طرح اچھلنے لگا۔

چھ فٹ تین انچ کے مرد کو عینک کے لیے اچھلتے دیکھ کر طلبہ کی ہنسی چھوٹ گئی تھی جس پر باوردی شخص کی ایک گھوری پر فوراً قابو پا لیا گیا تھا۔

باوردی شخص نے ایک اور لات مارنے کی کوشش کی پر آدم پھرتی سے اچھل کر اس کی پشت کی طرف چلا گیا تھا۔ اب باوردی شخص کا ہاتھ اس کے اپنے ہی گردن سے سانپ کی طرح لپٹ گیا تھا۔

وہ اسے اپنی مقامی زبان میں گالی دیتا مڑا تھا کہ بک ریک کے پاس کھڑے دوسرے باوردی مرد نے قدم آگے بڑھائے تھے کہ آدم کی ناک پر ایک مکا جڑ دے۔ آدم فوراً سے اس کا ہاتھ

چھوڑتا نیچے بیٹھ گیا تھا اور وہ مکا اس کی ناک پر لگنے کے بجائے پہلے شخص کی ناک پر لگ گیا تھا۔

وہ شخص ناک پکڑے دو قدم پیچھے لڑکھڑا گیا تھا۔

صورتحال اتنی دلچسپ ہو گئی تھی کہ طلبہ منہ کھولے پھر تیلے سے کمزور نظر والے لڑکے کو دو منٹ میں ان کو انگلی پر نچاتے دیکھنے لگے۔

سرخ ربن والے نے آدم کو کالر سے پکڑ کر گھسیٹنا شروع کر دیا تھا۔

"ائی۔۔۔میں مر گیا۔۔۔ائی میرا پیر۔" آدم کمر کے بل گھسیٹتا ہوا اونچی آواز میں چلاتا رہا۔

وہ شخص آدم کو اسٹور روم میں پھینک کر باہر نکل آیا تھا اور اس کے منہ پر دروازہ بند کر کے لاک کر دیا گیا تھا۔

آدم فرش پر لیٹے لیٹے اسٹور روم کے چاروں کونے دیکھنے لگا۔اسے کمرے میں بہت وقت سے رکھی کتابوں پر پڑی دھول کی بو آئی تھی۔

"اوہ شٹ۔" آدم اپنا ہاتھ ماتھے تک لے جا کر ہاتھ سے ماتھا پیٹنے والا تھا کہ اسے چھینک آگئی تھی۔

Clubb of Quality Content

وہ ہاتھ کی پشت سے ناک رگڑتا گھٹنوں کے بل دوزانوں بیٹھ گیا تھا اور اپنی سرخ چیک والی شرٹ نکال کر ناک کے گرد باندھنے لگا۔

اس کمرے میں ایک ہی کھلی کھڑکی تھی جس سے دن کی سنہری روشنی اندر آ رہی تھی۔ آدم نے ننھا سا آلہ جینز کی جیب سے نکال کر کان میں دبایا تھا اور جیسے یک دم رابطہ بحال ہو گیا تھا۔

"کمینے۔ کت۔۔۔"

"گالی نہیں۔" آدم نے فوراً کان میں آتی اذہان کی آواز کو کاٹا تھا۔

"ڈونٹ ٹیل می کہ۔۔۔"

"ہاں۔" آدم گھٹنے پر زور دیتے ہوئے اٹھا تھا۔

"Rascal."

"Much better." آدم ترچھی مسکراہٹ کے ساتھ کہتا ہوا چھوٹی سی کھڑکی کے پاس آ گیا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تمہیں کیا لگتا ہے یہ اندر جانے کا پلان ہم نہیں بنا سکتے تھے؟ بات صرف اس یونیورسٹی کے طلبہ کی نہیں ہے۔اگر ہم یہاں کوئی ایڈونچر کریگے تو نقصان زیورچ کے طلبہ کو بھی ہوگا۔ کر کیا رہے ہو وہاں؟"اسے اذہان کی کوفت زدہ سی آواز سنائی دی تھی۔

"گھومنا پھرنا۔"آدم کھڑکی کو کھولنے کی کوشش کرنے لگا پر اس کے پیچھے لگے گرل نے اس کا پلان غارت کر دیا تھا۔نیچے سبزہ ہی سبزہ نظر آرہا تھا۔

"شٹ اپ۔"

"You know you are my first love."

"Again shut up."اذہان دھاڑا تھا"اس سچویشن میں بھی تم مذاق کر سکتے ہو؟"

"آدم کسی بھی سچویشن کو زیادہ سیریس نہیں لیتا۔"

آدم لطف اندوز ہوتے ہوئے کھڑکی سے پلٹا تھا"اچھا لسن میں نے معلومات اکٹھی کر لی ہیں۔ کوئی سودوسو طلبہ اوپر ہیں اور اتنے ہی نیچے ہیں۔کل بارہ باوردی لوگ ہیں جو ٹیپیکل جیکٹ اور لمبے بال رکھے ہوئے ہیں۔وہ چھ چھ کی ٹولیوں کی صورت اوپر نیچے پہرہ دے رہے

ہیں۔اینڈ ڈونٹ وری لو،میں یہاں بارہ بجے تک کوئی فساد نہیں کرونگا۔"وہ ریکس کی طرف بڑھتا بکس اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگا۔

اذہان نے گلہ کھنکھارا تھا"مہروز۔۔۔کیا اسے دیکھا تم نے؟"

"ہاں۔لائبریری کے نچلے فلور پر ہے۔"

"ابھی کہاں ہو؟"

"اسٹور روم میں۔"

"وہاں کیوں؟"

"میں نے فرمائش کر دی کہ مجھے الگ روم چاہیے اور میری خواہش کی تکمیل کی گئی۔"آدم نے کندھے اچکاتے ہوئے دوسری بک اٹھاتی تھی۔

"دور فٹے منہ۔"اذہان اردو میں کہتا شاید آلہ کان سے نکال چکا تھا۔

"کتابوں سے میری نہیں بنتی۔"

آدم ناک چڑھاتا بک واپس ریک میں رکھ چکا تھا۔

❀❀❀

نچلے فلور پر بیٹھے طلبہ نے اوپر ہونے والے دنگے فساد کی آوازیں سن لی تھی۔نیچے کھڑے باوردی اشخاص بھی منہ کھولے گردن اوپر اٹھائے کھڑے تھے۔

"یہ کون ہو سکتا ہے؟"پولینا کی آواز اس کے کان میں گونجی تھی۔

"آ۔۔کون؟"مہروز نے گردن پولینا کی طرف موڑی تھی۔

"یہی لڑکا۔۔۔رات سے کہاں سویا ہوا تھا؟خیر کچھ آوازیں تو آئی ورنہ ایسے خاموش بت بنے بیٹھے ہیں ہم سب کہ لگتا ہے مر گئے ہو سب۔"پولینا انگڑائی لیتے ہوئے سیدھا بیٹھ گئ تھی۔

"مجھے پیاس لگ رہی ہے۔کل سے پانی نہیں پیا۔آخر کیا وجہ ہے کب تک بند رہے گے؟"مہروز کوفت کا شکار ہوتی گردن ادھر ادھر گھماتے باوردی لوگوں کو دیکھنے لگی جواب اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔

"انہیں بھوک نہیں لگتی؟"پولینا حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"یونو میں نے کچھ دیر پہلے انہیں آپس میں باتیں کرتے سنا ہے۔انہوں نے ہمیں پیسوں کے لیے اغوا کیا ہے۔"مہروز سرگوشیانہ انداز میں بات کرنے لگی۔

Clubb of Quality Content

"پیسے ؟"پولینا نے نا سمجھی سے مہروز کو دیکھا تھا"ہمیں مغوی بنانے کے پیسے کون دیگا؟"

"یہی تو سمجھ نہیں آرہی۔"مہروز نے گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ دیے تھے۔

وقت جیسے گزرنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔انہیں یہاں قید ہوئے بارہ گھنٹے سے زائد ہو چکے تھے۔بھوک پیاس کی شدت اور موبائل سے دوری۔۔وہ لوگ جیسے پرانے زمانے میں چلے گئے تھے جہاں انہیں ارد گرد کی کوئی خبر نہیں تھی۔کتنے گھنٹوں کی پیاس نے ہونٹوں پر پیڑیاں جمادی تھی۔فرش پر بیٹھے بیٹھے ٹانگیں سوجھ گئی تھی۔

مہروز دیوار سے ٹیک لگائے بھوک پیاس سے دھیان ہٹانے کے لیے اس کی زندگی میں آنے والے لوگوں کے بارے میں سوچنے لگی۔

جرار خان ایک شفیق مرد جن کا عمل ان کی محبت کا ثبوت تھی۔

فرح خان ایک سہمی ہوئی خاتون جو مردوں سے بدظن ہو چکی تھی۔وہ ایک نئے بندھن میں بندھنے سے خوفزدہ تھی۔

اور پھر ایک اور مرد ڈاکٹر عبداللہ۔۔۔ایک معمہ۔ایک دم سے اس کی زندگی میں آجانے والا ،خاموشی سے آکر بھونچال پیدا کر دینے والا۔۔۔مہروز کی دل کی کیفیت بدل سی گئی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

عبداللہ کا خیال خود بہ خود اس کے خشک ہونٹوں کو مسکرانے پر مجبور کر رہی تھی مگر اس نے پولینا سے اپنے دل کا حال کیوں بیان کیا؟ اگر عبداللہ کو پتا لگ گیا کہ وہ ایک اسکن کنڈیشن کا شکار ہے تو کیا تب بھی اس کی پسندیدگی برقرار رہے گی؟ اس خیال سے مہروز کا دل ڈوب گیا تھا۔ اس کی زندگی میں طے ہونے والے دو رشتوں نے اسے مزید احساس کمتری کا شکار کر دیا تھا۔ اس کی خود اعتمادی میں دراڑ ڈال دی تھی۔ یہ ایک نیچرل بات ہوتی ہے کہ جب معاشرے کے بنائے خوبصورتی کے قوانین ایک انسان میں احساس کمتری ڈال دیتے ہیں۔ ایسے میں بہت کم ایسے لوگوں سے سامنا ہوتا ہے جو معاشرے کے بنائے اصولوں کو فالو نہیں کرتے پر کبھی کبھی ایسے لوگ صدیوں میں بھی نہیں ملتے۔

گھڑی کی سوئی بارہ پر ٹھری تھی اور ایک ہیلی کاپٹر پرواز بھرتا یونیورسٹی کی پچھلی طرف سے اڑتا آ رہا تھا۔

انٹلجنس کیمپس میں ہل چل مچ چکی تھی۔

آدم فوراً اسٹور روم کے دروازے تک گیا تھا اور اسے دھڑ ادھڑ بجانے لگا۔

"نکالو۔۔۔میں مر جاؤں گا۔"اس نے ایک بار پھر بین ڈالنے شروع کر دیے تھے مگر باہر سے جواب ندارد۔

"یہ کیا ہو رہا ہے مجھے بھی بتاؤ کوئی۔"آدم نے کان میں لگا آلہ دبایا تھا۔

"پرائیویٹ ہیلی کاپٹر یونیورسٹی کے بائیں طرف ہوا میں ہی رکی ہوئی ہے۔ٹی وی پر قیدی واپس دیے جانے کی خبر مل چکی ہے۔"کان میں لگے آلے میں پریتی کی آواز گونجی تھی۔

"اور یہاں کے قیدی؟"

"یہ ہیلی کاپٹر ان طالبانوں کے لیے ہی آیا ہے۔اوہ۔۔"وہ تھوڑی دیر کے لیے رک گئی تھی" لائبریری کا دروازہ کھل گیا ہے۔"

آدم یہ سنتے ہی مزید شور مچانے لگا کہ کنڈی کھلنے کی آواز آئی تھی اور باوردی شخص نے اسے کالر سے پکڑ کر باہر کھینچا تھا۔

لائبریری کے ہال میں گہما گہمی سی مچی ہوئی تھی۔طلبہ کی چار قطاریں وقفے وقفے سے سیڑھیاں اتر رہیں تھی۔

Clubb of Quality Content

آدم جلد از جلد ریلنگ کے پاس پہنچ کر نیچے جھانک کر مہروز کو دیکھنا چاہتا تھا کہ باوردی شخص نے اسے کالر سے پکڑ کر گھسیٹنا شروع کیا۔آدم بمشکل توازن رکھتا اس کے پیچھے پیچھے گھسیٹ رہا تھا۔

وہ آدم کو کھینچتا بک ریکس کے پاس ایک کونے میں لے آیا تھا اور اسے خود کش جیکٹ پہنانے لگا۔

"مجھے ابھی سے نہیں مرنا۔"آدم مصنوعی آہ وبکا کرتے ہوئے بائیں کندھے میں جیکٹ پہن رہا تھا"میں شدید کنوارہ ہوں۔تم کیا جانو اسنگل نیس کا غم۔"آدم دائیں کندھے میں جیکٹ پہن چکا تھا۔

لائبریری کا دروازہ کھل چکا تھا اور طلبہ باہر نکلنا شروع ہو چکے تھے۔ہر دس میں سے ایک طالب علم کو جیکٹ پہنایا گیا تھا۔

لمبے بالوں والا لیڈر ناک کے گرد رومال باندھے سب سے نچلی سیڑھی پر کھڑا ہو چکا تھا اور اس سے اوپری سیڑھیوں پر باقی طلبہ کھڑے تھے جن کے ارد گرد باوردی اشخاص ناک کے گرد رومال باندھے گن پکڑے کھڑے تھے۔طلبہ کے چہروں پر کیمرہ کی فلیشز پڑ رہی تھی۔

"یہ ریموٹ۔" لمبے بالوں والے نے ہاتھ میں پکڑا ریموٹ ہوا میں لہرایا تھا"ان جیکٹس کو کچھ اسکینڈز میں اڑا سکتا ہے اگر ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی مگر۔۔۔"اس نے زرا سا توقف لیا تھا۔

پولیس اور انٹلجنس کے لوگ اپنی اپنی پوزیشن پر رک گئے تھے۔

"ہمیں بغیر نقصان پہنچائے ہیلی کاپٹر میں بیٹھنے دیا گیا تو محفوظ آپ کے بچے ہونگے۔"

پولیس ربن کے پاس کھڑے والدین مچل مچل کر ہاتھ لہرا کر پولیس کو اپنی اپنی جگہ رکنے کے لیے آوازیں لگاتے رہے۔

لائبریری کے دروازے سے چند قدم دور مہروز خود کش جیکٹ پہنے قطار میں ایسے محتاط چل رہی تھی جیسے ہلکی سی جنبش پر یہ جیکٹ پھٹ جائے گا۔اس کا دل خوفزدہ تھا کہ شاید وہ گھر والوں سے کبھی مل نہیں پائے گی۔اسکی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھی۔

"راپنزل۔"مہروز کو اپنے کان کے قریب مانوس سی آواز سنائی دی تھی۔

مہروز نے گردن موڑ کر بائیں طرف چلتے نیلی آنکھوں پر پہنی عینک والے لڑکے کو دیکھا تھا جس کے بائیں آئی برو پر کٹ تھا۔وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔

لائبریری کے دروازے سے نکلتے ہی تیز دھوپ نے دونوں کی آنکھیں چندھیاں دی تھی۔آدم نے سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی مہروز کے آنکھوں کے سامنے پھیلادی تھی۔

مہروزاس کی دھوپ کی وجہ سے چھوٹی ہو جانے والی آنکھوں کو دیکھنے لگی۔

"آدم؟"

آدم نے اثبات میں سر ہلادیا تھا۔

"تم؟ یہاں؟ یہاں کیسے؟"مہروزاب حقیقتاً حیران ہوئی تھی۔مہروز کو پہلی بار اس کا یوں سامنے آجانا برا نہیں لگا تھا۔

"اتفاق۔"آدم نے کندھے اچکائے تھے۔

وہ دونوں باقی طلبہ کی تقلید میں آہستہ آہستہ سیڑھیاں اتر کر عمارت کے بائیں طرف چلنے لگے۔

اس قطار کے دائیں بائیں اشخاص گن پکڑے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔پولیس مستعدی سے اپنی پوزیشن پر کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی۔کیمرہ مین بھی محدود مو کرتے ہوئے انہیں کیپچر کر رہی تھی۔

"تم ٹھیک ہو نا؟"

مہروز نے گھاس پر قدم رکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا۔اس کا دل بھر آیا تھا۔

"مجھے لگتا ہے مر جاؤ گی۔"

"ایسا کیوں لگ رہا ہے؟"اس نے نرمی سے استفسار کیا تھا۔عمارت کی پچھلی سائیڈ نے دھوپ کا راستہ روک دیا تھا۔

آدم نے آہستہ سے ہاتھ پہلو میں گرا دیا تھا۔

"یہ دیکھو۔"اس نے اپنی جیکٹ کی طرف اشارہ کیا تھا"یہ پھٹ بھی سکتی ہے۔یہ کتنے قول و فعل کے پکے ہیں یہ ہمیں تو نہیں پتا نا۔"مہروز کی آنکھ سے آنسو گر گیا تھا"یہ سترہ گھنٹے جس خوف میں گزارے ہیں میں نے وہ میں کبھی نہیں بھول سکتی۔"مہروز الجھے ہوئے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے پیچھے کرتے ہوئے آگے بڑھتی رہی۔

"یہ دیکھو میں نے بھی پہنا ہے۔اور صرف تم نے نہیں یہاں باقی سب نے بھی پہن رکھا ہے۔"

مہروز شہادت کی انگلی سے آنکھوں کے کنارے صاف کرتے ہوئے خاموشی سے آگے بڑھتی رہی۔

آدم اسے کچھ لمحے دیکھتا رہا۔

آس پاس صرف چرند پرند کی آوازیں تھی یا گھاس پر رکھتے جو گرز کی۔

"کیا مہروز اس وقت تمہارے ساتھ ہے؟" آدم کو اپنے کان کے آلے میں اذہان کی آواز سنائی دی۔

آدم نے کان میں لگا آلہ دبا کر بند کر دیا تھا۔

"وقت ہی تھا گزر گیا۔ درد تھا ختم ہو جائے گا۔"

مہروز اسے جواب دیے بغیر خاموشی سے آگے بڑھتی رہی۔

ہیلی کاپٹر کی تیز ہوا سے گھاس اڑ اڑ رہے تھے۔ مہروز کے بکھرے بال اڑ اڑ کر اس کی آنکھوں پر گر رہے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

طالبانوں کا گروپ آہستہ آہستہ ہیلی کاپٹر میں سوار ہوتا گیا۔ عمارت کی پچھلی سائیڈ ان طالب علموں سے بھری ہوئی تھی جن کو خودکش جیکٹس پہنائے گئے تھے۔

پولیس افسران محتاط انداز میں ہیلی کاپٹر کے ارد گرد کھڑے ہونا شروع ہو گئے تھے۔ سب کے چہروں پر تفکر کی لکیریں تھیں۔

"یہ ریموٹ ہمیں دے دو۔" پولیس افسر نے مائکروفون میں اونچی آواز میں ان سے مطالبہ کیا تھا۔

سرخ ربن والا اسے نظر انداز کرتا ہیلی کاپٹر میں بیٹھ چکا تھا۔ ہیلی کاپٹر اڑان بھرتا اب ان سے دور جا رہا تھا۔

ہیلی کاپٹر کی تیز سی ہوا مدہم ہونا شروع ہو گئی تھی۔ ان کے دور جاتے ہی بم ڈسپوزل اسکواڈ باری باری جیکٹس میں لگے بم کی تاروں کو جدا کرتے ان سے جیکٹس لیتے جا رہے تھے۔ جو طالب علم جیکٹ سے آزاد ہو جاتا تھا وہ خوشی سے چھلانگیں لگاتا پولیس افسران کی تقلید میں یونیورسٹی کی فرنٹ سائیڈ کی طرف بڑھ جاتا تھا۔

"ابھی کہاں جاؤ گی؟" آدم اپنی باری کا انتظار کرتا گھاس پر جو گر زمار رہا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب کہ یہاں سے نکلنے کے بعد کہاں جاؤ گی؟ ویسے پریتی بھی آئی ہے تم اس کے ساتھ بھی رہ سکتی ہو۔ کچھ ماحول بہتر ہو جائے گا۔" وہ مہروز کے تھکے تھکے چہرے پر نظر ڈالتا کہہ رہا تھا۔

"میں ہاسٹل چلی جاؤں گا۔ تم یہاں آئے کیسے؟" مہروز نے ایک بار پھر اس سے وہی سوال پوچھا تھا۔

"واش روم سے۔"

"واٹ؟" مہروز کی آنکھیں حیرت سے کھلی تھی اور پھر وہ ہنستی ہی چلی گئی۔ اس نے آدم کو اس سے پہلے اتنا سیریس کبھی نہیں دیکھا تھا۔ آدم ایسے ہی الٹے سیدھے جوابات دیا کرتا تھا اور وہ ہونٹوں پر ہاتھ رکھے ہنستی جا رہی تھی۔ ان خوفزدہ کر دینے والے سترہ گھنٹوں میں وہ پہلی دفعہ مسکرا رہی تھی۔

آدم کے لب خود بخود مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔ وہ اسے اسی طرح ہنستے ہوئے دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ خود ہی اپنے دل کی دھڑکن پر گھبرا کر نظروں کا رخ پھیر گیا تھا۔

یک دم ایک دھماکے کی آواز سے ماحول میں خاموشی چھا گئی تھی۔ جو جہاں تھا وہ زمین پر گر گیا تھا۔ کوئی خوف اور شاک سے کھڑا رہ گیا تھا۔

آدم مہروز کو دونوں بازؤں سے تھامے گرنے سے روک چکا تھا۔ خون کے چھینٹے مہروز اور آدم کے چہرے پر گر گئے تھے۔

ٹی وی پر دھماکے کی خبر چل رہی تھی۔ کیا نوعیت تھی کچھ اندازہ نہیں تھا۔ ٹی وی یونہی چل رہا تھا۔ جرار صوفے پر سر رکھے رکھے سو چکے تھے۔ سلیمان جان اپنے کمرے میں سوئی ہوئی تھی۔ یاسمین صوفے کے ہتھے پر ہی سر رکھے آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھی کہ یک دم ان کی آنکھ کھلی تھی۔ ان کا دل خوف سے دھڑک سے رہا تھا۔

"جرار۔" انہوں نے ساتھ والے صوفے پر بیٹھے جرار کا گھٹنا ہلایا تھا۔ جرار نے ہڑبڑا کر اسے دیکھا تھا۔

"دل گھبرا رہا ہے۔"

"پھر سے الٹی آ رہی ہے؟" جرار نے ان کی کمر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"نہیں۔دل کر رہا ہے دھاڑے مار مار کر روؤں۔بس مجھے مہروز مل جائے اور اسے گلے سے لگا لوں۔"یاسمین کا گلہ بھر گیا تھا۔

ان کے چہرے کا اضطراب ان کے دل کی تڑپ عیاں کر رہی تھی۔

"تم نے اس کی حفاظت کی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تھے نا بس بے فکر رہو۔"جرار انہیں نرمی سے دلاسہ دیتے ہوئے ٹی سی اسکرین کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

یونیورسٹی میں ہونے والے دھماکے کی خبر نے ان کے اوسان خطا کر دیے تھے۔انہوں نے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ اپنے دائیں طرف رکھے ریموٹ کو اٹھا کر ٹی وی کو میوٹ کر دیا تھا۔

"وہ فرح۔"انہوں نے ماتھے پر آئے پسینے کو صاف کیا تھا"کیا اس سے رابطہ نہیں ہو سکا تھا؟"اس تکلیف دہ وقت میں انہیں فرح یاد آئی تھی۔

"ساری رات تو حسیب لوگ بیٹھے رہے۔بچارے کی آج کالج سے چھٹی بھی ہو گئی ہماری وجہ سے۔میں نے فجر کے بعد اسے گھر بھیج دیا تھا۔فرح سے تو کوئی بات نہیں ہو سکی۔"

"اوہ خدایا۔"جرار کا دل یک دم بھاری ہوا تھا۔

وہ سینے پر ہاتھ رکھے فوراً واش روم کی طرف بڑھے تھے۔

بیسن میں جھکے قے کرتے ہوئے انہیں مسلسل واہمے ستا رہے تھے۔

لاہور سے دور فری برگ کی ہوا نے دھماکے کی آواز سنی تھی۔اسکواڈ کے ایک اہلکار نے تار کو جدا کرتے ہوئے غلطی کر دی تھی جس سے نا صرف اس کی بلکہ اس طالب علم کی باڈی بھی دھماکے سے اڑ گئی تھی۔ جسم کے چیتھڑے گھاس پر جا بجا پڑے ہوئے تھے۔سب پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا۔

کچھ طالب علموں نے روتے ہوئے خود سے جیکٹس کو جدا کیا تھا۔

ایمبولنس عمارت کے پچھواڑے میں کھڑی ہو گئی تھی۔

بم ڈسپوزل اسکواڈ کے اہلکار تیزی سے اور مزید مستعدی سے بم ڈس پوز آف کرتے جیکٹس اتارنے لگے۔

ناک پر ماسک چڑھائے بم ڈسپوزل کا بندہ آدم کے قریب آیا تھا۔

"پہلے ان کا کرو۔" آدم فوراً پیچھے ہٹا تھا۔

وہ سر ہلاتا مہروز کی طرف بڑھا تھا۔چند ہی اسکینڈز میں مہروز جیکٹ اتار چکی تھی۔

ایک طمانیت کا احساس اس کے پورے جسم میں دوڑ گیا تھا۔ایک نئی زندگی کا احساس اسے مسکرانے پر مجبور کر گیا تھا۔

وہ گیلی آنکھوں کے ساتھ جانے کے لیے مڑی تھی کہ یک دم اس کے پیر رکے تھے۔اس نے آہستہ سے سر موڑا تھا۔وہ اہلکار اب آدم کے جیکٹ کے تار الگ کر رہا تھا اور آدم اس کی طرف سے رخ پھیرے کمر پر دونوں ہاتھ رکھے جیسے اسے جانے دے رہا تھا۔

مہروز سینے پر ہاتھ باندھے وہی کھڑی ہو گئی تھی۔

جیکٹ آدم کے جسم سے الگ ہو چکا تھا اور وہ جیسے ہی مڑا اس کی نیلی آنکھوں میں حیرت در آئی تھی۔وہ دونوں جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے بات کر رہے تھے۔جیسے آدم کہہ رہا ہو کہ مجھے لگا تھا تم چلی جاؤ گی۔اور جیسے وہ کہہ رہی ہو کہ آج نہیں جا سکی۔آج اس کا آنا بھی اچھا لگا اور ساتھ کھڑے رہنا بھی۔وہ ایک اچھا دوست ہے۔اور جیسے وہ پوچھ رہا ہو صرف دوست۔۔۔!اور وہ کہہ رہی ہو ہاں بس دوست۔

پولیس کے کیمپ تک پولیس افسران کی معیت میں وہ دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔آگے بھیڑ میں وہ کہیں گم ہو گیا تھا۔مہروز نے گردن اونچی کر کے اسے ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی پر وہ تو جیسے کہیں گم ہو گیا تھا۔

❁❁❁

دھماکے کی آواز نے والدین کو تڑپا دیا تھا۔والدین واویلا کرتے ہوئے پولیس سے جان چھڑانے کے لیے آگے بڑھنا چاہتے تھے پر پولیس انہیں روکنے کی بمشکل کوشش کر رہے تھے۔

فرح کا سر چکرا گیا تھا۔اذہان انہیں بازوؤں میں تھامے کھڑا تھا۔وہ گردن اونچی کیے یونی کے عقب سے پولیس کیمپس کی طرف آتے طلبہ کو دیکھ رہا تھا پر ان میں مہروز شامل نہیں تھی۔

"آپ سنبھالے خود کو۔"اذہان ان کا کندھا تھپتھپا رہا تھا۔

"کوشش کر رہی ہوں۔"فرح اذہان کا ہاتھ تھامے بمشکل کھڑی تھی۔

اذہان آدم کو دل ہی دل میں گالیاں دیتا کان کا آلہ دبا کر منہ پھیر چکا تھا۔

"پریتی، آدم سے رابطہ ہوا؟" اس نے ناک کو شہادت کی انگلی سے رگڑتے ہوئے آہستہ آواز میں پریتی سے سوال پوچھا تھا۔

"نہیں۔" دوسری جانب سے یک لفظی جواب آیا تھا۔

اذہان منہ میں ہی بڑبڑا کر چہرہ پھیر چکا تھا کہ اسے ہجوم میں آدم چھپتا نظر آیا۔ اس کے کان تک کٹے بال اور سر کے شیپ کو وہ دور سے بھی پہچان سکتا تھا۔ اس سے کچھ فاصلے چہرے پر خون کے چھینٹے لیے مہروز گردن اونچی کر کر کے جیسے کسی کو ڈھونڈ رہی تھی۔ وہ پولیس کی تقلید میں ایک کیمپ میں چلی گئی تھی۔

"آپ ادھر آیئے۔" اذہان انہیں کندھوں سے تھامے والدین اور عام عوام کے ہجوم کے بیچ میں سے جگہ بناتا قریبی عمارتوں کے پاس لے آیا۔

"دھماکہ کیسے ہوا؟ کیا کسی کا۔۔۔ جیکٹ پھٹ گیا ہو گا؟" فرح نے اٹک کر سوال پوچھا تھا۔ ان کی نظریں بدستور پولیس کیمپس پر تھیں جہاں سے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"آپ تسلی رکھیں سب ٹھیک ہو گا۔" اذہان نے ان کا ہاتھ نرمی سے دبایا تھا۔

Clubb of Quality Content

فرح گلے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مسلسل پنجوں پر اٹھتے ہوئے باہر نکلنے والے طلبہ کو دیکھ رہی تھی کہ ان کی نظر مہروز پر پڑی تھی جو سڑک کے دوسری طرف فٹ پاتھ پر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے دور جا رہی تھی۔

"مہروز۔" فرح گیلی آواز میں کہتے ہوئے آگے بڑھی تھی۔

اذہان بھی فوراً ان کے پیچھے لپکا تھا مگر وہ فرح سے کچھ فاصلے پر چل رہا تھا۔

"مہروز۔" فرح اسے اونچی آواز میں پکارتی تقریباً اس کے پیچھے بھاگی تھی۔

مہروز اپنے نام کی پکار سن کر فوراً پیچھے مڑی تھی اور اس کی نگاہ فرح کے بجائے اذہان پر پڑی تھی۔

اذہان نے فوراً گلے میں پہنے مفلر کو ہونٹوں تک کھینچ لیا تھا۔

مہروز کی نظر فرح کے پیچھے کھڑے رہ جانے والے مرد پر پڑی تھی۔اس کے چہرے میں تین چار چہرے گڈمڈ ہو رہے تھے۔اس کی بڑی بڑی کالی آنکھیں بھی اس کے لیے نئی نہیں تھی۔

فرح اسے چوم رہی تھی سینے سے لگا رہی تھی اور وہ بے تاثر کھڑی اس شخص کو پلٹتے ہوئے دیکھنے لگی جو اسے فری برگ پہنچنے کے پانچویں دن ملا تھا۔

Clubb of Quality Content

❀❀❀

جرار سر تھامے صوفے کی پشت سے سر ٹکائے زرد سے لگ رہے تھے۔یاسمین خود بھی نقاہت محسوس کر رہی تھی پر وہ جرار کے زرد چہرے کو دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔ گرم دودھ کا گلاس اٹھائے وہ کچن سے نکلی تھی اور لاؤنج میں آئی تھی جہاں سلیمان جان جرار کا ہاتھ تھامے اسے مسلسل سہلا رہی تھی۔

یاسمین جرار کے آگے دودھ کا گلاس لیے کھڑی تھی کہ لاؤنج کا دروازہ کھلا تھا اور حسیب اندر داخل ہوا تھا۔اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔وہ دبی دبی مسکراہٹ لیے پر جوش انداز میں یاسمین کے برابر کھڑا ہوا تھا۔

"آپ کا فون۔"

اس سے پہلے کہ یاسمین موبائل فون تھامتی ان سے پہلے ہی جرار ہاتھ بڑھا کر فون لے چکے تھے۔

"ہیلو۔فرح، مہروز کا بتاؤ۔تم اس کے پاس ہو؟" جرار ہر قسم کی ناراضی بھلائے فرح سے مخاطب تھے۔

Clubb of Quality Content

لاہور سے دور فری برگ کی دھوپ میں فرح گاڑی چلا رہی تھی اور مہروز بیک سیٹ پر آنکھیں بند لیے لیٹی ہوئی تھی۔

فرح کا دل جیسے بند ہوتے ہوتے بچا تھا۔ اتنے عرصے بعد جرار کی آواز سنی تھی۔ ان کے منہ سے اپنا نام سنا تھا۔

فرح نے کان میں بلیوٹوتھ لگا رکھا تھا۔ انہوں نے ہلکا سا گردن ترچھا کر کے بیک سیٹ پر لیٹی مہروز کو دیکھا تھا۔

"ٹھیک ہے وہ۔ میرے ساتھ ہے۔"

"اللہ کا شکر۔" جرار نے آنکھیں بند کر کے طمانیت کا سانس لیا تھا "میری بات کروا دو۔ ہم اس کی آواز سن لیں گے۔"

"ابھی وہ سو چکی ہے۔ اٹھتی ہے تو بات کراتی ہوں۔ بالکل ٹھیک ہے وہ۔"

جرار سر ہلا کر کچھ دیر یونہی خاموش رہے اور پھر فون کان سے ہٹا کر حسیب کو پکڑا دیا تھا۔

یاسمین فوراً حسیب سے فون لے کر فرح سے بات کرنے لگی جبکہ جرار بہت عرصہ بعد فرح کی آواز سننے کے بعد بھاری دل لیے بیٹھے رہے۔

❀❀❀

مغرب کا اندھیرا چہار سو پھیل چکا تھا۔ایک طویل دن تھا جس کا اختتام ہوا تھا۔

اذہان اسکلٹیز کے بیسمنٹ میں قدم رکھ چکا تھا۔وہ تیز تیز قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا اور کنڑول روم کے دروازے میں پاس ورڈ ڈالتا اندر داخل ہو چکا تھا۔دو میزیں فاصلے سے ایک قطار میں رکھ دیے گئے تھے جن پر کمپیوٹرز رکھے ہوئے تھے۔وہ ان دو میزوں کے بیچ لمبے لمبے ڈگ بھرتا خفیہ کمرے میں داخل ہوا تھا اور دروازہ دھاڑ کی آواز پیدا کرتا بند کیا تھا۔

اذہان نے آگے بڑھ کر صوفے پر آڑھے ترچھے لیٹے آدم کو گریبان سے پکڑ کر سیدھا کھڑا کر دیا تھا۔

آدم نیند سے بھری سرخ آنکھوں کے ساتھ اذہان کو دیکھ رہا تھا جس کے ماتھے پر جال بنا ہوا تھا۔وہ لب بھینچے اسے خونخوار نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"کیوں گئے تھے وہاں؟"وہ دھاڑا تھا۔

"ایڈونچر کرنے۔"آدم نے بے نیازی سے کہتے ہوئے شہادت کی انگلی سے دائیں آنکھ مسلی تھی۔

اذہان آدم کے منہ پر مکا مارنا چاہتا تھا کہ آدم نے ہتھیلی کے مدد سے اس کا مکا روک لیا تھا۔

وہ دونوں چند ثانیے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور وہ چند لمحے ہی کافی تھے ان دونوں کو ایک دوسرے سے انجان بنانے کے لیے۔ بیس سال کی دوستی لمحوں میں خاک میں مل گئی تھی۔

صرف ایک لمحے نے ان دونوں کے دل بدل دیے تھے ایک دوسرے کے لیے بھی اور کسی اور کے لیے بھی۔

❀❀❀

اذہان جیکٹ کے جیبوں میں ہاتھ ڈالے خالی الذہنی کے ساتھ فٹ پاتھ پر آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہا تھا۔ فٹ پاتھ پر آسمان کو چھوتی عمارتوں سے پھوٹتی روشنیاں پڑ رہی تھی۔ رات کا پچھلا پہر چل رہا تھا اور اکا دکا گاڑیاں سڑک پر رواں دواں تھیں۔

اذہان کے بدترین خدشات صحیح ثابت ہوئے تھے۔ وہ جس بات سے خوفزدہ تھا وہی ہوا تھا۔

اذہان ٹھنڈے بینچ پر آہستہ سے بیٹھا تھا۔ وہ جیبوں سے ہاتھ نکال کر کہنیاں گھٹنے پر رکھ کر زرا آگے جھک گیا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے میں پیوست کیے اپنے جوتوں کے نوکوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا دل بھاری تھا۔ وہ یہی سمجھنے سے قاصر تھا کہ کس کی محبت کس پر

بھاری تھی؟ آدم کی محبت ترازو کے پلڑے میں بھاری تھی یا مہروز کی؟ ایک وہ لڑکی تھی جو ابھی ابھی اس کی زندگی میں آئی تھی اور ایک وہ لڑکا تھا جو اسکے ٹین ایج کا ساتھی تھا۔

اس کے جوتوں کے نوک فٹ پاتھ پر پھیلتے گئے یہاں تک کہ وہ اسے ماضی میں لے گئے۔

جاری ہے

خلا

باب 10

سلسلے توڑ گیا

ماہ نور ہرا

یہ فرینکفرٹ کے قریب بنا چھوٹا سا علاقہ تھا جہاں سستے داموں فلیٹس کرائے پر مل جاتے تھے۔ گلی نہایت تنگ اور چھوٹی سی تھی۔ فلیٹس کی ریلنگ پر دھلے ہوئے کپڑے لٹکے رہتے تھے۔ گلی ہمیشہ گیلی رہتی تھی۔ یہاں کے اپارٹمنٹس نہایت چھوٹے ہوتے تھے جس میں

ایک کمرہ، ایک واش روم اور کمرے کے اندر ہی کچن بنا ہوا تھا جس سے ہمہ وقت پیاز اور لہسن کی بو آتی تھی۔ واش رومز سے بند گٹر کی بو اکثر ہی کمرے میں پھیلی رہتی تھی۔

یہ دو بھائی بس کمرے میں ہی ایک دوسرے کے ساتھ تکیوں اور کچن کے برتنوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے سارا دن گزار دیتے تھے۔ ہفتے میں ایک دن ٹی وی پر ایک ڈرامہ آتا تھا، اس میں کھڑوس پروفیسر کا کردار چھوٹے بھائی کا پسندیدہ کردار تھا۔ وہ اکثر اس کی طرح بولتا تھا یا وہی کردار بن کر اپنے بھائی کو ہنسانے کی کوشش کرتا تھا۔ اکثر ان کی ماں رات کو تھکی ہوئی فلیٹ واپس آتی تھی۔ ان کے پاس بس دو ہی جوڑے تھے اور آتے ساتھ سادہ سا کھانا پکا کر وہ سو جاتی تھی۔ جیسے اس فلیٹ میں بس خاموشی تھی۔ کوئی کسی سے بات نہیں کرتا تھا بس خود بہ خود سمجھ جاتا تھا۔ زرا بڑے ہونے پر دونوں بھائی ایک خیراتی اسکول میں تعلیم حاصل کرنے لگے اور انہی دنوں ان کا باپ گھر واپس آیا تھا۔ وہ بس سارا دن فلیٹ میں بیٹھا رہتا۔ ان کی موجودگی دونوں بھائیوں کو ہمیشہ کوفت کا شکار کرتی تھی۔ وہ تینوں آپس میں بات نہیں کرتے تھے۔ ان کی اپنے باپ سے کوئی اٹیچمنٹ ہی نہیں تھی۔ کبھی چھوٹا بھائی سوچتا تھا کہ وہ دونوں اس دنیا میں کیوں آئے؟ ان کے ماں باپ نے آپس میں شادی کیوں کی تھی اور اگر کی تھی تو کیا سوچ کر؟ ان کی ماں اپنے شوہر کو فلیٹ میں دیکھ کر گھبرا گئی تھی مگر پھر فوراً سنبھلتے

ہوئے کچن کی طرف چلی گئی تھی۔ میر اک مصطفی ترکش تھا جس کی خوبصورتی اب ہڈیوں کے ڈھانچے میں بدل چکی تھی۔ آنکھوں تلے ہمہ وقت سیاہ حلقے جمے رہتے تھے۔

صبح کا وقت تھا جب دونوں بھائیوں کی آنکھ ماں کی چیخ وپکار سے کھلی تھی۔ ان کا باپ ماں کو بالوں سے پکڑے ان کا چہرہ چولہے کی آنچ کی طرف جھکائے کھڑا تھا۔

دس سال کا اذہان میر اک فوراً ہڑ بڑا کر اٹھ گیا تھا۔ اس کا پندرہ سال کا بھائی احمد میر اک بھی ماں کی چیخیں سن کر اٹھ بیٹھا تھا۔

ان کی ماں اپنے بالوں کو شوہر کی مٹھی سے چھڑانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

اذہان اور احمد فوراً اماں کی طرف بھاگے تھے اور باپ کا بازو پکڑے اسے ماں سے جدا کرنا چاہتے تھے پر آج جیسے وہ آگ کا بگولہ بنے ہوئے تھے۔ آج کسی کی جان بھی محفوظ نہیں رہ سکتی تھی اور یہی وہ لمحہ تھا جب احمد نے باپ کو جھٹکے سے اپنی طرف موڑا تھا اور ایک زوردار تھپڑ اس کے چہرے پر جڑ دیا تھا۔ ان کا باپ میر اک مصطفی اذہان جیسی بڑی بڑی آنکھوں میں بے یقینی لیے اپنے بیٹے کو دیکھ رہے تھے جس نے اسے تھپڑ مارا تھا۔ وہ چند لمحے یونہی گنگ

کھڑے رہے اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتے فلیٹ سے باہر نکل گئے تھے۔ وہ دن ہی برا تھا۔ احمد اپنی ہتھیلی تھامے سارا دن اسے دیکھتا رہا۔ وہ گلٹ کا شکار تھا۔

اس کی ماں کی بھنویں اور ماتھے کے آگے کے بال چولہے کی آگ میں جل گئے تھے پر وہ پرواہ کیے بغیر اپنے کام پر چلی گئی اور جب واپس آئی تو اپنے بیٹے کو یونہی ایک ہی جگہ بیٹھے پایا۔ میٹرس پر بیٹھا اذہان بھی گھٹنوں کے گرد بازو باندھے چپ سا بیٹھا ہوا تھا۔

"میں کھانا پکا لیتی ہوں۔ میم نے لیمب گوشت دیا ہے۔" ان کی ماں جان بوجھ کر لہجے میں بشاشت بھرتے ہوئے کچن کی طرف بڑھی تھی۔

"کیوں کی تھی میرا ک مصطفیٰ سے شادی؟" احمد نے سرخ نظریں اٹھا کر اپنی ماں کی پشت کو دیکھا تھا جو کچن سلیب پر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں رکھے خاموش کھڑی ہو گئی تھی۔

"کیوں؟ کیونکہ وہ ایک ترک حسین آدمی تھے؟"

ان کی ماں تب بھی خاموش رہی۔

"کیا حسن میٹر کرتا ہے؟ کیا صرف حسن کے سہارے ساری زندگی گزاری جا سکتی ہے؟" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

اذہان کی آنکھ سے آنسو گرا تھا۔

"اور انہوں نے آپ میں کیا دیکھا؟ کم عمری؟ شکل؟"

ان کی ماں یونہی بت بنی کھڑی رہی۔ ایسے لگتا تھا جیسے ان کے منہ میں زبان ہی نا ہو۔ وہ کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔

"طلاق کے لیے رجوع کرے۔ میں جاؤ گا آپ کے ساتھ عدالت۔ ہمیں ایسے شخص کی ضرورت نہیں ہے جو صرف آپ کو مارنے یا آپ سے جمع کی گئی رقم کا مطالبہ کرتا ہے۔"

ان کی ماں خاموشی سے چہرے کا رخ چولہے کی طرف موڑ گئی تھی۔

اس دن کے بعد سے ان کا باپ ان کے فلیٹ نہیں آیا تھا۔ دونوں بھائی قریبی مکینک شاپ میں کام کرتے تھے اور شام کو اسکول جاتے تھے۔

احمد سترہ سال کا ہو چکا تھا جب وہ پیٹ میں تکلیف کا شکار ہونے لگا مگر علاج کے اخراجات نا اٹھانے کی وجہ سے برداشت کرتا رہا مگر کچھ ہی عرصے بعد وہ درد اس قدر بڑھ گیا تھا کہ وہ مکینک شاپ پر ہی ڈھے گیا تھا۔

مقامی چھوٹے سے اسپتال لے جانے پر پتا لگا تھا کہ اس کا ایک گردہ فیل ہو گیا تھا اور دوسرا بھی ناکارہ ہونے کے نزدیک تھا۔

اذہان کو پہلی دفعہ لفظ قیامت کا مطلب سمجھ آیا تھا۔اس رات فلیٹ میں قبر جیسی خاموشی تھی۔کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی گردے کا ٹرانسپلانٹ کیسے کرایا جائے۔

اذہان ساری رات ٹھنڈی آہیں بھرتا رہا۔اس کی ماں پر تو جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا۔

بہت سوچ بچار کے بعد یہی سوچا گیا کہ ان کی ماں اپنا ایک گردہ اپنے بیٹے کو ڈونیٹ کر دینگی۔ اس حل کے علاوہ کوئی حل تھا بھی نہیں۔صرف ایک رات پہلے ہی ان کا باپ ایک بار پھر آدھمکا تھا انہیں یہ بتانے کہ یہ فلیٹ انہوں نے بیچ دیا ہے اور جتنا جلد ہو سکے اس فلیٹ کو خالی کر دیا جائے۔وہ سرسری انداز میں ان کے سروں پر بم پھوڑتے مڑا تھا جب اذہان زندگی میں پہلی بار اس سخت دل انسان سے مخاطب ہوا تھا۔

"احمد اسپتال میں ہے۔اس کا ایک گردہ فیل ہے۔میری ماں اسے گردہ ڈونیٹ کر رہی ہیں اور آپ مدد کرنے کے بجائے ہمیں بے گھر کر رہے ہیں۔کیسے بے حس باپ ہیں آپ؟ پوچھے

آپ مجھ سے کہ اس کے گردے کے آپریشن کے لیے پیسے کیسے اکٹھے کیے ماں نے۔پوچھے؟"

میراک مڑے بغیر چند لمحے کھڑا رہا اور پھر کچھ کہے بغیر دروازہ ان کے منہ پر مار کر نکل گیا۔

اس رات اذہان نے شدت سے سوچا تھا کاش وہ انسان ناپیدا ہوا ہوتا تو اس مایوسی سے تو نا گزرنا پڑتا۔اسے اپنے آپ سے،اپنی زندگی سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔وہ بار بار اللہ سے یہی پوچھ رہا تھا کہ جب حالات نہیں بدلنے تھے تو پیدا کیوں کیا؟

عارفہ پیڑھی پر بیٹھی سر ہاتھوں میں دیے ہوئے تھی اور ان کے پاؤں کے پاس خاموش سا اذہان بیٹھا ہوا تھا۔چولہے پر ہلکی آنچ میں آگ جل رہی تھی جس سے فلیٹ میں سردی کی شدت میں زرا سی کمی آگئی تھی۔

"احمد کو لگ رہا تھا کہ میں نے میراک کے حسن کی وجہ سے اس سے شادی کی۔"عارفہ نے فلیٹ کی خاموشی کو توڑا تھا۔

"پاکستان میں بہت مخدوش حالات تھے ہمارے اتنے خراب کہ میں ساری زندگی گھر بیٹھی رہ جاتی۔کئی کئی دن ہم فاقے کرتے تھے۔اگر کھانے کو کچھ نا ملتا تو کبھی کبھی نیم کے پتے کھا

لیتی تھی میں۔ ابا گاڑیوں کے ٹائر بدلوانے کا کام کرتے تھے۔ بھائی بھی اسی مکینک شاپ میں لگ گئے تھے۔ ہم بہنیں ایک درزن کے گھر سلائی کا کام کرتی تھی۔ ہم پر ہماری زندگیاں نہیں 'ہم پر چڑھے قرض بھاری تھے۔ پھر محلے میں رہنے والی ایک رشتہ کرانے والی خاتون جرمنی کے ایک مسلمان ترکش لڑکے کا رشتہ آیا۔ اس کی پہلی شادی ٹوٹ گئی تھی اور اسے دوسری شادی کرنی تھی۔ انہوں نے جہیز کا بھی کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ سوچنے میں تو اچھا رشتہ تھا ورنہ کون مجھ سے شادی کرتا۔ میرے ماں باپ نے بغیر کسی تصدیق کے شادی کر دی میری۔ ظاہر ہے تصدیق کرتا بھی کون؟ میرے ماں باپ ان پڑھ سیدھے سے لوگ تھے۔ فون پر میرا نکاح ہوا، میرے کاغذ بن گئے اور میں جرمنی کے اس چھوٹے سے فلیٹ میں آگئی۔ میں نے پہلی بار میراک کو یہاں دیکھا۔ وہ چالیس سال کا اچھا مرد تھا۔ میرے لیے تو اچھا تھا نا جس نے شادی کے خواب اس ڈر سے نہیں دیکھے تھے کہ اس جیسی غریب لڑکی سے جو کئی کئی دن فاقوں پر گزارے، کون اس سے شادی کریگا؟ میراک ٹیکسی چلاتا تھا، دو وقت کی روٹی تو مل رہی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ وہ بدلنے لگا۔ اسے شروع سے ہی مجھ سے کوئی لگاوٹ نہیں تھی۔ اس نے ٹیکسی چلانی چھوڑ دی اور میری نوکری ایک بوڑھی خاتون کی کیئر ٹیکر کی حیثیت سے لگا دی۔ آہستہ آہستہ میں ایک جگہ نہیں دو، دو جگہ کیئر ٹیکر کی نوکری

کرنے لگی اور تمہارے باپ کو ڈر گز کی عادت پڑ گئی۔ شاید وہ نشہ نا کرتا تو ہمارے حالات ایسے نا ہوتے۔"

اذہان اپنے ماں کے چپلوں سے نکلے سلائی کے دھاگوں کو چھیڑتے ہوئے انہیں سن رہا تھا۔ رات یونہی خاموشی سے گزری اور اس فلیٹ کے مکینوں نے رات آنکھوں میں گزار دی۔

اگلی صبح آپریشن تھیٹر میں اس کی ماں اور بھائی موجود تھے۔ وہ پانچ گھنٹے اس سے گزر نہیں رہے تھے۔ وہ ہر ایک منٹ کے بعد گھڑی کی سوئیاں دیکھتا تھا۔ پانچ گھنٹے سے بھی اوپر ہو گئے، وہ اسپتال کے عملے سے معاملہ پوچھنے لگا پر جیسے ہر کوئی اسے نظر انداز کر رہا تھا۔ کچھ گھنٹوں کے مزید تاخیر کے بعد اسے اطلاع ملی کہ آپریشن کامیاب نہیں رہا۔ نا صرف اس کا بھائی بلکہ اس کی ماں بھی اس آپریشن میں جانبر نہ ہو سکی۔ وہ اسپتال کے گندے سے فرش پر گھٹنوں کے بل گرا تھا۔ اسکی زندگی ایک لمحے میں ختم ہوئی تھی۔ اس کی توکل کائنات ہی اس کی ماں اور بھائی تھے۔ اب؟ اب کہاں جائے؟ اب کس سہارے زندہ رہا جائے؟ عارفہ کی میم سے قرض لے کر وہ لوگ احمد کا آپریشن کروا رہے تھے۔ اب اس قرض کا کیا ہو گا؟ وہ کہاں

سے بیس لاکھ لائے گا؟ وہ ماں اور بھائی کے کفن دفن کا کیا کریگا؟ صرف چند ہی لمحوں میں ڈھیروں ڈھیر سوال اسے تنگ کرنے لگے۔

وہ گیلی آنکھیں لیے آپریشن تھیٹر کی طرف دوڑا تھا۔ نرس اسے روکنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے مگر وہ ان کے ہاتھوں کو جھٹکتا آپریشن تھیٹر میں چلا گیا تھا۔ وہاں تو کوئی نہیں تھا بس خالی بیڈ تھا۔ اس کے عقب سے ڈاکٹر نمودار ہوا تھا اور اس کے گال پر تھپڑ جڑتے ہوئے اسے کمرے سے باہر نکال دیا تھا۔ وہ گال پر ہاتھ رکھے سسکتے ہوئے ایک ایک کمرے کی طرف دوڑ رہا تھا۔

"مسئلہ کیا ہے تمہارا؟" فی میل نرس نے اسے کندھوں سے پکڑ کر اسے اپنی طرف جھٹکا دیا تھا۔

"مجھے اپنے بھائی اور ماں کو دیکھنا ہے۔ مجھے یقین نہیں آرہا۔" وہ اسکے ہاتھوں سے خود کو چھڑاتے ہوئے مچل رہا تھا۔ تیز بھاگنے کی وجہ سے وہ ہانپ بھی رہا تھا اور رو بھی رہا تھا۔

"ہاں لے جانا۔ ہم کونسا لاشوں کو اپنے پاس رکھتے ہیں۔ تم ان کی تدفین کیسے کرو گے؟"

Clubb of Quality Content

تدفین کی بات پر اذہان اپنی جگہ تھم سا گیا تھا۔وہ دس سال کا بچہ تھا جسے کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ یہاں کفن دفن کیسے کریگا؟ کیسے انہیں دفنائے گا؟

"میں کچھ دیر تک آتا ہوں۔آپ ان کی باڈیز اپنے پاس ہی رکھیے گا۔" وہ گالوں کو دونوں ہاتھوں کی پشت سے رگڑتے ہوئے اسپتال سے نکلا تھا۔

اس نے اکثر اپنے باپ کو مین ریور سے زرا دور ایک بار میں دیکھا تھا وہ اب بھی وہیں پہنچا ہوا تھا۔اس کا باپ اسے بار کے پچھواڑے میں بنے کچن میں کپڑے سے گلاس صاف کرتے ہوئے ملا تھا۔

اذہان نے اپنے باپ کی پشت دیکھتے ہوئے کئی بار سوچا کہ وہ اسے کس نام سے پکارے۔اس نے آج تک اپنے باپ کو بابا نہیں کہا تھا تو اب کیا کہے؟ وہ چند ثانیے ماؤف دماغ لیے کھڑا رہا کہ میر اک گلاس شیلف پر رکھتے ہوئے مڑا تھا اور اذہان کی سرخ آنکھیں دیکھتے ہوئے اپنی جگہ ٹھٹھکا تھا۔

"تم یہاں کیسے؟" اس کے لہجے میں کسی قسم کی آشنائی نہیں تھی۔کپڑا شیلف پر رکھتے ہوئے اس نے ایپرن اتارنا شروع کیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"پیسے۔۔۔پیسے چاہیے۔"اذہان نے خشک ہونٹ چباڈلے تھے۔

اس کا جہ جاہاز مین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے بس کسی طرح اپنے باپ کے آگے اسے جھکنا نہ پڑتا۔

"کیوں؟"میراک نے ابرو اٹھایا تھا۔حیرت اسے بھی ہوئی تھی کہ اذہان اس سے پیسے مانگ رہا تھا۔

"آپریشن ناکام ہوا ہے۔ماں اور احمد ف۔۔۔فوت ہو گئے ہیں۔"اذہان نے بمشکل 'فوت' کا لفظ استعمال کیا تھا"اب ان کی تدفین کرنی ہے اور مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ کیا کرنا ہے۔"اذہان نے نروس ہوتے ہوئے انگلیاں چٹخالی تھی۔

میراک ہاتھ میں اپرن لیے چند لمحے یونہی کھڑا رہا اور پھر یک دم استہزایہ ہنس دیا۔

"مجھے پتا تھا وہ سستا سا اسپتال صرف لوٹتا ہے۔اس اسپتال کی ریپیوٹیشن کچھ اچھی نہیں ہے۔"انہوں نے پلیٹ میں پڑی چیری اٹھا کر منہ میں رکھ لی تھی"پر میں نے کچھ کہا نہیں کیونکہ تم لوگوں کا پرسنل معاملہ ہے یہ۔سنا ہے وہاں کوئی بھی آپریشن کامیاب نہیں

ہوتا۔چوری چھپے انسانی اعضاء نکال لیے جاتے ہیں۔سنا ہے۔"میر اک کندھے اچکا کر شیلف پر رکھے صاف کانچ کے گلاسز کو اٹھا کر کیبن میں رکھنے لگا۔

اذہان اس بے حس شخص کی پشت دیکھتا رہ گیا جس نے اسے ایک نئے لفظ سے متعارف کروایا تھا'انسانی اعضاء۔'

وہ بے حس شخص اپنی بیوی اور بیٹے کی موت کو پرسنل معاملہ کہہ رہا تھا۔تو کیا وہ اذہان اور احمد کو پیدا کرنے میں برابر کا شریک نہیں تھا؟

"کیا کرتے ہیں وہ اس اعضاء کا؟"

"بیچتے ہیں۔پیسے کماتے ہیں۔"اس کے باپ نے لاپرواہی سے کندھے جھٹکے تھے۔

"اور ان اعضاء میں کیا کیا آتا ہے؟"

"بون میرو،آنکھیں بھی اور گردے تو پسندیدہ اعضاء ہوتے ہیں ان کے۔"وہ باری باری گلاسز کیبن میں رکھ رہے تھے۔

"میں کیسے معلوم کرواؤں کہ ان کے کونسے اعضاء نکالے گئے ہیں؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"مجھے کیا پتا۔ میرا وقت ضائع نہ کرو اور جاؤ۔ جاؤ شاباش۔" میراک کیبن کا دروازہ بند کر کے مڑے تھے۔

"میری مدد کریں۔" اذہان کی آواز بھرا گئی تھی۔

"ایک بار کہی بات سمجھ نہیں آتی۔ جاؤ۔" میراک تیوری چڑھا کر چلائے تھے۔

"با۔۔۔ باپلیز۔" اذہان نے رندھے لہجے میں پہلی بار اسے بابا پکارا تھا کہ شاید اسے دس سال کے بچے پر رحم آجائے۔

اسے اس لمحے خود سے نفرت بھی ہوئی تھی۔ اسے لفظ 'بابا' سے نفرت ہو گئی تھی۔

میراک کی تیوریاں آہستہ آہستہ بیٹھنے لگی۔ وہ چند لمحے بت بنا اذہان کی بڑی بڑی سرخ متورم آنکھوں کو دیکھنے لگا پھر شرٹ کی جیب سے والٹ نکال کر چند نوٹ نکالے اور اذہان کی ہتھیلی میں رکھ کر اسے کندھے سے تھام کر کچن سے باہر نکال کر دروازہ بند کر چکے تھے۔ اذہان ہتھیلی میں چند نوٹ پکڑے یونہیں کھڑا رہا۔

وہ فٹ پاتھ پر رات کی تاریکی میں خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کب سے بھوکا تھا اسے اندازہ نہیں تھا۔ آنسوؤں کی سوکھی لکیریں اس کے گالوں پر اپنا نشان چھوڑ چکی تھی۔ اس کے بال بھی

بکھرے بکھرے سے تھے۔اس کے پاس بس اب اتنے پیسے بچے تھے کہ وہ واپسی کا کرایہ دے سکے یا صرف کھا سکے اور اس نے کرایے کو ترجیح دی۔

وہ واپس اپنے گندے سے محلے میں آچکا تھا۔اپنے چھوٹے سے فلیٹ کو کھول کر وہ اندر داخل ہوا تھا۔اسے میم کسینڈرا کا نمبر زبانی یاد تھا۔رسیور اٹھا کر اس نے نمبر ڈائل کیا اور چند گھنٹیوں کے بعد فون اٹھا لیا گیا۔

"میں اذہان بات کر رہا ہوں۔عارفہ میراک کا بیٹا۔کیا آپ میری مدد کر سکتی ہیں؟"

"مدد کر تو دی تھی۔"

"کچھ اور مدد چاہیے۔"

"کیسی مدد؟"

"میری ماں اور بھائی کا آپریشن کامیاب نہیں ہوا۔مجھے سمجھ نہیں آرہی تدفین کیسے کروں ؟کیا آپ میری امداد کر سکتی ہیں؟"اس کا لہجہ اس بار مضبوط تھا۔ابھی اسے بس تدفین کی فکر تھی۔

وہ اپنا وجود کتنا خاک کر رہا تھا اس تکلیف کے بارے میں وہ اس وقت نہیں سوچ سکتا تھا۔ کبھی کبھار مجبوری کے آگے عزت کی کوئی وقعت نہیں رہ پاتی۔

"میں تمہاری ماں کو پہلے ہی اتنا بڑا قرض دے چکی ہوں جسے وہ کبھی ادا نہیں کر پائے گی تو تم کیسے میرا قرض چکاؤ گے؟"

"میں۔۔۔" اذہان پہلی بار اٹکا تھا۔ ہاں وہ کیسے قرض اتارے گا؟

"میں ساری زندگی آپ کی غلامی کر لونگا۔ میں وہی آپ کے پاس رہونگا۔ مجھے کسی تنخواہ کی خواہش نہیں ہے۔ دن رات جیسے چاہے آپ مجھ سے کام کروائے۔"

رسیور کے دوسری طرف قہقہہ گونجا تھا اور پھر فون بند ہو گیا تھا۔

اذہان یونہی رسیور لیے کھڑا رہا اور پھر کچھ دیر بعد اسی پیڑھی پر بیٹھ گیا جس پر پچھلی رات اس کی ماں بیٹھی تھی۔ اسے قرض کے نام سے نفرت ہو رہی تھی۔ فلیٹ کی خاموشی اسے وحشت میں مبتلا کر رہی تھی۔ غربت اور قرض انسان کو اندھے کنویں میں گرا دیتے ہیں جب اس کی اتنی بساط بھی نا ہو کہ وہ قرض ادا کر سکے۔ ایک ہی دن میں وہ بڑا ہو گیا تھا۔ اتنا بڑا کہ وہ بیٹھے بیٹھے سوچنے لگا کہ اسے سب سے پہلے تدفین کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ پھر یہ کیسے معلوم کرے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کہ اس کی ماں اور بھائی کے اعضاء نکالے گئے تھے کہ نہیں؟اور پھر اسے قرض اتارنا ہے۔ہاں ایک وقت میں بس ایک کام۔

وہ رسیور کریڈل پر رکھتا اٹھ گیا تھا اور اسپتال کے لیے نکل گیا تھا۔اسے اسپتال جا کر معلوم ہوا کہ مسز کسینڈرا وہ ڈیڈ باڈیز لے جا چکی ہیں۔اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ خوش ہو یا غمگیں۔اسپتال کے فون سے ہی اس نے مسز کسینڈرا کو فون ملا لیا تھا۔وہ ان باڈیز کو وسط فرینکفرٹ میں بنے مسجد میں لے آئی تھی۔اذہان بچی کچی رقم کے ساتھ بس پر بیٹھتا وسط فرینکفرٹ کے مسجد میں موجود تھا جہاں کچھ دیر بعد نماز جنازہ پڑھا دی گئی تھی۔مسجد میں چند ہی مسلمان تھے۔سب کو جنازہ جلد دفنانے کی جلدی تھی۔وہ بس ماں اور بھائی کے زرد چہرے ایک لمحہ ہی دیکھ پایا تھا اور پھر باڈیز کو اٹھا کر ایمبولنس میں ڈال کر فری برگ کی طرف روانہ کر دیا گیا۔وہ ایمبولنس میں ہی موجود رہا۔وہ تدفین کے وقت بھی موجود رہا اور تب اس کا ضبط ٹوٹا جب اس کی ماں کے چہرے پر مٹی گری تھی۔وہ زار و قطار روتا قبر میں اتر جانا چاہتا تھا جب دو آدمیوں نے اسے پکڑ کر پیچھے دھکیلا تھا اور اس کے باز نہ آنے پر اس کے چہرے پر تھپڑ جڑ دیا تھا۔اسے آج کے دن یہ دوسرا تھپڑ پڑا تھا۔وہ دھندلی ہوتی بصارت کے ساتھ وہی مٹی پر ڈھیر ہو گیا تھا۔گیلی مٹی اس کی ناک کے ذریعے دماغ پر چڑھنے لگی۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ ایک صاف سے کمرے کے نرم بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ کھڑکیوں سے بلائنڈز ہٹائے گئے تھے۔ صبح کی نیلی سی روشنی اندر آ رہی تھی۔ سفید جھالر کے پردے ہوا کی وجہ سے لہرا رہے تھے۔

وہ کہنیوں کے بل اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ کھڑکیوں کے پاس وہیل چیئر پر مسز کسینڈرا اورنج جوس کا گلاس پکڑے نرم مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں یہاں؟" اذہان نے کمرے کے اطراف میں نظر دوڑادی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شدت گریہ کی وجہ سے درد ہو رہا تھا۔

"یاد ہے تم نے کہاں تھا تم غلام بنو گے۔"

"میں رات کو قبرستان میں تھا۔ آپ کو قبرستان کا راستہ یاد ہے؟" اذہان اپنے پیروں سے کمبل کھینچ کر ہٹا چکا تھا۔

"یاد ہے؟" انہوں نے پھر دہرایا۔

"میں شاید بیہوش ہو گیا تھا۔" اس نے اپنے پیر بیڈ سے اتارے تھے۔

ناول کلب
Clubb of Quality Content

"یاد ہے؟"اب کے بار مسز کسینڈرا اتنی زور سے چلائی تھی کہ اذہان اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکا تھا۔

"زبان ہلاؤ۔"ان کی آنکھوں میں سرخی تیر رہی تھی۔

"یا۔۔د ہے۔"اذہان نے ہکلا کر کہا تھا۔

"گڈ۔"وہ ہلکا سا مسکرا کر آرم پر لگے بٹن کو دبا کر چیئر اس کی طرف لا رہی تھی"تم نے کہا تھا تم غلام بنو گے۔مجھے غلام پسند ہیں اسی لیے مدد کی تمہاری۔تمہاری ماں بھی اچھی غلام تھی پر تم نے اس سے اچھا غلام بننا ہے ورنہ قرض بڑھتا رہے گا۔سود کے ساتھ تمہاری ماں کا قرض پچاس لاکھ بنتا ہے۔اس کا مطلب ہے تم مرتے دم تک یہی پھنسے رہو گے۔"کسینڈرا نے اس کے گھنگریالے بال اپنے ہاتھوں سے بکھیرے تھے۔

"غلامی کا پہلا اصول یہ ہے کہ تم اپنی پچھلی زندگی بھول جاؤ۔میں نے اگر تمہاری زبان سے تمہاری ماں یا بھائی کا نام سنا تو جو سزا میں دو نگی وہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ So, be a good dog"انہوں نے مسکرا کر آہستہ آہستہ اپنی وہیل چیئر پیچھے گھسیٹنی شروع کی۔

اس دن اذہان کو پہلی بار یتیمی کا مطلب سمجھ آیا تھا جب آپ دنیا کے رحم و کرم پر ہوتے ہو اور دنیا آپ کو جوتے کی نوک پر رکھے۔اس دن سے اذہان جوتے کی نوک پر رکھا جانے لگا تھا۔ جوتے کی نوک اسے لمحہ بہ لمحہ زخمی کرتی تھی اور جب وہ راتوں کو چھپ چھپ کر روتا تھا تو اسے اپنی ماں اور بھائی شدت سے یاد آتے تھے۔گھر کا چھوٹا بیٹا ہونے کی حیثیت سے وہ اس پر کام کا بوجھ نہیں ڈالتے تھے اور یہاں اس سے ہر وہ کام لیا جاتا تھا جس سے اسے اذیت پہنچتی تھی۔

اس نے ایک بار پھر سوچا تھا کاش وہ بھی اپنی ماں اور بھائی کے ساتھ اس رات مر جاتا تو شاید یہ تکالیف کم ہو جاتی۔اسے اب زندگی جینے کی کوئی خواہش نہیں رہی تھی۔اب زندگی اسے گزار رہی تھی اور وہ کسی بت کی طرح اس گھر میں بے حس رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس گھر میں اس کے علاوہ بھی تین چار ملازم تھے جو ایسے رہتے تھے جیسے نا کچھ سن سکتے ہیں نا بول سکتے ہیں۔

اذہان اکثر رات کو مسز کسینڈرا کے بیڈ کے قریب کھڑے ہو کر انہیں کتاب سے کہانی پڑھ کر سناتا تھا۔ اسے کہانی پڑھتے پڑھتے اونگھ آ گئی تھی۔ مسز کسینڈرا نے فوراً بیڈ سائیڈ ٹیبل پر لگے بٹن کو دبایا تھا۔ کچھ ہی دیر میں چھوٹی آنکھوں والی ملازمہ کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"رسی سے اس کا ایک پیر باندھو اور اس کی باگ مجھے دو۔"

ان کے حکم کا صادر کرنا تھا کہ اذہان کے دائیں پیر میں رسی کس دی گئی تھی اور اب اس کی باگ مسز کسینڈرا کے ہاتھ میں تھی۔

"اب اپنا بایاں پاؤں اٹھاؤ اور ایک ہی پیر پر کھڑے رہ کر کہانی سناؤ۔ اگر اب اونگھ آئی یا پیر نیچے کرنے کی کوشش تو یہ رسی کھینچ لوں گی میں۔" انہوں نے درشت لہجے میں کہتے ہوئے اسے رسی دکھائی تھی۔

اذہان کا ننھا سا دل کانپا تھا۔ وہ ایک ہی پیر پر کھڑا رہنے کی کوشش کر رہا تھا پر توازن برقرار نا رہتا تھا اور کسینڈرا رسی کھینچ لیتی تھی۔ اذہان سر کی پشت کے بل زمین پر گرا تھا۔ اسے 'سی' کرنے کی مہلت بھی نہیں دی جاتی تھی اور اسے اٹھ جانے کا حکم دیا جاتا تھا۔ وہ ساری رات سر کی پشت کے بل زمین پر گرایا جاتا رہا اور وہ آنسو ضبط کیے اٹھ جاتا تھا۔ اس کی نیند

آنکھوں سے بھاگ چکی تھی۔ سر کی پشت کسی پھوڑے کی طرح دکھ رہی تھی اور اسے درد کی وجہ سے نیند بھی نہیں آرہی تھی۔ اس کا ماتھا بخار سے پھنک رہا تھا کہ اس کے لیے ایک اور حکم صادر ہوا۔ مسز کسینڈرا کے بالوں میں تیل لگایا جائے۔

اس کے پیر ساری رات کھڑے رہنے کی وجہ سے شل ہو رہے تھے۔ وہ بمشکل کھڑے رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بخار سے تپتے ہاتھوں کے ساتھ وہ کسینڈرا کے بالوں میں تیل لگا رہا تھا۔ کسینڈرا دھوپ کی طرف چہرے کا رخ کیے آنکھیں بند کیے بیٹھی ہوئی تھی کہ ان کے بال ہلکے سے کھچے تھے۔ اذہان جیسے سانس لینا بھول گیا تھا۔ وہ دعا کر رہا تھا کہ کاش کسینڈرا بالوں کا کھچاؤ محسوس نا کرے مگر وہ اپنی چیئر اس کی طرف پلٹا چکی تھی۔ ان کی آنکھوں میں غصے کی سرخی تھی۔ دماغ کی نسیں پھول رہی تھی۔ انہوں نے اذہان کے بالوں میں ہاتھ ڈالا اور اسے اپنے چیئر کے ساتھ گھسیٹے ہوئے لاؤنج میں لے آئی تھی۔ انہیں لاؤنج میں رکھے سیبوں کی تھالی میں تیز دھار چاقوں پڑا نظر آ گیا تھا۔ وہ اسے بالوں سے پکڑے میز تک لے آئی تھی اور تیز دھار چاقوں اٹھا کر اذہان کے بالوں کی جلد پر رگڑ رگڑ کر پھیرنے لگی۔ اذہان کے گھنگریالے بال فرش پر گرنے لگے۔ خون کے قطرے اذہان کے ماتھے سے ہونٹوں تک

آرہے تھے۔ اذہان کے سر کی جلد میں شدید جلن ہو رہی تھی۔ وہ درد سے کراہ رہا تھا ہاتھ جوڑ رہا تھا پر کسینڈرا جیسے بہری بنی اس سے بدلہ اتار رہی تھی۔

اذہان اس گھر میں لاغر لاش بن گیا تھا۔ وہ اس دن کو کوستا تھا جب اس نے کسینڈرا سے مدد لی۔ وہ غلامی سے زیادہ کھلونا بنا ہوا تھا۔ اس کے احساسات کو وہ آہستہ آہستہ مار رہی تھی جیسے وہ خود بے حس تھی۔ اس کا اپنی زندگی پر کوئی اختیار نہیں تھا۔ وہ کسی کی پسند کی زندگی گزار رہا تھا۔ وہ تیرا سال کا دبلا سا لڑکا ہو چکا تھا جو ایک اچھا پپٹ بن چکا تھا۔ وہ اب بھی سزا بھگتا تھا مگر اب روتا نہیں تھا برداشت کر جاتا تھا۔ اس نے بہت عرصے سے سوچنا بند کر دیا تھا۔ وہ جیسے چابی کا گڈا بن گیا تھا جس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو چکی تھی۔ وہ بس اس گھر میں قید ہو کر رہ گیا تھا۔

سردیوں کی بات تھی جب اس نے فی میل نرس کو گھر میں داخل ہوتا دیکھا۔ وہ وہی فی میل نرس تھی جس نے اذہان کے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔ وہ بھی اذہان کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے ٹھٹکی تھی اور پھر آگے بڑھ گئی تھی۔ اذہان کچھ دیر اپنی جگہ کھڑا رہا اور پھر نا محسوس انداز میں اس کے پیچھے چل پڑا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ لاؤنج میں ٹانگیں آپس میں جوڑے بیٹھی ہوئی تھی۔ اذہان لاؤنج کے بیرونی دروازے کی اوٹ میں چھپا کھڑا تھا جب وہیل چیئر گھسیٹتی کسینڈرا اندر داخل ہوئی۔ نرس نے اٹھ کر سر کو خم دیا اور دوبارہ بیٹھ گئی۔

"یہ وہی لڑکا ہے جس کی ماں اور بھائی کو آپ نے ہمارے اسپتال بھیجا تھا؟"

"ہاں۔" کسینڈرا نے وہیل چیئر اس کے صوفے کے برابر لگا دی۔

اذہان کسینڈرا کی پشت دیکھ رہا تھا۔

"اچھا۔ آج سے پہلے تو کبھی وکٹم کی فیملی کو اپنے گھر نہیں رکھا تم نے؟"

"کس لیے آئی ہو؟" انہوں نے بے تاثر لہجے میں پوچھا۔

"تم نے وعدہ کیا تھا کہ جتنے زیادہ لوگ میں اسپتال لاؤ گی اس کا سب سے زیادہ فائدہ مجھے پہنچے گا لیکن فائدہ تو کوئی نہیں ہوا۔" اس نے گلہ آمیز لہجے میں کہا تھا۔

"کیا فائدہ چاہتی ہو؟"

"اتنا بڑا گھر۔" فی میل نرس نے ہاتھ پھیلاتے ہوئے اس کے بڑے گھر کی طرف اشارہ کیا تھا۔

کسینڈرا تھوڑی تلے ہاتھ رکھے اسے دیکھتی رہی اور پھر ہنس دی۔

"اتنی اوقات ہے تمہاری؟"

"اوقات تو تمہاری بھی نہیں تھی پھر بھی یہاں پہنچ گئی۔ غیر قانونی کام کرتی ہو تم۔ انسانی اعضا نکالنا بڑا رسکی کام ہوتا ہے جو کہ ہم تمہارے لیے کر کے دے رہے ہیں اور تم گھر بیٹھے کھا رہی ہو۔ اس کا صلہ اتنا بڑا گھر تو بنتا ہے۔"

"ہیڈ نرس بنا تو دیا ہے۔"

"گھر چاہیے مجھے۔"

"اتنا بڑا تو نہیں ملے گا اس سے زرا چھوٹا مل جائے گا فری برگ میں۔ منظور ہے؟"

نرس کی باچھیں یک دم کھل اٹھی تھی۔

Clubb of Quality Content

اذہان سن دماغ لیے وہی کھڑا رہا۔ میراک مصطفیٰ کے الفاظ اس کے ارد گرد ناچ رہے تھے۔ انسانی اعضاء کا نکالنا اور پھر بیچنا۔۔۔ اس نے آج پہلی دفعہ سوچا کہ اس کی ماں کیوں مری تھی۔ آپریشن ناکام نہیں ہوا تھا بلکہ گردے دونوں نکالے گئے تھے اور احمد۔۔۔ کیا اس کا گردہ واقعی فیل تھا؟ یا وہ سب ایک ڈھونگ تھا!

وہ مٹھیاں بھینچے کھڑا ان پہلوؤں پر سوچ رہا تھا جن پر اس کو سوچنے کی مہلت نہیں ملی تھی۔

وہ فوراً دروازے کی اوٹ سے باہر نکل آیا تھا۔ نرس کب کی جا چکی تھی اور کسینڈرا یونہی چیئر پر بیٹھی رہی۔

"تم نے میری ماں اور بھائی کے اعضاء نکالے۔ ہیں نا؟" وہ اتنے درشت لہجے میں مخاطب تھا کہ کسینڈرا چند لمحے حیرت میں مبتلا اسے دیکھتی رہی۔

کیا یہ وہی لڑکا تھا جو اپنی زبان خود ہی کاٹ چکا تھا؟ اس کی کنپٹی کی رگیں تنی ہوئی تھی۔

"بتاؤ مجھے۔" اذہان چلایا تھا "میری ماں تندرست تھی، ہے نا؟ اور میرا بھائی، کیا وہ واقعی بیمار تھا یا تمہارے اسپتال نے اس کی فیک رپورٹس بنائی تھی؟"

"اگر میں کہوں 'ہاں' تو کیا کر لوگے؟" کسینڈرا کے چہرے پر اطمینان تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اذہان نے بے یقینی سے زیر لب ہاں دہرایا تھا۔اس کے پیروں کے نیچے جیسے کوئی زمین تھی ہی نہیں۔اس نے اصل دکھ آج محسوس کیا تھا۔دھوکے سے اس کا پورا خاندان تباہ کر دیا گیا تھا۔اسے غلامی جیسی بدتر زندگی گزارنی پڑ رہی تھی صرف ایک عورت کی پیسے کی ہوس کی وجہ سے۔اسے کسینڈرا کی جھریوں زدہ چہرے سے کچھ زیادہ ہی نفرت محسوس ہو رہی تھی۔

"کیا غربت کی زندگی گزار رہے تھے تم لوگ۔دیکھو اب وہ دونوں دوسری زندگی میں آرام کر رہے ہو گے اور تم یہاں آرام کر رہے ہو۔زندگی یونہی چلتی ہے۔ایک دوسرے کے آرام کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔اب اگر انسان،انسان سے ہی فائدہ نہیں اٹھائے گا تو کس سے اٹھائے گا۔البتہ آئندہ مجھ پر مت چلانا میں زبان خود ہی کھینچ ڈالوں گی۔"وہ اسے سخت لہجے میں وارن کرتی اپنی چیئر پلٹا چکی تھی اور گھسیٹتے ہوئے لاؤنج کے دروازے تک لے گئی تھی جب اس کے کانوں میں اذہان کی آواز پڑی۔

"پولیس،مجھے ایک اسپتال کو رپورٹ کرنا ہے۔St Andrew اسپتال میں انسانی اعضاء دھوکے سے نکالے جاتے ہیں اور ان کی مالکہ مسز کسینڈرا ہیں۔میں خود ایک وکٹم ہوں جس کے۔۔۔"وہ باقی کے الفاظ ادا نہیں کر پایا تھا۔

کسینڈرا نے رسیور چھین کر کریڈل پر پٹخ دیا تھا اور اسے بالوں سے پکڑ لیا تھا۔ اذہان کا چہرہ غصے کی شدت سے اس قدر سرخ تھا کہ اس نے بھی سوچے بغیر کسینڈرا کے بال پکڑ لیے تھے۔

"میمی۔۔۔ آر۔۔ جلدی آؤ۔" وہ درد سے کراہتے ہوئے اپنے ملازموں کو پکارنے لگی۔

اذہان کی مٹھی اس قدر سخت تھی کہ کسینڈرا کو لگ رہا تھا اس کی جلد بس اب اذہان کی مٹھی میں ہو گی۔

ملازم فوراً ہی پہنچ چکے تھے اور چیختے چلاتے اذہان کی مٹھی سے کسینڈرا کے بال چھڑا چکے تھے۔ وہ گالیاں بکتا چیخ رہا تھا کہ اسے اپنے گردن میں سوئی کی تکلیف محسوس ہوئی۔ وہ یک دم ہی خاموش ہو گیا تھا اور کچھ دیر بعد اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا تھا۔ کالا سا اندھیرا۔

❀❀❀

وہ سخت کھردرے سے فرش پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھی اور وہ کب سے یونہی لیٹے چھت کو گھور رہا تھا جس پر مٹی سے بنے چھت کا گمان ہو رہا تھا۔ اس کے ارد گرد نارنجی الاؤ کی شعاعیں تھیں۔ وہ کہنی پر دباؤ ڈالتا اٹھ گیا تھا۔ وسیع و عریض سے ہال میں مرد ہی مرد، بچے لیٹے ہوئے تھے۔ کچھ دیواروں سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ نیم اندھیرے

میں ان سب کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔اسے لگ رہا تھا وہ کسینڈرا کے گھر ہوگا مگر وہ تو کسی نئی جگہ پر تھا۔اس نے گردن موڑ کر اپنے برابر میں بیٹھے لڑکے کو دیکھا جو پتلی سی لکڑی کو مروڑ تروڑ رہا تھا۔

"یہ کونسی جگہ ہے؟"اذہان نے سرگوشی میں اس سے جرمن لہجے میں سوال پوچھا تھا۔

"تہہ خانہ۔"

"کس جگہ پر ہے؟"

"مجھے پتا ہوتا تو میں یہاں ہوتا۔"شہد رنگ آنکھوں والے لڑکے نے بیزاری سے کہتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"کتنے بدصورت ہو تم۔بس چہرے پر یہ بڑی آنکھیں ہی رہ گئی ہیں تمہاری۔کیا پیدائشی ایسے ہو؟"اس نے بغیر لگی لپٹی رکھے کہا تھا۔

اذہان نے نامحسوس انداز میں چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا۔اس نے کب سے آئینہ نہیں دیکھا تھا تو وہ کیا فیصلہ لیتا کہ وہ کتنا بدصورت ہوا ہے۔

"کیا ہوا ہے چہرے کو؟"

"تم نے اب تک اپنا چہرہ ہی نہیں دیکھا؟" شہد رنگ آنکھوں والے لڑکے کو حیرت ہوئی تھی۔

"نہیں۔"

شہد رنگ آنکھوں والا لڑکا ذرا سا آگے جھکا تھا "ناک دیکھو ایسے لگ رہی ہے جیسے پہاڑ کے درمیان ٹیڑھی میڑھی روڈز بنائی جاتی ہیں۔ رنگ تو زرد ہے کہ کیا ہی انڈے کی زردی ہو گی۔ کان دیکھو۔ اتنی میل جمی ہوئی ہے تمہیں میری آواز سنائی دیتی ہے؟ اور دانت۔۔۔" اس نے اذہان کا منہ کھولا تھا "یخ۔۔۔ اس پر تو تیز دھار چھری مار و تب بھی یہ پیلاہٹ اور داغ کبھی نا ہٹے۔"

"مسواک کرتا تھا میں۔" اذہان نے آزردگی کے ساتھ کہتے ہوئے سرد دیوار کے ساتھ ٹیک لگا لی۔

"مسواک؟ یہ کیا ہوتا ہے؟"

"لکڑی۔ میرے نبی پاک ﷺ مسواک سے دانت صاف کرتے تھے۔ میرا بھائی بھی وہی استعمال کرتا تھا۔"

"لکڑی۔" اس نے دہراتے ہوئے اپنے ہاتھ میں پکڑی لکڑی کو دیکھا تھا۔

"وہ ایسی لکڑی نہیں ہوتی۔ جیسے نیم کے درخت کا تنا وہ اچھا ہوتا ہے۔ دانت مضبوط رہتے ہیں اور پیسے بھی نہیں لگتے اس پر۔"

شہد رنگ آنکھوں والا لڑکا آنکھیں گول گھما کر واپس پیچھے ہوا تھا "اسی لیے تو تمہارے دانت اتنے بدصورت ہیں کہ تم پرانے ٹوٹکوں پر چل رہے ہو۔"

اذہان سینے پر ہاتھ باندھتا خاموش بیٹھ گیا تھا۔ کتنے عرصے بعد وہ کسی ہم عمر لڑکے سے بات کر رہا تھا بلکہ کتنے عرصے بعد وہ مردوں کو دیکھ رہا تھا۔ خواتین کو دیکھ دیکھ کر کبھی کبھی اسے احساس ہوتا تھا کہ وہ کسی بھی جینڈر سے تعلق نہیں رکھتا، نہ خواتین کے نا مردوں کے۔ کتنے عرصے بعد اس نے سوچا تھا۔ سوچ۔۔۔ سوچنا ایک انسان کے لیے کتنا ضروری ہے۔ جب سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں صلب ہو جائے اور آپ اپنے دماغ کو کسی اور کے حوالے کر دیتے ہیں تب انسان غلام بھی نہیں رہتا۔ شاید غلام بھی اپنے مالک کی خدمت کرتے ہوئے کچھ سوچتے ہونگے کہ وہ یہ کیوں کر رہے ہیں؟ شاید کسی مجبوری کا سوچتے ہو مگر وہ تو کسی مجبوری کے بارے میں نہیں سوچتا تھا۔ وہ ایسا قیدی تھا جسے اتنے سال Numb رکھا گیا۔ اب جب

وہ اپنی زندگی کے تین سالوں کے بارے میں سوچ رہا تھا تو وہ افسوس کر رہا تھا۔ دل عجیب سی کیفیت کا شکار تھا۔ ایسا لگتا تھا وہ کسی لمبی نیند سے بیدار ہوا ہے جس کا ایک ایک لمحہ اسے یاد تو ہے پر اس پر اس کا اپنا اختیار نہیں تھا۔

"ہم کب سے یہاں قید ہیں؟"

"ہم؟" اس لڑکے نے ہم کہتے ہوئے ابرو اچکایا تھا "تم پوچھو تم کب سے ہو؟"

"کب سے ہوں؟"

"تین دن سے۔" اس نے انگوٹھا اور چھوٹی انگلی دبا کر تین انگلیاں دکھائی۔

اذہان نے زیر لب 'تین دن' دہرایا "اور تم؟"

"دو مہینے سے۔" اس کے ہاتھ میں پکڑی لکڑی ٹوٹ گئی تھی۔

"نام کیا ہے تمہارا؟"

"لوئس اوون۔" اس نے لکڑی زمین پر پھینک دی تھی۔

"اور تمہارا؟"

Clubb of Quality Content

"اذہان میراک۔"

"ہم یہاں کیوں ہیں اور یہاں کیا کام ہوتا ہے؟"اذہان نے پاؤں سمیٹتے ہوئے ایک اور سوال کیا تھا۔

"پتا لگ جائے گا تمہیں۔"لوئس مسکرایا تھا۔

انہیں وہاں کھانے کو سادی سی روٹی ملتی تھی جس کا ذائقہ عجیب سا ہوتا تھا پر وہ سب اسے کھانے پر مجبور تھے۔وہ سخت سے فرش پر لیٹتے تھے اور صبح ہی صبح سب کسی کام پر چلے جاتے۔وہ اکثر بیٹھے بیٹھے بور ہو جاتا تو وہاں اپنے جیسے ہم عمر لڑکوں سے بات چیت کرنے لگتا مگر کچھ ہی دنوں بعد نئے آنے والے بچوں کو بھی کام پر لگا دیا گیا تھا۔

ایک بڑے ہال نما کمرے میں لاشوں کی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔لاشوں کو دیکھتے ہی کتنے بچے زمین پر ڈھے گئے تھے۔اذہان سن ہاتھ پیر لیے کھڑا رہا۔کیا اس کی ماں اور بھائی کو بھی یونہی باقی لاشوں کے ساتھ ایک کمرے میں پھینکا گیا ہوگا؟کیا ان سب کی موت طبعی نہیں تھی؟وہ مٹھیاں بھینچے ایک بار پھر آج سے تین سال پہلے چلا گیا تھا۔وہ تب بھی بے بس تھا اور آج

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بھی۔ایک تکلیف کی لہر اس کے اس کے پورے جسم میں دوڑی تھی جیسے اس کا اپنا جسم چیرا گیا ہو۔

ان کے ہاتھوں میں آلات پکڑا کر انہیں احتیاط سے لاشوں سے گردے اور آنکھیں نکالنا سیکھایا جا رہا تھا۔کتنی ہی بار اذہان نے قے کی تھی۔کتنے ہی لڑکے روتے رہے،بیہوش ہوئے اور انہیں کمرے سے باہر نکال دیا جاتا۔اذہان رات کو ٹھنڈے فرش پر سو نہیں پاتا تھا۔اسے یہاں موجود ہر زندہ انسان لاش لگتا تھا۔ان کے پیٹ اسے کھلے نظر آتے تھے جن سے گردے اور انتڑیاں جھلک رہی ہوتی تھی۔اسے اپنے ہاتھوں سے گھن آتی تھی جو سارا دن انسانی پیٹ چیرتے تھے۔اسے اپنے جسم سے لاشوں کی بساند آتی تھی۔ناوہ سہی سے کھا پا رہا تھا نا پی رہا تھا۔

سوئے ہوئے لڑکوں کے بیچ جگہ بناتا وہ کونے میں رکھے گڑھے کے پاس پہنچا تھا۔پانی کے گڑھے سے ٹھنڈا پانی ایک گلاس میں بھر کر اس نے وضو کیا تھا۔وہ گیلے ہاتھوں اور پیروں کے ساتھ ٹھنڈے فرش پر کھڑا نماز پڑھ رہا تھا اور نماز ختم ہونے کے بعد دعا مانگا کرتا تھا۔یہ اسکا معمول بن گیا تھا اور جب جب وہ نماز پڑھتا تھا اس کے چہرے پر صرف سکون ہوتا تھا۔

لوئس اسے معمول کی طرح دیکھتا تھا اور جب وہ نماز پڑھ کر سوتا تھا تو لوئس بھی خود بہ خود سو جاتا تھا۔ اسے اذہان سے انسیت ہونے لگی تھی۔ اس دن کے بعد سے دونوں میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ البتہ لوئس کوئی نہ کوئی ایسی حرکت کر جاتا تھا جس کے وجہ سے وہ یہاں پہچانا جاتا تھا، کبھی کبھی اس کے چہرے پر نیل بھی پڑے ہوتے تھے۔ وہ جسامت میں اذہان سے بہتر تھا۔

اذہان نماز پڑھ کر واپس اپنی جگہ آ گیا تھا اور کروٹ کے بل لیٹ کر سر اپنے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔ ٹھنڈے سے پتھروں سے بنے ہال میں نیم اندھیرا تھا۔

"اتنی تھکاوٹ کے بعد بھی تم رات کو عبادت کرنے کھڑے ہو جاتے ہو۔ کیا فائدہ اس عبادت کا جب سارا دن کل پھر گناہ کمانا ہے۔" اس کے کانوں میں لوئس کی سرگوشی نما آواز ابھری تھی۔

"گناہ؟" اذہان اب بالکل سیدھا لیٹ گیا تھا "کیسا گناہ؟"

"تم انسانی اعضاء جسم سے نکالتے ہو اور میں سفید دارو تھیلیوں میں پیک کرتا ہوں۔ تم کسی پیارے کا سینہ چیرتے ہو اور میں کسی پیارے کے لیے زہر بناتا ہوں۔ یہ کوئی اچھا کام ہوا

کیا؟"لوئس کی ناک پھولی ہوئی تھی۔ صبح ہی اس کی اپنے ساتھی سے جھڑپ ہوئی تھی جس کے نتیجے میں اس کی ناک پر مکا پڑا تھا۔

"یہ وہ غلط کام ہے جو ہم اپنی مرضی سے نہیں کر رہے۔ ہم ایک تہہ خانے میں بند ہیں اور پورے پانچ مہینے سے میں نے دھوپ نہیں دیکھی۔ ایک ہال سے دوسرے ہال اور پھر واپس یہیں۔ یہ ایک مجبوری ہے اور ہمارے پاس چوائس نہیں ہے۔ تو یہ غلط کام ضرور ہوا پر میں اس کام پر رضامند نہیں ہوں اور اللہ نیتوں کو بہتر جانتا ہے۔"اذہان نرم آواز میں کہتے ہوئے چھت گھور رہا تھا۔ اس کی آواز میں دکھ تھا، پچھلے پانچ مہینوں سے وہ بے چین تھا۔

"میں نے کبھی کسی مذہب کے بارے میں نہیں سوچا۔ میں نے یتیم خانے میں آنکھ کھولی۔ مجھے تو اپنے ماں باپ کا بھی نہیں پتا۔ نجانے یہ نام کس نے رکھ دیا میرا۔ مجھے بالکل نہیں پسند اسی لیے میں نے اپنا نام 'داراک' رکھا ہے۔"لوئس نے آخر میں ناک چڑھالی تھی۔

"داراک۔"اذہان نے آہستہ سے اس کا نام دہرایا تھا۔

اذہان ان تین سال اور پانچ مہینوں میں پہلی بار مسکرایا تھا۔

"یتیم خانے میں ایک انسان کی کیا زندگی ہوگی۔اتوار کو سارے یتیم بچے چرچ جاتے تھے پر میں بس ایک بار ہی گیا۔مجھے وہاں کچھ خاص مزہ نہیں آیا، اگر کبھی گیا بھی تو بس کرسمس پر کیونکہ وہاں کرسمس گفٹس بہت اچھے ملتے تھے۔سو مجھے بہت سے مذاہب کا علم بھی نہیں ہے شاید اسی لیے مجھے مذاہب میں کچھ دلچسپی نہیں ہے۔تم اپنے مذہب کا بتاؤ۔"

اذہان کچھ دیر لب چباتا رہا اور پھر لوئس کی طرف رخ پھیر کر لیٹ گیا تھا۔اسے عارفہ نے جن نبیوںؑ کے قصے سنائے تھے وہ روزانہ رات کو اسے سناتا تھا۔اور حضرت آدمؑ سے چلتا یہ سفر حضرت محمد ﷺ تک آچکا تھا۔اسے خود بھی پتا نہیں چلا کہ اسے اسلام کے بارے میں بات کرتے ہوئے کتنا اچھا لگ رہا تھا۔اسے قرآن کی چند آیات بمع ترجمہ یاد تھیں جنہیں وہ لوئس کو سناتا تھا اور دونوں اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتے تھے۔

"تم مایوس ہوئے کبھی؟" ایک رات لوئس نے اس سے پوچھا تھا۔لوئس کھانا چھپانے کا ماہر تھا اور اس وقت بھی وہ دونوں چھپ چھپ کر چکن لیگ پیس خاموشی سے چبا رہے تھے۔

"ہاں۔" اذہان نے آہستہ سے کہتے ہوئے ہڈی لوئس کو دی تھی۔

لوئس کو ہڈی چبانے میں مزہ آتا تھا۔

Clubb of Quality Content

"کب؟"

"جب میرے باپ نے میری مدد کرنے سے انکار کیا تھا۔ مجھے لگا تھا میری ماں اور بھائی کے مرنے پر وہ کچھ تو میری مدد کرینگے۔ پر میں نے ان سے زیادہ بے حس انسان اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ مجھے اپنے باپ سے نفرت ہے۔" اذہان اپنے گھٹنے پر دونوں ہاتھوں کی کہنیاں رکھے نفرت کا اظہار کر رہا تھا "آج اگر میری فیملی تباہ ہوئی ہے اور میں یہاں ہوں تو اس کا ذمہ دار صرف اور صرف میرا باپ ہے۔"

"مجھے تو کسی انسان میں دلچسپی ہی نہیں ہے تو میں تو کہہ ہی نہیں سکتا کہ مجھے کسی سے نفرت ہے یا محبت۔ نفرت اور محبت بہت اسٹرانگ ایموشنز ہیں۔" لوئس ہڈی کو گول گھماتے ہوئے مذاق اڑانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

وہ دونوں آہستہ آہستہ سترہ سال کی عمر تک پہنچ گئے تھے۔ وہ دونوں خوبصورت نوجوان تھے جن کی پرسنالٹیز پرکشش تھیں۔ لوئس باتیں بنانے اور لوگوں کو باتوں میں مشغول کرنے کا ماہر تھا جبکہ اذہان چپ چپ دماغ کی سنتا رہتا تھا۔

ان کے پرانے ساتھی کہیں بھیج دیے گئے تھے اور ان کی جگہ نئے ساتھی آچکے تھے۔اب کام سیکھانے کی ذمہ داری لوئس اور اذہان کی تھی۔

نئے آنے والے مردوں میں ایک ہٹا کٹا شخص لوئس کو مشکوک لگتا تھا۔وہ اکثر رات کو واش روم میں پایا جاتا۔اس کا کام سفید داروں کو تھیلیوں میں بھرنا تھا۔وہ ایک روز اس ہال میں آگیا جہاں انسانی اعضاء جسم سے نکالے جارہے تھے۔وہ فوراُ واش روم کی طرف بڑھا تھا۔اس کی اس حرکت کا علم ان کے سپروائزر کو ہوا تو جواب طلبی کے لیے لوئس کو بلوایا گیا۔لوئس باتیں بنانے کا ماہر تھا۔اس کے مشوروں نے سپروائزر کو بہت سے فائدے پہنچائے تھے جس کی وجہ سے اس کی سپروائزر سے اچھی بنتی تھی۔اس نے سپروائزر کا دھیان ہٹالیا تھا۔

نیم اندھیر ہال میں صرف بھاری سانسوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔لوئس اور اذہان دبے قدموں ہال سے باہر نکلے تھے۔ہال سے باہر راہداری تھی جس کے بائیں طرف واش رومز بنے ہوئے تھے۔وہ دونوں بغیر کوئی چاپ پیدا کیے واش روم کی طرف آئے تھے اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تھے۔واش روم کے ہال میں تین چھوٹے واش روم بنائے گئے تھے جن میں سے ایک کا دروازہ بند تھا۔دروازے کے پیچھے سے مدہم باتوں کی آوازیں آرہی

تھیں۔لوئس لبوں میں سیگریٹ دباتا اسے لائٹر کی آنچ دکھا کر جلا چکا تھا۔واش روم کے دروازے کے ایک طرف لوئس کندھا لگائے کھڑا تھا اور دوسری طرف اذہان پینٹس کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے دیوار سے کندھا لگائے کھڑا تھا۔جیسے ہی واش روم کا دروازہ کھلا لوئس نے سیگریٹ کا دھواں برائٹن کے منہ پر چھوڑ دیا۔برائٹن منہ بناتا ہاتھ ہلاتے ہوئے دھویں کے مرغولے چہرے کے آگے سے ہٹا رہا تھا۔

"سوئٹ ہارٹ،تم اس پہر کس سوئٹ ہارٹ سے باتیں کر رہے تھے؟"لوئس لبوں میں سیگریٹ دبائے اس کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔

"چھوڑو مجھے۔"برائٹن اس کا ہاتھ جھٹک کر دروازے سے باہر نکلنا چاہتا تھا کہ اذہان نے اس کے سینے پر اپنا ہاتھ رکھا۔

برائٹن نے ماتھے پر آئے پسینے کو انگوٹھے سے پونچھا تھا۔

"اوہ پسینہ آگیا۔"لوئس نے اس کے ماتھے پر شہادت کی انگلی پھیری تھی۔

"کیا چاہتے ہو؟"برائٹن نے کمر پر ہاتھ رکھا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تم کچھ مشکوک لگ رہے ہو۔سچ سچ بتاؤ کس نیت سے آئے ہو؟"اذہان اسے اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے جیسے چیر رہا تھا۔

"تم لوگ کس نیت سے آئے ہو؟"

"ہم تو لائے گئے ہیں۔"

"تو میں بھی لایا گیا ہو۔"

"ناں ناں۔"لوئس نے لبوں میں دبے سگریٹ کو فرش پر گرایا تھا"تم خود آئے ہو۔تم۔۔۔"لوئس نے اپنے براؤن بالوں میں ہاتھ پھیرا"پولیس آفیسر ہو۔ہے نا؟"

برائٹن بوکھلا کر دونوں کو دیکھنے لگا اور لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے پھر سے آگے بڑھنے لگا کہ اذہان نے اس کے دونوں کانوں میں انگلیاں گھسالی تھی۔برائٹن مزاحمت کرنے لگا پر لوئس اور اذہان اس کی مزاحمت خاطر میں لائے بغیر اس کی جرابیں، جیبیں چیک کرنے لگے کہ بالآخر اس کے انڈرویئر سے ننھا سا ایئرپوڈ نکل آیا تھا۔

لوئس چہرے پر شیطانی مسکراہٹ سجائے برائٹن کو دیکھ رہا تھا جس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔

برائٹن، لوئس اور اذہان ہال کے پچھواڑے میں بنی سیڑھیوں کے نیچے بنے چھوٹے سے خالی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"تو تمہارے پانچ ساتھی اور بھی ہیں؟" لوئس نے ہونٹوں پر شہادت کی انگلی رکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

وہ تینوں پاؤں سمیٹے بمشکل سیڑھیوں کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔

"ہاں۔"

"تم لوگ ایک پرائیویٹ ادارے کے رکن ہو اور پولیس سے کوئی لینا دینا نہیں ہے تمہارا؟"

"میں پولیس سے ریٹائرڈ آفیسر ہوں۔ ہماری کمپنی کو پانچ سال ہو گئے ہیں ایسے خطرناک کام کرتے ہوئے۔ ہم بھیس بدل کر ایسے لوگوں میں گھستے ہیں اور انہیں بے نقاب کرتے ہیں۔ آج سے کچھ سال پہلے ایک کال آئی تھی اور وہ کسی اسپتال کو رپورٹ کر رہا تھا۔ جب اس اسپتال کی تفتیش کی گئی تو بظاہر کوئی رپورٹ نہیں ملی۔ پولیس میں ہماری کمپنی کا منیجر، سینئر پولیس افسر ہے اس نے وہ کیس ہمیں دیا۔ ایس ٹی انڈرو اسپتال کی سب سے بڑی

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

beneficiary مسز کسینڈرا ہیں۔وہ ایک اپاہج بیوہ خاتون ہیں جو اکیلی رہتی ہیں۔جب ہم نے ان کے اثاثوں کے سورسز معلوم کروائے تو پتا لگا کہ وہ انسانی اعضاء اسمگل کر کے اتنے اثاثوں کی مالک ہوئی ہیں اور یہ کام اپنے شوہر سے انہیں ورثے میں ملی ہے۔"

اذہان نے تکلیف سے آنکھیں میچی تھیں۔

لوئس نے ایک نظر اذہان پر ڈال کر برائٹن کو مخاطب کیا تھا"اس آرگن مافیا سے تم لوگ کیسے لڑو گے جس کا پولیس کچھ نہیں کر سکی؟"

"میں نے کہا نا ہمارا منیجر پولیس میں ہے۔ایسا نہیں ہے کہ ہم کرمنل پولیس سے مدد نہیں لیں گے۔ہم چار لوگ اس وقت اس مافیا میں گھسے ہوئے ہیں۔یہ ایک رسکی اور جان لیوا کام ہے، کسی ایک کی غلطی ہم چاروں کی موت کا پروانہ ہوگی۔صرف ایوڈنس چاہیے ہمیں اور پھر یہ مافیا تباہ ہو جائے گی۔"

"تو اور کس ثبوت کا انتظار ہے؟اپنی آنکھوں سے تم نے جسموں سے انسانی اعضاء نکلتے دیکھے، نشہ پیک ہوتے دیکھا اور کیا چاہیے؟"اذہان نے فوراً سوال کیا تھا۔

"یہ اعضاء کہاں ٹرانسپورٹ کیے جاتے ہیں اور ان کے خریدار کون ہیں یہ معلوم کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔"

"ہم کیا مدد کر سکتے ہیں؟" لوئس نے جھٹ سے سوال پوچھا تھا۔

"مجھے کور کرنا۔"

"اور بدلے میں ہمیں کیا ملے گا؟"

"رہائی۔"

برائٹن کو ثبوت فراہم کرنے کا کام اذہان کا تھا اور سپر وائزر سے دوستی کی آڑ میں فائدہ اٹھانے کا کام لوئس کا تھا۔ لوئس اپنا کام اچھے سے انجام دے رہا تھا اور جلد ہی اس گینگ کا حصہ بن گیا تھا جس نے اس ہفتے گردے امریکہ کی ایک کمپنی کو ٹرانسپورٹ کرنے تھے۔

لوئس کی آنکھوں پر پٹی لگائی گئی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس ٹرک میں اس کے علاوہ اور کتنے لوگ بند ہیں۔ اس کی شرٹ کی بٹن میں ننھا سا کیمرہ موجود تھا جو یہ تمام کارروائی ریکارڈ کر رہا تھا۔ ٹرک جیسے ہی مطلوبہ مقام تک پہنچی، ٹرک کا دروازہ کھول دیا گیا تھا اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نے لوئس کو ٹھٹھرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ باری باری سب کی آنکھوں سے پٹی ہٹائی

گئی۔لوئس آنکھیں کھولتا بند کرتا ٹرک سے اترا تھا۔اس کے حساب سے وہ دس گھنٹے اس ٹرک میں بند رہے۔

وہ سب ایک بندرگاہ پر تھے۔گن پکڑے مردان کو ٹرک ان لوڈ کرنے کا حکم دے کر ایک طرف کھڑے ہو گئے تھے۔گتے کے ڈبے ٹرک سے منظم طریقے سے اتارے گئے تھے۔ سامان ان لوڈ ہوتے ہی اب اس سامان کو جہازی سائز کشتی پر سوار کرنا تھا۔

بندرگاہ پر ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے سردی میں کچھ زیادہ ہی اضافہ کر دیا تھا۔لوئس دھڑکتے دل کے ساتھ کشتی میں سوار ہوا تھا۔کشتی تیز رفتاری سے پانی پر چل رہی تھی جس سے سردی میں کچھ زیادہ ہی اضافہ ہوا تھا۔پانی کے بیچوں بیچ ایک اور کشتی ان کے برابر کھڑی ہو چکی تھی اور سامان ایک کشتی سے دوسری میں پہنچانے کا عمل تیزی سے طے ہوا تھا۔ان دو کشتیوں کے سپر وائزرز کی آپس میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔سامان لوڈ کرتے ہی لوئس کی کشتی واپس بندرگاہ کی طرف پلٹنے لگی۔تہہ خانے تک کا سفر بھی طویل تھا۔ننھا سا کیمرہ لوئس برائٹن کو دے چکا تھا۔

لوئس اور اذہان کی باتوں میں اب امید کا عنصر پایا جانے لگا تھا۔اب وہ اکثر یہی سوچتے کہ یہاں سے نکلنے کے فوراً بعد کیا کرینگے؟جب دھوپ سے سامنا ہوگا تو کیسا محسوس ہوگا؟جب آزادی میسر ہوگی تو اپنی مرضی سے جینے کا مزہ کیسے ہوگا؟

برائٹن چھ مہینے کی طویل محنت کے بعد مطلوبہ ثبوت کرمنل پولیس کو پہنچا چکی تھی۔انسانی اعضاء کی اگلی کھیپ پہنچانے کا وقت نزدیک آچکا تھا۔کیمرے میں ریکارڈ ہونے والی ویڈیو میں موجود افراد کی شکلوں کے ذریعے پولیس مطلوبہ لوگوں کا ڈیٹا معلوم کر چکی تھی۔اب نا صرف جرمنی بلکہ امریکہ کی پولیس بھی اس خفیہ کارروائی میں حصہ دار ہو چکی تھی۔

برائٹن،لوئس اور اذہان پر امید تھے کہ انہیں کامیابی ملے گی۔

ایک بار پھر ٹرک بندرگاہ پر پہنچا دیا گیا تھا۔اس بار ٹرک میں لوئس کے ساتھ برائٹن بھی موجود تھا۔رات کی تاریکی میں سامان کشتیوں پر لوڈ کیا جانے لگا۔ان اشخاص میں سادہ لباس میں پولیس کون تھی یہ برائٹن بھی نہیں جانتا تھا،نا برائٹن نے ان کی شکلیں دیکھ رکھی تھی نا وہ برائٹن کو ایسا کوئی اشارہ دے رہے تھے جس سے وہ سمجھ پاتا کہ پولیس یہاں موجود ہے۔

برائٹن اور لوئس محتاط قدم اٹھاتے سامان کشتی میں رکھوا چکے تھے اور کشتی پانی کو چیرتی آگے

بڑھ رہی تھی کہ سامنے سے ایک کشتی پانی پر تیزی سے دوڑتی ان کے نزدیک آرہی تھی۔ کشتی نزدیک آتے ہی رفتار ہلکی کرتی رک چکی تھی۔اس بار بھی جملوں کا تبادلہ کیے بغیر صرف سامان کا تبادلہ شروع ہوا جب پولیس تیسری کشتی پر سواران دو کشتیوں کو وارن کرتی نزدیک آرہی تھی۔لوئس کی کشتی کا ڈرائیور تیزی سے کشتی چلانا چاہتا تھا کہ سادہ لباس میں موجود پولیس افسر نے اس کو ہتھکڑی پہنادی۔سادہ لباس میں موجود پانچ پولیس اہلکار باقی افراد کی مزاحمت کو نظرانداز کرتے ہوئے ہتھکڑیاں پہنانے لگے جبکہ دوسری کشتی کا راستہ تیسری کشتی پر سوار پولیس افسران نے روک لیا تھا۔

آج کی رات مبارک رات تھی۔آزادی کی رات تھی۔لوئس برائٹن کے ساتھ پولیس اسٹیشن میں بیٹھے اذہان کا انتظار کر رہا تھا۔برائٹن کے ادارے کے لوگ اور پولیس مل کر تہہ خانے پر ریڈ مار چکے تھے۔

لوئس ہیٹر کے قریب بیٹھے مونگ پھلیاں چھیل چھیل کر منہ میں ڈال رہا تھا جب اس نے اذہان کو کمرے میں داخل ہوتا دیکھا۔لوئس مونگ پھلی کی پلیٹ میز پر رکھتے ہی اٹھ گیا تھا اور

فوراً آگے بڑھ کر پر جوش انداز میں اس سے گلے ملا تھا۔اذہان نے آہستہ سے لوئس کے گرد اپنے بازو حمائل کیے تھے اور دونوں کتنی ہی دیر اس پوزیشن میں کھڑے رہے۔

چار سال بعد دونوں ایک ساتھ صبح کا سورج طلوع ہوتا دیکھ رہے تھے۔آگے کیا کرنا ہے کیسے بڑھنا ہے یہ دونوں ہی نہیں جانتے تھے جب برائٹن کی آفر نے ان کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔

برائٹن کا آفس نہایت خوبصورت تھا۔فرینکفرٹ میں مین ریور سے زرا دور بلڈنگ کے سب سے اوپری فلور پر یہ آفس بنا تھا۔وہ دونوں برائٹن کی ٹیم سے آج پہلی دفعہ مل رہے تھے،ان کی ٹیم لیڈ پریتی مسکراتے ہوئے انہیں پورے آفس کا ٹور کروا رہی تھی۔

"تمہاری کیا عمر ہے؟"لوئس نے چیونگم چباتے ہوئے اسٹور روم کا دروازہ کھولا تھا۔

"بیس سال۔"پریتی مسکرا کر اس کے پیچھے داخل ہوئی تھی۔

اذہان جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ان کے پیچھے داخل ہوا تھا۔پریتی نے دیوار پر لگے سوئچ بورڈ کے بٹنز دبائے تھے اور پورا روم روشنی میں نہا گیا تھا۔

"یہاں برائٹن نے سارے نوجوان لڑکے لڑکیاں رکھے ہیں کیا؟ تم بیس سال، میں سترہ سال، آرنلڈ اکیس سال۔ تمہاری فیملی نہیں ہے؟" وہ میز پر پڑے کی بورڈ پر انگلیاں پھیرتے سوال پوچھ بیٹھا تھا۔

دوسری طرف خاموشی چھائی رہی، خاموشی اتنی طویل ہو چکی تھی کہ لوئس نے مڑ کر پریتی کو دیکھا تھا جس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ چکا تھا۔ اذہان ریک میں پڑے آلات دیکھتے ہوئے انہیں ہی سن رہا تھا۔

"قتل کر دیے گئے وہ۔ سمجھو میں اپنا بدلہ لینے یہاں آئی ہوں۔ اپنے ماں باپ کے قاتلوں سے تو نا لے سکی پر ان سے ضرور لیتی ہوں جو مظلوموں پر ظلم ڈھاتے ہیں اور یوں مجھے لگتا ہے کہ میرا بدلہ پورا ہو گیا۔"

"سوری۔" لوئس نے کان کی لو کھجاتے ہوئے شرمندگی کا اظہار کیا تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوئس اور اذہان اس ادارے میں ٹیکنکل کام سیکھنے لگے۔ اذہان لوئس سے ٹیکنکل کاموں میں تیز نکلا۔ اس نے جلد ہی چھوٹا وائس پاسورڈ نکال لیا جو صرف مطلوبہ شخص کی آواز اور نام لینے پر کھلتا تھا۔

Clubb of Quality Content

"ویسے یہ آئیڈیا میرے دماغ میں بھی آیا تھا۔" لوئس اپنے بیڈ پر دھڑام سے گرتے ہوئے جیسے اسے جتا رہا تھا کہ تم نے کوئی انوکھا کام نہیں کیا۔

"تو تم مجھ سے پہلے بنا لیتے۔" اذہان سر جھٹکتے ہوئے کمبل سینے تک تان کر لیٹ گیا۔

"میں نے سوچا تم ہی کریڈیٹ لے لو کوئی بات نہیں۔ تمہارے ایکسپیرئنس میں اضافہ ہوگا۔" لوئس اس کی طرف منہ کرتے ہوئے لیٹا تھا۔

اذہان اسے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے سوچ رہا ہو اس کا کوئی دماغی مسئلہ تو نہیں ہے!

اذہان اور لوئس باقی لڑکوں کے ساتھ گن چلانے کی مشق اور سیلف ڈیفینس کی مشقوں سے جوڈو کی مشقوں میں آچکے تھے۔ اس مخصوص ادارے میں لوئس اپنے کپڑوں اور ہیئر اسٹائلز کی وجہ سے کافی مشہور تھا۔ کبھی وہ بالکل گنجا ہو جاتا تھا اور کبھی آدھے بال رہنے دیتا اور آدھے اڑا دیتا۔ جب جب لوئس اور اذہان کے بیچ جوڈو کے مقابلے ہوتے تھے تو پورا ادارہ اکٹھا ہو جاتا تھا۔ دونوں کی جوانی خوبصورت تھی، دونوں ہی توانا جسم کے مالک تھے اور دونوں ہی سیر پر سوا سیر ہوتے تھے۔ لوگوں کے cheer کرنے پر دونوں میں ایسا جنون اترتا کہ پھر ساری رات دونوں ہی ایک دوسرے کی ٹکور کرتے رہتے۔

"ناک پر۔ہاں یہاں۔" وہ اذہان کا ہاتھ پکڑے گرم پیک اپنے ناک پر رکھ رہا تھا۔

"یہ ہینڈے(hands) آہستہ سے چلایا کرو جب میرے ساتھ لڑنا ہو۔ایسا لگتا ہے تم نے لوہے پر مار مار کر ہاتھ سخت بنا لیے ہو۔" لوئس ہلکا سا کراہا تھا" میں نے ابھی شادی بھی کرنی ہے پر اگر تم ایسے ہی ہاتھ چلاتے رہے تو مجھے کوئی خوبصورت لڑکی نہیں ملے گی۔"

اذہان بیڈ سائیڈ ٹیبل سے دوسرا گرم پیک نکال کر اپنے کندھے پر رکھتے ہوئے ہنس دیا۔

"ویسے تم نے شادی کا کیا سوچا؟" لوئس سر اوپر اٹھائے اپنی ناک پر گرم پیک رکھ رہا تھا۔

"کچھ نہیں سوچا۔"

"واقعی؟" لوئس نے سر نیچے کر دیا تھا" کیوں؟"

اذہان پیک کندھے پر رکھے کچھ لمحے یونہی بیٹھا رہا اور پھر سر اٹھا کر لوئس کو دیکھا" میں نے واقعی اس بارے میں نہیں سوچا۔کوشش کرتا ہوں سوچنے کی۔"

"کوشش؟ شادی نہیں تو ریلیشن شپ کے بارے میں تو سب ہی سوچتے ہیں،اس بارے میں بھی کچھ نہیں سوچا؟" لوئس کو جیسے دکھ ہوا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"نہیں۔"

"نہیں۔" لوئس نے حیران ہوتے ہوئے دہرایا تھا "اچھا ٹھیک ہے۔ وہ جو جینی ہے وہ کیسی لگتی ہے تمہیں؟ تم میں انٹرسٹ بھی لیتی ہے۔ میرے خیال میں ایک بار اس کے ساتھ ڈیٹ پر چلے جاؤ، سمجھ آ گئی تو بات آگے بڑھا لینا۔"

"تم خود چلے جاؤ اس کے ساتھ۔" اذہان پیک ٹیبل پر رکھتے ہوئے اٹھ کر شرٹ پہننے لگا۔

"چلا جاتا اگر وہ مجھے آفر کرتی۔" لوئس کندھے اچکا کر دوسرا پیک اٹھانے لگا۔

یہ ان کے پہلے اسائنمنٹ کا دن تھا۔ ان دونوں کو ایسی مافیا پر ریڈ مارنا تھا جو وائلنٹ پورن ویڈیوز بناتے تھے۔ لوئس اور اذہان لینز پہنے اور داڑھی بڑھائے قدرے مختلف اور بدمعاش لگ رہے تھے۔ سلسلہ یہاں تک تھما نہیں تھا۔ وہ روپ بدل بدل کر ہر اس شخص یا مافیا کو بے نقاب کرتے تھے جن کو اکثر پولیس عدم ثبوت کی موجودگی کے باعث چھوڑ دیتی تھی۔

ہر تین سال بعد اس ادارے کے اندر الیکشن ہوتے اور زیادہ ووٹ حاصل کرنے والا اس ادارے کا پریذیڈنٹ بن جاتا اور اس بار زیادہ ووٹس اذہان کو ملے تھے۔ یہ ادارہ اب چند لوگوں تک محدود نہیں رہا تھا بلکہ تعداد اب بڑھ چکی تھی۔ ان ریڈز کے دوران اذہان ایسے لوگوں

سے ملا تھا جو اس جیسے تھے۔ کوئی اسٹریٹ چلڈرن تھا تو کوئی تعلیم حاصل نا کرنے کی وجہ سے پارٹ ٹائم جابز پر گزارا کر رہا تھا۔ وہ کہیں نا کہیں قرضوں میں ڈوبے زندگی چلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ٹھنڈی رات میں فرینکفرٹ کے آسمان تلے بالکونی میں چیئر پر بیٹھے گردن کے نیچے ہاتھ رکھے، اذہان گردن اٹھائے آسمان دیکھ رہا تھا۔ اس کے پاؤں کے پاس رکھے میز پر کاغذات بکھرے پڑے تھے۔

"یہ کیا ہے؟" لوئس کاغذات پکڑے اوپر نیچے کر رہا تھا۔ اس کے بالوں کا رنگ برگنڈی ہو چکا تھا۔ بائیں ابرو میں اب ہر وقت کٹ رہتا تھا۔

"کہیں پریزڈنسی تو نہیں چھوڑ رہے؟ یا بلڈنگ بیچنے کا سوچ رہے ہو؟"

"ایسا کچھ نہیں ہے۔" اذہان گردن کے پیچھے سے ہاتھ نکالتے ہوئے سیدھا بیٹھ گیا تھا "میں ان بے یار و مددگار لڑکے لڑکیوں سے مل کر بے چین ہوا ہوں۔ ان بچوں میں مجھے احمد اور اذہان نظر آیا۔" وہ ہاتھ آپس میں باندھے یاسیت کا شکار لگ رہا تھا۔

لوئس کاغذات واپس میز پر رکھتے ہوئے اپنے لیے چیئر گھسیٹتے ہوئے بیٹھ گیا تھا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ اگر ہم اپنے کام کا دائرہ کار بڑھا دیں یعنی کہ ہنر سیکھانا شروع کر دے تو؟"

"آئیڈیا اچھا ہے مگر مجھے سمجھ نہیں آئی۔ کیا تم اس ادارے کو بالکل ختم کرنا چاہتے ہو؟"

"نہیں۔ ہم اس میں اسکلز کا ایڈیشن کرینگے۔ ہم انٹرن شپس اور ویکینسز بنائے گے جہاں پہلے بیک گراؤنڈ سرچ ہوگا اور وہاں ایسے لوگوں کو کام کا موقع ملے گا جو ہم جیسے ہونگے۔ جنہیں لگے کہ شاید ان کی تعلیم کی کمی کی وجہ سے انہیں اچھی جاب نہیں ملے گی۔ جو یتیم ہو یا بے آسرا۔ ہم ایسے لوگوں کو نا صرف ہنر سکھائے گے بلکہ اچھی تنخواہ بھی دینگے۔ ایسے لوگ جو اپنا قرض ادا نا کر پا رہے ہو اور پارٹ ٹائم جاب سے ان کا گزر بسر بمشکل ہو رہا ہو، ہمارا ادارہ ایسے لوگوں کی مدد کریگا۔ لوئس۔" اذہان یک دم پر جوش نظر آنے لگا تھا۔ وہ اپنی کرسی پر زرا آگے ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

"قرضہ، غلامی ہے۔ جب تک آپ قرض دار ہیں تب تک آپ ایک آزاد انسان نہیں ہیں۔ قرضے کا بوجھ اور اسے نہ ادا کر پانا انسان کو کھا جاتا ہے۔ میں اس تکلیف سے گزر چکا ہوں جب پورے تین سال مجھے کسی جانور کی طرح بندر کھا گیا تھا۔ وہ ٹراما آج تک میرے ساتھ

ہے۔وہ غیر انسانی سلوک اب بھی مجھے تکلیف دیتا ہے اور جب یاد آتا ہے تو میں پھر اسی ڈیپریشن شکار ہو جاتا ہوں۔ نجانے کتنے لوگ صرف اس قرضے کے بوجھ تلے دبے کسی کے جوتے کی نوک پر ہونگے۔"

"میں کیا کر سکتا ہوں اس سب میں؟"

"میری مدد، مجھے اسپورٹ۔""اذہان نے دو بدو کہا تھا۔

اذہان اور لوئس کا یہ پلان جلد ہی عمل میں لایا جانے لگا۔ صرف ایک بیج بویا گیا تھا جو آہستہ آہستہ پھل پھول رہا تھا۔عام سا ادارہ Skilities بن چکا تھا۔ایک فلور سے اب یہ ادارہ دو فلورز تک جا پہنچا تھا اور آہستہ آہستہ وہ پوری بلڈنگ خریدنے میں کامیاب ہوئے تھے۔وہاں ناصرف اسکلز سکھائے جاتے تھے بلکہ اہم ٹیسٹ پاس کرنے والے اپنے خفیہ مشن میں رکھ لیے جاتے تھے۔

فرینکفرٹ کی راتیں اب نارمل ہونا شروع ہو گئی تھی۔ ٹھنڈ کی شدت میں کچھ کمی آ گئی تھی۔رمضان کی دوسری تاریخ تھی۔اذہان گیلے چہرے کے ساتھ واش روم سے باہر نکلا تھا۔وہ چند آیات کا ورد کرتا شرٹ کے بازو کلائیوں تک پھیلا رہا تھا جب آہستہ سے دروازہ کھلا

تھا۔ لوئس دروازے کے فریم میں کھڑا اذہان کے گیلے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اذہان نے ابرو اچکا کر اس سے 'معاملہ کیا ہے' پوچھا تھا۔

لوئس چند ثانیے خاموش رہا اور پھر گہرا سانس بھرتے ہوئے اندر چلا آیا۔

"مسلمان کیسے ہوتے ہیں؟"

اذہان کے لب رکے تھے۔ اسے حیرانی نے آ گھیرا تھا۔ تہہ خانے میں اسلام کے بارے میں بتائی جانے والی باتوں کو کئی سال بیت چکے تھے۔ تہہ خانے سے نکلتے ہی وہ اتنی مصروف زندگی میں مگن ہو چکے تھے کہ پھر دونوں نے دوبارہ مذہب کی بات نہیں کی تھی اور اب اس کے منہ سے یہ سوال سن کر اذہان حیران ہی تو ہوا تھا۔

"دل سے۔ اللہ کو یکتا جان کر، اس کے ساتھ کسی کو شریک نا ٹھرا کر۔ اس کی مان کر۔ اس کا کلمہ پڑھ کر۔"

"اور کلمہ کیسے پڑھتے ہیں؟"

اذہان چند لمحے اسے دیکھتا رہا اور پھر اس کا ہاتھ پکڑے اپنے وارڈروب کی طرف لے آیا تھا۔ الماری کا دروازہ کھول کر اذہان نے صاف جینز اور شرٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا

تھا۔لوئس چند ہی لمحوں میں سفید شرٹ اور بلیک جینز میں ملبوس بیسن کے سامنے کھڑا تھا۔اذہان منہ میں پانی ڈالتا اور لوئس اس کے دیکھا دیکھی منہ میں پانی ڈالتا،اب ناک میں ڈال رہا تھا،وہ کہنیاں دھو رہا تھا اور اب مسح کر چکا تھا۔

لوئس اور اذہان بیڈ پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔

"لاالہ الااللہ۔"اذہان نے لوئس کی شہد رنگ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کلمہ پڑھنا شروع کیا۔

لوئس نے آہستہ آہستہ اس کے پیچھے کلمہ دہرایا۔

"محمد رسول اللہ۔"

لوئس نے کلمہ کا باقی حصہ بھی دہرایا تھا۔

کمرے میں خاموشی سی چھا گئی تھی۔کمرے میں پڑی ہر چیز جیسے مسرور تھی،شادمان تھی۔

"اب تمہارا نام بھی بدلنا ہو گا۔"

"نام بھی۔۔۔کیوں؟"

"مسلمانوں والا نام رکھنا ہے۔رکو میں سوچتا ہوں۔"

"میں خود اپنا نام رکھونگا۔پہلے بھی میرا نام رکھنے کا حق مجھے نہیں دیا گیا تھا۔"لوئس نے بچوں کی طرح منہ بسور کر کہا تھا۔

"اوکے۔"اذہان نے اپنی ہنسی چھپانے کی ہرگز کوشش نہیں کی تھی۔

لوئس چند لمحے بیٹھا دیوار کو تکتا رہا اور پھر جیسے اس کی شہد رنگ آنکھیں چمکی تھی"آدم۔"

"محمد آدم۔"اذہان نے فوراً تصیح کی تھی"محمد آدم آیے آج آپ پہلی نماز کا طریقہ سیکھیے۔"

اذہان نے اٹھتے ہوئے اسے بھی دعوت دے ڈالی تھی۔

بالکونی میں جائے نماز کے دائیں بائیں دو سائے رکوع کی حالت میں تھے۔اس خاموشی میں صرف اذہان کی آواز گونج رہی تھی۔دونوں ایک ساتھ سجدے کی حالت میں گئے اور جب اٹھے تو دونوں کے چہرے گیلے تھے۔

اذہان متشکر تھا اور آدم مطمئن۔

عمارت سے پھوٹتی روشنی کبھی بجھتی کبھی جلتی تھی۔ وہ ٹھنڈی رات میں، ٹھنڈے بینچ پر بیٹھا برف ہو رہا تھا۔اس کی سونی اور بے رنگ زندگی میں کوئی لڑکی آگئی تھی۔ آدم نے اس سے ایک بار شادی کا پوچھا تھا اور وہ واقعی حیران ہوا تھا کہ اس نے شادی کا کیوں نہیں سوچا؟اس کے ذہن میں شادی کے لیے کوئی خاص ڈیمانڈز نہیں تھی،وہ خود بھی ناواقف تھا کہ اسے کیسی بیوی چاہیے۔ وہ تو بس ایک مشینی زندگی گزار رہا تھا۔ کبھی کسی مافیا کو بے نقاب کرنا ہوتا تھا اور کبھی اسکلٹیز کو دیکھنا تھا۔

وہ تب بھی حیران ہوا تھا جب مہروز کے لیے اس کا دل دھڑکا تھا۔ جب اس کے بارے میں سوچنا اس کا ڈپریشن کم کرتا تھا۔ وہ بہت وقت بعد یہ فیصلہ لے پایا تھا کہ اسے مہروز جیسی ہمسفر چاہیے مگر اس سے دل کی بات کیسے کرے؟اس کی سب سے بڑی غلطی مہروز کی زندگی میں روپ بدل کر داخل ہونا تھا۔ اگر وہ اسے اپنے اصل روپ کا بتا بھی دیں تو کیا وہ اس کا ساتھ قبول کرلے گی؟ کیا وہ اسے جھوٹا نہیں کہے گی؟

اس کی بہ نسبت آدم اپنے اصل روپ کے ساتھ مہروز سے ملا تھا۔ وہ جیسا تھا ویسا ہی رہا جب کہ مہروز تو اب تک اذہان کے اصل نام سے بھی واقف نہیں تھی۔

اذہان کے سینے میں جکڑن ہونا شروع ہوئی۔وہ آہستہ سے بینچ سے اٹھا تھا اور فٹ پاتھ پر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھانے لگا۔

تکلیف اسے تب زیادہ ہوئی تھی جب اسے آدم کی فیلنگز کا پتا لگا تھا۔

ایک ہی لڑکی دو دوستوں کو کیسے پسند آسکتی ہے؟اب وہ اپنا دل مارے یا آدم کا دل زخمی کرے؟اور اگر یہ فیصلہ مہروز کی کورٹ میں ڈال دیا جائے تو وہ کس کا فیصلہ کرے گی،آدم یا اذہان؟

اسے ترازو کے پلڑے میں آدم اور اذہان کھڑے نظر آتے تھے اور وہی ترازو کا پلڑا آدم کی طرف جھکا ہوا تھا۔فیصلہ خود بہ خود آدم کی حق میں گیا تھا۔وہ آدم کا اصل نام اور اصل شکل جانتی ہے۔وہ جانتی ہے اسکلٹیز میں آدم کی کیا حیثیت ہے جبکہ اذہان کبھی ڈاکٹر عبداللہ اور کبھی سرجوش کے روپ میں اس سے ملتا رہا۔ایسے بہروپیے کے ساتھ زندگی گزارنے کا بڑا فیصلہ وہ کیسے لے سکتی ہے؟وہ اپنا پردہ خود چاک کرے گا تب بھی کیا گارنٹی تھی کہ ان بہروپ کے پیچھے چھپا اصل اذہان اسے کیسا لگے گا؟

تو وہ یہاں ہے کیوں؟وہ کیوں آدم اور مہروز کے لیے فیصلہ مشکل بنائے۔

وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتا چھوٹے سے پتھر پر پاؤں رکھتے ہوئے لڑکھڑا گیا تھا۔ چھوٹا سا پتھر اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکا تھا پر اسے لڑکھڑانے پر مجبور کر گیا تھا۔ وہ چند ثانیے کھڑا اس پتھر کو دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنے آپ میں اور اس پتھر میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوا تھا۔ وہ شاید خود بھی ایک ایسا ہی پتھر تھا جو اگر آدم اور مہروز کے بیچ رہا تو انہیں چبھتا ہی رہے گا۔ اور پھر آدم نے خون کے رشتوں کی محبت نہیں دیکھی تھی۔ وہ بچپن سے لاوارثوں کی طرح بڑا ہوا تھا تو اگر اب وہ ایک ایسا رشتہ قائم کرنے کی خواہش رکھتا ہے جو اس سے مخلص رہے تو اس میں کیا برائی ہے؟ اگر وہ مہروز سے دستبردار ہو جائے گا تو آدم کے لیے فیصلہ لینا آسان ہو جائے گا۔

وہ ٹھنڈ میں گرم بھاپ منہ سے خارج کرتا مڑا تھا۔ وہ اب تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا اور اس کا لانگ کوٹ اس کے ساتھ ساتھ جھول رہا تھا۔

❀❀❀

آدم اپارٹمنٹ جانے کے بجائے اسکلیٹیز آگیا تھا۔ وہ اذہان کے سوالوں سے بچنا چاہتا تھا، شاید کچھ گھنٹوں کے لیے۔

اسکلیٹیز کے بیسمنٹ میں وہ خفیہ کمرے میں صوفے پر آڑھا ترچھا بیٹھ گیا تھا اور بیٹھے بیٹھے سو گیا تھا۔وہ ایک غیر آرام دہ نیند کا شکار تھا جب اذہان نے اسے شرٹ کے کالر سے پکڑ کر اٹھایا تھا۔وہ کچی نیند سے بیدار ہوا تھا۔اس کے سر کی رگیں اس اچانک افتاد پر کھیچ سی گئی تھی۔وہ نیم وا آنکھوں سے اذہان کی بڑی بڑی آنکھوں میں سرخی تیرتے دیکھ رہا تھا۔یہ اس کا وہ عزیز دوست تھا جس کے لیے وہ ایک منٹ کا وقت لیے بغیر اپنا سر کٹا سکتا تھا۔وہ اس سے وہی سوال کر رہا تھا کہ وہ وہاں گیا کیوں؟اس نے بات ہنس کر اڑانی چاہی پر اس بار وہ کامیاب نہیں ہوا تھا۔

اذہان غصے کی شدت میں اس کے جبڑے پر مکا مارنا چاہتا تھا جسے آدم نے اپنی ہاتھ کی ہتھیلی پر روک لیا تھا۔دونوں چند ثانیے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے جیسے ایک دوسرے کو تنبیہہ کر رہے ہو کہ یہ لڑائی اصل ہو گی۔یہ لڑائی تماشائیوں کو خوش کرنے کے لیے ہر گز نہیں ہو گی۔کسی ایک کی جان اس لڑائی میں جائے گی اور اگر دونوں میں سے کوئی ایک بھی نہ رہا تو دوسرے کا وجود بھی خود بہ خود ختم ہو جائے گا اور وہی سب ختم ہو گیا تھا۔اذہان پلٹ گیا تھا اور آدم صوفے پر گر گیا تھا۔وہ گہرے گہرے سانس لیتا خود کو نارمل

کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر نارمل ہو نہیں پا رہا تھا۔اس کی آنکھ سے آنسو ٹوٹ کر گرا تھا۔ آدم نے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ اپنا چہرہ چھوا تھا۔وہ گیلا تھا۔

آدم کو گلٹ تھا کہ وہ مہروز سے محبت کرنے لگا ہے۔یہ وہ مشق تھا جو اذہان اس سے چھپا نہیں سکا تھا۔اذہان نے اس سے اب تک اپنے منہ سے اظہار نہیں کیا تھا مگر وہ اس کے بچپن کا دوست تھا۔وہ دونوں ایک دوسرے پر نظر رکھتے تھے پھر مہروز اس کی نظر سے کیسے چوک سکتی تھی؟جب جب اذہان اسے بتائے بغیر فری برگ جاتا تھا آدم اس کا پیچھا کرتے ہوئے چلا جاتا تھا۔وہ ایک عام سی لڑکی کو اسائیکل سے گرتے دیکھتا تھا تو کبھی پھول والی شاپ سے پھول لیتے ہوئے۔آدم کو اذہان کی بچگانہ حرکتوں پر ہنسی آتی تھی پر وہ خاموش رہا۔چلو اگر یہ ایکٹیویٹی اسے خوش کرتی ہے تو وہ کرتا رہے۔

وہ خود اس بس اسٹیشن پر ٹریپ ہو کر رہ گیا تھا جب مہروز ٹرین میں سوتی رہ گئی تھی اور وہ اسے بس اسٹاپ تک چھوڑ آیا تھا۔وہ ساری رات جاگتا رہا، نجانے کیوں سوچ بھٹک بھٹک کر مہروز کی طرف جاتی تھی۔وہ مہروز سے ویسے ہی ملا تھا جیسے وہ تھا۔وہ جانتا تھا کہ مہروز اس کو پسند نہیں کرتی مگر وہ پھر بھی اس کے آس پاس پایا جاتا تھا۔یہ ایک گلٹ تھا۔وہ ان جذبات کو خود

تک محدود رکھنا چاہتا تھا مگر کب تک؟ وہ کب تک ان شہد رنگ آنکھوں کی چمک کو چھپا سکتا تھا۔ان دونوں کے جذبات سے بے خبر لڑکی ان دونوں کی زندگی میں ادھم مچا گئی تھی۔اتنے برسوں کی دوستی میں دراڑ آگئی تھی۔وہ کوشش کرنے کے باوجود بھی مہروز سے دستبردار نہیں ہو سکا تھا۔وہ ان لڑکیوں سے مختلف تھی جن سے اس کی دوستی رہ چکی تھی۔وہ ایک عام سی سادہ سی لڑکی تھی جو اس کے وجود سے بیزار لگتی تھی۔وہ اس کی طرف کھیچتا تھا اور وہ اتنا ہی دور جاتی تھی۔

آدم آہستہ سے اٹھ کر کونے میں رکھے کافی میکر تک گیا تھا۔اس کے ہاتھ سستی سے کام کر رہے تھے۔چند منٹوں میں بننے والی کافی آدھے گھنٹے سے بھی اوپر منٹ پر بنی تھی۔کافی کا پہلا گھونٹ لیتے ہی اس نے گھونٹ زمین پر پھینک دی تھی۔اس کا منہ کڑوا ہو گیا تھا۔اس نے مگ سے کافی بیسن میں گرادی اور مگ وہی کاؤنٹر پر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔اس کا سینہ جکڑا جا رہا تھا۔دل چاہ رہا تھا کہ چیخ چیخ کر رونا شروع کر دے۔اس وقت کو پلٹا دے جب وہ مہروز سے ملا تھا۔وہ کبھی مہروز سے نہ ملے۔اسے اپنا دوست کھونے کا غم زیادہ تھا۔وہ کیا سوچتا ہو گا کہ میں کتنا کم ظرف نکلا کہ اسی کی چاہت پر نظر رکھنے لگا۔

وہ دونوں ہاتھ بالوں میں پھنسا کر وہی فرش پر بیٹھ گیا۔

"میں اسے منالونگا۔ میں اسے سمجھاؤ گا کہ اسے جو لگا ہے وہ سہی نہیں ہے۔ میں کوئی کہانی بنا لونگا۔" وہ زخمی ہوتے دل کے ساتھ بڑبڑا رہا تھا۔

وہ گیلے چہرے کے ساتھ مہروز سے دستبردار ہو رہا تھا۔ اگر جان دینا ایسے ہوتا ہے تو یہ جان دینے کے لیے وہ تیار تھا۔

فرینکفرٹ کے اپارٹمنٹ کے پردے ہٹے ہوئے تھے۔ سنہری سی دھوپ کھڑکیوں سے ٹکراتی اندر داخل ہو رہی تھی۔

کچن سے دھواں ایک قطار میں اوپر جا رہا تھا۔ فرح براؤن بالوں کو ڈھیلے جوڑے میں باندھے، رف وائٹ شرٹ اور بلیو ٹراؤزرز پہنے چولہے کا ٹیمپریچر آف کر کے سوپ پیالے میں ڈال کر مہروز کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی کہ مہروز آنکھیں مسلتے ہوئے اپنے کمرے سے باہر نکل آئی۔

"اچھا ہوا اٹھ گئی۔" فرح نے آگے بڑھ کر مہروز کا ماتھا چوما تھا۔

مہروز کھلے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے انہیں سمیٹ رہی تھی۔

"مجھے بہت تھکاوٹ محسوس ہو رہی ہے۔" اس کی آواز بھاری ہو رہی تھی۔

"چلو سوپ پیو تاکہ کچھ طبیعت بحال ہو۔" وہ سوپ کا پیالہ مہروز کو تھماتی واپس کچن کی طرف مڑی تھی۔

مہروز سوپ کا پیالہ لیے لاؤنج میں بنی کھڑکیوں کے پاس رکھی آرام دہ کاؤچ پر بیٹھ گئی تھی۔ وہ کھڑکیوں سے باہر سڑک پر دوڑتی گاڑیوں کو دیکھتے ہوئے سوپ چمچ میں بھر بھر کر پینے لگی۔ گرم بھاپ اڑاتا سوپ اس کے گلے سے گزرتا اس کے اعصاب پر سکون کر رہا تھا۔

"رات کو تمہارے خان بابا کی کال آئی تھی۔ مجھ سے بات کی انہوں نے۔" فرح دودھ میں چائے کی پتی ڈال رہی تھی۔

مہروز نے حیرت سے گردن گھما کر فرح کو دیکھا تھا" خان بابا کو آپ کا پتا کیسے لگا؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ کل اور پرسوں بہت تکلیف دہ دن تھے ہم سب کے لیے۔ حسیب نے مجھے کال کی تھی تاکہ تمہاری خیریت معلوم ہو جائے۔ شاید انہوں نے میری اور بھابھی کی باتیں سن لی ہو یا بھابھی نے خود ہی بتا دیا ہو۔" وہ اب آٹے کا پیڑہ بنا رہی تھی۔

"مورے انہیں کچھ نہیں بتا سکتی۔" مہروز جیسے ابھی تک شاک میں تھی "کچھ کہا انہوں نے؟ مطلب کیا باتیں ہوئی اور ان کا لہجہ کیسا تھا؟" وہ اب پوری کی پوری ان کی طرف مڑ گئی تھی۔

"نا سخت نا نرم۔ بس تمہارا ہی پوچھا تھا انہوں نے۔ ہمارے بیچ میں کوئی سلام دعا نہیں ہوئی۔ ظاہر ہے اتنے سالوں کی دوریاں جو حائل ہو گئی ہیں بیچ میں۔" فرح نے روٹی توے پر پھیلائی تھی اور اوپر سے چمچ سے تیل ڈالنے لگی۔

"کال کر لینا انہیں۔"

"وہ مجھ سے ناراض ہونگے نا کہ میں نے ان سے چھپائے رکھا کہ میں آپ سے مل چکی ہوں۔" اسے ایک نئی فکر نے آ گھیرا تھا۔

"مجھے نہیں لگتا۔" فرح نے پراٹھے کی سائیڈ بدلی تھی "وہ بہت فکر مند تھے تمہارے لیے۔ اس وقت تو صرف تم سے وہ بات ہی کرنا چاہتے ہونگے۔"

مہروز نے سر ہلا کر سوپ کا چمچ منہ میں ڈالا تھا۔ غیر ارادی طور پر اس کی سوچ آدم کی طرف بھٹکی تھی۔ وہ کیوں اور کیسے اندر داخل ہوا تھا؟ اتنا وہ جانتی تھی کہ آدم اس یونی کا طالب علم

نہیں تھا اور وہ کبھی اس کی یونی آیا بھی نہیں تھا پھر وہ کیسے وہاں پہنچ گیا؟ وہ رات سے کہاں تھا؟ اور سب سے بڑا سوال۔۔۔ وہ بہروپ میں وہاں کیوں آیا تھا؟ وہیں پولینا کی ڈاکٹر عبداللہ سے متعلق انکشافات اسے مزید الجھا رہے تھے۔ وہ بہت سارے سوالوں میں گھری الجھی ہوئی بیٹھی تھی۔

❁❁❁

لاہور والے گھر میں صبح کا ناشتہ حسیب کے گھر سے آیا تھا۔ جرار، یاسمین اور بے بے جیسے بس فون کی گھنٹی کے منتظر تھے۔ بمشکل لقمے چباتے ہوئے ان تینوں نے ناشتہ ختم کیا تھا۔

یاسمین چھوٹے سے باغیچے میں رکھے پودوں کو پانی دے رہی تھی جب ان کے کان میں فون کی گھنٹی پڑی تھی۔ وہ لوٹا وہی گرا کر تیزی سے اندر کی جانب بڑھی تھی۔

جرار فون کی اسکرین سامنے پکڑے لاؤنج کے صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے برابر میں بے بے آنکھوں میں تیرتا پانی لیے فون کی اسکرین دیکھ رہی تھی۔

یاسمین جرار کے بائیں طرف صوفے کے ہتھے پر بیٹھ گئی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

مہروز کے گلے میں گرین مفلر پہنے بالکونی میں بیٹھی ہوئی تھی۔وہ ہشاش بشاش نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔"

"ٹھیک ہوں نا؟"اب یہ سوال بے بے نے پوچھا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔"وہ ہنس دی تھی۔

"ٹھیک ہو نا مہروز گل ؟"تیسری دفعہ وہی سوال اب یاسمین نے کیا تھا۔

"بالکل۔یہ دیکھیے۔"مہروز فون میز پر رکھے مگ کے سہارے کھڑا کرتی خود کھڑی ہو گئی تھی اور دائیں بائیں گھومنے لگی۔

"تسلی ہوئی کچھ ؟"مہروز فون واپس پکڑتی بیٹھ گئی تھی۔

"کچھ کھایا پیا؟"بے بے نے فوراًاگلا سوال داغا تھا۔

"جی جی۔سوپ بھی پیا اور ہیوی سا ناشتہ بھی۔"

"ابھی کہاں ٹھری ہوئی ہو؟"جرار نے فوراًاگلا سوال پوچھا تھا۔

مہروز اس سوال کا جواب فوراً نہیں دے سکی تھی۔ وہ ہونٹ چباتے ہوئے یاسمین کو دیکھنے لگی۔

یاسمین جیسے سانس رکے اسے دیکھ رہیں تھیں۔

"فرح پھوپھو کے گھر۔"

جرار نے کچھ کہے بغیر سر ہلا دیا تھا۔

"ان کا رویہ کیسا تھا؟ کیوں مغوی بنایا تھا کچھ پتا لگا؟" بے بے نے فوراً سوال پوچھا تھا اس سے پہلے کہ جرار اسے کچھ کہتا۔

"کچھ نہیں پتا بے بے۔ بس شکر ہے اس قید سے آزاد ہوں میں۔ وہ ڈراؤنی خواب تھا اور میں اس حوالے سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔" ہوا کا جھونکا اس کی لٹ سے شرارت کرتا اس کے گال پر گرا گیا تھا۔

"ہاں بس ٹاپک بدلو۔" جرار نے فوراً اپنی ماں کو روکا تھا "پیپرز تو ختم ہو گئے نا؟ اب پاکستان کب آؤ گی؟"

"میں سوچ رہی ہوں آنے کا۔ ویسے بھی تھیسز شروع کرنے میں کچھ وقت ہے۔ البتہ یہاں جاب جو شروع کر دی ہے سو مجھے نہیں پتا وہ چھٹیاں دینگے یا نہیں۔ پر میں بات کرو گی۔"

"ہاں تو چھوڑ دو ایسی جاب جو تمہیں ماں باپ سے ملنے نا دیں۔" بے بے نے نفرت سے ہاتھ جھلا یا تھا۔

مہروز بے بے کی معصومیت پر ہنس دی تھی۔

بالکونی کی طرف بنی بند کھڑکیوں کے پیچھے کھڑی فرح 'مہروز کو فون پر باتیں کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں گیلی ہو رہی تھی۔ کتنے برس بعد وہ اپنے بھائی کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ وہ واقعی ایک اچھا باپ نکلا تھا۔

Clubb of Quality Content

❀❀❀

فری برگ کے بورڈنگ ہاؤس کا دروازہ کھلا تھا تو پولینا نے سر موڑ کر اندر داخل ہونے والی کو دیکھا تھا۔ وہ پاؤں اوپر اٹھائے کرسی پر بیٹھی لیپ ٹاپ پر کچھ لکھ رہی تھی جب مہروز اندر داخل ہوئی تھی۔

مہروز بالوں کی چٹیاں بنائے، فر والی جیکٹ پہنے اسے دیکھ کر مسکرا دی تھی۔

"تم کہاں چلی گئی تھی؟ کچھ اتا پتا ہی بتا دیتی۔ فونز تو اب تک ملے نہیں سو تمہارا کانٹیکٹ نمبر بھی نہیں تھا میرے پاس۔ ایسے کرتے ہیں؟" پولینا نے کرسی سے اٹھتے ہوئے اس سے گلہ کیا تھا۔

"آئی ایم سوری۔" مہروز نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا تھا۔

دونوں چند لمحے یونہیں کھڑی رہیں۔ پولینا اس وقت ڈھونڈنے پر بھی اس کے لیے نفرت محسوس نہیں کر رہی تھی۔ اسے قصوروار اپنا آپ بھی نہیں لگتا تھا۔ بس وہ ایک ایسے شخص کے لیے فیلنگز رکھنے لگی تھی جو خود کسی سے محبت کرنے لگا تھا۔ اور جو خود محبت کے جذبے سے گزرے وہ دوسرے محبت کرنے والے شخص کے جذبات کی قدر کرتا ہے۔ اسے سمجھ آگئی تھی کہ وہ اسے بھیک بھی نہیں دینا چاہتا تھا۔ اگر اس سے کوئی اس کا ساتھ مانگتا تو کیا وہ دیتی؟ نہیں۔ وہ اب صرف ڈاکٹر عبداللہ کے ساتھ کی خواستگار تھی۔ سو طے یہ ہوا کہ دونوں ہی ایک کشتی کے سوار تھے پر منزلیں مختلف تھی تو اس سب میں مہروز قصوروار نہیں تھی جو دونوں سے ہی لاعلم تھی۔

مہروز اس سے الگ ہو کر اپنی الماری کی طرف بڑھی تھی۔

"تم فرینکفرٹ چلی گئی تھی اپنے اپارٹمنٹ؟"

"نہیں۔"مہروز الماری کھولے اپنے کپڑے نکال رہی تھی"اپنی پھوپھو کے پاس گئی تھی۔ان فیکٹ انہوں نے ہی اس دن مجھے پک کیا تھا۔میں نے یہ پانچ دن ان کے اپارٹمنٹ میں گزارے۔"وہ کپڑے بیڈ پر پھینکتی جا رہی تھی۔

"کپڑے کہاں لے کر جا رہی ہو؟"پولینا بیڈ پر پڑے اس کے کپڑے اٹھا کر تہہ کرنے لگی۔

"فرینکفرٹ۔اپنی پھوپھو کے پاس۔چھوڑو تم میں کر لونگی۔"مہروز نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"مستقل جا رہی ہو؟"پولینا اپنا ہاتھ اس سے کھینچ کر دوبارہ کپڑے تہہ کرنے لگی۔

"یہ سمیسٹر بریک وہیں گزاروں گی۔"وہ پنجوں کے بل بیٹھتے ہوئے نچلے خانے سے اپنے جوتے نکالنے لگی۔

"یعنی واپس تو آؤ گی۔"پولینا نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا تھا اور ایک ایک کر کے اس کے کپڑے تہہ کر کے بیڈ پر رکھے بیگ میں ڈالتی رہی۔

آدھے گھنٹے میں دونوں نے مل کر مہروز کا سامان بیگ میں پیک کر دیا تھا۔

"شکریہ۔" مہروز نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا "اپنا نمبر لکھوا دو۔"

مہروز نے سویٹر کی جیب سے موبائل نکالا تھا۔ نمبر نوٹ کرنے بعد مہروز موبائل جیب میں رکھتے ہوئے اپنے بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔ پولینا بھی اس کے برابر بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔ مہروز انگلیاں باہم مسلتے ہوئے پولینا کو دیکھ رہی تھی جس نے بالوں کی بوائے کٹ کروالی تھی۔ اس کے بلانڈ کندھے تک آتے بال اس پر جچتے تھے پر یہ تو کوئی اور ہی تھی۔ چپ چپ سی اداس لڑکی۔ جس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ چپکی رہتی تھی وہ ہونٹ اب خاموش رہتے تھے۔

"کیا ہوا ہے پولینا؟ کیا تم اپنے گھر والوں کو مس کرتی ہو؟ تم نے کبھی گھر والوں کے بارے میں نہیں بتایا۔"

پولینا دونوں گھٹنوں کے درمیان ہتھیلیاں رکھتی زرا جھک کر بیٹھ گئی تھی "میری کوئی فیملی نہیں ہے۔" اس کے لہجے میں پہلے جیسی شگفتگی مفقود تھی "میرے ماں باپ کی طلاق ہو گئی تھی جب میں چھوٹی سی تھی۔ میرے باپ نے بھی دوسری شادی کر لی اور میری ماں نے نیا بوائے فرینڈ ڈھونڈ لیا۔ میں کبھی اپنے باپ کے پاس ماسکو میں رہتی تھی اور کبھی ماں کے پاس اومسک میں۔ میری ماں کا بوائے فرینڈ بہت فرینڈلی ہونے کی کوشش کرتا تھا۔ مجھے وہ اچھا لگتا

تھا کہ اس نے مجھے اکسیپٹ کر لیا ہے، میں اسے باپ کا، دوست کا درجہ دینے لگی پر۔۔۔" پولینا کا گلہ رندھ گیا تھا" روزے، اس نے مجھ سے چودہ سال کی عمر میں معصومیت چھین لی تھی میری مرضی کے بغیر۔ کھیل کھیل میں۔ میں خاموش رہی اور اپنی ماں کو بتا بھی نہیں سکی۔ یہی بات، تکلیف، دکھ مجھے اندر ہی اندر کھاتا رہا۔ وہ شخص میری ماں کے ساتھ لائق نہیں تھا۔ میں اس سے خوفزدہ رہنے لگی۔ اپنا کمرہ لاک رکھنے لگی صرف اس لیے کہ میں جہاں بیٹھتی وہ وہی آجاتا اور میری مرضی کے بغیر مجھے ٹچ کرتا۔ میں۔" پولینا کی آنکھوں سے آنسو گر کر اسکی ہتھیلیوں پر پھسل گئے" شدید بخار میں تپ رہی تھی اور میری ماں کو میری کوئی فکر نہیں تھی۔ مجھے ہیلپ لینے کے لیے اپنے ہمسائے کے پاس جانا پڑا۔ مجھے لگتا تھا میں بخار میں تپ تپ کر مر جاؤ گی۔ صرف اسپتال کے بلانے پر میری ماں اسپتال آئی۔ ڈاکٹرز کے رویے تشویشناک تھے، عجیب تھے۔ میری ماں سرخ چہرہ لیے میرے پاس آئی تھی مجھ سے یہ پوچھنے کہ میرا بوائے فرینڈ کون ہے؟ کس نے مجھ سے معصومیت چھینی؟ مجھے انفیکشن ہو چکا تھا۔ میں نے بہت ہمت کر کے انہیں بتایا تھا کہ وہ ان کا بوائے فرینڈ تھا جس نے یہ سب کیا ہے۔ تمہیں پتا ہے روزے، انہیں میرا یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ اپنے بوائے فرینڈ کی محبت میں اس قدر گرفتار تھیں کہ انہیں لگ رہا تھا میں ان سے ان کا بوائے فرینڈ چھیننے کے لیے یہ

سب کر رہی ہوں۔ صرف اپنے بوائے فرینڈ کے لیے انہوں نے مجھے abandon کیا۔اور بعد میں ان کا وہی بوائے فرینڈ انہیں چھوڑ کر چلا گیا۔جب میں تمہیں دیکھتی ہوں اور خود کو دیکھتی ہوں تو مجھے تم پر رشک آتا ہے۔ تمہارے پاس بہت سے رشتے ہیں اور میرے پاس کوئی بھی نہیں ہے۔" پولینا ناک سے گیلی سانس اوپر چڑھاتے ہوئے سسکی لے بیٹھی تھی۔

مہروز کو یک دم شرمندگی نے آگھیرا تھا۔وہ اکثر اس کے سامنے اپنے گھر والوں سے گھنٹوں فون پر بات کرتی تھی۔اسے اپنے باپ کی باتیں بتایا کرتی تھی اور اسے اندازہ بھی نہیں ہو سکا کہ پولینا کے اندر احساس محرومی اور بڑھ جاتی تھی۔وہ مزید خالی پن کا شکار ہونے لگتی تھی،اذیت میں گھر جاتی تھی۔اس نے کہیں پڑھا تھا کہ پردہ صرف نگاہ کا یا ستر کا نہیں ہوتا۔پردہ یہ بھی ہے کہ کسی ایسے شخص کے سامنے اس نعمت کا ذکر نہ کرنا جو اس کے پاس نہیں ہے۔اس کے احساسات کی فکر کرنا بھی پردہ ہے۔وہ نادانستگی میں پولینا کا دل دکھا چکی تھی۔

"آئی ایم سوری۔" مہروز نے آہستہ سے کہتے ہوئے پولینا کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے "میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی تمہارے بارے میں۔شاید میں نے ہرٹ کر دیا تمہیں۔"

"اوہ سوری۔" پولینا نے گیلی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھا تھا "میرا مقصد تم سے سوری کروانا نہیں تھا۔ میں صرف اپنے بارے میں، اپنی محرومیوں کے بارے میں تمہیں بتا رہی تھی۔"

"تمہیں پتا ہے یہاں آنے کے بعد ایک چیز کا مجھے شدت سے احساس ہوا ہے اور وہ ہے 'محرومی۔' ہم سب کی زندگیوں میں کوئی نا کوئی محرومیاں یا کاش موجود ہیں۔ جیسے تم ایک اچھی فیملی کی خواستگار ہو اور جب میں دوسروں کی اسکن دیکھتی ہوں تو سوچتی ہوں کاش میری اسکن بھی ایسی ہوتی۔ بہر حال انسان محرومیوں کے ساتھ تو جی ہی لیتا ہے لیکن اصل جیت تب ہے جب اس محرومی کو ہم اپنے سر پر سوار نا کرے۔ اسے اپنی طاقت بنائے۔ میں بھی آہستہ آہستہ اپنے آپ کو قبول کر چکی ہوں۔ جب اللہ نے مجھے تخلیق ہی دو رنگوں کے ساتھ کیا ہے تو میں کیوں شرماؤں؟ اس میں میرا تو قصور نہیں ہے کہ مجھے برص ہے۔" مہروز مضبوط لہجے میں کہتے ہوئے ہلکا سا مسکرا دی تھی۔

پولینا گیلی آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے مہروز کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ نکال کر اپنی آنکھیں رگڑنے لگی۔

"تم نے ڈاکٹر عبداللہ سے کوئی رابطہ کیا؟"پولینا نے لہجے کو سرسری بناتے ہوئے پوچھا تھا۔

"نہیں میں کیوں رابطہ کروں گی۔"مہروز پلکیں جھپکتے ہوئے بیڈ سے کھڑی ہو گئی تھی۔

جب سے وہ قید سے نکلی تھی 'چاہے جانے 'کا احساس اسے اچھا لگ رہا تھا۔

"تو کرو نا۔ کہیں لنچ یا ڈنر پر جاؤ ساتھ۔"

"نہیں میں کیوں جاؤں اس کے ساتھ؟"مہروز نے کان کے پیچھے لٹ اڑستے ہوئے بیڈ سے بیگ اٹھانا چاہا۔

"کیا مطلب؟ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزارو۔اب جب اس کی فیلنگز کا تمہیں پتا لگ گیا ہے تو کیوں اسے ٹف ٹائم دے رہی ہو۔"

"اس نے اپنے منہ سے تو نہیں کہا۔"مہروز بظاہر بیگ بیڈ سے اتارتے ہوئے اسے یہ دیکھا رہی تھی جیسے یہ ٹاپک اس کے لیے اہم نا ہو۔

"یہ کیا بات ہوئی؟تم کہہ دو اگر اس نے نہیں کہا تو۔"پولینا نے منہ بناتے ہوئے کہا تھا۔

"میں ؟"مہروز نے سینے پر انگلی رکھی تھی"میں کیوں کہوں ؟اور پھر ہمارے ہاں ایسے فیصلے ماں باپ کرتے ہیں۔میں پہل نہیں کرنا چاہتی۔"

"کیسے فیصلے ؟"

"شادی کے۔"

"تم ڈائریکٹ شادی تک پہنچ گئی ؟پہلے اس کے ساتھ ایک ریلیشن شپ تو رکھو تا کہ اس کا پتا لگے۔تم تو ڈائریکٹ شادی تک پہنچ گئی۔"پولینا تکیہ اٹھا کر اپنے پیچھے رکھتے ہوئے اس پر لیٹ گئی۔

"میرے ماں باپ کو یہ ریلیشن شپ والا سین نہیں پسند۔ہمارے ہاں بس نکاح کا ریلیشن شپ حلال ہے اور میں خود بھی اسی کے حق میں ہوں۔"مہروز نے گردن اٹھا کر جیسے انکار کیا تھا۔

پولینا دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے اسے حیرانی سے دیکھ رہی تھی جیسے اسے یقین نا آرہا ہو۔

"ہاں تو ماں باپ کوئی شو پیس تو نہیں ہیں نا۔ان کا فیصلہ ہمارے لیے اہمیت کا حامل ہے اور ان کا فیصلہ درست ہوتا ہے۔"مہروز بیگ کا ہینڈل نکالنے لگی۔

"حیرت ہے۔ایسے شخص کے ساتھ کیسے رہ لیتی ہو تم لوگ جس کا کچھ اتا پتا نا ہو اور اسے ماں باپ نے پسند کیا ہو۔"

"بہت اچھے سے رہ لیتے ہیں۔میرے والدین کی شادی بھی ارینجڈ تھی اور دونوں بہت خوش ہیں۔اچھا اب چلتی ہوں میں۔نیچے میری پھوپھو کھڑی ہیں۔" مہروز جھک کر اس کا گھٹنا تھپتھپا کر مڑی تھی۔

وہ بیگ گھسیٹتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔اس کے لبوں سے مدھم سی مسکراہٹ چپکی ہوئی تھی۔

ڈاکٹر عبداللہ۔۔۔وہ تھا کہاں؟ کیا اسے یونیورسٹی آف فری برگ کے واقعے کا پتا نہیں چلا؟ وہ کیوں نہیں آیا؟ چلو ایک کال ہی کر لے۔

کال۔۔۔لیکن اس کے پاس نیا نمبر کہاں ہو گا؟ مہروز سوچتے ہوئے بیگ سیڑھیوں سے اتارنے لگی۔

وہ معمول کے مطابق اسکلیٹیز جاتی تھی۔ مئی کا موسم بہت بہتر تھا۔اس موسم میں بہت سے ٹورسٹ بھی فرینکفرٹ میں گھومتے پھرتے نظر آتے تھے۔اسے بہت وقت سے آدم اور پریتی بھی کہیں نظر نہیں آئے تھے۔اس کے دن بہت بورنگ گزرتے تھے، صرف اچھا وقت وہ ہوتا تھا جب وہ فرح کے ساتھ وقت گزارتی تھی۔ایک ہفتہ بعد جون میں اس کو پاکستان جانے کے لیے ویزا مل گیا تھا۔اس کے دن کا بہت سا وقت شاپنگ میں گزر رہا تھا۔ فرح اس کی شاپنگ میں مدد کرتی تھی۔ وہ ان دنوں خوش تھی، چہرے پر تبسم تھا۔ہر روز رات کو وہ اور فرح شوق سے گفٹس پیک کرتے تھے۔

آج موسم ابر آلود تھا۔وقفے وقفے سے بارشیں ہو رہی تھی۔ بارشیں کچھ زیادہ ہی ہو گئی تھی کہ ریور کا پانی اپنے حد سے تجاوز کر گیا تھا۔سڑکیں بس گیلی ہی ملتی تھی۔ عجیب سا دل کو رلا دینے والا موسم ہو رہا تھا۔

لمبے بالوں کو ہائی پونی میں قید کیے، چند لٹیں گال پر چھوڑے، جامنی کاٹن کا شلوار سوٹ پہنے وہ کافی کا کپ لیے بالکونی کی طرف بڑھ رہی تھی جب اسے راہداری میں چلتی پریتی دکھائی

دی۔وہ معمول کی طرح مسکرا نہیں رہی تھی۔کندھے تک آتے کالے بالوں کو کھلا چھوڑے،وہ سفید جیکٹ جس پر کڑھائی ہوئی تھی پہنے اب اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"کہاں تھیں تم؟بہت وقت بعد دکھائی دی ہو۔کافی کالز بھی کیں تمہیں۔میں پاکستان جانے والی ہوں سوچا تم سے مل کر جاتی۔"مہروز اسے دیکھتے ہی خوشگوار حیرت میں مبتلا ہوئی تھی"اوہ یہ تو ایک ہی کافی کا کپ ہے۔تمہارے لیے بنا کے لاؤں؟"مہروز نے شرمندہ ہوتے ہوئے اپنا کپ اس کے سامنے کیا تھا۔

"آؤ یہاں بیٹھتے ہیں۔"پریتی اسے کہنی سے تھامتی بالکونی کا سلائیڈنگ دروازہ کھولتی بالکونی کی طرف لے آئی تھی۔

صبح سے ہونے والی بارش اب تھم چکی تھی۔فرش پر بچھا مصنوعی لش گرین نظر آتا کارپٹ گیلا ہو چکا تھا۔چھت تلے رکھے آرام دہ کاؤچز پر بیٹھتے ہوئے مہروز نے غور سے اسے دیکھا تھا۔وہ نہایت سنجیدہ لگ رہی تھی۔

Clubb of Quality Content

"مجھے بھی بہت زیادہ ہونے والی بارشیں غمزدہ کرتی ہیں۔" مہروز نے گیلے نظر آتے آسمان کی طرف دیکھا تھا جو اب تک پھولا پھولا نظر آرہا تھا۔ جیسے اب بھی اس میں برسنے کے لیے بہت سا پانی جمع ہو۔

"موسم نہیں کبھی کبھی اس سے جڑے احساسات، لوگ، واقعات غمزدہ کر دیتے ہیں ہمیں۔" پریتی بھی آسمان کو دیکھتے ہوئے بات کرنے لگی۔

"کیا ہوا ہے پریتی؟" مہروز اسے گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"مہروز تم سمجھدار لڑکی ہو۔ میں تم سے سمجھداری ہی ایکسپیکٹ کرتی ہوں۔" پریتی پوری کی پوری اس کی طرف گھوم گئی تھی "مجھے تمہیں آج سب بتانا ہے۔ شروع سے اب تک کی ساری سچائی۔ تمہیں مزید اندھیرے میں رکھنا ان دو دوستوں کو مارنے کے مترادف ہے۔ وہ آکسیجن ہیں ایک دوسرے کی، ایک روح اور دو جسم ہیں وہ۔ خون کے رشتے سے زیادہ مضبوط رشتہ ہے ان کا۔ اگر دونوں سے پوچھ لیا جائے نا کہ کیا ایک دوسرے کے لیے جان دو گے؟ تو وہ کیوں، کیا، کیسے جیسے سوال نہیں پوچھیں گے بس گردن آگے کر دینگے اور ایسے دوستوں کو دیمک لگتے میں نہیں دیکھ سکتی۔"

"کون دو دوست؟" مہروز کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"آدم اور اذہان۔"

❀❀❀

جاری ہے

خلا

آخری باب 11

خلا

ماہ نور زہرا

بادل پھر سے پھولنے لگے تھے دل چاہ رہا تھا کہ ان بچھڑے دو دوستوں پر ماتم کر لے

،رو لے۔ آدم بھی جیسے ان پھولے بادلوں کا ساتھ چاہتا تھا۔

اس کے بھورے بال کانوں سے نیچے تک آ گئے تھے۔آئی برو کے بیچ کا کٹ بھی نئے اگنے والے بالوں میں چھپ گیا تھا۔شہد رنگ آنکھوں میں حزن اتر آیا تھا۔

وہ اپنے اپارٹمنٹ کے کچن میں کھڑا اسٹرانگ کافی بنا کر گھونٹ لے رہا تھا اور کافی کا گھونٹ ایک بار پھر اس نے تھوکا تھا۔اسے لگ رہا تھا منہ کا ذائقہ جیسے کوئی چھین کر لے گیا ہو۔اسے نیند ٹھیک سے نہیں آ رہی تھی نا اسے کھانا ذائقہ دار لگ رہا تھا۔بارشوں کی وجہ سے اس کی الرجی بھی بڑھ چکی تھی۔اس کی ناک سرخ رہتی تھی، ہر کچھ منٹ بعد وہ چھینکتا تھا۔وہ بد مزہ ہوتے ہوئے اسٹول پر بیٹھ گیا تھا۔

"تم مسلمان کیوں ہوئے تھے؟" بہت عرصے سے یہ سوال اذہان اس سے پوچھنا چاہ رہا تھا۔اذہان استری کے اسٹینڈ کے پاس کھڑا اپنی شرٹ پریس کر رہا تھا۔

"کیونکہ میں جنت میں بھی تمہاری ناک میں دم کیے رکھنا چاہتا ہوں۔اب تم اکیلے اکیلے سارے مزے نہ لوٹنا۔" منہ میں بادام ڈالتے ہوئے آدم استری اسٹینڈ کے دوسری طرف رکھے کاؤچ پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھا تھا۔

اذہان استری کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے اسے گھور رہا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اب ایسے مت دیکھو میر اشدت سے دل چاہتا ہے میں لڑکی ہوتا۔ ویسے اگر میں لڑکی ہوتا تو تم مجھ سے شادی کرتے؟"آدم نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں تھیں۔

"اللہ مجھے معاف کرے۔ میں اس بلڈنگ سے چھلانگ لگانے کو ترجیح دونگا۔"اذہان بھی اسے چڑانے میں کوئی کثر نہیں رکھتا تھا۔

"کیوں؟اتنا حسین تو ہوں میں۔"آدم کو شدید دکھ ہوا تھا"یہ دیکھو ہنی رنگ آنکھیں، لمبا سا قد، خوبصورت بال اور جب مسکراتا ہوں تو ڈیانا کہتی ہے بس اسی پوز میں بیٹھے رہو میں تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔"

اذہان کانوں کو ہاتھ لگا کر قہقہہ لگا بیٹھا تھا۔

اذہان کا وہ قہقہہ ابھی بھی لاؤنج کے کسی کونے میں گونجا تھا تو آدم نے چونک کر کمرے کی طرف نگاہ اٹھائی تھی۔ وہ نہیں تھا وہاں۔ اذہان کا کچھ پتا نہیں لگ رہا تھا۔ پورے ایک مہینے سے وہ کہیں لاپتا تھا۔ اس رات جھگڑے کے بعد وہ کہاں غائب ہو گیا تھا کوئی نہیں جانتا تھا۔ اسے ہر جگہ ڈھونڈا گیا تھا پر جیسے وہ کسی اور سیارے کی طرف جا چکا تھا اور وہ کیوں گیا تھا آدم سے بہتر کون جانتا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اس نے اذہان سے قربانی نہیں مانگی تھی تو وہ کیوں دے رہا تھا؟ اسے کیا لگتا تھا کہ تکون سے نکل جانے سے تکون کے باقی ستون اپنی جگہ کھڑے رہینگے؟ وہ بھی گر جائے گے۔ وہ کس منہ سے اب مہروز کا سامنا کریگا؟ کیا وہ اسکا ساتھ مانگ پائے گا؟ مانگ بھی لے تو اذہان ہمیشہ ان کے درمیان رہے گا۔ وہ اذہان کو اپنی زندگی سے نہیں نکال سکتا، کبھی بھی نہیں۔

❀❀❀

مہروز نا سمجھی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کافی کا کپ فرش پر رکھتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"آدم وہ جسے میں جانتی ہوں، رائٹ؟ تو اذہان کون ہے؟"

"دو دوست ایک تہہ خانے میں ملے تھے جہاں نا دھوپ گزرتی تھی نا زندگی کا کوئی رنگ تھا۔ وہاں انسانی جسموں کی بدبو تھی۔ وہاں نشہ بیچنے کے لیے داروں پڑی ہوتی تھی۔ وہاں جب انسانی جسم کی ضرورت نہیں پڑتی تھی وہ اپنے ہی ساتھی کو یوزلیس سمجھ کر اسے بھی مار دیتے تھے صرف اس کے اعضا نکال کر بیچنے کے لیے۔ اس ٹھنڈے سے قبر نما سرد خانے میں ان دو دوستوں نے پورے پانچ سال گزارے۔ ایک دوسرے کا بچپن، ایک دوسرے

کی جوانی غم اور تکلیف دیکھی۔ صرف ذہنی حالت درست رکھنے کے لیے وہ دو دوست ایک دوسرے کی دوا، میڈیسن بن گئے تھے۔اس سرد خانے سے آزاد ہو جانے کے بعد وہ دو دوست ایک ایسی جگہ کام کرنے لگے جہاں ان جیسے مظلوم لوگوں کی دادرسی کی جاتی تھی۔ بہروپ بدل کر وہ لوگ مافیاز میں گھس کر انہیں بے نقاب کرتے تھے۔انہیں دو دوستوں کے محنت کے صلے میں ایک مفت اسکل سیکھانے والا یہ ادارہ Skilities قیام میں آیا۔"

مہروز ہونٹ چباتے ہوئے کنفیوزڈ لگ رہی تھی۔

"ان دو دوستوں کی زندگی تب بدلی جب ایک لڑکی سے وہ لڑکا ٹکرا گیا۔وہ لڑکا اسے پسند کرنے لگا اور اتفاق سے اسی لڑکے نے اس لڑکی کو بدمعاشوں سے بچایا۔وہ لڑکا ان دنوں ڈاکٹر کے بہروپ میں ان مافیاز کو بے نقاب کر رہا تھا جو جھوٹی رپورٹس بنا کر آپریشن سجیسٹ کیا کرتے تھے۔وہ لڑکا جانتا تھا اسٹاک کرنا غلط بات ہے پر وہ اسٹاکر بن گیا۔وہ اس لڑکی کی خاطر اپنے دوستوں سے چھپ کر پروفیسر بن گیا۔اور بات یہاں ختم نہیں ہوتی۔"

مہروز سانس روکے جیسے اپنی ہی کہانی سن رہی تھی۔

"اس کا دوست بھی انجانے میں اس لڑکی کو پسند کرنے لگا فرق صرف اتنا تھا کہ وہ daring لڑکا اپنے اصل شکل اور نام کے ساتھ اسے ملا۔وہ جانتا تھا وہ جو کر رہا ہے غلط ہے پر وہ بھی دل کے ہاتھوں مجبور ہوا۔وہ اکثر کہتا تھا وہ لڑکی معصوم بہت ہے۔جب وہ غصے میں نتھنے پھلا کر دیکھتی ہے تو میرا اسانس رک جاتا ہے۔میں کسی ٹرانس میں چلا جاتا ہوں۔جب روتے ہوئے اس کی ناک پھولتی ہے اور ہونٹ کا اوپری حصہ پھول جاتا ہے تو ایسا لگتا ہے کوئی چھوٹی بچی اپنی محبوب چیز کے کھو جانے پر رو رہی ہو۔وہ۔۔۔"

"وہ لڑکی میں ہوں؟"مہروز کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"ہاں۔"

"اور وہ لڑکا ڈاکٹر عبداللہ یعنی پروفیسر جوش اور اصل میں اذہان؟"

"ہاں۔"

"اور وہ لڑکا آدم اس کا دوست؟"

"ہاں۔"

"اوہ گاڈ۔" مہروز چہرے کے دائیں بائیں ہاتھ رکھے کاؤچ سے اٹھ گئی تھی۔ وہ بے یقینی سے فرش کو گھور رہی تھی۔

وہ پچھلا ایک سال کسی فلم کی طرح اس کی نظروں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ ہاتھوں میں ہلکی سی کپکپاہٹ ہونا شروع ہو گئی تھی۔

"کیا تم آدم یا اذہان کی فیلنگز بھانپ نہیں سکی؟"

"کیسے بھانپتی؟" مہروز حیرت سے مڑی تھی "اذہان مطلب ڈاکٹر عبداللہ اتنا لیا دیا رویہ رکھتا تھا میں کیسے سمجھ پاتی کہ وہ میرے لیے کیا محسوس کرتا ہے؟ میں نے تو اس کی اصل شکل بھی نہیں دیکھی۔ وہ پرفیسر جوش کے روپ میں بھی بدمزاج پروفیسر کا روپ دھارے ہوئے تھا۔ وہ کیا محسوس کرتا ہے میں کیسے سمجھ پاتی؟ اور آدم۔" وہ کاؤچ پر دوبارہ بیٹھ گئی تھی "مجھے وہ ایک فلرٹ کرنے والا، ہر وقت ہنسنے بولنے والے لڑکے سے زیادہ کچھ نہیں لگتا تھا۔ میں بالکل بے خبر رہی۔" وہ اب تک حیرت زدہ سی بیٹھی ہوئی تھی۔

اس کی آواز میں لغزش تھی، گلا بیٹھا جا رہا تھا۔ اسے ڈاکٹر عبداللہ کے کلینک میں پڑا اسر جوش کا مفلر یاد آیا تھا۔ وہ تب بھی نہیں پہچان سکی۔ اس نے آنکھیں زور سے میچ لی تھیں۔

"برا یہ ہوا کہ اذہان جان گیا کہ آدم تمہارے لیے کیا فیلنگز رکھتا ہے اور اب ایک مہینے سے وہ کہیں لاپتا ہے۔ جس دن تم لائبریری والے واقعے کے بعد باہر نکلی تھی دونوں میں بحث ہو گئی تھی۔اس رات کے بعد اذہان کہاں ہیں ہمیں کچھ نہیں پتا۔" پریتی کی آواز بھرا گئی تھی۔

"میں بالکل لاعلم رہی ہوں۔ مجھے تو ابھی بھی یقین نہیں آ رہا کہ میں بیوقوف بنتی رہی۔ ایک ہی شخص کو کئی کئی جگہ دیکھتی رہی اور پہچان بھی نا سکی۔ یعنی میرے اسائیکل میں پھول بھی اذہان رکھتا تھا۔ وہی تھا جس نے مجھے تم سے ملوایا؟"

"ہاں وہی تھا۔"

مہروز کی آنکھ سے آنسو گر گیا تھا۔ وہ دونوں چند لمحے یونہی خاموش بیٹھی رہیں۔

بارش کا خوشگوار موسم یک دم غمگیں لگنے لگا تھا۔

"تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا پریتی؟" مہروز کا دل بند ہو رہا تھا۔

"میں ان دونوں کی خاطر خاموش رہی۔ میں نے سوچا تھا دونوں سورٹ آؤٹ کر لینگے پر ایسا نہیں ہو سکا۔" پریتی نے شہادت کی انگلی سے آنکھیں صاف کیں تھیں۔

"میں کیا کر سکتی ہوں اس کے لیے؟" مہروز نے گردن پریتی کی طرف موڑی تھی۔

"اس کے لیے۔۔۔ دعا۔ شاید اسے تمہاری دعا واپس لے آئے۔ اس نے بہت سخت وقت دیکھا ہے۔ یہ کمپنی اس کی محنت کا پھل ہے اور اسے اب یہاں ہونا چاہیے۔ نجانے وہ کہاں بھٹک رہا ہو گا۔"

"اسے۔۔۔" مہروز نے تھوک نگلا تھا "اسے کیا لگ رہا ہے کہ وہ کیوں ایسے چلا گیا؟ اسے لگ رہا ہے کیا ایسے آدم بآسانی میرا ہاتھ مانگ سکے گا؟"

پریتی نے آہستہ سے سر ہلایا تھا۔

مہروز کے بدترین خدشات درست ہوئے تھے۔

"اور میری رائے؟ میری رائے کہیں پر بھی نہیں؟ اوہ گاڈ۔" مہروز ماتھا سیدھے ہاتھ کے پیالے میں گراتے ہوئے چہرے کا رخ موڑ گئی تھی "مجھے تو فیصلے کا اختیار دیا ہی نہیں اس نے۔" مہروز نے خود کلامی کی تھی جسے پریتی نے بآسانی سن لیا تھا۔

اگر اذہان اسے چاہتا تھا تو مہروز بھی تو دل ہی دل میں اسے چاہنے لگی تھی پھر اسے کیوں لگا کہ وہ آدم کا ساتھ قبول کر لے گی؟

وہ شروع سے کلئیر تھی۔وہ دو کشتیوں کی سوار نہیں تھی۔اگر اب وہ کسی کا بھی ساتھ قبول کرے گی تو وہ صرف اذہان ہو گا۔

❀❀❀

وہ کب سے جائے نماز پر بیٹھی ہوئی خالی الذہنی کے عالم میں جائے نماز پر بنے نقش و نگار پر انگلی پھیر رہی تھی۔اسے ہمیشہ ایک ہی چیز سے ڈر لگتا تھا 'یک طرفہ محبت۔' اگر اسے کسی سے یک طرفہ محبت ہو گئی تو۔۔۔؟یک طرفہ محبت جان لیوا ہوتی ہے۔نا بتا پاتے ہیں نا ہی بھلا پاتے ہیں۔ایک اذیت، کانٹا جو ساری زندگی چبھتا رہتا ہے۔یک طرفہ محبت کی اذیت میں رد کیے جانا بھی شامل ہے۔سامنے والا کہے میں نے تو کبھی محبت کے وعدے نہیں کیے تم سے پھر تم کیوں مر مٹی مجھ پر؟اس سوال کا تو کوئی جواب ہی نہیں۔۔اگر چاہے جانے والا بچھڑ جائے تو اس کی ملنے کی آس رہتی ہے اور آس تو انسان کو مارتی بھی ہے اور زندہ بھی رکھے ہوئے ہوتی ہے۔

اس کی آنکھ سے آنسو ٹوٹ کر اس کے ہاتھ کی پشت پر گر گیا تھا۔اسے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔اسے جرمنی نہیں آنا چاہیے تھا وہ جب سے یہاں آئی تھی نہ خود سکون میں تھی نا ہی گھر والے سکون میں تھے۔وہ قرض کا ایک سلسلہ اپنے باپ کے سر چھوڑ آئی تھی۔جب

یہاں آئی تھی تو غموں سے دور، صرف پڑھنے کی غرض سے آئی ہوئی مہروز تھی اور جب جا رہی تھی تو بہت سے پچھتاوے اپنے ساتھ لے کر جا رہی تھی اور سب سے بڑا پچھتاوا اذہان سے ملنا تھا۔ وہ اعتراف کر رہی تھی کہ اسے یک طرفہ محبت ہو گئی تھی۔ وہ سینے کے مقام کو مسلتے ہوئے ہونٹ آپس میں پیوست کیے بے آواز رو رہی تھی کہ فون کی گھنٹی پر چونک گئی تھی۔ گیلی ہوتی آنکھوں کے ساتھ اس نے حسیب کا نمبر دیکھا تھا۔ وہ ویڈیو کال کاٹ کر وائس کال کر چکی تھی۔ وہ سرخ متورم آنکھوں کے ساتھ اپنے گھر والوں سے بات نہیں کر سکتی تھی۔ وہ بھانپ جاتے کہ مہروز روئی ہے۔

"کیسی ہو مہروز جان؟" بے بے کی خوشگوار آواز سنتے ہی مہروز کے بے قرار دل کو قرار آیا تھا۔

"بے بے میں ٹھیک ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ جرار سے تو انتظار نہیں ہو رہا پرسوں کا۔ تم زرا آ کر اپنا کمرہ دیکھنا جرار نے خود سجایا ہے۔ اس کی صحت بھی آ کر دیکھنا صرف تمہارے آنے کی خبر سے ہی اس کا وزن دو کلو بڑھ گیا ہے۔" بے بے قہقہہ لگا بیٹھی تھی۔

مہروز ہونٹ چباتی اپنے آپ پر قابو رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے بلاوجہ رونا آ رہا تھا۔

Clubb of Quality Content

"اچھا فرح آرہی ہے کہ نہیں؟"

"نہیں۔ بہت منایا پر وہ بھی خان بابا کی بہن ہیں۔ نہیں مان رہی۔" مہروز نے اپنی آواز کو قدرے نارمل بنانے کی کوشش کی۔

"اچھا ذرا اس کو فون دو۔ دیکھتی ہوں کیسے نہیں آتی۔"

مہروز سر سے لپٹے ڈوپٹے کا کونہ ناک پر ڈالتے ہوئے اٹھی تھی۔

لاؤنج میں رکھے صوفے پر بیٹھی فرح آنکھوں پر عینک لگائے اپنے لکھے گئے ریسرچ آرٹیکل کو غور سے پڑھ رہی تھی جب مہروز نے 'بے بے کا فون ہے' کہہ کر اسے فون تھمایا تھا۔

"مورے کیسی ہیں آپ؟" فرح نے گود سے لیپ ٹاپ ہٹا کر میز پر رکھا تھا۔

"بالکل ٹھیک نہیں ہوں۔" سلیمان جان نے آواز کو حتی الامکان بیمار ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی۔

"کیا مطلب؟" فرح جو صوفے سے ٹیک لگانے والی تھی یک دم سیدھی ہو بیٹھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میرا اشو گر بڑا ہائی ہو گیا ہے۔اسپتال میں رہ کر آئی ہوں کئی دن۔نا یا سمین کچھ بتاتی ہے نا ہی جرار۔چوری چھپے دونوں میاں بیوی کچھ کہتے رہتے ہیں۔ جرار تو زیادہ ہی پریشان ہے،اسے کئی بار چھپ چھپ کر روتے دیکھا ہے۔دونوں میاں بیوی نے تہیہ کرر کھا ہے کہ مجھے کچھ نہیں بتانا۔شاید میں مرنے والی ہوں۔"بے بے کی آواز بھرا گئی تھی۔

"اللہ نا کرے۔آپ یا سمین بھابھی سے بات کرائے میری۔"

"نہیں ہے وہ۔میری رپورٹس لے کر گئے ہیں دونوں میاں بیوی۔کئی دنوں پہلے اپنی مری ماں کو خواب میں دیکھا تھا۔میں نہیں بچنے والی۔اپنی مرنے کے قریب ماں کے جنازے پر بھی نہیں آؤ گی؟" بالآخر سلیمان جان سسکی لے بیٹھیں۔

فرح کے دل پر جیسے گھونسا پڑا تھا۔

"مورے۔"فرح نے تڑپ کر انہیں پکارا تھا۔

"اچھا نہیں آنا نا میری زندگی میں تو جب مر جاؤں پھر ضرور آنا اور میری میت کے پاس بیٹھ کر کہنا،مورے میں آخری دفعہ دیکھنے آگئی ہوں۔"مورے کا ضبط ٹوٹ گیا تھا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"مورے میں آجاتی ہوں پر میں ہوٹل میں رکو گی۔" فرح فوراً ہار مان بیٹھی تھی۔

چند ایک رسمی باتوں کے بعد فون بند ہو گیا تھا۔

"دیکھا ایسے بلاتے ہیں ناراض بچوں کو۔" سلیمان جان نے فون حسیب کو پکڑا کر یاسمین کو ایسے دیکھا تھا جیسے پوچھ رہی ہو پھر کیسی رہی میری ایکٹنگ؟

حسیب منہ کھولے ہکا بکا سلیمان جان کو دیکھ رہا تھا۔ یہ ایکٹنگ میں کیوں نہیں گئی؟

"یہ ایکٹنگ کلاسز کب سے شروع کرینگی آپ؟"

سلیمان جان نے ڈوپٹے سے آنسو پونچھتے ہوئے رک کر حسیب کو دیکھا تھا اور پھر اس کی شرارت سمجھتے ہوئے پیروں کے پاس رکھے جوتے کو اٹھانے لگیں۔

مہروز جائے نماز تہہ کر کے الماری میں رکھ کر پلٹی تھی۔ وہ سر سے ڈوپٹہ اتار کر بیڈ پر پھینکتی واش روم کی طرف بڑھنے لگی تھی کہ کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ فرح دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے اسے دیکھ رہی تھی۔ ان کے کندھے تک آتے براؤن بال ڈھیلی سی پونی میں

بندھے ہوئے تھے۔انہوں نے آگے بڑھ کر مہروز کی کلائی تھامی تھی اور اسے اپنے ساتھ بیڈ پر بٹھایا تھا۔

"کیا ہوا؟ناک کیوں سرخ ہے؟"انہوں نے نرم لہجے میں استفسار کیا تھا۔

"ایسے ہی۔الرجی کی وجہ سے۔"مہروز نے جواب اپنے گھٹنوں کو دیکھتے ہوئے دیا تھا۔

"بے بے تو بتا رہی تھی تمہیں کوئی الرجی نہیں ہے۔"فرح نے اس سے سچ اگلوانے کے لیے جھوٹ بولا تھا۔

"یہاں ہو گئی ہے۔"مہروز اپنے دائیں ہاتھ کی پشت پر ابھرے تلوں کو دیکھ رہی تھی۔

"الرجی میں آنکھیں بھی سرخ ہو جاتی ہیں اور ہونٹ بھی؟آواز بھی بھاری سی ہو جاتی ہے؟بیوقوف کسے بنا رہی ہو؟صاف بتاؤ مجھے۔"

مہروز یک دم فرح سے لپٹ کر بلند آواز کے ساتھ رونے لگی تھی۔فرح بھونچکا بیٹھی اس کے بین سن رہی تھی۔وہ جیسے اندر کا طوفان باہر نکال رہی تھی اور فرح اسے نکالنے دے رہی تھی۔کتنی دیر وہ یونہی فرح سے لپٹی رہی۔اس کے آنسوؤں میں اب کچھ کمی آگئی تھی۔

"ایسے نہیں روتے۔ جو آپ سے پیار کرتا ہے اس کی سانسیں بھی بند ہو سکتی ہیں۔ کیا ہوا ہے؟" فرح نے اس کے کندھے کے گرد ہاتھ پھیلاتے ہوئے اسے نرمی سے پچکارا تھا۔

"مجھ سے غلطی ہو گئی ہے بس۔ مجھے اب سکون نہیں ہے۔ میں بے سکون ہو گئی ہوں۔"

"ہر غلطی کا کوئی نا کوئی مداوا ہوتا ہے۔ دل چھوٹا نا کرو۔"

"پیار کرنے کا کوئی مداوا ہے؟ جو بچھڑ جائے انہیں واپس لانے کا کوئی مداوا ہے؟"

فرح نے حیرت سے مہروز کے کالے بالوں کو دیکھا تھا۔

"کون؟ کس سے ہوا تمہیں پیار؟"

"میں خود بھی اسے اتنا نہیں جانتی۔ مگر اب سب جان گئی ہوں اور اب وہ کہیں نہیں ہے۔"

"کرسچن تو نہیں ہے نا؟"

"نہیں۔"

"بس ٹھیک ہے مسلمان ہے پھر تمہارے گھر والوں کو منا لونگی میں۔" فرح نے پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیری تھی۔

"میں شادی کی بات نہیں کر رہی۔" مہروز آہستہ سے ان سے الگ ہوئی تھی۔

"پھر؟"

مہروز دونوں ہاتھوں کی پشت سے آنکھیں رگڑ کر فرح کو دیکھنے لگی۔ وہ آہستہ آہستہ انہیں پچھلے سال سے لے کر اب تک کے واقعات بتاتی رہی اور فرح ٹانگ پر ٹانگ رکھے اسے سنتی رہی۔

مہروز ناک سے بھاری سانس لیتے ہوئے خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ فرح اپنی انگلیوں سے کھیلتے ہوئے کچھ سوچ رہی تھی۔ کمرے میں نامحسوس سی خاموشی کا راج تھا۔

"پہلے مجھے لگتا تھا کہ مجھے یک طرفہ محبت نہیں ہونی چاہیے کیونکہ مجھے برص ہے اور شاید سامنے والا اسی بات پر مجھے ریجیکٹ کر دیگا، مجھے دکھ ہوگا۔ ریجیکٹ ہونا میرا سب سے بڑا fear ہے۔ پر اب سمجھ آئی ہے کہ ایسی یک طرفہ محبت بھی تو دکھ دیتی ہے۔ اس نے مجھ سے کچھ بھی نہیں کہا اور اپنا تصور میری زندگی میں ثبت کر کے کہیں چلا گیا ہے۔ بہت تکلیف ہوتی ہے پھوپھو جب آپ نے ساری زندگی دل میں کسی کو جگہ نہیں دی ہوتی اور جب کسی کو

وہ جگہ دے دی جاتی ہے تو وہ بچھڑ جاتا ہے۔ میرا دل بند ہوتا ہے جب میں سوچتی ہوں کہ وہ مجھے اگر کبھی نا ملا تو۔۔۔؟"

فرح سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن کھینچتے ہوئے تکلیف سے دوچار تھی۔ مہروز اسے کئی سال پیچھے لے گئی تھی جب اس کی ٹورنٹو میں شہزاد سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ویسی ہی چمک در آئی تھی جیسے فرح کو دیکھ لینے کے بعد اس کی آنکھیں چمکا کرتی تھیں۔

"ہماری سیپریشن ہو گئی۔"

"اوہ۔" فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے فرح بس اتنا ہی کہہ سکی۔

ٹھنڈی یخ ہوا شہزاد کا کوٹ اڑا رہی تھی۔

"میں انصاف نہیں کر سکا اسی لیے اس سے معذرت کر لی۔ میں اس کا گناہگار ہوں جو اس کو اس کا جائز مقام نہیں دے سکا۔" اس کے لہجے میں تکلیف تھی "یک طرفہ محبت نے مجھے بہت اذیت دی ہے۔ جب دل میں کسی کو جگہ نا دی ہو، سوچا ہو کسی اسپیشل شخص کو ہی وہ جگہ ملے گی۔ وہ اسپیشل شخص خود بہ خود بن بلائے مہمان کی طرح دل میں آ جاتا ہے۔ مگر وہ بچھڑ جاتا ہے، وہ کچھ سمجھنا، سننا ہی نہ چاہتا ہو۔ بہت اذیت ہوتی ہے پھر۔ دل بند ہو جاتا ہے۔"

شہزاد جیسے سامنے ہی ٹیبل کے پاس کھڑا سینے پر ہاتھ باندھے اسے مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔اس سے پوچھ رہا تھا اب کیسا لگ رہا ہے کسی اپنے کو اسی اذیت میں جلتے ہوئے دیکھنا جس میں تم نے مجھے رکھا؟فرح خوفزدہ سی بیٹھی شہزاد کے خیالی چہرے کو دیکھ رہی تھی۔کارما۔۔۔اس کے ساتھ کارما ہی تو ہوا تھا۔

❀❀❀

فرینکفرٹ کا آسمان پھولا پھولا سا تھا۔ہر چیز بھیگی بھیگی سی لگ رہی تھی۔

مہروز بالوں کا جوڑا بنائے،ہلکے آسمانی رنگ کے فراک پر ڈوپٹہ پھیلائے ائیر پورٹ کے پسینجر ایریا میں بیٹھی ہوئی تھی۔فرح ضروری کال اٹینڈ کرنے کے لیے دور ستون کے پاس کھڑی تھی۔مہروز کے ارد گرد بیٹھے مسافر آپس میں محو گفتگو تھے تو کچھ موبائل استعمال کرنے میں مصروف تھے۔مہروز گھٹنے ملائے کسی اسٹیچو کی طرح بیٹھی ہوئی تھی۔اس نے خود کو اپنے گھر والوں کے لیے مضبوط بنا کر رکھا ہوا تھا۔

کوئی آہستہ سے اس کے برابر سیٹ پر بیٹھا تھا۔اس کے براؤن بال چھوٹی سی پونی میں بندھے ہوئے تھے۔اس نے بلیو جینز کے ساتھ ٹرٹل نیک شرٹ پہنی ہوئی تھی۔مہروز نے آہستہ

سے گردن بائیں طرف موڑی تھی۔اس کی کالی آنکھیں شہد رنگ آنکھوں سے ٹکرائیں تھیں اور وہ آج ان آنکھوں کو پڑھ پائی تھی۔ان جذبوں کو بھانپ گئی تھی جو اسے پہلے اسے کبھی نظر نہیں آئے تھے۔

"آئی ایم سوری۔" آدم نے آہستہ آواز میں اپنی خجالت کا اظہار کیا تھا۔

"کوئی بات نہیں۔" مہروز کے لہجے میں کوئی غصہ نہیں تھا" پریتی سب بتا چکی ہے مجھے۔ مجھے تم پر کوئی غصہ نہیں ہے نا ہی کوئی گلہ ہے۔ کبھی کبھار دل پر اختیار نہیں رہتا، آدم۔"

آدم نے شاید پہلی بار اس کے منہ سے اپنا نام سنا تھا۔اگر حالات مختلف ہوتے تو وہ اسے کہتا ایک بار پھر کہو۔ مگر یہ خواہش وہ دل میں ہی دبا گیا۔اس نے گہرا سانس لے کر اس کے چہرے سے نگاہیں ہٹالی تھیں۔

"تم جب پاکستان سے آجاؤ گی تو مجھے اپنے قریب نہیں پاؤ گی۔"

"کیوں؟"

"تم زچ ہوتی ہو نا مجھ سے۔" وہ ایئرپورٹ کے ٹائلز دیکھتے ہوئے آہستہ آواز میں کہہ رہا تھا۔

"ہوتی تھی۔ مجھے تم، پریتی اور اذہان اپنی زندگی میں چاہیے ہو۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

آدم نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔

"مخلص دوست کسی کسی کو ملتے ہیں۔"

"تو ہم دوست ہیں!" آدم نے پست آواز میں اس سے پوچھا تھا یا شاید خود سے پوچھا تھا۔

"ہم دوست ہیں۔" مہروز نے بھی آہستہ آواز میں کہا تھا۔

آدم نے سر ہلاتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔

"دوستی میرے نزدیک خوبصورت رشتہ ہے۔ equality برابری پر مبنی رشتہ۔ ورنہ ہر رشتے میں ہم ایک دوسرے کو احساس دلاتے ہیں کہ میں رشتے میں تم سے بڑا ہوں پر دوستی میں آپ کبھی یہ نہیں کہتے کہ میں دوستی میں تم سے بڑا ہوں۔ دوستی ایک دوسرے سے اسٹیٹس یا حسن کی بنیاد پر نہیں ہوتی بس compatibility کی بنیاد پر پھلتی پھولتی ہے۔ دوستی کے کوئی حقوق کوئی said rules نہیں ہیں جیسے میاں بیوی کے حقوق ہوتے ہیں یا والدین کے۔ اسی لیے دوستی پسند ہے مجھے۔" مہروز گود میں رکھے موبائل اسکرین پر انگلیاں پھیرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

آدم کی آنکھوں میں نمی تیر گئی تھی۔ اس نے مسکرا کر سر کو خم کیا تھا۔

"اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔" مہروز نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

وہ آہستہ سے اٹھا تھا اور مڑ کر ایگزٹ کی طرف بڑھنے لگا۔ مہروز گردن موڑے اسے دیکھتی رہی۔

❀❀❀

جرار جیسے ایک منٹ بھی اپنی بیٹی کو اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بے بے اور یاسمین تو بس کچن اور پھر اس کے پاس بیٹھ کر اس کی صحت ڈسکس کرتے رہتے تھے۔

اس کے کمرے میں وال پیپر لگ چکا تھا۔ چھوٹے چھوٹے قمقمے اس کے بیڈ کراؤن سے لپیٹ دیے گئے تھے جو رات کو جلتے تو ننھے ستارے لگتے تھے۔

"کیسا لگا کمرہ؟" جرار فخریہ سینہ چوڑا کیے اسے دیکھ رہے تھے۔

"بہت اعلیٰ۔" آنکھوں میں آئی نمی کو چھپانے کے لیے وہ کھڑکیوں پر لگے سلک کے پردوں کے پاس چلی آئی تھی۔ وہ یہ سب جرمنی میں مس کرتی رہی تھی اور اب وہاں سے بھی بہت سی یادیں ساتھ لے آئی تھی جو روزانہ اسے تنگ کرتی تھیں۔

رات کا وقت ہوتے ہی جرار اس کا لیپ ٹاپ لیے اس کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئے تھے۔

"دیکھو کب سے کوئی فلم نہیں دیکھی۔ دیکھو کونسی نئی فلمیں آئی ہیں۔ حسیب کسی خوفناک فلم کا کہہ رہا تھا 'ایول' یا پتا نہیں ڈیڈ۔" وہ تھوڑی پر انگلی رکھے نام یاد کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"ایول ڈیڈ رائز۔ بہت خوفناک ہے خان بابا۔" مہروز لیپ ٹاپ آن کرتے ہوئے ہنس دی تھی۔

"پھر تو اور مزہ آئے گا۔ میں نئے قسم کے پاپڑ لایا ہوں۔ لائٹ آف کرتے ہیں اور پھر دیکھتے ہیں۔ جس کے منہ سے پہلے چیخ نکلے گی وہ کل ڈنر باہر کروائے گا۔ میں ذرا پاپڑ لے آؤں۔" جرار قمیض درست کرتے ہوئے بیڈ سے پاؤں اتار چکے تھے۔

"بابا۔" مہروز نے ہنستے ہوئے سر ہلایا تھا۔

وہ یہاں آکر بہت بہتر محسوس کر رہی تھی۔ مکمل Healed تو نہیں پر کچھ دل کو سکون مل گیا تھا۔

اس کے آنے کے ایک ہفتے بعد ہی فرح لاہور آچکی تھی۔بے بے کا چہرہ خوشی سے سرخ تھا۔وہ بے تاب نظر آتی تھی پر جرار کے سامنے اپنی بے تابی چھپا لیتی تھی۔

"کتنا کہا ہے آجاؤ گھر، نہیں آرہی۔" جرار کی غیر موجودگی میں سلیمان جان مٹر چھیلتے ہوئے یاسمین سے باتیں کر رہیں تھی۔

"میں نے کہا جب جرار نہ ہو تب ہی آجاؤ۔پھر بھی دیکھو نہیں مانی۔" سلیمان جان نے کہتے ہوئے منہ میں مٹر کا دانہ ڈالا تھا۔

مہروز حسیب کے گھر کے لان میں بیٹھی مائدہ کا بیٹا گود میں بٹھائے اس کے ساتھ کھیل رہی تھی۔وہ پھولے گالوں والا بچہ مہروز کے لمبے بالوں سے کھیلتا خوش نظر آرہا تھا۔اس کی طرف میز پر گرم بھاپ اڑاتے چائے کا کپ رکھ دیے جانے پر مہروز نے سر اٹھایا تھا۔مائدہ اپنا چائے کا کپ لیے میز کے دوسری طرف رکھی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"کیسی چل رہی ہے زندگی؟" مہروز نے مائدہ کے بیٹے کو گود سے اتارتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

"مطمئن، پر سکون۔" مائدہ نے مسکرا کر چسکی لی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اور اب شوہر کا رویہ کیسا ہے؟"

"مجھے پرواہ نہیں ہے اب۔" مائدہ نے عام سے لہجے میں کہتے ہوئے چائے کے کپ پر انگلی پھیرنی شروع کی۔

"یہ بھی مشکل کام ہے۔ شوہر کو اگنور کرنا۔" مہروز نے کہتے ہوئے اپنا چائے کا کپ اٹھایا تھا۔

"خود کو مصروف کر لینا ذہن کے لیے اچھا ہوتا ہے۔ ساری بیماریوں کی جڑ یہ دماغ ہے۔" اس نے اپنی شہادت کی انگلی اپنے ماتھے پر رکھی تھی "ڈپریشن بھی یہی سے شروع ہوتی ہے۔ جب تک ذہن مصروف نہیں ہوگا تب تک سکون نہیں ملے گا۔ میں نے بھی خود کو مصروف کر لیا۔ جب تک گھر بیٹھی رہی بس میں یہی سوچتی رہی کہ وہ مجھ پر توجہ کیوں نہیں دیتا؟ اس تقریب میں سب بیویاں اپنے شوہروں کے ساتھ آئی ہیں تو میں کیوں اکیلی ہوں؟ میں نے تمہارے مشورے پر عمل کیا۔ اپنے اس اسکل پر کام کیا جس کو مزید پالش کرنے سے مجھے کوئی کام مل سکتا تھا۔ میں یہ چھوٹی سی جونیئر ایڈیٹر کی جاب کرتے ہوئے خوش ہوں۔ تنخواہ بہت نہیں ہے پر کم از کم میرا دماغ کسی کام میں لگا رہتا ہے۔ ہاں اب بھی میرے دل میں یہ خواہش ہے کہ وہ مجھے قت دے پر اب پہلے کی طرح میں روتی نہیں ہوں۔

جب میں نے compromise کرنا ہی ہے تو رو دھو کر کیوں کروں؟ ہمارے معاشرے میں طلاق لے کر گھر بیٹھ جانا بہت مشکل ہے وہ بھی جب ایک بیٹے کا ساتھ ہو۔ طلاق لو تو بھی زندگی مشکل نا لو تب بھی۔ معاشرہ ویسے بھی انسان کو کسی حالت میں خوش نہیں رہنے دیتا۔ پھر میرے پاس کامپرومائز کا راستہ ہی بچا۔"

مہروز اسے یک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔ وہ پہلے سے بہت مضبوط اور مطمئن لگ رہی تھی۔ اگر وہ حالات کے ساتھ سمجھوتا کر کے مطمئن رہ سکتی ہے تو پھر میں کیوں نہیں؟

مہروز کے اندر جیسے ایک نئی مہروز نے جنم لیا تھا۔ حالات کے ساتھ مقابلہ کرنے والی مہروز نے۔

Clubb of Quality Content!

اس ریسٹورنٹ کے عقب میں بادشاہی مسجد نظر آ رہا تھا۔ اوپن ایئر ریسٹورنٹ کی کھلی فضا میں بے بے، یاسمین، جرار اور مہروز بیٹھے ہلکی پھلکی گپ شپ میں مصروف تھے۔ کالے آسمان تلے بہت سے لوگ بیٹھے کھانا تناول کر رہے تھے۔

مہروز تھوڑی تھوڑی دیر بعد اپنا فون چیک کرتی تھی اور پھر بے بے کو آنکھوں میں ہی اشارہ کرتی تھی کہ ابھی ان کے آنے میں ٹائم ہے۔ وہ اپنے گود میں رکھے ڈوپٹے سے نکلے موتیوں سے کھیلتے ہوئے ان کی باتیں سن رہی تھی پر دل و دماغ کہیں اور تھا کہ یک دم گود میں پڑا اس کا فون تھر تھرایا تھا۔ مہروز، بے بے کو دیکھ کر سر ہلاتی اٹھ گئی تھی۔ وہ تیز تیز چلتے ہوئے، میزوں کے بیچ سے نکلتے ہوئے سیڑھیوں تک پہنچی تھی جہاں سے سیڑھیاں چڑھتی فرح دکھائی دی۔ اس نے براؤن بال اونچی سی پونی میں باندھ رکھے تھے۔ بلیک کرتا شلوار اور سفید ڈوپٹہ کندھوں پر لیے وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔

"ریسٹورنٹ میں کیوں بلایا مجھے؟ اپارٹمنٹ آنے کا کہا تو وہ بھی مورے ضد کرنے لگی۔ ویسے جگہ اچھی ہے۔" فرح ادھر ادھر نظر دوڑاتے مہروز کے ہمراہ آگے بڑھنے لگی۔

"اللہ کرے آگے بھی سب اچھا لگے۔" مہروز بڑبڑائی تھی۔

مہروز موبائل فون کا کور نوچتے ہوئے اضطراب کا شکار لگ رہی تھی۔

وہ جوں جوں اپنی میز کے نزدیک جا رہے تھے مہروز کا دل دھڑک رہا تھا۔ جرار اس کی طرف پشت کیے بیٹھے تھے جب کہ سلیمان جان فرح کو ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھ رہی تھیں۔ یاسمین کانپتے ہاتھوں کے ساتھ بیٹھی فرح کو دیکھ رہی تھی جس پر بڑھاپا بھی حسین آیا تھا۔

"السلام علیکم مورے۔" فرح پرجوش انداز میں کہتی سلیمان جان کی طرف بانہیں پھیلائیں کھڑی تھی۔

جرار جیسے سن ہو گئے تھے۔ وہ اس آواز کو کب بھولے تھے؟ وہ ان کی لاڈلی اور ضدی بہن کی آواز تھی جس نے ایک زمانے میں ان کا دل بہت دکھایا تھا۔ ان کے ہونٹ کپکپانا شروع ہو گئے تھے۔ فرح بے بسے گلے لگے ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ مہروز انگلیاں چٹخاتی جرار کے بالوں میں نکلے گرے ہیئر کو دیکھتے ہوئے اندازہ لگا پا رہی تھی کہ وہ اس وقت کس اذیت سے گزر رہے ہوں گے۔ جب وہ جرار کو سوچتی تھی تو ان کی تکلیف اور فکر اپنی جگہ بجا تھی۔ وہ اپنے گھر والوں کو پروٹیکٹ کرنا چاہتے تھے اور قرض جیسے جال میں پھنس گئے تھے لیکن جب فرح کو دیکھتی تھی تو غلط وہ بھی نہیں لگتی تھی۔ ایسے لوگوں کی نیچر ہوتی ہے وہ غلط کو غلط ہی کہیں گے اور غلط کو غلط کہنے والے کو یہ معاشرہ پسند نہیں کرتا۔

بے بے انہیں ماتھے پر چومتے ہوئے اپنے پاس بیٹھانا چاہتی تھی۔فرح ایک پل کے لیے ساکت ہو گئی تھی۔اس کی نظر یک دم جرار پر پڑی تھی اور ان کی پشت دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا تھا۔اس نے گلہ آمیز نظروں سے مہروز کو دیکھا تھا جو اس وقت اسے دیکھ بھی نہیں پا رہی تھی۔

اسے اندازہ ہوتا کہ یہاں جرار بھی موجود ہوگا تو وہ کبھی نا آتی۔اس کے اندر سوئی ہوئی انا ایک دم بیدار ہوئی تھی۔

یاسمین جرار کے اسپاٹ چہرے پر ایک نظر ڈال کر اپنی کرسی سے اٹھی تھی۔فرح آہستہ سے آگے بڑھی تھی اور یاسمین سے گلے مل کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔

فرح آنکھوں کے کونے صاف کرتے ہوئے بے بے کے بائیں طرف رکھی کرسی پر بیٹھ گئی تھی کچھ اس طرح کہ جرار اور فرح کے بیچ بے بے بیٹھی ہوئی تھی۔بے بے خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی کہ آج اس کھانے کی میز پر ان کی پوری فیملی جمع تھی۔ان کے ہر جملے کی شروعات اور اختتام الحمدللہ سے ہو رہا تھا۔

Clubb of Quality Content

مہروز نے آہستہ سے اپنے باپ کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔وہ اندر ہی اندر گھبراہٹ کا شکار تھی کہ جرار اس سے بہت محبت کرتے تھے پر کہیں نا کہیں وہ بھی روایات سے جڑے ہوئے شخص تھے۔نجانے گھر پر ان کا ری ایکشن کیسا ہو گا؟ پر برف توڑنے کے لیے پہلی ضرب تو لگانی پڑتی ہے۔

کھانے کے دوران صرف بے بے، یاسمین اور مہروز ہی گفتگو کرتے تھے۔فرح نہایت مختصر جوابات دے رہی تھی۔جرار سر جھکائے اپنا کھانا ختم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"گھر چلو۔"بے بے نے فرح کا ہاتھ پکڑ کر ایک بار پھر اصرار کیا تھا۔

"مورے کچھ ضروری کام ہیں، آج نہیں۔"وہ نظریں جھکائے انکار کر رہی تھی۔جانتی تھی ماں کی آنکھوں میں دیکھ لیا تھا تو انکار ناممکن ہو جائے گا۔

"بہانے ہیں سارے۔"بے بے کا گلہ رندھ گیا تھا۔

فرح نے گہرا سانس بھر کر دور ریلنگ کے پاس کھڑے جرار کو دیکھا تھا۔دونوں بہن بھائیوں نے براہ راست کوئی بات نہیں کی تھی۔وہ کہیں نا کہیں چاہتی تھی کہ جرار اسے روک لے۔یہ ایک بہن کا اپنے بھائی پر مان تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"وعدہ۔ لالہ گھر نہیں ہونگے تو آجاؤ گی۔" وہ ماں کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے اٹھی تھی۔

گھر میں کسی نے کسی سے کچھ نہیں کہا تھا۔ جرار خاموشی سے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ یاسمین اکیلے میں ان کا سامنا کرنے سے گھبرا رہی تھی۔

"بے بے آج آپ کے ساتھ نا سو جاؤ؟" یاسمین بالوں کی چٹیاں باندھتے ہوئے سلیمان جان کے کمرے میں گئی تھی۔

"سو جاؤ۔۔۔ گئی ہے مہروز جرار سے بات کرنے۔ جرار اس کی بات نہیں ٹالتا۔" بے بے ٹانگ پر ٹانگ رکھے مطمئن بیٹھی ہوئی تھی۔

مہروز ڈوپٹہ اچھے سے سر کے گرد پھیلاتے ہوئے دروازے پر دستک دے کر دروازہ کھول چکی تھی۔ کمرے کی لائٹس آف تھیں۔ مہروز نے آگے بڑھ کر کمرے کی لائٹس آن کر دی تھی۔

جرار آنکھوں پر ہاتھ رکھے لیٹے ہوئے تھے۔ کمرے میں روشنی ہونے پر بھی وہ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

مہروز نے آہستہ سے دروازہ بند کیا تھا اور جرار کے پاؤں کے پاس بیٹھ کر نرمی سے ان کے پاؤں کے تلوے دبانے لگی۔

"مجھے پاؤں دبانا نہیں پسند۔ جاؤ آرام کرو۔" انہوں نے خشک لہجے میں کہتے ہوئے پاؤں آہستہ سے مہروز سے دور کر دیے تھے۔

"آپ کو پتا ہے مجھے مورے سے زیادہ آپ سے محبت ہے۔" مہروز نے لاڈ سے کہتے ہوئے بیڈ شیٹ پر انگلیاں پھیری تھی۔

"جاؤ سو جاؤ۔" جرار نے فوراً پہلو بدلا تھا۔

"خان بابا یہ قطع تعلقی ختم کر دے۔ اللہ کو قطع تعلقی نہیں پسند۔ یاد ہے آپ نے سمجھایا تھا مجھے؟"

جرار دوسری طرف رخ کیے آنکھوں پر ہاتھ رکھے لیٹے رہے۔

"جب ماں باپ بچوں کو اچھی بات سکھائے اور خود اس پر عمل نا کرے یعنی پریکٹیکلی عمل نہ کرے تو کیا بچے اس اچھی بات پر عمل کر سکے گے؟ خان بابا اچھی بات، اچھے اقوال، احادیث صرف سنانی نہیں ہوتی، ان پر عمل بھی کیا جاتا ہے۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

جرار دم بخود اسے سن رہے تھے جس کو انچ بائی انچ بڑے ہوتے دیکھا تھا وہ آج اسے کیا باور کرا رہی تھی؟

ان کی آنکھ سے آنسو پھسل کر ناک کی ہڈی تک چلا گیا تھا پر وہ خاموش رہے۔

"خان بابا جب میں لائبریری میں یرغمال بنائی گئی تھی تو آپ کو تکلیف ہوئی تھی نا؟ اگر میں کبھی واپس ہی نا آتی، وہی مر جاتی۔۔۔ تو؟"

"کیا فضول باتیں کر رہی ہو؟" جرار نے جھنجلاتے ہوئے بغیر کروٹ لیے سر موڑ کر اسے دیکھا تھا۔

"یعنی تکلیف ہوئی تھی۔ اولاد ہوں نا آپ کی۔ تو بے بے کی حالت کا سوچ جو اتنے سالوں سے صرف آپ کی خاطر اولاد سے جدائی کا غم سہہ رہی ہیں۔ فرح پھوپھو کو دیکھے وہ کونسا سکھی رہی؟ ان کی زندگی بھی بہت تکلیف دہ تھی۔"

"اپنی وجہ سے تھی۔" جرار کے لہجے میں تلخی تھی۔ وہ واپس سر تکیے پر رکھ کر لیٹ گئے تھے۔

"نہیں بابا۔ آپ صرف ایک لمحے کے لیے اپنے آپ کو ان کی جگہ پر رکھ کر سوچے، وہ غلط نہیں تھیں۔ وہ بس اس روایت کو توڑنا چاہ رہیں تھی جو بلاوجہ انسان کی جان لے لیتا ہے۔ اگر

توڑ نہیں سکی تھی تو اس گھٹیا روایت کا حصہ نہیں بننا چاہتی تھی۔ کیا غیر انسانی طریقے سے کسی کی جان لے کر غیرت واپس آجاتی ہے؟ بلکہ انسانی جان غیرت سے غیر اہم ہے؟ ہم ان فضول روایات کو کب توڑے گے؟ خان بابا انہوں نے بتایا تھا کہ انہوں نے اس کپل کو بہت سمجھایا تھا۔ اس لڑکی کو بھگانے میں فرح پھوپھو ہر گز شامل نہیں تھی۔" وہ جیسے خود سے باتیں کر رہی تھی۔

جرار اسے کوئی جواب کوئی ری ایکشن نہیں دے رہے تھے۔ وہ جرار کی پشت دیکھتے ہوئے ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے کسی پہاڑ کو دیکھ رہی ہو۔ وہ ضرورت سے زیادہ سختی دیکھا رہے تھے۔

"آپ نے صرف غیروں کی وجہ سے اپنی بہن سے قطع تعلقی کرلی، وہ غیر جنہوں نے آپ پر قرض کا بوجھ ڈالا۔"

جرار آہستہ سے سیدھا لیٹ کر اسے دیکھنے لگے اور پھر کہنیوں کے بل بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے تھے۔ مہروزان کے چہرے کی تھکاوٹ دیکھ سکتی تھی۔

"تم مجھے بلیک میل کر رہی ہو۔"

"ہاں کر رہی ہوں۔" مہروز نے بغیر لگی لپٹی رکھے کہا۔

"مہروز، تم چھوٹی سی تھی اس وقت۔ تم جانتی ہو کیا شرط رکھی تھی اس لڑکی کے باپ نے؟"

"مجھے جاننا بھی نہیں ہے۔اہم یہ ہے کہ وہ ماضی میں ہوا تھا۔اہم یہ ہے کہ وہ اب ہم سے تعلق نہیں رکھتے اور ہم سے جس کا تعلق ہی نہیں آپ اس کا غصہ لیے بیٹھے ہیں۔بدنام تو ویسے بھی ہو ہی گئے تھے تو پھر فرح پھوپھو کو بھی معاف کر دیتے۔کونسا ان کی سائیڈ لینے پر سارے خاندان نے آپ سے ہاتھ ملا لیا۔"

"تم کچھ نہیں جانتی۔" جرار نے گہرا سانس لیا تھا۔ان کی آواز پست تھی۔

"میں بہت کچھ جان گئی ہوں۔" مہروز نے اپنے باپ کا کھردرہ سا ہاتھ اپنی ہتھیلیوں میں لیا تھا۔اس کے باپ کے ہاتھ محنت کش مزدور جیسے ہو گئے تھے۔

"آپ کو پتا ہے فرح پھوپھو تو کبھی آپ سے ناراض نہیں تھیں۔بس وہ ایک فون کال کی منتظر تھی۔یہ کہنے میں کتنا وقت لگتا ہے کہ گھر آ جاؤ۔دو لفظ ہیں یہ، بابا۔" مہروز نے سیدھے ہاتھ کی دو انگلیاں اٹھائی تھی۔

"اگر فرح واپس آ گئی تو سویا ہوا قصہ پھر سے زبان زد عام ہو گا۔" جرار جیسے ہار مان رہے تھے۔

"زبان زد عام ہونے سے کیا رزق میں کمی آئے گی یا سانسوں میں؟ فرح پھوپھو بہت کم وقت کے لیے یہاں آئی ہیں۔ وہ خود بھی یہاں نہیں رہنا چاہتی۔ بس میں اور بے بے یہ چاہتے ہیں کہ جتنا وقت وہ پاکستان میں گزارے وہ ہمارے ساتھ گزاریں۔ ان کا شادی نا کرنے کا فیصلہ سخت تھا لیکن مزید سختی آپ کی وجہ سے ہوئی۔ آپ ان کی فیملی ہیں، آپ کو انہیں تنہا نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔ مان جائے بابا، غلطی تو ہو گئی تھی۔"

جرار گہرا سانس خارج کرتے مہروز کو دیکھ رہے تھے جو ٹھہرے ہوئے لہجے میں انہیں مدلل انداز میں قائل کر رہی تھی۔ وہ ہلکا سا مسکرا دیے تھے۔ مہروز واقعی سمجھدار ہو گئی تھی۔

"اچھا اب کیا کروں میں؟"

"وہی جو ایک اچھے بھائی کو کرنا چاہیے۔ آپ نے اچھا شوہر اور اچھا باپ بن کر دکھایا۔ اب باری ہے کہ اچھا بھائی بن کر دکھائے۔"

جرار سر ہلا کر بیڈ کراؤن سے ٹیک ہٹا چکے تھے۔ انہوں نے مہروز کے چہروں کو دونوں ہاتھوں سے تھامتے ہوئے اس کے ماتھے کا بوسہ لیا تھا۔ مہروز کی آنکھیں خود بہ خود بھیگنے لگی تھی۔ بھلا ایسی پر خلوص محبت اسے کہیں اور مل سکتی ہے؟

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

❀❀❀

یہ اپارٹمنٹ پارک کے بالکل نزدیک تھا۔ صبح ہوتے ہی بچوں کی آوازوں نے فرح کو جگا دیا تھا۔ وہ نہا کر اب ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی بلو ڈرائر سے اپنے بال سکھا رہی تھیں۔ کچھ ہی دیر میں مہروز بے بے کے ساتھ ان سے ملنے آنے والی تھی۔

وہ گرین کھلے پانچوں والے ٹراؤزر زپر گرین کھلا سا کرتا پہنے ہوئے تھی۔ اپارٹمنٹ کی گھنٹی سنتے ہی فرح نے بلو ڈرائر آف کر دیا تھا اور بیڈ پر پڑا ڈوپٹہ کندھوں پر پھیلاتے ہوئے لاؤنج ایریا سے گزر کر دروازے تک گئی تھی۔ چہرے پر مسکراہٹ سجائے انہوں نے دروازہ کھولا تھا پر ان کی نگاہ بے بے اور مہروز کے پیچھے کھڑے جرار پر گئی تھی جو نظریں جھکائے کھڑے تھے۔ فرح جیسے برف کا مجسمہ بن گئی تھی۔ وہ بے یقینی سے جرار کو دیکھ رہی تھی جن کے بارے میں وہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ وہ اس سے ملنے آئے گا۔ وہ اسے باتیں تو سنا سکتے تھے مگر اسے معاف نہیں کر سکتے تھے۔

"اندر چلو۔ فلیٹ بھی تو دیکھیں ہم۔" بے بے آہستہ سے فرح کے کندھے پر دباؤ ڈالتے ہوئے اسے پیچھے ہٹا کر اندر داخل ہوئی تھی۔

فرح کی نگاہ مہروز کے ہاتھ پر گئی تھی۔ مہروز نے جرار کا بایاں ہاتھ ایسے پکڑا ہوا تھا جیسے کوئی ماں اپنے بچے کا ہاتھ تھامتی ہے۔

فرح بے جان قدموں کے ساتھ پلٹ کر بے بے کی طرف بڑھی تھی۔

اپارٹمنٹ کے لاؤنج میں نفیس صوفے اور آرام دہ قالین بچھا ہوا تھا۔ کھڑکیوں سے بلائنڈز ہٹے ہوئے تھے جس سے دھوپ خود بہ خود اپنا راستہ بنا رہی تھی۔

مہروز اور جرار ساتھ صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جرار نے اب بھی سر جھکایا ہوا تھا۔

"ناشتہ نہیں کیا ہم نے۔" بے بے فرح کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبائے بیٹھی ہوئی تھی" یاسمین گھر میں بنا رہی ہے۔ بھوک لگ رہی ہے ہم سب کو۔ مجھے تو شوگر بھی ہے۔"

"مورے آپ ناشتہ تو کر لیتی۔ یہ کیا حرکت کی آپ نے؟" فرح نے یک دم فکرمندی سے بے بے کا ہاتھ زور سے دبایا تھا۔

"تمہارے ساتھ کرینگے نا۔ یہاں بیٹھنے تھوڑی آئے ہیں۔ مہروز اس کا سامان زرا پیک کر لو۔"

"مورے۔" فرح نے شکایتی نظروں سے اپنی ماں کو دیکھا۔ وہ کیوں انجان بننے کی کوشش کر رہی تھیں؟

مہروز فرمانبرداری سے سر ہلاتی اٹھ گئی تھی۔

"میں نہیں جا رہی۔" فرح نے قطعیت سے کہا تھا۔

مہروز ان کی طرف مسکراہٹ اچھال کر ان سنی کرتے ہوئے ان کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

فرح مٹھیاں دبوچے اس کے پیچھے لپکی تھی۔

مہروز فرح کا وارڈروب کھولے کھڑی تھی جب اسے اپنے پیچھے دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔

"کیا کر رہی ہو یہ؟" مہروز نے فرح کو پہلی دفعہ طیش میں دیکھا تھا۔

"گھر جا رہے ہیں۔" مہروز نے سادگی سے کہتے ہوئے ہینگر میں ٹنگے تین سوٹ الماری سے نکالے تھے۔

"تم بچی ہو؟انجان ہو؟"فرح نے مہروز کے ہاتھ سے ہینگر چھینا تھا"نہیں جا رہی میں۔میں تمہاری بلیک میلنگ میں نہیں آؤ گی۔"

مہروز نے آنکھیں بند کر کے گہرا سانس لیا تھا۔

"مجھے اپنے خان بابا کی انا اور عزت بہت پیاری ہے۔جس کا سر جھکا ہوا ہے اس کا سر مزید جھکاتے ہوئے کیا بہت مزہ آتا ہے آپ کو؟کیا چاہتی ہیں وہ آپ کے قدموں میں بیٹھ جائیں؟"

"میں نے یہ نہیں کہا۔"فرح ماتھے پر بل ڈالے بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

"آپ دیکھ نہیں رہی وہ بھی چاہتے ہیں کہ آپ گھر آ جائے۔کل رات کھانے پر بھی خاموش رہے وہ۔کل رات تفصیلی بات ہوئی ہماری اور انہوں نے ایک بار نہیں کہا کہ فرح اس گھر میں نا آئے۔وہ اگر آپ کو گھر نا لانے چاہتے تو ابھی یہاں بیٹھے نا ہوتے۔وہ سر جھکائے اسی لیے بیٹھے ہیں کہ جیسے آپ کو ان سے جھجک محسوس ہو رہی ہے ویسے ہی وہ بھی آپ سے جھجک رہے ہیں۔اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں ان کے منہ سے کہلواؤ تو ٹھیک ہے میں انہیں بتا دیتی ہوں آپ کی شرط۔"مہروز سینے پر ہاتھ باندھے انہیں اچھا خاصہ گھیر چکی تھی۔

وہ بغیر جواب سنے بیڈ کے پاس سے گزرتے ہوئے کمرے کے دروازے تک پہنچی تھی کہ اسے اپنے پیچھے فرح کی پست آواز سنائی دی تھی۔

"میرے ساتھ پیکنگ میں ہیلپ کر دو۔"

گھر پر بس چراغے کی کمی رہ گئی تھی۔ چاروں خواتین اپنی محفل سجائے بیٹھک میں بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ ان چاروں خواتین کا تیسرا اکپ تھا۔

اگلی صبح بھی کچھ مختلف نہیں تھی۔ جرار بینک جا چکے تھے۔ چاروں خواتین بڑی بڑی چادریں لیے انار کلی بازار کی خاک چھان رہی تھیں۔ بے بے کچھ دیر بعد ہی تھک گئی تھی۔ یاسمین ان کا ہاتھ تھامے ایک پان شاپ کے سامنے رکھیں کرسیوں پر بیٹھ گئی تھیں جبکہ مہروز اور فرح باقی بازار میں پھرتی رہیں۔

رات کے وقت چاروں خواتین اپنی ٹانگیں پکڑے لاؤنج کے صوفوں پر ڈھیر تھیں۔ مہروز کے لیے اس وقت سے زیادہ حسین وقت اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا جب اس کی فیملی ایک ہو چکی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اپنے لیے مگ میں کافی پھینٹتے ہوئے فرح کچن میں اکیلے کھڑی تھی۔رات کے بارہ بج رہے تھے اور سب سو رہے تھے۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر فرح پلٹی تھی۔اس کے ہاتھ تھم گئے تھے۔جرار گیلا چہرہ لیے چھت کی طرف جاتی سیڑھیوں کی جانب گامزن تھے۔

گرم گرم کافی کا مگ لیے فرح سیڑھیاں چڑھتے چھت پر آگئی تھی۔یہ نیا علاقہ اور نیا گھر تھا۔وہ پچھلا گھر اور محلہ بہت یاد آیا تھا اسے۔دیواروں کی خراب پینٹس کو دیکھتے ہوئے فرح کا دل بے اختیار اداس ہوا تھا۔اس کے بھائی کا گھر ویسا نہیں تھا جیسا ہونا چاہیے تھا۔وہ اس عمر میں بھی اتنی ہی محنت کرتے تھے جتنا کہ ایک پچیس سال کا جوان کرتا ہے۔

فرح ٹانگ پر ٹانگ رکھے جرار کی پشت کی طرف رکھی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ہلکی ہلکی چلتی ہوا انہیں بھلی لگ رہی تھی۔

جرار اکثر چھت پر، کھلے آسمان تلے تہجد پڑھنے آتے تھے۔

وہ اب دائیں بائیں سر گھماتے سلام پڑھ رہے تھے۔

"آپ نے معاف نہیں کیا؟"

کھلے آسمان تلے فرح کی آواز نے اس خاموشی کو توڑا تھا۔

جرار چونکے ضرور تھے مگر گردن موڑ کر فرح کو دیکھا نہیں۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھے رہے۔

"میں تو آپ سے کبھی ناراض نہیں رہی۔" وہ پتا نہیں انہیں کیا جتا رہی تھی۔

"میں اچھی بہن نہیں تھی تو پھر آپ بھی اچھے بھائی نہیں تھے۔ Let's face each other کب تک آپ مجھے اور میں آپ کو اوائڈ کرینگے؟" فرح انہیں منانے میں پہل کر رہی تھی۔

جرار گھٹنوں کے بیچ دونوں ہاتھ باہم پھنسائے سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے سال وہ کیوں ناراض رہے؟ کیا حاصل ہوا؟ اور جب وہ حاصل پر غور کرتے تھے تو ذہن ماؤف ہو جاتا تھا۔ ان کے پاس ناراضی دیکھانے کی کوئی توجیح نہیں رہی تھی۔ وہ لاجواب تھے، وہ کیوں ناراض رہے اس سوال کا جواب کچھ تھا ہی نہیں اور یہی انسان کی حماقت ہوتی ہے۔ وہ بہت سے فیصلے لیتے وقت سوچتا نہیں ہے۔

"چلے یہ بھی کافی ہے کہ آپ نے اس گھر میں آنے دیا مجھے۔" فرح بالوں کی لٹ کو انگلی سے پیچھے کرتے ہوئے اٹھی تھی۔

"مجھے بھی معاف کر دو۔" فرح کو اپنے کانوں میں جرار کی بھیگی آواز سنائی دی۔

"اس لیے نہیں کہ مجھے میری غلطی کا احساس مہروز نے دلایا ہے۔ بلکہ اس لیے کہ مجھے بہت غلط وقت میں پتا لگا کہ تمہاری اور بے بے کی جدائی میری انا کی وجہ سے تھی۔ مجھے غیرت دیکھانے کی جگہ اچھا اور ذمہ دار بھائی بن کر دکھانا چاہیے تھا۔ ذمہ دار بھائی بہنوں کو اکیلا نہیں چھوڑتے۔ میں مہروز کی وجہ سے مجبور ہو گیا تھا، فرح۔ وہ لوگ مجھ سے مہروز چھیننے کی بات کر رہے تھے۔ میں بیلنس نہیں رکھ سکا۔" ان کے آنسوان کی ہتھیلیوں میں گرنے لگے۔

فرح ہونٹ آپس میں پیوست کیے اپنے بھائی کی پشت دیکھ رہی تھی جو اپنے گلٹ کا اظہار کر رہے تھے۔

"میری بھی غلطی ہے۔ میں خود تو یہاں سے چلی گئی اور آپ لوگوں کو قرض دار کر گئی۔ میرے قرض کی وجہ سے آپ اچھا گھر نہیں بنا سکے۔" فرح مگ کے ہینڈل پر انگلی پھیرنے لگی "اگر آپ اور میں ہم دونوں ہی مہروز کی بھلائی چاہتے ہیں تو آپ مجھے ایک کام کرنے سے بالکل نہیں روکے گے۔"

"کونسا کام؟"

"قرض مجھے ادا کرنے دیجیے۔ میں نے اس پیسے کا مقبرہ نہیں بنانا اگر میرے اپنے تکلیف میں ہو۔ آپ کو مہروز کی قسم آپ انکار نہیں کرینگے۔"

جرار نے آنکھیں میچتے ہوئے ہار مان لی تھی "قسم اتنی بڑی دی ہے میں انکار نہیں کر سکتا۔"

فرح گیلی آنکھوں کے ساتھ کھل کر ہنس دی تھی۔ یہ فاصلہ انیس سال پہلے پیدا ہوا تھا اب سمٹنے میں وقت تو لگنا تھا۔

❀❀❀

نو سال بعد۔۔۔

کہتے ہیں انسان کے پاس اگر ہنر ہو تو وہ بھوکا نہیں سو سکتا۔

وہ کتنی بار آدم کے ساتھ ترکی سے نفرت کا اظہار کر چکا تھا۔ یہ اس کے باپ کا پیدائشی ملک تھا اور اس ملک سے اسے نفرت تھی۔ یہ وہ آخری جگہ ہوتی جہاں آدم اسے ڈھونڈنے آتا۔ اتنے سال بہروپ میں گزارنے کے بعد ایک گم ہو جانے والے بہروپیے کو ڈھونڈنا مشکل ہوتا ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وہ ازمیر میں ایک چھوٹی سی سیکیورٹی کمپنی میں کام کرتا تھا۔اس کے سیکیورٹی لاکس کی بڑی مانگ ہوتی تھی۔اس کے گھنگریالے بال گردن تک لمبے ہو چکے تھے جس کی وہ ہر وقت پونی بنائے رکھتا تھا۔اس کے بائیں ابرو پر کٹ کا نشان ہمہ وقت رہتا تھا۔اس کا رنگ اتنے سال کی محنت کے بعد اب پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔اس کے ہاتھ کھردرے سے ہو چکے تھے۔اس کا یہی معمول ہوتا تھا وہ صبح ہی صبح کمپنی آجاتا تھا اور رات دیر تک اسی کمپنی میں رہتا تھا۔

وہ اس کمپنی کے قریب ایک چھوٹے سے محلے میں ایک کمرے والے اپارٹمنٹ میں رہتا تھا۔اس پورے محلے کے بچوں کی فیس اس کی تنخواہ سے جاتی تھی۔محلے کی بڑی بوڑھی خواتین اس کے کپڑوں کا اہتمام کرتی تھی ورنہ اسے یاد بھی نہیں کہ آخری دفعہ اس نے نئی شرٹ کب لی تھی؟اس نے اب تک اپنی تنخواہ سے اپنے لیے کچھ لگژری شے نہیں لی تھی۔اسے اب لگژری چیزوں کی پرواہ بھی نہیں تھی۔

اس رات کے بعد سے اسے نیند کی گولیوں کے بغیر نیند نہیں آتی تھی۔آدم سے دور جانے کے باوجود وہ وہیں اس کے آس پاس تھا۔وہ جانتا تھا کہ جیسے اس کا اپنا دل مضطرب تھا ایسے ہی آدم کا دل بھی بے چین ہوگا۔اس کے اور آدم کے بیچ رشتہ بہت انوکھا تھا۔اسے آدم ہر شے

سے عزیز تھا۔اسے اب بھی اگر کسی کی کمی محسوس ہوتی تھی یا وہ ایک شخص جس سے وہ ایک بار دوبارہ ضرور ملنا چاہتا ہے تو وہ آدم تھا۔

وہ مہروز کو یاد نہ کرنے میں کافی حد تک کامیاب ہوا تھا۔یاد 'رکھنے' اور 'کرنے' میں فرق ہوتا ہے۔رکھا اسے جاتا جس کو بھولانے کا خدشہ ہو اور یاد اسے کیا جاتا ہے جو ہمہ وقت آپ کی سوچ کا حصہ ہو۔مہروز اس کی زندگی میں،اس کے دل میں بسنے والی پہلی عورت تھی اور خالی دل میں محبت کا جذبہ پہلی دفعہ جگانے والے کو انسان کبھی نہیں بھولتا۔

وہ بھی نہیں بھولا تھا۔

اسے لگا تھا کہ آدم اور مہروز کو چھوڑ دینے پر صرف اس کی زندگی میں خلا پڑا تھا پر وہ یہ سوچنے سے قاصر تھا کہ ایسا ہی خلا وہ ان دونوں کی زندگیوں میں بھی چھوڑ گیا تھا۔اور زندگیوں میں خلا تو انہیں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جن کی آپ کی زندگی میں بہت اہمیت ہو۔

❀❀❀

لاہور کے وسط میں یہ دو منزلہ عمارت کھڑی تھی جس کے اوپر بڑا بڑا Skilities کندہ تھا۔

یہ اس کمپنی کی پہلی اینورسری تھی۔پوری عمارت کو خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔اسکلٹیز کی چھت پر بڑا سا اسٹیج لگایا گیا تھا۔پورے چھت کو موتیے کے پھول اور مختلف پودوں سے سجایا گیا تھا۔اسٹیج کے پیچھے لگے ایل ای ڈی پر اس کمپنی کے سی ای اوز کی تصویریں چل رہی تھیں۔

ہوسٹ چند رسمی جملے کہنے کے بعد گلہ کھنکھارہا تھا۔

"یقیناً آپ اس کمپنی کے لاہور برانچ کے ہیڈ کی باتیں سننا چاہتے ہونگے اس لیے میں مزید وقت نہیں لونگا۔آپ کی بھرپور تالیوں میں۔۔۔ڈاکٹر مہروز جرار۔"

تالیوں نے ایک سما باندھ دیا تھا۔

جرار سب سے پہلی رو میں بیٹھے ہوئے تھے۔وہ انگوٹھے سے گیلی آنکھیں خشک کرتے تالیاں بجانے لگے۔ان کے ہونٹوں سے مسکراہٹ جیسے چپک سی گئی تھی۔ان کے برابر میں سلور ڈائی ہیئر والی فرح اور ان کے برابر میں انسانوں جیسے بال والا آدم بیٹھا ہوا تھا۔

مہروز سلور پاؤں تک گاؤن پہنے، سر پر ڈوپٹہ لیے روسٹرم کے پیچھے کھڑی ہو گئی تھی۔اس کے بال جوڑے میں قید تھے۔کیمرہ فلیشز اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔چھتیس سال کی مہروز کی آنکھوں کے سامنے اپنی زندگی ایک فلم کی طرح گزری تھی۔پچھلے نو سال نے اس

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

کی زندگی بدل ڈالی تھی۔ وہ برطانیہ سے لٹریچر میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے چکی تھی۔ پانچ سال پہلے اس کی بے بے اور ایک سال پہلے اس کی ماں کا انتقال ہو چکا تھا۔ وہ جرمنی سے اسکلیٹیز کا پراجیکٹ پاکستان لانے میں کامیاب ہوئی تھی۔ اس کا ماننا تھا، اگر آپ کے میز پر انواع واقسام کے کھانے کے بجائے ایک پلیٹ دال بھی پڑی ہے اور وہ آپ کی اپنی قلیل آمدنی کی ہے تو اس کھانے سے بہتر ہے جو مانگ کر کھائی جائے۔ وہ بغیر رجسٹریشن فیس لیے پاسکتانی بچوں کو ہنر سکھا رہی تھی۔ انہیں اسی کمپنی میں جاب کے مواقع فراہم کر رہی تھی۔ خوشی سے اس کے ناک کے نتھنے پھول رہے تھے۔ اسے کرسیوں پر بیٹھے لوگوں میں اپنی ماں اور بے بے نظر آئی جو اس کی کامیابی پر مسکرا رہی تھیں۔ مہروز کی آنکھیں گیلی ہونا شروع ہوئی۔ احساس کمتری میں جینے والی لڑکی نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ ایک فلاحی پراجیکٹ کی ہیڈ ہوگی۔ اوور تھنکنگ۔ وہ بھی اوور تھنکنگ کی شکار لڑکی تھی جسے اپنا مستقبل تاریک نظر آتا تھا۔ سچ کہتے ہیں مستقبل میں کون کہاں اور کیسا ہو کچھ پتا نہیں ہوتا۔

"میں نے سوچا تھا کہ میں یہ بات کروں گی وہ بات کروں گی لیکن یہاں کھڑے ہو کر میں سب بھول گئی ہوں۔ میرے خیال میں یہاں اسپیچ دینے کی بہ نسبت اسکالرز کے سامنے ریسرچ پیپر present کرنا زیادہ آسان ہے میرے لیے۔" مہروز ہلکا سا مسکرائی تھی۔

کھلا چھت مدھم قہقہوں کے ساتھ گونج اٹھا تھا۔

"میں یہاں صرف اپنے ماں باپ اور بے بے کی دعاؤں کی وجہ سے ہوں۔ میں یہاں صرف اس لیے ہوں کہ میرے گھر والوں نے مجھے اسپورٹ کیا اور یہ حقیقت ہے کہ جن بچوں کے والدین انہیں اسپورٹ نہیں کرتے انہیں کیریئر بنانے میں بہت مشکلات کا سامنا رہتا ہے۔ وہ ایک بات پر فوکس نہیں کر پاتے، بس وہ ہمہ وقت خوف کا شکار رہتے ہیں۔ میری مورے مجھ سے کہا کرتی تھی کہ تمہاری ہر بات اپنے باپ سے شروع ہو کر انہیں پر ختم ہوتی ہے، بس تمہیں انہیں سے محبت ہے۔"

جرار نے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے اپنی گیلی ناک کو صاف کیا تھا۔

"مجھے ان سے عقیدت ہے۔ بہت کم والدین ہوتے ہیں جو یوں اکیلے اپنی بیٹیوں کو باہر پڑھنے بھیجتے ہیں۔ ان کے فیصلوں کا احترام کرتے ہیں۔ میرے باپ نے مجھ پر یقین کیا اور میں ہمیشہ ان کی احسان مندر ہو گی۔ انہیں مجھے بھیجتے وقت کوئی خوف نہیں تھا جیسے والدین کو بیٹیوں کے لیے ہوتے ہیں۔ انہوں نے مجھے عزت سنبھالنے اور کسی غلط کام میں نہ پڑنے پر کوئی لیکچرز نہیں دیے۔ تو مجھے اپنے باپ سے محبت نہیں ہو گی؟ ان کا اعتماد بلکہ کہیے اندھا اعتماد میں

توڑ ہی نہیں سکتی تھی۔ جب آپ اپنی بیٹیوں کو ڈراتے ہیں کہ دنیا ظالم ہے تمہیں کچھ نہیں پتا تو آپ اسے لڑنا سکھائیے نا۔ اسے لڑنا بھی نہیں سکھائیے گے اور ڈراتے بھی رہے گے کہ دنیا ظالم ہے۔" مہروز نے رک کر گہرا سانس لیا تھا۔

"میں ایسی لڑکیوں کے لیے ایک اچھی مثال بننا چاہتی تھی جو challenged ہو۔ میں نے نقص کا لفظ نہیں استعمال کیا۔ اللہ کی مخلوق میں نقص ہو ہی نہیں سکتا۔ لوگوں میں نقص، ہمیں نظر آتا ہے اسے نہیں۔ میں نے چیلنجڈ کے ساتھ فیزیکل کا لفظ بھی نہیں استعمال کیا کیونکہ ہمارے معاشرے میں ہر وہ انسان چیلنجڈ ہے جسے اللہ نے مختلف پیدا کیا۔ کوئی میری طرح برص جیسے چیلنج کا شکار ہو گا، کسی کی آنکھیں بھینگی ہو نگی، کوئی چل نہیں سکتا ہو گا، کسی کی زبان میں لکنت ہو گی۔ تو یہ چیلنجز ہوئے نا۔ پھر بھی ان سب چیلنجز کے ساتھ اللہ نے ہمیں دماغ دیا ہے۔ ہر کام کی شروعات دماغ سے ہوتی ہے۔ آپ کا دماغ صحت مند ہے تو آپ کوئی بھی کام کر سکتے ہیں۔ اسی لیے میری کمپنی میں کوئی کرائی ٹیریا نہیں رکھا گیا۔ یہاں ہر انسان کام کرنے آسکتا ہے۔ آپ کو اپنے اوپر یقین رکھنا ہے۔ اور۔۔۔"

مہروز نے گہرا سانس لینے کے لیے وقفہ لیا تھا۔

"جب پڑھے لکھے نوجوان باہر پڑھنے جاتے ہیں، وہاں سے کچھ کماتے ہیں اور بزنس کا سوچتے ہیں تو انہیں بزنس یہاں پاکستان میں شروع کرنا چاہیے۔ اپنے پاکستان کی خدمت کی جگہ آپ باہر ملک کو فائدہ پہنچاتے ہیں جب آپ وہاں کے لوگوں کو روزگار دینا شروع کر دیتے ہیں۔ یہاں unemployment اور exploitation بہت ہے۔ اگر آپ کو اللہ نے دیا ہے تو پھر یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ ان لوگوں کی مدد کریں بلکہ ہاتھ سے پکڑ کر انہیں آگے لائے اور بیروزگاری اور مایوسی کی لہر کو ختم کرے۔ اسے ایسا سمجھیں، جب حضرت ابراہیمؑ کے لیے آگ لگائی گئی تھی تب چھوٹی چھوٹی چڑیا اپنے چھوٹے چونچ میں پانی بھر بھر کر اس آگ کو بجھانے کی کوشش کرہیں تھیں۔ ہمیں بھی ان چڑیوں کی مثال کو فالو کرنا چاہیے۔ ہم ایک دم سے نہیں پر آہستہ آہستہ اس بیروزگاری کی آگ کو بجھانے میں ضرور کامیاب ہو جائے گے اگر پڑھے لکھے نوجوان باہر انویسٹ کرنے کے بجائے پاکستان میں انویسٹ کرنے کا سوچیں۔ میں مسٹر آدم کا بھی شکریہ کروگی جنہوں نے اس پراجیکٹ کو پاکستان لانے میں میری مدد کی۔ شکریہ۔"

آدم نے مسکرا کر سر کو خم دیتے ہوئے مہروز کے لیے تالیاں بجانا شروع کیں۔

مہروز تالیوں کی گونج میں روسٹرم سے پیچھے ہٹی تھی۔

"اس کے دادا کو آج زندہ ہونا چاہیے تھا۔" فرح نے رندھے ہوئے لہجے میں کہتے ہوئے جرار کو دیکھا تھا۔

لوگ بہت دیر تک تالیاں بجاتے رہے۔

جرار بچوں کی طرح ہونٹ سکیڑے بامشکل آنسو روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"تھینک یو۔" فرح نے کہتے ہوئے اپنے بھائی کا کندھا تھپکا تھا۔

"کیوں؟" جرار نے بھرائے ہوئے لہجے میں پوچھا تھا۔

"For raising your daughter so well."

جرار نے مسکرا کر سر ہلایا تھا۔

یہاں پر آنے والا ہر شخص خوشی محسوس کر رہا تھا کیونکہ اس پارٹی میں شرکت کرنے والے اس ملک کے بڑے بڑے بزنس ٹائیکونز نہیں تھے، صرف یہاں کے ورکرز اور ان کے

والدین تھے۔انہیں اپنے بچے میں ایک امید نظر آرہی تھی۔اگر پاکستان میں جوانوں کا ہاتھ تھام لیا جائے تو واقعی کچھ امید ہے۔

❀❀❀

لاہور کا موسم خنک ہو چکا تھا۔اسموگ کا راج بھی بڑھنے لگا تھا۔

آج اسکلیٹیز پورے لاہور میں پودے لگانے کے مہم پر لگے ہوئے تھے،کچھ جوان لڑکے لڑکیاں اسکلیٹیز کی شرٹ پہنے شہر کے مختلف سگنلز پر کھڑے چھوٹے چھوٹے پاٹس میں پودہ پکڑے ہر رکنے والی گاڑی کو مسکرا کر پیش کرتے تھے۔

مہروز کمر سے نیچے آتے بالوں کی پونی بنائے،ہاتھوں میں گلوز اور اسکلیٹیز کی شرٹ پہنے باغ میں پائنچے اوپر کیے مٹی نرم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"بس ہو گیا۔"اس نے اپنے بائیں طرف بیٹھنے والے آدم کی طرف سر موڑا تھا۔

دھوپ کی باعث اس کی شہد رنگ آنکھیں کچھ اور چمکی تھی۔اس کے بالوں کا رنگ بھی کالا ہو چکا تھا۔اذہان کے جانے کے بعد وہ بہت سو بر ہو چکا تھا۔وہ اب کم ہی ہنسا کرتا تھا۔وہ اب پہلے جیسا بہت زیادہ بولتا بھی نہیں تھا۔

"فلائٹ کب ہے تمہاری؟" مہروز ہاتھ جھاڑتے ہوئے مٹی پر ہی بیٹھ گئی تھی۔

"پرسوں رات کی کنفرم ہوئی ہے۔" وہ گھٹنوں کے گرد دونوں بازو باندھتا بیٹھ گیا تھا۔

مہروز سر ہلا کر سامنے نظر آتے لڑکوں کو دیکھ رہی تھی جو ٹورسٹس کو روکے انہیں پودے دے رہے تھے۔

آدم نے گردن موڑ کر مہروز کے چہرے کے بائیں رخ کو دیکھا تھا۔ مہروز اس سے دو قدم آگے بیٹھی ہوئی تھی۔

آدم کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔ وہ بہت سالوں سے بہت کچھ دل میں دبا کر بیٹھا ہوا تھا۔ کبھی کبھی اسے لگتا تھا یہ دبا غبار اسے نگل جائے گا۔ اب تو وہ بھی اس کی زندگی میں نہیں رہا تھا جس کے سامنے وہ کھل جایا کرتا تھا اور وہ اسے گھنٹوں بنا کچھ کہے سنتا رہتا تھا۔ چھپا رستم تو وہ تھا تو جو ہمیشہ سے خاموش رہتا تھا اور خاموشی سے ہی اس کی زندگی سے غائب بھی ہو گیا تھا۔

"خان بابا بہت تعریف کرتے ہیں تمہاری۔بہت متاثر ہیں تم سے۔شکر ہے تم نے بولنا کم کیا ہے ورنہ وہ زیادہ بولنے والے لوگوں کو پسند نہیں کرتے۔"مہروز نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

مہروز کی بات پر آدم کی محویت ٹوٹی تھی۔وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔

"خان بابا تو ہو گئے متاثر مگر کیا ان کی بیٹی بھی متاثر ہوئی ہے؟"

مہروز اس کے یک دم سوال کرنے پر بوکھلا گئی تھی۔اس کی کان کی لوئیں سرخ ہونا شروع ہو گئی تھی۔تو بالآخر وہ دل کی بات زبان پر لے آیا تھا۔

مہروز کی ہاتھوں کی ہتھیلیاں پسینے سے گیلی ہونا شروع ہو گئی تھی پر وہ بت کی طرح چہرہ موڑے بغیر بیٹھی رہی۔وہ آج بھی آدم کی شہد رنگ آنکھوں میں براہ راست نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"مہروز تم نے اس کا نو سال انتظار کیا ہے اور وہ نہیں آیا۔میں نے اسے بہت ڈھونڈا ہے پر وہ خبیث بہروپ بدلنے کا ماہر ہے۔اس سے اچھی False Identity کوئی بنا نہیں سکتا۔میں تمہارے جذبات کی قدر کرتا ہوں۔"مہروز کا دل ڈوبا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

تو وہ نو سال اس شخص کا انتظار کرتی رہی جس کے ساتھ اس کی ملاقاتیں ہی کم ہوئی تھی؟ کیا اس کی شخصیت اتنی پرکشش تھی کہ وہ اب بھی اس کے آس پاس کہیں موجود نظر آتا تھا۔

"میں اب تک خاموش رہا پر میں نے سوچا تم سے ایک بار کہہ دو۔ فیصلہ تمہارا ہو گا مگر میں دل میں کوئی ریگریٹ بھی نہیں رکھنا چاہتا۔" وہ مہروز کے بائیں رخ کو دیکھ رہا تھا۔

اس نے پلان نہیں کیا تھا کہ وہ آج سب کہہ دے گا پر وہ اپنے اندر دبے جذبات کو مزید دبا بھی نہیں پا رہا تھا۔

"مجھے تمہارے ساتھ کی ضرورت ہے۔"

مہروز نے گردن موڑ کر گیلی آنکھوں کے ساتھ آدم کو دیکھا تھا جس کی آنکھوں میں آس تھی۔ وہ پچھلے نو سال سے اس کے ساتھ تھا۔ اس نے آدم کی بدلتی شخصیت دیکھی تھی۔ اس نے آدم کے ہر اسٹیپ پر اپنے لیے عزت ہی محسوس کی تھی۔ وہ اس شخص سے شاید کبھی محبت نا کر پاتی مگر وہ اس کی عزت ضرور کرتی تھی۔

وہ ہونٹ چباتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں نے یہاں کمپنی کھول لی ہے اب۔ میں بار بار جرمنی نہیں آ سکو گی۔"

"تمہیں لگتا ہے اتنے بڑے پراجیکٹ میں تمہاری مدد کرنے کے بعد میں تم سے یہ کہوں گا کہ اس کمپنی کو چھوڑ دو۔" وہ استہزایہ سر جھٹکتا ہنسا تھا "مجھے وہ مرد اچھے لگتے ہیں جو خواتین کی career progression میں اس کی مدد کرتے ہیں۔ وہ مرد بھی کبھی گرو نہیں کر پاتے جو خواتین کو روکتے ہیں تو میں کیسے روک سکتا ہوں تمہیں؟ کوئی اور اچھا بہانہ سوچ لو۔" آدم نے جو گرز سے مٹی ہلکی ہلکی بکھیرنی شروع کی۔

مہروز اس کے چہرے پر چھا جانے والی مایوسی صاف دیکھ رہی تھی۔ اس کے ابرو تن گئے تھے جیسے ایک بار پھر اس کا دل توڑا گیا ہو۔

"میں نے انکار تو نہیں کیا۔" مہروز ہلکا سا مسکرائی تھی۔

وہ گیلی آنکھوں کے ساتھ مسکراتی اسے اور اچھی لگی تھی۔

آدم کا پیر رکا تھا "مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں نے تمہارے پروپوزل کو انکار نہیں کیا۔ تم خان بابا کو پسند بھی ہو اور خان بابا کی پسند تو کبھی غلط ہی نہیں ہو سکتی۔ اگر ایک شخص نے پورے نو سال میرا انتظار کیا ہے تو

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

میں مزید اس کو نو سال انتظار نہیں کروا سکتی۔اگلے نو سال بعد تو میرے بال بھی جھڑنا شروع ہو جائے گے اور چہرے پر جھریاں بھی آجائے گی۔تم بھی شاید مر جاؤ گے۔"

وہ اسے چھیڑتے ہوئے اٹھنے لگی۔

"میں کیوں مرونگا؟"آدم نے احتجاج کرتے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"ابھی کیا عمر ہے؟ اُمم۔۔۔"وہ انگلیوں پر حساب لگانے لگی"39 سال۔اوہ گاڈ۔اگلے نو سال بعد ذرا اپنی عمر کا حساب لگاؤ پھر۔"مہروز کی آنکھوں سے شرارت جھلک رہی تھی۔

وہ اپنی قمیض سے چپکی مٹی جھاڑ رہی تھی کہ آدم نے اس کا بایاں ہاتھ پکڑا تھا۔

"تم اگلے نو سال بھی انتظار کرواؤ تو میں بخوشی انتظار کر لونگا۔"

مہروز نے اپنی کلائی پر آدم کا ہاتھ دیکھا تھا۔اس نے نرمی سے اس کی کلائی پکڑی تھی۔

مہروز نے جھینپتے ہوئے اپنی کلائی اس کے ہاتھ سے چھڑائی تھی اور پلٹ کر آہستہ قدموں کے ساتھ اینٹوں پر پیر رکھنے لگی۔آدم اس کی تقلید میں ایک قدم کا فاصلہ رکھے اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

وہ اب اس سے ایک قدم پیچھے ہی رہنا چاہتا تھا تاکہ وہ اسے دیکھتا رہے اور وہ کبھی اس کی آنکھوں سے اوجھل نا ہو۔

●●●

ختم شد

Clubb of Quality Content!

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

Clubb of Quality Content!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842